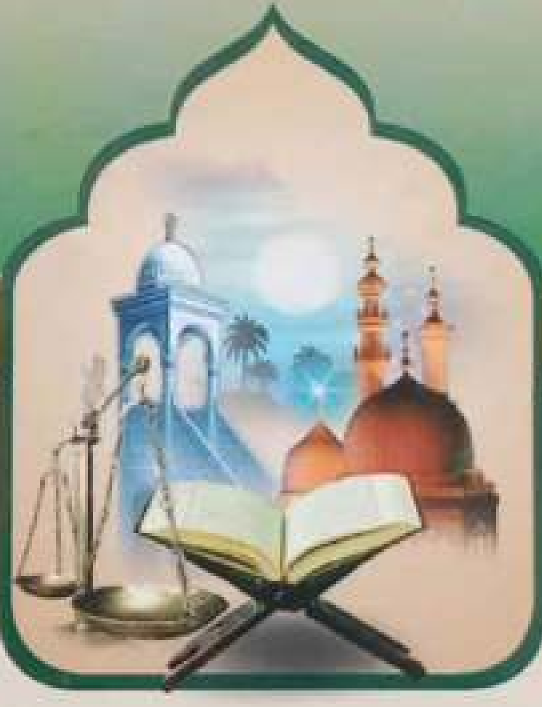
جدید اضافہ و تخریج شدہ ایڈیشن

اسلام کا نظامِ امن

اسلام میں امن و امان کی اہمیت، دینی حکومت کا امتیاز، خلفائے راشدینؓ کے انصاف کا اثر
دشمنوں سے حسنِ سلوک، فتنہ و فساد کی روک تھام، عہد و پیمان کی عظمت، اخوت و مساوات
عدل و انصاف، جان و مال اور عزتِ نفس کے تحفظ پر ایک محققانہ کتاب



تالیف
مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی ندوی رحمۃ اللہ علیہ
(مرتب فتاویٰ دار العلوم دیوبند، انڈیا)

ترتیب جدید، تبویب، تخریج و تحقیق
مولانا محمد نعمان صاحب
استاذ الحدیث جامعہ انوار العلوم مہران ٹاؤن، کورنگی کراچی

ادارۃ المعارف کراچی

جدید تصحیح و ترمیم شدہ ایڈیشن

اسلام کا نظامِ امن

اسلام میں امن و امان کی اہمیت، دینی حکومت کا امتیاز، خلفائے راشدین کے انصاف کا اثر، دشمنوں سے حسنِ سلوک، فتنہ و فساد کی روک تھام، عہد و پیمان کی عظمت، اخوت و مساوات، عدل و انصاف، جان و مال اور عزتِ نفس کے تحفظ پر ایک محققانہ کتاب

تالیف

مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

(مرتبِ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، انڈیا)

ترتیب جدید، تبویب، تخریج و تحقیق

مولانا محمد نعمان صاحب

استاذ الحدیث جامعہ انوار العلوم، مہران ٹاؤن، کورنگی کراچی

ادارۃ المعارف کراچی ۱۴

باہتمام : محمد مُشتاق سنّی

طبع جدید : ربیع الاول ۱۴۳۹ھ - دسمبر ۲۰۱۷ء

مطبع : شمس پرنٹنگ پریس کراچی

ناشر : اِدارۃ المعارف کراچی ۱۴

ملنے کے پتے:

اِدارۃ المعارف کراچی ۱۴

احاطہ جامعہ دار العلوم کراچی، کورنگی انڈسٹریل ایریا، کراچی

فون: 021-35032020 ، 021-35123161

موبائل: 0300 - 2831960

ای میل: imaarif@live.com

- مکتبہ معارف القرآن کراچی ۱۴
- دار الاشاعت، اُردو بازار، کراچی
- ادارہ اسلامیات، انار کلی، لاہور
- بیت الکتب، گلشن اقبال، کراچی
- مکتبۃ القرآن، بنوری ٹاؤن، کراچی

فہرستِ مضامین

صفحہ نمبر	عنوان

امن وامان اورعدل ومساوات کی پامالی اسلام سے پہلے

امن وامان اور عدل ومساوات عہد اسلام میں

صفحہ نمبر	عنوان

صفحہ نمبر	عنوان

صفحہ نمبر	عنوان

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عملی زندگی

حکمران طبقہ اسلام کی نظر میں

صفحہ نمبر	عنوان

عدل و مساوات اسلام میں

عنوان	صفحہ نمبر

جنگ اور انتقام اسلام میں

عنوان	صفحہ نمبر

مذہبی آزادی اسلام میں

غیر مسلم اسلام کی نظر میں

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

عالمگیر اخوت و محبت اسلام میں

عنوان	صفحہ نمبر

حفاظتِ جان اور اس کی قدر و قیمت اسلام میں

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

قتل کی سزا اسلام میں

قتلِ خطا اور اس کی روک تھام

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

قسامت

فتنہ وفساد اور رہزنی اسلام کی نظر میں

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

صفحہ نمبر	عنوان

مال کی حفاظت اسلام میں

عنوان	صفحہ نمبر

صفحہ نمبر	عنوان

عفت وعصمت اور انساب کی حفاظت اسلام میں

عقل کی حفاظت اسلام میں

عنوان	صفحہ نمبر

صفحہ نمبر	عنوان

تعزیر اسلام میں

✻✻✻

تقدیم الکتاب

اسلام سے قبل دُنیا اندھیرے میں تھی، ہر طرف ظلم وجور کا دور دورہ تھا، امن وامان نام کی کوئی چیز موجود نہ تھی، کبھی رنگ ونسل کے نام پر، کبھی زبان وتہذیب کے عنوان سے اور کبھی وطنیت وقومیت کی آڑ میں انسانیت کو مختلف ٹکڑوں میں بانٹ دیا گیا تھا، اوران ٹکڑوں کو باہم اس طرح ٹکرایا گیا تھا کہ انسانیت چیخ پڑی تھی۔ اُس وقت کی تاریخ کا آپ مطالعہ کریں گے تو اندازہ ہوگا کہ پوری دُنیا بدامنی وبے چینی سے لبریز تھی، وہ پسماندہ علاقہ ہو یا ترقی یافتہ اور مہذب دُنیا، رُوم وافرنگ ہو یا ایران وہندوستان، عجم کا لالہ زار ہو یا عرب کے صحراء وریگزار، ساری دُنیا اس آگ کی لپیٹ میں تھی۔ اسلام سے قبل بہت سے مذہبی پیشواؤں اور نظامِ اخلاق کے علمبرداروں نے اپنے اپنے طور پر امن ومحبت کے گیت گائے، اور اپنے اخلاقی مواعظ وخطبات سے اس آگ کو سرد کرنے کی کوشش کی، جس کے خوشگوار نتائج بھی سامنے آئے، مگر اس عالمی آتش فشاں کو پوری طرح ٹھنڈا نہیں کیا جاسکا۔ اسلام نے پہلی بار دُنیا کو امن ومحبت کا باقاعدہ درس دیا اور اس کے سامنے ایک پائیدار ضابطۂ اخلاق پیش کیا جس کا نام ہی ''اسلام'' رکھا گیا، یعنی دائمی امن وسکون اور لازوال سلامتی کا مذہب، یہ اِمتیاز دُنیا کے کسی مذہب کو حاصل نہیں۔ اسلام نے مضبوط بنیادوں پر امن وسکون کے ایک نئے باب کا آغاز کیا اور پوری علمی واخلاقی قوت اور فکری بلندی کے ساتھ اس کو وسعت دینے کی کوشش کی، آج دُنیا میں امن وامان کا جو رُجحان پایا جاتا ہے یہ اسلامی تعلیمات کے مرہونِ منت ہے۔

جس معاشرے کا شیرازۂ امن بکھرتا ہے، اس کی پہلی زد انسانی جان پر پڑتی ہے،

اسلام سے قبل انسانی جانوں کی کوئی قیمت نہ تھی، مگر اسلام نے انسانی جان کو وہ عظمت واحترام بخشا کہ ایک انسان کے قتل کو ساری انسانیت کا قتل قرار دیا۔ قرآنِ کریم میں ہے:

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَ مَنْ اَحْیَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ (المائدۃ: ۳۲)

ترجمہ: اسی لئے ہم نے بنی اسرائیل کے لئے یہ حکم جاری کیا کہ جو شخص کسی انسانی جان کو بغیر کسی جان کے بدلے یا زمین فساد برپا کرنے کے علاوہ کسی اور سبب سے قتل کرے، اس نے گویا ساری انسانیت کا قتل کیا، اور جس نے کسی انسانی جان کی عظمت واحترام کو پہچانا اس نے گویا پوری انسانیت کو نئی زندگی بخشی۔

انسانی جان کا ایسا عالمگیر اور وسیع تصور اسلام سے قبل کسی مذہب وتحریک نے پیش نہیں کیا تھا۔

اسی آفاقی تصور کی بنیاد پر قرآن اہلِ ایمان کو امن کا سب سے زیادہ مستحق اور علمبردار قرار دیتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۘ﴿۸۱﴾ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ یَلْبِسُوْۤا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓىِٕكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۸۲﴾ (الانعام)

ترجمہ: دونوں فریقوں (مسلم اور غیر مسلم) میں امن کا کون زیادہ حق دار ہے، اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ، جو لوگ صاحبِ ایمان ہیں اور جنہوں نے اپنے ایمان کو ظلم وشرک کی ہر ملاوٹ سے پاک رکھا ہے امن انہی لوگوں کے لئے ہے اور وہی حق پر بھی ہیں۔

اسلام قتل وخونریزی کے علاوہ فتنہ انگیزی، دہشت گردی اور جھوٹی افواہوں کی گرم بازاری کو بھی سخت ناپسند کرتا ہے وہ اس کو ایک جارحانہ اور وحشیانہ عمل قرار دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا (الأعراف: ٥٦)

ترجمہ: اصلاح کے بعد زمین میں فساد برپا مت کرو۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٧٧﴾ (القصص)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ فسادیوں کو پسند نہیں کرتے۔

اس مضمون کی متعدد آیات قرآنِ کریم میں موجود ہیں۔

امن ایک بہت بڑی نعمت ہے، قرآنِ کریم نے اس کو عطیۂ الٰہی کے طور پر ذکر کیا ہے:

فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ﴿٣﴾ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ﴿٤﴾ (القريش)

ترجمہ: اہلِ قریش کو اس گھر کے رب کی عبادت کرنی چاہئے جس رب نے انہیں بھوک سے بچایا، کھانا کھلایا اور خوف وہراس سے امن دیا۔

احادیث میں بھی امن وامان برقرار رکھنے کے سلسلے میں متعدد ہدایات موجود ہیں، مثلاً:

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صاحبِ ایمان کی علامت یہ قرار دی ہے کہ اس سے کسی انسان کو بلاوجہ تکلیف نہ پہنچے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ، وَالْمُؤْمِنُ مَنْ اَمِنَهُ النَّاسُ عَلٰى دِمَائِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ. (۱)

ترجمہ: مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہے، اور مؤمن وہ ہے جس سے لوگوں کے جان ومال کو کوئی خطرہ نہ ہو۔

ایک اور موقع پر ظلم وستم سے بچنے کی تاکید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

(۱) سنن الترمذي: أبواب الإيمان، باب ما جاء في أن المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده، ج۵ ص۱۷، رقم الحديث: ۲۶۲۷

اِتَّقُوا الظُّلْمَ فَإِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (۱)

ترجمہ: ظلم سے بچو اس لئے کہ ظلم قیامت کی بدترین تاریکیوں کا ایک حصہ ہے۔

حضرت جریر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مَنْ لَا يَرْحَمُ النَّاسَ. (۲)

ترجمہ: اللہ اس شخص پر رحم نہیں کرتا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔

نیز اہلِ معاہدہ اور کمزوروں پر ظلم کی نکیر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:

أَلَا مَنْ ظَلَمَ مُعَاهِدًا أَوِ انْتَقَصَهُ أَوْ كَلَّفَهُ فَوْقَ طَاقَتِهِ أَوْ أَخَذَ مِنْهُ شَيْئًا بِغَيْرِ طِيبِ نَفْسٍ، فَأَنَا حَجِيجُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (۳)

ترجمہ: خبردار! جو کسی معاہد پر کوئی ظلم کرے گا، یا اس کے حقوق میں کمی کرے گا، یا طاقت سے زیادہ اس پر بوجھ ڈالے گا، یا اس کی مرضی کے بغیر اس سے کوئی چیز حاصل کرے گا تو قیامت کے دن میں خود اس کے خلاف دعوی پیش کروں گا۔

اسی طرح ایک اور موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ قَتَلَ مُعَاهَدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ. (۴)

ترجمہ: جس نے کسی معاہد (ذمی غیر مسلم) کو قتل کیا وہ جنت کی خوشبو سے بھی محروم رہے گا۔

---

(۱) صحیح مسلم: کتاب البر والصلة والآداب، باب تحریم الظلم، ج۴ ص۱۹۹۶، رقم الحدیث:۲۵۷۸

(۲) صحیح البخاری: کتاب التوحید، باب قول اللّٰه تبارك وتعالیٰ: قل ادعو اللّٰه أو الرحمن...... الخ، ج۹ ص۱۱۵، رقم الحدیث:۷۳۷۶

(۳) سنن أبی داود: کتاب الخراج والإمارة والفیء باب فی تعشیر أهل الذمة إذا اختلفوا بالتجارات، ج۳ ص۱۷۰، رقم الحدیث:۳۰۵۲

(۴) سنن ابن ماجه: کتاب الدیات، باب من قتل معاهدا، ج۲ ص۸۹۵، رقم الحدیث:۲۶۸۶

اسی طرح کی متعدد روایات کتبِ احادیث میں موجود ہیں جن میں ظلم و جبر سے بچنے، پُر امن زندگی گذارنے، دوسروں کے حقوق کی ادائیگی، فتنہ و شر انگیزی سے اجتناب اور خیر کی اشاعت، عملِ خیر میں زیادہ سے زیادہ شرکت، رُوئے زمین میں ایک امن پسند خوشگوار اور مثبت ماحول کی تشکیل، عام انسانوں کے ساتھ خواہ وہ کسی بھی مذہب وقوم سے تعلق رکھتا ہو فراخدلی ورواداری کی پُر زور تلقین کی گئی ہے۔

اُمتِ مسلمہ نے ان اخلاقی اور قانونی ہدایات اور عہدِ رسالت کے علمی نمونوں کو ہر دور میں پوری اہمیت دی اور روئے زمین پر ایک پُر امن قوم کی حیثیت سے اپنی پہچان قائم کی۔

مسلمانوں نے اس مقصد کے لئے غیر مسلموں کے ساتھ بھی فراخدلانہ رویہ اختیار کیا، ان کے حقوق وجذبات کی رعایت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور ہر ممکن کوشش کی کہ کسی طرح قیامِ امن کا عمل متاثر نہ ہو، خواہ اس کے لئے ان کو بڑی سے بڑی قربانی ہی کیوں نہ دینی پڑے۔ مسلمانوں کی انہی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں کی صدیوں پرانی تاریخ میں فرقہ وارانہ فسادات اور خونریز ہنگاموں کا دُور دُور تک کوئی نشان نہیں ملتا۔ مسلمانوں کے امن پسند ہونے کی اس سے بڑی شہادت کیا ہو سکتی ہے؟

اسلام سراپا دِینِ امن ہے، اسلام سراپا رحمت ہے، اسلام سراپا سلامتی ہے۔ آج بھی اسلام کی آفاقی تعلیمات پر عمل کیا جائے تو دُنیا امن کا گہوارہ بن سکتی ہے۔ مسلمانوں کی عبادت بھی امن اور سلامتی کی آئینہ دار ہیں، نماز افضل ترین عبادت ہے، یہ انفرادی سطح پر بھی ایک فرد کے پُر جوش اور مخالفانہ جذبات کو اعتدال اور توازن کی راہ دکھا کر اس کے ذہنی دباؤ کو کم کرتی ہے، اجتماعی سطح پر بھی نماز مسلمانوں کے اندر رواداری کے جذبات کو فروغ دیتی ہے، اور دوسرے کے مسائل کو سمجھنے کے لئے پانچ باریقینی مواقع فراہم کرتی ہے، افرادِ معاشرہ ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوتے ہیں اور یوں معاشرہ امن اور سلامتی کا

محافظ بن کر آسودہ لمحوں کو فرد کا مقدر بنا دیتا ہے، نماز کے بعد جو دُعا مانگی جاتی ہے وہ بھی امن اور سلامتی کی خوشبو سے معطر ہے:

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ. (۱)

ترجمہ: اے اللہ! تو سلام (امن والا) ہے اور تیری طرف سے سلامتی ہے، تو برکت والا ہے، اے جلال اور بزرگی والے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (آل عمران: ۱۹)

ترجمہ: بے شک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔

گویا ربِّ کائنات نے بنی نوعِ انسان کے لئے ایک ہی دِین پسند کیا ہے اور وہ اسلام ہے جو سراسر سلامتی، امن اور عافیت کا دِین ہے۔

پیغمبرِ اسلام پیغمبرِ امن ہیں اور ان کا لایا ہوا دِین، دِینِ امن ہے، تو لاریب ان پر نازل ہونے والا آخری اِلہامی صحیفہ قرآنِ مجید فرقانِ حمید بھی کتابِ امن ہے، یہ آسمانی ہدایت کی آخری دستاویز ہے، جس کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے خود لے رکھی ہے، قیامت تک اس میں کوئی لفظی تحریف بھی ممکن نہیں، زیر، زبر کے رَدّوبدل کی بھی کوئی جسارت نہیں کرسکتا، یہ قرآن کا اعجاز ہے، بنی نوعِ انسان کے لئے اس میں رحمت ہی رحمت ہے، سلامتی ہی سلامتی ہے، امن ہی امن ہے اور عافیت ہی عافیت ہے۔ قرآنِ مجید نے رہتی دُنیا تک اولادِ آدم کو امن اور سلامتی کی تعلیمات دیں۔

ایک دن دارالعلوم کراچی کی لائبریری میں حوالہ جات کی تخریج کے دوران راقم کی

---

(۱) صحيح مسلم: كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب استحباب الذكر بعد الصلاة، ج۱ ص۴۱۴، رقم الحديث: ۵۹۱

نگاہ حضرت مولانا محمد ظفیر الدین مفتاحی ندوی رحمہ اللہ کی کتاب "اسلام کا نظامِ امن" پر پڑ گئی، (مصنف رحمہ اللہ کی علمی و تحقیقی شخصیت سے چونکہ بندہ واقف تھا، دار العلوم دیوبند کے فتاویٰ کی ترتیب اور تخریج کا کام بھی آپ نے انجام دیا، فتاویٰ دار العلوم دیوبند جلد اوّل صفحہ ۴۴ تا ۹۷ تقریباً ۵۰ صفحات پر مشتمل ایک مفصل اور مدلل مقدمہ بھی لکھا، جو اہلِ علم کے لئے قابلِ دید ہے۔)

کتاب کی فہرست اور مضامین پر سرسری نگاہ ڈالی تو کتاب کو اپنے موضوع پر جامع پایا، چنانچہ تین دن کے دوران میں نے اس کتاب کا بالاستیعاب مطالعہ کرلیا۔ بندے کے ناقص مطالعے کے مطابق اس موضوع پر اس جیسی کتاب عربی، اُردو لٹریچر میں موجود نہیں ہے، مصنف رحمہ اللہ نے اس کتاب میں ۱۸ مرکزی عنوانات قائم کرکے اس کے ماتحت تفصیلی مباحث قرآن وسنت اور کتبِ فقہ سے نقل کیں، موضوع کی اہمیت اور موجودہ دور میں اس کی ضرورت کے پیشِ نظر راقم نے اس کتاب پر کام کا آغاز کیا۔

تخریج کے دوران کافی محنت کرنی پڑی، اس لئے کہ مصنف رحمہ اللہ نے اکثر جگہ حوالہ دیتے وقت صرف کتاب کا نام لکھا، خصوصاً احادیث کا حوالہ دیتے وقت اصل مآخذ ومراجع کا حوالہ بہت کم دیا، اور اگر کہیں دیا بھی تو اس طرح "وکذا فی البخاری" یا "کذا فی الترمذی" لکھا، اور جن جگہوں میں تفصیلی حوالہ دیا بھی تو "کنز العمال" "جامع الصغیر"، "ریاض الصالحین" یا "مشکاۃ المصابیح" کا حوالہ دیا، حالانکہ یہ اصل مراجع نہیں ہیں، بلکہ تحقیق کے دوران اصل یہ ہے کہ ہر بات کو اصل مراجع سے نقل کیا جائے، اسی طرح فقہی کتابوں میں "کذا فی الدر المختار" یا "کذا فی رد المحتار" یا "کذا فی الهندية" کہہ کر حوالہ نقل کیا گیا، اور عربی عبارات کو کہیں ذکر کیا اور کہیں ذکر نہیں کیا، جہاں الفاظ موجود تھے وہاں ترجمے میں کچھ تشنگی باقی تھی، اور جہاں ترجمہ اور

وضاحت کامل تھی وہاں عبارت اور حوالے کا التزام نہیں تھا، خصوصاً احادیث کے الفاظ اکثر مواقع میں نہیں تھے، بعض مقامات پر متقدمین کی کتابوں کی عبارت متاخرین کے حوالے سے نقل تھی، اصل مراجع سے نہیں تھی، اور بعض مقامات پر احادیث غیر مستند تھیں۔ تاریخی حوالہ جات بھی مبہم تھے، اس لئے تخریج وتحقیق کے دوران کافی محنت کرنا پڑی، کیونکہ محض ترجمہ اور تشریح سے اصل عبارت تک رسائی حاصل کرنا کافی دُشوار تھا، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کے خصوصی فضل وکرم کی بدولت کام پایۂ تکمیل تک پہنچ گیا۔

راقم نے تمام حوالہ جات کی تخریج میں وہ طریقہ اختیار کیا جو متداول ہے، پہلے کتاب کا نام، پھر باب، پھر فصل، پھر جلد وصفحہ، رقم الحدیث، (مطلب اگر کہیں تھا) تو اس کا اہتمام کیا تاکہ استفادہ کرنے والوں کے لئے اصل مآخذ تک رسائی بآسانی ممکن ہو۔

اہلِ علم کے ذوق کو ملحوظ رکھتے ہوئے عربی عبارات بھی نقل کیں تاکہ اسے پڑھ کر عین الیقین حاصل کرلیں۔ حتی الامکان تمام اہم عبارات خصوصاً احادیثِ مبارکہ پر اعراب بھی لگادیئے تاکہ پڑھنے اور سمجھنے میں کوئی دقت نہ ہو۔

اس بات کی بھی مکمل کوشش رہی کہ ہر بات کو اصل مراجع سے نقل کیا جائے خصوصاً احادیثِ مبارکہ میں، اس لئے ''كنز العمال''، ''جامع الصغير''، ''مشكاة المصابيح'' کے بجائے بندے نے اصل مراجع صحاحِ ستہ سے حوالے نقل کئے۔ اسی طرح کتبِ فقہ میں بھی حوالہ جات ''المبسوط للسرخسي''، ''بدائع الصنائع''، ''فتح القدير لابن الهمام''، ''البحر الرائق''، ''الفتاوى الهندية''، ''الدر المختار'' اور ''رد المحتار'' سے نقل کئے۔

جن روایات پر کلام تھا، حاشیہ میں اُس کی تحقیق نقل کردی، مثلاً ص: ۷۷، ۴۰۹، ۵۱۰، ۵۲۰

بعض مقامات پر عنوان نہیں تھے، بعض مقامات پر طویل اور بعض جگہوں پر کافی مختصر تھے، تو

حسبِ ضرورت عنوانات میں تبدیلی اور اضافہ کیا تاکہ استفادہ میں حتی الامکان آسانی ہو۔ بعض مواقع پر ہندی زبان یا اُردو کا کوئی مشکل لفظ تھا تو اس کی جگہ معروف ومتداول لفظ نقل کیا۔

علاماتِ ترقیم کی اہمیت ہر زبان میں واضح اور مسلّم ہے، علاماتِ ترقیم کے ذریعے تحریر آسانی سے سمجھ میں آتی ہے، اس لئے عربی اور اُردو میں اس کا بھی اہتمام کیا۔ مکمل کتاب کی از سرِ نو کمپوزنگ کرائی پھر اس کی تصحیح اور پروف ریڈنگ کی گئی۔

استفادہ عام کی غرض کے پیشِ نظر عربی عبارات کا بامحاورہ ترجمہ بھی کیا۔ مصنف رحمہ اللہ نے قرآنی آیات کا ترجمہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کا، اور کہیں آیت کا ترجمہ وتوضیح حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے ''بیان القرآن'' سے نقل کی ہے۔

راقم نے اس کتاب میں پانچ سو چونسٹھ (۵۶۴) حوالہ جات کی تخریج کی ہے، البتہ ایک کتاب ''آئینہ حقیقت نما'' باوجود تلاش کے یہ کتاب راقم کو میسر نہ آسکی، اس لئے اس میں مراجعت نہ کرسکا، جو مصنف رحمہ اللہ نے حوالہ دیا تھا اسی کو برقرار رکھا۔

مصنف رحمہ اللہ نے اس کتاب میں اپنی ایک دوسری تصنیف ''اسلام کا نظامِ عفت وعصمت'' کا ذکر کیا، اسلام کے نظام پر لکھی گئی کتابیں عموماً ایک علمی دستاویز ہوتی ہیں، جب کہ وہ ہو بھی مصنف رحمہ اللہ کے قلم سے تو اس کی جامعیت وتحقیق کا کیا کہنا! راقم اس کتاب کو تلاش کرتا رہا، آخر یہ کتاب بھی دستیاب ہوگئی، یہ کتاب بھی اپنے موضوع پر بڑی ہی لاجواب کتاب ہے، آج کے مسلم معاشرے میں مسلمانوں کا ایک کثیر طبقہ اہلِ مغرب کی تعلیمات کا دلدادہ ہے، اور اَحکاماتِ خداوندی کو پسِ پشت ڈال کر مغربی تہذیب کے فرسودہ نظام پر عمل پیرا ہے، الیکٹرونک میڈیا، انٹرنیٹ، کیبل اور موبائل کے ذریعے بے حیائی اور حیاسوز واقعات پھیلتے جارہے ہیں، اور ایسے واقعات رُونما ہورہے ہیں جن کو سن کر انسانی دل لرز جاتا ہے کہ ایک مسلم ملک میں ماں، بہن، بیٹیوں کے ساتھ زنا کے واقعات پیش

آ رہے ہیں، بے حیائی، بے پردگی، موسیقی، اور حیا سوز حرکتوں کا آئے دِن اضافہ ہوتا جا رہا ہے، اس لئے ایسے وقت میں مصنف رحمہ اللہ کی اس کتاب یعنی ''اسلام کا نظامِ عفت وعصمت'' پر بھی کام کرنے کی بڑی ضرورت ہے، اگر اللہ تبارک وتعالیٰ کی مدد شاملِ حال رہی تو بندہ عنقریب اِن شاءاللہ اس کتاب پر بھی کام کا آغاز کرے گا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ سے دست بدستہ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس محنت کو اپنے دربار میں قبول فرمائے، مصنف اور راقم کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین

محمد نعمان

استاذ جامعہ انوار العلوم مہران ٹاؤن کورنگی کراچی

موبائل نمبر: ۰۳۳۲-۲۵۵۷۶۷۵

۲؍صفر ۱۴۳۶ھ

***

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تقریظ

محدثِ جلیل حضرت الاستاذ

مولانا ابوالمآثر حبیب الرحمٰن الاعظمی رحمہ اللہ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ، اَمَّا بَعْدُ:

حق تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں میں ایک بہت بڑی نعمت امن ہے، امن نہ ہو تو سارا سامانِ عیش و راحت بے کار بے مزہ ہے، اسی لئے حق تعالیٰ نے جہاں دوسری بہت ساری نعمتوں کو یاد دلایا ہے، وہاں اس نعمت کو بھی یاد دلا کر اس کا شکر ادا کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ ارشاد ہے:

فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۝ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۝ (القریش)

تو چاہیے کہ بندگی کریں اس گھر کے رَبّ کی، جس نے ان کو کھانا دیا بھوک میں اور امن دیا ڈر میں۔

اور جہاں مؤمنین، صالحین کو زمین میں خلافت عطا فرمانے کے ساتھ تمکینِ دین کا وعدہ فرمایا ہے، وہاں یہ وعدہ بھی فرمایا ہے:

وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـــًٔا ۭ (النور: ۵۵)

اور دے گا ان کو ان کے ڈر کے بدلے میں امن، میری بندگی کریں گے۔

میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے۔

اور اپنے رسول کی زبان حق ترجمان سے پیشین گوئی کے طور پر یہ کلمات کہلائے:

لَيَنْصُرَنَّكُمُ اللهُ تَعَالَى، حَتَّى تَسِيرَ الظَّعِينَةُ بَيْنَ الْحِيرَةِ وَيَثْرِبَ أَوْ أَكْثَرَ مَا تَخَافُ السَّرَقَ عَلَى ظَعِينَتِهَا.(۱)

(یعنی) حق تعالیٰ تمہاری ایسی مدد کرے گا کہ ایک ہودج نشین عورت مدینہ سے حیرہ تک، یا اس سے بھی طویل سفر تن تنہا کرے گی اور اس کو چوروں یا ڈاکوؤں کا کوئی خطرہ نہ ہوگا۔

تاریخ شاہد ہے کہ جو مقدس نفوس الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (البقرۃ:۲۵) کے صحیح مصداق تھے، ان کے ساتھ اللہ نے اپنے اس وعدہ اور اپنے رسول کی اس پیش گوئی کو پورا فرما دیا اور دنیا والوں نے امن وطمانیت کا وہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا، جس کے لئے بعد میں آنے والوں کی آنکھیں ترس گئیں، اور آج تک ترستی ہیں۔

لیکن کیا یہ سب کچھ از خود، محض بخت واتفاق سے ہو گیا؟ میں سمجھتا ہوں کہ کوئی ذی شعور اس سوال کا جواب اثبات میں نہیں دے سکتا، بلکہ وہ یہ کہنے پر مجبور ہوگا کہ یہ سب اسلام کی زرّیں تعلیمات اور ان تعلیمات کی پیروی کا نتیجہ تھا۔ اسلام نے پورے زور وقوت کے ساتھ پہلے انسانی نفوس اور اعراض واملاک کی قیمت وحرمت کو ذہن نشین کرایا، قرآنِ کریم نے خوب کھل کر ان لوگوں کی مذمت کی جن کا کام زمین پر تخریب وفساد اور حرث ونسل کو برباد کرنا ہے۔ فرمایا:

وَ اِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْهَا وَ یُهْلِكَ الْحَرْثَ وَ النَّسْلَ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ ۝۲۰۵ (البقرۃ)

اور جب پھرے تیرے پاس سے تو دوڑتا پھرے ملک میں تاکہ اس میں خرابی

---

(۱) مسند أحمد: مسند الكوفيين، بقية حديث عدي بن حاتم، ج۳۲ص۱۲۴، رقم الحديث ۱۹۳۸۱

ڈالے اور تباہ کرے کھیتیاں اور جانیں اور اللہ ناپسند کرتا ہے فساد کو۔

مخالفین اسلام کے ایک گروہ کے حق میں فرمایا:

فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ﴿۹۰﴾ (النساء)

ترجمہ: سو اگر یکسو رہیں وہ تم سے نہ لڑیں اور پیش کریں تم پر صلح، تو اللہ نے نہیں دی تم کو ان پر راہ۔

اور داعی اسلام نے اپنے عہد کے سب سے بڑے اجتماع میں مکرّر اعلان فرمایا:

فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ، كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا، فِي بَلَدِكُمْ هَذَا، فِي شَهْرِكُمْ هَذَا، فَأَعَادَهَا مِرَارًا.(۱)

ترجمہ: بے شک تمہارے خون، تمہارے اموال اور تمہاری عزتیں تمہارے آپس میں اسی طرح قابلِ احترام ہیں، جیسے تمہارے لئے تمہارا یہ دِن، تمہارے اس شہر میں، اس مہینے کے اندر، پھر آپ نے اسے بار بار دُہرایا۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں جن اہم باتوں کی وصیت فرمائی ان میں ایک یہ بھی تھی:

وَأُوصِيهِ بِذِمَّةِ اللَّهِ وَذِمَّةِ رَسُولِهِ أَنْ يُوَفَّى لَهُمْ بِعَهْدِهِمْ وَأَنْ يُقَاتَلَ مِنْ وَرَائِهِمْ وَأَنْ لَا يُكَلَّفُوا إِلَّا طَاقَتَهُمْ.(۲)

ترجمہ: اور اپنے بعد کرنے والے خلیفہ کو میں ان غیر مسلموں کے حق میں جو اللہ اور اس کے رسول کی ذمہ داری میں ہیں، وصیت کرتا ہوں کہ ان کے ساتھ جو

---

(۱) صحیح البخاری: کتاب الحج، باب الخطبة أيام منى، ج۲ ص۱۷۶، رقم الحدیث: ۱۷۳۹

(۲) فتح الباری: کتاب الجزية، باب الوصاة باهل ذمة رسول الله صلى الله عليه وسلم، ج۶ ص۲۶۷، رقم الحدیث: ۳۱۶۲

معاہدہ ہے پورا کیا جائے اور ان کی جان و مال کی حفاظت کے لئے جنگ کی ضرورت پڑے تو اس سے بھی دریغ نہ کیا جائے اور ان کی طاقت سے زیادہ ان پر بوجھ نہ ڈالا جائے۔

سچے مسلمانوں نے پورا پورا ان احکام کا احترام کیا اور مضبوطی کے ساتھ ان کے پابند رہے، جس کے نتیجے میں امن وطمانیت کی وہ زندگی نصیب ہوئی جو آج ہمارے لئے خواب وخیال بن گئی ہے۔ زیرنظر کتاب اسلامی تعلیمات اور اسلامی تاریخ کے اسی گوشے کو اُجاگر کرنے کے لئے لکھی گئی ہے اور مصنفِ کتاب مستحق مبارک باد ہیں کہ ان کی کتاب اس موضوع پر بڑی کامیاب کتاب ہے۔ کتاب کے مطالعے کے بعد آپ کو اندازہ ہوگا کہ مصنف نے اس کی تیاری میں کتنی عرق ریزی کی ہے، اور کتنے ہزار صفحات پڑھ کر اس کو ترتیب دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے اور ان کی علمی وعملی صلاحیتوں میں ترقی نصیب فرمائے۔

حبیب الرحمٰن الاعظمی

۲۰ رجب ۱۳۸۵ھ

***

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

تعارف

حضرت الاستاذ مولانا عبداللطیف صاحب نعمانی رحمہ اللہ

الحمد للہ و کفٰی و سلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی

''امن وامان'' کی اہمیت ہر دور اور ہر ملت میں تسلیم کی گئی ہے، کوئی ذی شعور باور نہیں کرا سکتا ہے کہ کوئی ملک، کوئی قوم، یا کوئی دور بغیر امن وسلامتی ترقی یافتہ شمار ہو سکتا ہے۔ مختلف ملل وادیان میں امن کے تحفظ وبقا کے سلسلے میں جو ہدایتیں آئی ہیں، وہ تو اپنی جگہ ہی ہیں، وہ لوگ جو صرف اقتدار چاہتے ہیں، اور جن کو کسی مذہب وملت سے کوئی دلچسپی نہیں، انہیں بھی یقین ہے کہ جب تک ''امن وامان'' اور ''عدل ومساوات'' نہ ہو، عوام وخواص کی زندگی بے کیف، بلکہ ان کے لئے زندگی کے دن پورے کرنے بھی دوبھر ہوتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ سارے سنجیدہ انسان، خواہ ان کا تعلق کسی بھی ملک و مذہب سے ہو، بقائے امن کی جدوجہد میں برابر کے شریک رہے ہیں، اور انہوں نے ہر دور میں عالمی پیمانے پر کوشش کی ہے کہ انسانوں میں باہم اعتماد واتحاد کا راستہ مضبوط سے مضبوط تر رہے، اور ہر اِنسانی آبادی اطمینان وسکون کی دولت سے ہمکنار ہو۔ چنانچہ اس کے لئے انہوں نے مختلف عالمی ادارے قائم کئے، کبھی ''پسیف ازم'' یعنی ''تحریک امن خواہی'' چلائی، کبھی ''ورلڈ پیس موومنٹ'' یعنی ''عالمی تحریک امن'' قائم کی، اور کبھی کسی اور نام سے عالمی امن اِدارے کی داغ بیل ڈالی۔ ان ساری عالمی امن انجمنوں کا منشا گو محدود تھا کہ کوئی دو یا زیادہ

ممالک آپس میں مل کر نہ ٹکرائیں اور ان میں جنگ کے شعلے بھڑکنے نہ پائیں۔

مگر دُنیا نے دیکھا کہ ان تمام تحریکوں اور اِداروں کی موجودگی میں انسانوں کو دو عالمی تباہ کن لڑائیوں سے دوچار ہونا پڑا جو "گریٹ وار" یعنی جنگِ عظیم ۱۹۱۴ء اور "سیکنڈ ورلڈ وار" یعنی "دُوسری عالمگیر جنگ ۱۹۳۹ء کے نام سے مشہور ہیں، جن میں کروڑوں انسانی جانیں ضائع ہوئیں اور کھربوں کا سرمایہ برباد ہوا۔ ان کے علاوہ اس عرصے میں اور بھی بہت سی چھوٹی بڑی لڑائیاں مختلف ملکوں میں ہوئیں جن کے نقصانات کا صحیح اندازہ نہیں ہوسکتا۔

امن وراحت کے نام پر بھی دُنیا میں مختلف نظریوں کا ہجوم ہے، گاندھی ازم، سوشلزم، نیشنلزم، سیکولرازم، کمیونزم، کیپٹل ازم اور دُوسرے دسیوں ازم کارفرما ہیں۔ پھر کبھی سلامتی کونسل کی خدمات کا شور اُٹھتا ہے، اور کبھی "یو، این، انٹرنیشنل آرمی پلان" کے سنہرے کارناموں کا، کبھی "ورلڈ پیس کونسل" کا اجلاس ہوتا ہے، اور کبھی علمی امن کانگریس کا۔ پھر اسی کے ساتھ رُوس کی "امن مہم" اور "امریکہ امن بریگیڈ" کے نعروں سے دُنیا گونج رہی ہے،، مگر بایں ہمہ "امن وعافیت" دُنیا سے ناپید، اور انسانی جان ومال، اور عزت وآبرو اپنی صحیح قدر وقیمت سے محروم ہیں، نہ عالمی تنازعات اور تناؤ میں کوئی کمی ہے، اور نہ عام انسان موت وحیات کی کشمکش سے محفوظ ہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ دو عالمی جنگوں کی ماری ہوئی دُنیا، اور امن وعافیت سے محروم عوام وخواص کو اس وقت ایک ایسے پاکیزہ اور ٹھوس "نظامِ امن" کی تلاش ہے جو "ملکی اور نسلی منافرت" کو مٹا کر "عالمی اُخوت" اور "انسانی مساوات" کا سبق دے، اور رُوئے زمین پر عدل وانصاف اور حق وصداقت کا جھنڈا بلند کرسکے۔

اس لئے اس وقت اس ربانی نظامِ امن کو دُنیا کے سامنے پیش کرنے کی ضرورت تھی، جو ہر اِنسان کو امن وعافیت کی مضبوط ضمانت دیتا ہے، اندرونِ ملک بھی، اور خارجی تعلقات میں بھی، جس میں انسانی وحدت ومساوات، باہمی تعاون، شرافتِ انسانی، عفو ودرگزر، حریتِ فکر، عدل وانصاف، ایفائے عہد اور اُخوّت ومحبت کو جزءِ لازم کی حیثیت دی گئی ہے،

اور جس میں کبر و غرور، دولت و ثروت، ملکی و نسبی عصبیت اور حبِ جاہ و اقتدار کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔ جو صرف جسموں پر ہی حکمرانی کا قائل نہیں، بلکہ وہ سب سے پہلے دلوں میں خوفِ خدا، فکرِ آخرت اور انجام بخیر عقیدہ راسخ کرتا ہے، جس نظامِ حیات کا اعلان ہے:

يَاۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ① (النساء)

اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا، اور اس جان سے اس کا جوڑا پیدا کیا، اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں، اور تم خدا سے ڈرو جس کے نام سے ایک دوسرے سے مطالبہ کیا کرتے ہو، اور قرابت سے بھی ڈرو، بالیقین اللہ تعالیٰ ہم سب کی اطلاع رکھتے ہیں۔

اور جس نے جنس و ملک، زبان و بیان اور شعوب و قبائل کے اختلاف کو وجہِ تفریق نہیں بلکہ مظاہرِ قدرت اور ذریعۂ تعارف بتایا ہے، اور شرف و امتیاز کا معیار صرف پرہیزگاری اور خداترسی کو قرار دیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ مِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ㉒ (الروم)

اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کا بنانا ہے اور تمہارے لب ولہجہ اور رنگوں کا الگ الگ ہونا ہے، اس میں دانش مندوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

يَاۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ (الحجرات:۱۳)

ترجمہ: اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنایا، تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو، اللہ کے نزدیک تم سب میں زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔

اسی کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ دُنیا میں خوف و ہراس اور بے چینی، انسانی کرتوت اور نعمتِ خداوندی کی ناشکری کا انجام ہے:

وَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿١١٢﴾ (النحل)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ ایک بستی والوں کی حالت بیان فرماتے ہیں کہ وہ امن واطمینان میں تھے، ان کے کھانے پینے کی چیزیں بڑی فراغت سے ہر چہار طرف سے ان کے پاس پہنچا کرتی تھیں، سوانہوں نے خدا کی نعمتوں کی بے قدری کی، اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کی حرکتوں کے سبب ایک محیط قحط اور خوف کا مزہ چکھایا۔

لائقِ مبارک باد ہیں عزیز محترم مولانا ظفیر الدین مفتاحی سلمہٗ مرتبِ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، جن کی کاوش اور محنت سے ''اسلام کا نظامِ امن'' کتابی شکل میں پیش کیا جارہا ہے، کاش! کوئی مسلم مجلس، مجلسِ مشاورت، مسلم لیگ، جماعتِ اسلامی اور جمعیۃ العلماء، اسلامی نظامِ امن وامان کی دعوت وتبلیغ کو اپنا نصب العین بنا کر دُنیا میں اس کا پرچار کرتی، تاکہ یہ سسکتی، بلکتی دُنیا واقعی امن وامان سے ہم آغوش ہوتی، اور انسانیت کا حسین چہرہ لہولہان ہونے سے محفوظ رہتا۔

''مفتاح العلوم'' مشرقی ہندوستان کی ایک مشہور قدیم مرکزی دِینی درسگاہ ہے، جہاں عرصے سے تصنیف کا ایک اہم شعبہ بھی قائم ہے۔ اس شعبے سے اب سے پہلے بھی بعض اہم اور ضروری موضوعات پر متعدد محققانہ کتابیں شائع ہوچکی ہیں، جن سے عوام وخواص دونوں طبقوں نے فائدہ اُٹھایا ہے، اور مشاہیر علماء ومصنفین نے ان کی افادیت کی شہادت دی ہے۔ اور بلاشبہ ان کتابوں سے وقت کے اہم علمی ودِینی تقاضے پورے ہوئے ہیں۔

آج یہ شعبہ اپنی کم مائیگی کے باوجود ''نظامِ امن'' شائع کررہا ہے، اور توقع رکھتا ہے

کہ پیش نظر کتاب اِن شاء اللہ زعمائے قوم وملک اور رہنمایانِ مذہب وملت کے ذہن وفکر کی تعمیر میں معاون، اور بے چین و پریشان دُنیا کی طمانیت کے لئے مفید ثابت ہوگی، اُمید ہے ژرف نگاہ علماء اور اَربابِ فضل وکمال اس پیش کش کو پسند فرمائیں گے۔ دُعا ہے اللہ تعالیٰ مصنف کی یہ خدمت قبول فرمائے، اور دِین ودُنیا کی کامرانیوں سے نوازے۔

عبداللطیف نعمانی
جامعہ مفتاح العلوم اعظم گڑھ

***

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اسلام کا نظامِ امن

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اسلامی نظام پر یہ چوتھی کتاب ''اسلام کا نظامِ امن'' پیش کرتے ہوئے، دِل شکر ومسرّت سے لبریز ہے۔ ربّ العالمین کا لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے کہ اس نے اپنے ایک ناتواں بندے کو دِینی وعلمی خدمت کی توفیق بخشی۔ دِلی دُعا ہے کہ یہ حقیر خدمت قبولِ بارگاہ الٰہی ہو، اور مولف کے لئے فلاحِ دارین کا ذریعہ بنے۔

درس وتدریس سے الگ ہو کر دفتری زندگی میں قدم رکھے ہوئے یہ نواں، دسواں سال ہے، اس مصروف ترین زندگی میں تصنیف وتالیف کا برائے نام مشغلہ بھی مؤلف کے لئے حیرت انگیز ہے، جہاں انسان کے سارے علمی جذبات وولولے سرد پڑ جاتے ہیں، اور اس کی ساری علمی دِلچسپی اور توانائی اس سے چھن جاتی ہے، یہ حیرت اس وقت اور بڑھ جاتی ہے جب کہ وہ دیکھ رہا ہے کہ اس عرصے میں اسے کتنے تبادلوں سے دوچار ہونا پڑا، بڑی ناسپاسی ہوگی اگر یہاں یہ اعتراف نہ کیا جائے کہ اس کام کا ایک بڑا حصہ دارالعلوم معینیہ کے زمانۂ تدریس کا رہینِ منّت ہے، جو زندگی کا پُر سکون دور تھا۔

اسلام کے مختلف نظاموں پر لکھنے کا جس وقت ذہن میں نقشہ آیا تھا، اُمید و نا اُمیدی کی ملی جلی ایک عجیب کیفیت تھی، مگر الحمدللہ آج دِل بڑی حد تک مطمئن ہے کہ اپنے مولیٰ حقیقی

سے اس کے ایک ناچیز بندہ نے جو اِلتجا کی تھی وہ بڑی حد تک پوری ہو رہی ہے، کیا تعجب ہے کہ جو کام باقی رہ گیا ہے اس کی تکمیل کی راہ بھی نکل آئے، اور ایک دن وہ بھی پورا ہو کر سامنے آجائے۔ وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿۲۰﴾ (ابراھیم)

یہ کتاب مرتب کر کے سب سے پہلے حضرت مولانا فضل اللہ رحمانی مدظلہٗ سابق صدر شعبۂ دینیات عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد، دکن کی خدمت میں نظرِ ثانی اور اصلاح کی غرض سے پیش کی گئی۔ مولانا موصوف نے اَزراہِ بندہ نوازی پورے مسوّدہ کا ایک ایک لفظ پڑھا اور اپنے مفید مشوروں سے نوازا، ساتھ ہی خوشی کا اظہار فرمایا اور لکھا کہ کاش اس کتاب کا انگریزی ایڈیشن بھی آتا۔ پھر یہ مسوّدہ ذوق وشوق کے ہاتھوں محدثِ کبیر، اُستاذ العلماء حضرت الاستاذ مولانا ابوالمآثر حبیب الرحمٰن اعظمی، سرپرست مدرسہ مفتاح العلوم، اور مجاہدِ جلیل، اُستاذ الاساتذہ حضرت الاستاذ مولانا عبداللطیف نعمانی صدر المدرّسین وناظمِ اعلیٰ مفتاح العلوم کی خدمتِ بابرکت میں پیش کیا۔ اَزراہِ شفقت آپ حضرات نے بھی نظرِ ثانی فرمائی اور اظہارِ اطمینان کیا، خاکسار نے اپنی محنت اور کدوکاش کی حد تک کوئی کوتاہی نہیں ہونے دی، کامیابی ربّ العزت کے ہاتھ میں ہے۔

یہ کتاب ایسے وقت شائع ہو رہی ہے جبکہ امن وامان، عدل ومساوات، اُخوّت ورواداری، اخلاق ومروّت اور محبت وخلوص کی سب سے زیادہ ضرورت ہے، اور بندگانِ خدا ان گراں قدر نعمتوں کے لئے بے چین ہیں۔ خدا کرے یہ آواز عوام وخاص سے گزر کر دُنیا کی تمام حکومتوں کے ایوانوں میں گونج جائے، اور زعمائے قوم وملت خوابِ غفلت سے چونک پڑیں۔

مادرِ علمی ”مدرسہ مفتاح العلوم“ ہندوستان کا ایک مشہور اور مرکزی دِینی تعلیمی اِدارہ ہے، جو بڑی خاموشی کے ساتھ درس وتدریس، تقریر وتحریر اور مختلف دوسرے طریقوں سے علومِ دینیہ کی اِشاعت وتبلیغ کا فریضہ انجام دے رہا ہے، مجھے خوشی ہے کہ یہ کتاب اس کے شعبۂ تصنیف وتالیف کی طرف سے شائع ہو رہی ہے۔

آخر میں اپنے اساتذۂ کرام اور اکابر کی خدماتِ عالیہ میں ہدیۂ عقیدت ومحبت پیش کرنا خاکسار اپنا فرض سمجھتا ہے، جن کی تعلیم وتربیت، دُعا ومحنت اور رہنمائی وحوصلہ افزائی کے صدقے میں اس کے ذوقِ درس وتدریس، اِفتاء اور تصنیف وتالیف نے نشوونما پائی، اور کتاب وسنت سے اس کو شغف نصیب ہوا۔ اللہ تعالیٰ تادیران حضرات کا سایۂ عاطفت ہمارے سروں پر قائم رکھے۔ آمین

اِلٰہ العالمین! تیرا ایک فقیرِ بے نوا، یہ علمی اور دِینی تحفہ لے کر ایک لمبی مدّت کے بعد حاضر ہوا ہے، اس کی حقیر خدمت کو قبول فرمالے، اور اسے اس کے لئے زادِ آخرت بنادے، اور اسی کے ساتھ اس تالیف کو امن وسکون سے محروم، بے چین اور پریشان دُنیا کے لئے امن وسلامتی کا ذریعہ بنادے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿١٢٧﴾ (البقرۃ)

طالبِ دُعا

محمد ظفیر الدین غفرلہٗ

دارالعلوم دیوبند

۱۵ ربیع الثانی ۱۳۸۵ھ

✲✲✲

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

انسان میں اللہ تعالیٰ نے متضاد قوتیں ودیعت کی ہیں، چنانچہ جہاں اس میں دُور اندیشی، احتیاط اور فرض شناسی کے جوہر مضمر ہیں، وہیں اس کو فتنہ وفساد، عجلت پسندی اور خودغرضی سے بھی گریز نہیں۔ جس طرح اس کے مزاج میں متانت وسنجیدگی ہے، اسی طرح یہ اپنے جذبات سے جلد ہی انتقام کے درپے ہوجاتا ہے۔ ایک طرف اگر یہ پیکرِ اُنس ومحبت ہے تو دُوسری طرف بغض وحسد کا پتلا بھی، اور جہاں آدم کا بیٹا جان پر کھیل کر مظلوم کی حمایت کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے، وہیں اس میں یہ عیب بھی ہے کہ اقتدار حاصل کرنے کے لئے لاکھوں بے گناہ انسانوں کا بے دریغ خون بہانے سے بھی نہیں رُکتا۔

مکمل ضابطۂ حیات

اللہ ربّ العزت نے انسانی طبیعت کی افراط وتفریط کی اصلاح اور حق وصداقت کی نشاندہی کے لئے انبیاء ورُسل کا سلسلہ قائم فرمایا، اور بلاشبہ اس نے اپنے ان برگزیدہ بندوں کے ذریعے انہیں اعتدال کی راہ پر چلنا سکھایا تاکہ انسان رُوئے زمین پر قتل اور خون ریزی کی جگہ امن واماں کو قائم کرے، ظلم وجور کے بدلے عدل ومساوات کی حکومت قائم کرے، اور اس طرح زمین پر بسنے والی ساری مخلوق اطمینان وسکون کی زندگی بسر کرے۔

رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری نبی کی حیثیت سے دُنیا کو جو ضابطۂ حیات عطا کیا ہے، وہ ہر پہلو سے مکمل وجامع ہے، زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس کے متعلق اس ابدی ضابطۂ حیات میں مکمل رہنمائی موجود نہ ہو، یہ الگ بات ہے کہ ہم گہری نظر سے اس کا مطالعہ نہیں کرتے۔

امن وامان

دُنیا بار بار امن وامان اور سکون وسلامتی کا نام لینے کے باوجود ظلم وتعدی میں جس بُری طرح پھنسی ہوئی ہے، یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ آج دُنیا کے گوشے گوشے میں قتل وخون ریزی سے انسانیت جس طرح کانپ اُٹھی ہے، اس سے کوئی باخبر انکار کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا، کاش اربابِ اقتدار اس دور میں اسلام کے نظامِ امن وسلامتی کا مطالعہ کرتے، اور دُنیا میں اس نے جس طرح کے سماج بنانے کی جدوجہد کی ہے، اس پر غور کرتے تو بہت سارے مسائل خود بخود حل ہوتے نظر آتے۔

یہ تو سب جانتے ہیں کہ اسلام کا مکمل آئینِ زندگی دُنیا میں اس وقت آیا تھا، جب دُنیا بربادی کے انتہائی نقطے پر پہنچ چکی تھی، انسان اپنی انسانیت کھو چکا تھا، اور پوری دُنیا سے امن وامان کا نام حرفِ غلط کی طرح مٹ چکا تھا۔

پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نازک موقع پر اِنسانوں کی جس طرح رہنمائی کی، اور انسانیت کے تنِ مردہ میں جس خوبی سے جان ڈالی، وہ تاریخ کا ایک تابناک باب ہے۔ اور یہ کیوں نہ ہوتا جبکہ خود ربّ العالمین کی نگرانی میں یہ سب کچھ ہو رہا تھا، خالق وربّ سے بڑھ کر مخلوقات اور کائناتِ انسانی کا جاننے والا اور اس کی نفسیات سے واقف دوسرا کون ہوسکتا ہے؟ جس کی نگاہ میں پوری کائنات کا ایک ایک ذرّہ ذرّہ ہوتا ہے؟

اسلام اور امن وامان

یہ دستور ہے کہ جب کسی سماج میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے تو اس کی اصلاح بنیادی طور پر ہی کی جاسکتی ہے، یہی وجہ ہے کہ پہلے ساری چیزوں کا جائزہ لیا جاتا ہے اور اس کے اسباب ومحرکات کا تجزیہ کیا جاتا ہے، اور پھر کہیں جا کر پورے ڈھانچہ کی اصلاح کا سوال سامنے آتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے امن وسلامتی کی بحالی کے لئے صرف جزوی اصلاحات پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اپنی قدرت اور علم کے پیش نظر انسانوں کے سارے روگ کی اصلاح ضروری سمجھی،

چنانچہ سب سے پہلے انسانوں کو تنگ نظری، احساسِ کمتری اور انتشار ذہنی سے نکالا، اور اعلان کیا کہ یہ ساری کائنات تمہارے لئے پیدا کی گئی ہے، زمین وآسمان، آفتاب و ماہتاب اور ستارے سب تمہارے کام میں لگے ہوئے ہیں، انسان ان تمام چیزوں سے بالا و برتر ہے اور یہ اس کے منصب کے خلاف ہے کہ وہ ٹولیوں میں بٹ کر محدود ہو جائے، جغرافیائی حدود میں گھر جائے، رنگ و روپ کے جال میں الجھ پڑے، اور نسب و نسل کے اتھاہ سمندر میں اپنی شرافت وانسانیت ڈبو دے۔

فتنہ وفساد کی عام وجہ

اس سلسلے میں بنیادی سوال یہ سامنے آتا ہے کہ دُنیا میں فتنہ وفساد اور قتل وخونریزی کیوں ہوتی ہے، اوراس کے اسباب کیا ہیں؟

تاریخ کو سامنے رکھ کر تجزیہ کریں گے تو آپ کو ماننا پڑے گا کہ امن وامان کو جو چیز تباہ کرتی ہے وہ انسان کی تنگ نظری ہے، کوئی مذہب کے نام پر تلوار اُٹھاتا ہے، کوئی رنگ ونسل کے نام پر معرکہ آرائی کے لئے میدانِ کارزار گرم کرتا ہے، کوئی وطن اور ملکی حدود کے تعصب میں مبتلا ہو کر انسانی خون سے ہولی کھیلتا ہے۔

تاریک ترین دور

بعثتِ نبوی سے پہلے دُنیا ظلمت وضلالت کے سمندر میں غرقاب ہو رہی تھی، چھٹی صدی عیسوی تاریخ کا تاریک ترین دور ہے، جس میں انسانیت دَم توڑ چکی تھی، انسانوں کی بستی رُوئے زمین پر بستی ضرور تھی، مگر اِنسانی مجد وشرف سے تہی دامن ہو چکی تھی، انسان انسان کے خون کا پیاسا تھا، نہ انسانی جان کی کوئی قیمت تھی، نہ اس کی عزت وآبرو محفوظ تھی، اور بڑی مصیبت یہ تھی کہ نہ کوئی گرتی ہوئی انسانیت کا ہاتھ تھامنے والا تھا۔

پیغمبروں کی لائی ہوئی شریعت یا تو بھلائی جا چکی تھی، یا پھر تحریف والحاق نے اس کی صورت مسخ کر ڈالی تھی، اور اسی کا نتیجہ تھا کہ انسان حرص وہوس کا غلام تھا، اور عقل وخرد کو

رُخصت کر چکا تھا، گنے چنے جو چند اُفراد حق شناس تھے، وہ زندگی کے میدان سے کنارہ کش ہو کر تنگ و تاریک گوشے میں راحت گزیں تھے۔

تاریخ کی روشنی میں

بعثتِ نبوی سے پہلے کی تاریخ سے واضح ہے کہ انسان اپنی ان ہی خودساختہ غلط بنیادوں پر بے شمار ٹولیوں میں بٹا ہوا تھا، جس طرح سب نے الگ الگ اپنا خدا گھڑ رکھا تھا، اسی طرح ہر ایک نے اپنے اپنے قبیلے کی حکومت بھی علیحدہ بنا رکھی تھی، عرب میں لڑائی عموماً قبیلے کے نام پر ہوا کرتی تھی، اور پھر اس کا سلسلہ برسہا برس چلتا تھا، چالیس پچاس برسوں تک مسلسل جنگ رہنا کوئی اچنبھے کی بات نہ تھی، مختصر یہ کہ پورا ملک خونریزی، غارتگری، سفاکی اور نہ ختم ہونے والے سلسلۂ جنگ کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔

پھر بیرونِ عرب یہ حقائق ہیں کہ آریوں نے طاقت پا کر غیر آریوں کو پامال کیا، برہمنوں اور چھتریوں نے شودروں کو غلام بنایا، رُومیوں نے افریقیوں پر غلبہ پا کر ان کو معاف نہیں کیا، یونانیوں نے، اِیرانیوں کو کمزور پا کر خونریزی کی، گاتھا اور گال نے بھی یہی کیا، فرعونِ مصر نے خدائی کا دعویٰ کر کے کونسا ظلم ہے جو نہیں ڈھایا، اور آج بھی یورپ نسلی منافرت کے دام میں گھرا ہوا ہے، اور کالے گورے کا عفریت وہاں زندہ ہے۔

یہ تاریخی شہادتیں ہیں کہ انسان ان خرافات میں مبتلا ہو کر امن و امان کھو چکا تھا، اور انسانی جان کی قدر و قیمت بھول چکا تھا، اسلام نے ضروری سمجھا کہ ان کے نظریے میں مکمل انقلاب بر پا کیا جائے، اور انسانی رشتے مضبوط کئے جائیں تا کہ انسانی خون کی قدر و قیمت لوگوں کے دِلوں میں جاگزیں ہو، انسانی عزت و کرامت اُجاگر ہو، اور انسانی ملکیت کا اِحترام دِلوں میں قائم ہو جائے۔

٭٭٭

امن وامان اور عدل ومساوات کی پامالی اسلام سے پہلے

اسلامی نظامِ امن وامان کی قیمت اور اہمیت کا اندازہ اس وقت تک پورے طور پر نہیں ہوسکتا، جب تک اسلام سے پہلے کی تاریخ ذرا تفصیل سے پیش نہ کردی جائے، اور مختلف قوموں اور ملکوں کے قوانین امن وامان اور آئین عدل ومساوات کا سرسری خاکہ آپ کے سامنے نہ آجائے۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت دُنیا کے سامنے پیغامِ حق پیش کیا، اس سے پہلے دُنیا جہنم کے کنارے کھڑی تھی، اور انسان اپنی انسانیت گم کرچکا تھا، خداترسی اور حق شناسی کا دُور دُور تک کوئی نام ونشان نہیں تھا، جو قوی تھے وہ کمزوروں پر حکمران تھے، اور رعایا کی جان ومال اور عزت وآبرو سے کھیل کر دادِ عیش دے رہے تھے، نہ انہیں آخرت کے عذاب کا خوف تھا اور نہ دُنیا میں قوم اور آدم کے بیٹوں کی طرف سے پوچھ گچھ کا کوئی خطرہ، جہاں دیکھئے اور جسے دیکھئے ظلم وجور میں مبتلا ہے، اور قتل وخون ریزی سے اس کے ہاتھ رنگین ہیں، ہر طرف فتنہ وفساد کی گرم بازاری ہے، چیخ وپکار ہے اور تڑپتی ہوئی لاشیں ہیں، نہ امن وامان ہے، نہ سکون واطمینان، عدل ومساوات کسے کہتے ہیں؟ کوئی جانتا بھی نہیں ہے، پھر غضب یہ ہے کہ کوئی خدا کا بیٹا بنا ہوا ہے، اور کوئی دوست، کسی کا دعویٰ ہے کہ ہماری رگوں میں خدائی خون ہے، اور کوئی یقین دلا رہا ہے کہ دُنیا میں جو کچھ ہے وہ ہماری ذات کے لئے ہے۔

عوام کی زندگی کا نقشہ

یہ تو حکمران طبقے کا حال تھا، باقی رہے عوام! یہ بے چارے ہر طرح قابلِ رحم تھے، انسان جکڑے ہوئے تھے کہ جانوروں کی طرح بے دست و پا اور مجبور محض تھے، یہ دوسروں کی راحت کے لئے تھے، جو کچھ کرتے تھے دوسروں کے لئے کرتے تھے، جواُن کے آقا اور مالک بنے ہوئے تھے، دن رات ان کی ہی خوشنودی میں لگے ہوئے تھے، اپنی فکر سے بے گانہ اور نا آشنا تھے، یہ اپنے لئے دُنیا میں کوئی حق نہیں رکھتے تھے، جب کبھی مسلسل بے مزہ زندگی سے گھبرا جاتے تھے تو نشہ آور چیزوں اور ننگِ انسانیت تفریحات سے اپنا جی بہلانے کی کوشش کرتے، اور اس طرح انسانیت کی مٹی اور پلید کرتے۔

بعثتِ نبوی سے پہلے حکومتوں کا حال

جس وقت اسلام آیا ہے اور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حق کی آواز بلند کی، دُنیا اس وقت دو عظیم الشان سلطنتوں کے قبضے میں تھی، ایران اور رُوم۔ ایران اندرونی اور بیرونی خلفشار میں مبتلا تھا، اور رُوم کا شان وشکوہ گو قائم تھا، مگر اس کا حال یہ تھا کہ:

> رُومانیوں کے نظاماتِ سلطنت کیا تھے، وہ نظامات بالکل وحشت اور سراسر قساوت تھے، جو قوانین کی صورت میں نافذ تھے، روما کے اخلاقی فضائل مثلاً شجاعت اور فکر و دُور اندیشی اور قومی اخلاص وہ بعینہٖ ایسے تھے جو چوروں اور رہزنوں میں پائے جاتے ہیں۔ ان کی وطنیت وحشت کا لباس پہنے ہوئے تھی، جس میں سوائے حرص اور اجنبیوں کے ساتھ عداوت اور کینہ کے اور کوئی چیز نظر نہ آتی تھی، اور انسانی شفقت کے احساس کی بری نوبت ہو رہی تھی۔
>
> رومانی عظمت وفضیلت سے مراد وہ اعمال ہیں، جو بذریعہ تازیانہ اور تلوار کے دیئے جاتے تھے، اور اسیرانِ جنگ کو عذاب اور قید کے حکم نافذ ہوتے تھے، اور بچوں اور بوڑھوں کو فتح کی گاڑیاں کھینچنے کی سزا دی جاتی تھی۔ (۱)

---

(۱) المدنیة والاسلام للفرید وجدی: ص ۱۵

حکومتِ رُوما کے مظالم

ان کے مظالم کا یہ عالم تھا کہ:

کسی وقت کسی شخص کی نسبت ان کو معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس قیدِ گراں سے نجات حاصل کرنے کے لئے حرکت کرنا چاہتا ہے تو وہ فوراً اس کی نسبت اِلحاد و اِرتداد کا فتویٰ دے کر اس کو آگ میں جلا دیتے تھے، یا ایسے سخت دردناک عذاب میں مبتلا کر دیتے تھے جس سے حیوان کے بھی رونگٹے کھڑے ہوتے۔ (۱)

رعایا کا حال

''انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا'' کا مصنف لکھتا ہے:

رُوم کی مشرقی ریاست میں اجتماعی بدنظمی انتہا کو پہنچ گئی تھی، باوجود اس کے عام رعایا بے شمار مصائب کا شکار تھی، ٹیکس اور محصول دوگنے، چوگنے بڑھ گئے تھے، جس کا نتیجہ یہ تھا کہ ملک کے باشندے حکومت سے نالاں تھے اور اپنے ملک کے حکمرانوں پر غیر حکومتوں کو ترجیح دیتے تھے، اِجارہ داریاں اور ضبطیاں مصیبت بالائے تھیں، ان اسباب کی بنا پر بڑے پیمانے پر فسادات اور بغاوتیں رُونما ہوئیں، چنانچہ ۵۳۲ھ کے فساد میں تیس ہزار (۳۰۰۰۰) افراد دارالسلطنت میں ہلاک ہوئے۔ (۲)

انصاف حکومتِ رُوما میں

انصاف کا حال یہ تھا کہ بقول سیل (Sale) جس طرح اشیاء کی خرید و فروخت ہوئی تھی، اور ان کے دام ٹھہرائے جاتے تھے، اسی طرح انصاف بھی فروخت ہوتا اور رِشوت و خیانت کی ہمت افزائی خود قوم کی طرف سے ہوتی تھی۔ (۳)

---

(۱) المدنیة والاسلام للفرید وجدی: ص ۵۱

(۲) مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر ص ۳۶

(۳) مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر ص ۳۷

اس سے بڑھ کر ظلم یہ تھا کہ ایک ہی جرم میں مختلف طبقے اور مختلف حیثیت کے لوگوں کو مختلف سزائیں دی جاتی تھیں۔

رُوما میں سزائیں ایک ہی قسم کے جرموں میں مجرموں کی حالت اور حیثیت کے لحاظ سے مختلف دی جاتی تھیں۔ (المدنیۃ والاسلام: ص ۱۴۰)

مذہب کے نام پر جنگ وجدال

رُوم میں مذہبی لڑائی کا یہ عالم تھا کہ:

بیشتر ان خانہ جنگوں نے بڑے پیمانے پر خونی معرکے کی شکل اختیار کرلی، مدارس، کلیسا اور لوگوں کے مکانات حریف کیمپ بن گئے تھے اور پورا کا پورا ملک خانہ جنگی کا شکار تھا۔ (۱)

مصر میں رُومی حکمت کے مظالم

''ڈاکٹر الفرڈ بٹلر'' رُومی حکومت کے بارے میں رقم طراز ہیں:

مصر میں رُومی حکومت صرف ایک ہی غرض وغایت اپنے سامنے رکھتی تھی، اور وہ یہ تھی کہ جس طرح ممکن ہو رعایا سے مال لوٹ کھسوٹ کر حکام کو فائدہ پہنچایا جائے، رعایا کی بہبودی اور خوش حالی اور عوام کے معیارِ زندگی کو بلند کرنے کا خیال تک نہیں آتا تھا۔ (۲)

رُومیوں نے شام پر سات سو سال تک حکومت کی، ان کے آتے ہی ملک میں اختلافات، خودسری اور تکبر کی بنیاد پڑ گئی تھی، اور قتل کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا، یونانیوں نے شام پر ۳۶۹ سال حکومت کی۔ اس پورے عہدِ حکومت میں بڑی سخت جنگیں ہوئیں رعایا پر مظالم ہوئے۔ (۳)

ان حالات کا بغور مطالعہ کریں اور فیصلہ کریں کہ امن وامان اور سکون واطمینان کہاں تھا؟

---

(۱) مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر ص ۳۵ (۲) مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر ص ۶۹
(۳) مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر ص ۶۹، ۷۰

اِیرانی حکومت

یہ تو آپ نے رُوم اور رُومی سلطنت کا حال پڑھا! اب ایران کا حال بھی تھوڑا بہت ملاحظہ فرمالیں کہ وہ اخلاق واعمال کی کس بلندی پر تھا؟ اوران کے یہاں امن وامان کس قدر تھا؟

ایران کے اعمال واخلاق کا اندازہ بس اس سے لگا سکتے ہیں کہ اس کے ایک حکمران یزدگرد نے اپنی لڑکی سے شادی کر لی تھی، اور خود اپنی لختِ جگر کو بیوی بنا رکھا تھا۔ اور ایک دوسرے حکمران بہرام نے اپنی ماں سے رشتۂ اِزدواج قائم کیا اور اس سے زَناشوئی کے تعلقات رکھے۔ ان میں پہلا حکمران پانچویں صدی عیسوی کے وسط کا تھا۔ اور دوسرا چھٹی صدی کا۔

مزدک کی تحریک اور عزت وآبرو

جہاں حکمرانوں کے اخلاق واعمال اس قدر پست ہوں، ان سے ملک میں اطمینان وسکون وامن وامان کی توقع سراسر بے سود نہیں تو اور کیا ہے؟ اور پھر اسی پر عیش وعشرت نے بس نہیں کیا، بلکہ پانچویں صدی عیسوی میں مزدک نامی تحریک نے تمام عورتوں کو سب کے لئے جائز قرار دے دیا، چنانچہ ''دولت اور عورت'' آگ، پانی اور چارہ کی طرح جائیدادِ مشترک اور سب کے لئے عام تھی۔

شاہِ ایران قباذ نے اس مسلک کی سرپرستی کی، پھر جو کچھ ہوا ہوگا، اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے۔ علامہ ابنِ جریر طبری رحمہ اللہ (متوفی ۳۱۰ھ) فرماتے ہیں:

فافترص السفلة ذلك واغتنموه، وكانفوا مزدك وأصحابه وشايعوهم، فابتلى الناس بهم، وقوى أمرهم حتى كانوا يدخلون على الرجل في داره فيغلبونه على منزله ونسائه وأمواله لا يستطيع الامتناع منهم.(۱)

---

(۱) تاريخ الطبري: ذكر الخبر عن ملوك الفرس و سني ملكهم، ذكر ملك قبازبن فيروز ج۲ ص ۹۲، ۹۴

اوباش اور آوارہ مزاج لوگوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور مزدک اور مزدکیوں کے پُر جوش ساتھی اِن کے دست و بازو بن گئے، عام شہری اس بلائے ناگہانی کے شکار تھے، اس تحریک کا اتنا زور رہوا کہ جو شخص جس کے گھر چاہتا گھس آتا اور مال وزَن پر قبضہ کر لیتا، اور صاحبِ مکان کچھ نہ کر سکتا۔ (کھڑا منہ تکتا رہتا)

یہ تھا ایران کے امن وامان کا حال! سوچئے اس سے بڑھ کر حادثہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ نہ کسی کی عزت وآبرو محفوظ تھی اور نہ کسی کا مال وزر! آنکھوں کے سامنے مال لوٹا جاتا اور مالک کھڑا تماشا دیکھتا، بہن، بیٹی اور بہو کی عزت پر غنڈے ڈاکے ڈالتے مگر یہ کچھ بول نہیں سکتے تھے۔

شاہ پرستی کی لعنت

باقی رہا عدل ومساوات تو اس کا اس سے اندازہ لگایئے:

ایران کے سلاطین اس بات کے مدعی تھے کہ ان کی رگوں میں خدائی خون ہے، اہلِ ایران بھی اسی نظر سے دیکھتے تھے کہ گویا وہ خدا ہیں۔

اُونچ نیچ کا فرق، طبقوں کا تفاوت اور پیشوں کی تقسیم ایرانی سوسائٹی اور نظامِ زندگی کا اٹل قانون تھا، جس میں رَدّ وبدل ممکن نہ تھا۔

ایرانیوں کی شاہ پرستی کا اندازہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ جمشید کے عہد میں کسی شخص نے خواب میں دیکھا کہ بادشاہ نے اس کے کسی فعل کو ناپسند کیا ہے، جب آنکھ کھلی تو اس نے اپنے آپ کو اس خواب کی بنا پر ایسا مجرم خیال کیا کہ خودکشی کی اور زندہ رہنا گوارا نہ کیا۔

ایک اور بادشاہ کے زمانے میں ایک پہلوان نے خواب دیکھا کہ اس نے بادشاہ کے حکم کی خلاف ورزی کی ہے، اس نے خواب سے بیدار ہونے کے بعد اپنے دوستوں سے بیان کیا تو انہوں نے فوراً اُسے قتل کر ڈالا۔ [1]

---

(۱) نظام سلطنت ص ۱۱۰ از مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی رحمہ اللہ

شراب نوشی کا بھی ان میں خوب رواج تھا۔ (۱)

صوبوں کی گورنری اور فوج کی سپہ سالاری بھی نسلاً بعد نسل خاندانوں کی وراثت سمجھی جاتی تھی۔ (۲)

قوانین لائیکرگس

رُوم اور ایران کے بعد کچھ اور قدیم ملکوں کے نظامِ سلطنت اور معاشرتی سماج پر بھی نظر ڈال لی جائے کہ اسلام کی آمد سے پہلے ان کا کیا حال تھا؟ اور ان کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا؟

تاریخی زمانہ سے پہلے یونانِ قدیم کا مشہور مقنن لائیکرگس گزرا ہے، اس کا بنایا ہوا نظامِ سلطنت بھی مؤرخین کے یہاں مشہور ہے، اس پر بھی نظر ڈال لیجئے کہ وہ انسانیت کا گلا گھونٹتا ہے یا اسے پروان چڑھاتا ہے؟ مؤرخ لکھتا ہے:

> اس نے مالکان اَراضی کے تمام اختیارات کو ضبط کر کے ملک کے تمام مزروعہ رقبے کو مساوی قطعات میں تقسیم کر کے ہر شخص کو ایک قطعہ سپرد کیا، ہر قطعے کا رقبہ اس قدر تھا کہ ستر اسی من غلہ سال بھر میں پیدا ہو سکے، اس غلے کے پیدا کرنے کا کام ہیلاٹ قوم کے افراد کو سپرد ہوا، جو اسپارٹ و یونان کی قدیم قوم تھی، اس کو اسپارٹی قوم نے اس طرح اپنا غلام بنایا جس طرح ہندوستان میں آریوں نے اچھوت اقوام کو اپنا غلام و خادم بنایا، یہ غلہ پیدا کرتے اور اسپارٹی بے فکری سے اپنا وقت گزارتے۔ (۳)

بے حیائی

لائیکرگس نے ''نیوگ'' کی سی خلافِ فطرت بے حیائی کو جائز کر رکھا تھا، اس کے

---

(۱) نظام سلطنت ص ۱۱۱ (۲) نظام سلطنت ص ۱۱۳

(۳) نظام سلطنت ص ۱۰۵

مجوّزہ قانون نے شوہر کو اجازت دے رکھی تھی کہ وہ اپنی بیوی کو کسی دوسرے مرد کے پاس حاملہ ہونے کے لئے بھیجے۔ نیز ہر شخص کو موقع تھا کہ کسی عورت کو خوبصورت اور حسین دیکھ کر اس کے خاوند سے عارضی طور پر مانگ لے۔ (۱)

طاقت ور بچے کو زِندہ رہنے دیا جاتا، اور کمزور کو فوراً ہلاک کر دیا جاتا۔ (۲)

انسانوں کا شکار

اس سے بڑھ کر اس قانون کا سب سے بڑا جرم یہ تھا کہ:

قانون نے اجازت دے رکھی تھی کہ اسپارٹی نوجوان یعنی لائیکرگس کے ہم قوم کی ایک جماعت عمالِ حکومت سے لائسنس (اجازت نامہ) حاصل کر کے ہیلاٹ قوم کے لوگوں کا شکار کھیلیں اور ان پر حملہ آور ہو کر قتل کریں، اور ان کے مرنے اور تڑپنے کا تماشا دیکھیں۔ (۳)

بے حیائی کے لئے قانون میں یہ گنجائش موجود تھی کہ:

اسپارٹی عورتیں شوہروں کے مرنے کے بعد اپنے غلاموں سے ہم بستر ہو کر بچے پیدا کر سکتی تھیں۔ (۴)

قانون منومہاراج

ہندوستان کے مشہورِ آفاق مؤرّخ منومہاراج کی ''منوسمرتی'' ہندوستان کا دھرم شاستر ہے، اس سلسلے میں ان کی دو چار دفعات پر بھی غور کر لیا جائے کہ اس سے کیسا سماج پیدا ہو سکتا ہے؟ اور اس قانون میں عدل و مساوات اور امن و امان کا کیا حشر ہوگا؟

---

(۱) نظام سلطنت ص ۱۰۷ (۲) نظام سلطنت ص ۱۱۰
(۳) نظام سلطنت ص ۱۰۸ (۴) نظام سلطنت ص ۱۱۰

(۱)......دُنیا میں برہمن سب سے افضل ہے، برہمن دھرم کی مورتی، نجات کا مستحق ہے، دھرم کے خزانے کا محافظ ہے، دُنیا میں جو کچھ ہے سب برہموں کے واسطے ہے، برہمن کی مہربانی سے چھتری لوگ بھی چین کرتے ہیں۔

(۲)...... برہمن خواہ عالم ہو یا نہ ہو، بڑا دیوتا ہے اگر چہ برہمن دُنیاوی کاموں میں بہت سی غلطیاں کرتا ہے، تاہم ایشور کا چاہنے والا ہونے کے سبب پوجنے کے قابل دیوتا ہے۔

(۳)......وید شودر کے پاس نہ پڑھے۔

(۴)......اگر شودر برہمن کو چور کہے تو اس کے جسم کا کوئی حصہ کاٹ ڈالنا چاہئے، اور چھتری کہے تو سو روپیہ جرمانہ دے، اور ویش کہے تو ڈیڑھ سو روپیہ۔

(۵)...... برہمن کا کام وید پڑھنا، یگیہ کرنا، دان لینا۔

چھتری کا کام رعایا کی حفاظت کرنا، دان دینا، دُنیا کی نعمتوں میں دل نہ لگانا ہے اور ویش کا کام چوپاؤں کی حفاظت کرنا، دان دینا، تجارت اور کھیتی کرنا، اور سود لینا اور شودر کا کام مذکورہ ہر سہ ذاتوں کے لوگوں کی خدمت کرنا۔

(۶)......اگر کسی مجرم کو سزا دینے کی ضرورت پیش آئے تو عضوِ تناسل، شکم، زبان، دونوں ہاتھ، دونوں پاؤں، دونوں کان، دونوں آنکھیں، ناک، جائیداد، اور جسم یہ سزا کے مقام ہیں۔

(۷)...... برہمن کا حق ہے کہ وہ غلام شودر سے دولت چھین لے، اس میں کچھ تامل نہ کرے، اس لئے کہ وہ دولت کچھ اس کی ملکیت نہیں۔

(۸)......زنا بالجبر کی سزا قطع عضوِ تناسل ہے، لیکن برہمن کو یہ سزا نہ دینی چاہئے، اس لئے کہ اس کو سزائے جسمانی دینے کی ممانعت ہے۔

(۹)......جو شودر بآواز بلند نام لے کر کہے کہ تو فلاں برہمن سے نیچ ہے تو اس شودر کے منہ میں بارہ اُنگل کی میخ آہنی آگ میں سرخ کر کے جلتی ہوئی ڈالنی چاہئے۔

(۱۰)...... چنڈال، شودر جس عضو سے بڑے آدمی کو مارے، اس عضو کو کاٹ ڈالنا چاہئے،

چھوٹا آدمی بڑے آدمی کے ساتھ ایک آسن پر بیٹھے تو اس کا چوتڑ کاٹ ڈالنا چاہئے۔

''منوسمرتی'' کا اُردو ترجمہ چھپا ہوا ہے، تفصیل اس میں پڑھیں، یہاں تو صرف قوانین کی ناہمواری، فرقہ وارانہ عصبیت، ناجائز پاسداری اور ظلم وجور کی طرف محض اشارہ کرنا مقصود ہے، جن سے امن وامان کو قانونی نقصان پہنچتا ہے۔

اور بھی بہت سے قدیم نظامِ زندگی، اور قوانینِ حکومت ہیں۔ ان کی تفصیل مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی رحمہ اللہ کی کتاب ''نظامِ سلطنت'' میں قابلِ مطالعہ ہے، یہ جو کچھ لکھا گیا، ان ہی کی کتاب سے ماخوذ ہے۔

عرب کا حال

رہ گیا عرب کا حال! عہدِ نبوی اور بعثتِ نبوی سے پہلے اس کا کیا حال تھا؟ دُنیا جانتی ہے کہ وہاں قتل وخون ریزی، فتنہ وفساد، لوٹ مار اور اس کی طرح دوسری بے راہ روی، زندگی کا مخصوص مشغلہ تھا۔ معمولی معمولی بات پر خاندان کا خاندان تہ تیغ کر دیا جاتا تھا، بے نظمی اور اِنتشار اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی، کوئی تنہا ایک جگہ سے دوسری جگہ نہیں جا سکتا تھا، اور غریبوں کی عزت وآبرو ہر وقت خطرے میں گھری رہتی تھی۔

امن وامان اور عدل ومساوات عہدِ اسلام میں

ایسے پُرفتن اور تاریک ترین دور میں اسلام کا روشن آفتاب جبلِ ابوقبیس کی پہاڑی سے طلوع ہوا، اور اس کی نورانی کرنوں نے دیکھتے ہی دیکھتے سارے عرب کو بقعۂ نور بنا دیا، بھٹکے ہوؤں نے راہ پائی، ظلم وجور کا گھٹا ٹوپ بادل چھٹ گیا، اور کچلی ہوئی انسانیت نے دوبارہ کروَٹ لی، وہ لوگ جو کل تک سہمے سہمے پھر رہے تھے، اور مسلسل مظالم نے ان کی کمر توڑ دی تھی، اُٹھ کھڑے ہوئے، فتنہ وفساد کا سرچشمہ خشک ہو گیا، شرارت اور شیطنت کا جہنم ٹھنڈا پڑ گیا، اور اُونچ نیچ، شریف ووضیع کا امنڈتا ہوا طوفان ختم گیا۔

اسلام کی آواز

انسانی قوانین نے ساری دُنیا میں تہلکہ مچا رکھا تھا، انسانوں کو مختلف حصوں میں بانٹ دیا تھا، اور اِنسانوں کو وحشت و درندگی اور ظلم و جور کا تختۂ مشق بنا رکھا تھا۔ اسلام نے آ کر اصلاح و تبلیغ کا جھنڈا بلند کیا، اور ربانی قوانین کا پرچم لہرایا اور سارے عالم کو اس کے سایہ میں جمع ہونے کی دعوت دی، اس نے تمام ادیانِ سابقہ کی تصدیق کی، ساری آسمانی کتابوں کا اِحترام سکھایا، اور تمام انبیاء پر اِیمان لانے کی دعوت دی۔ نہ کسی کا انکار کیا اور نہ کسی کو بُرا بھلا کہا، زیادہ سے زیادہ اس نے جو کیا، وہ یہ تھا کہ انسانوں نے ان آسمانی کتابوں یا انبیاء کے ساتھ جو نا رَوا سلوک کیا تھا، اس کی نشاندہی کی، اور تحریف و الحاق کا راز فاش کیا۔

انسانی شرافت

انسان جو اپنی شرافت و کرامت گم کر چکا تھا، اور پستی کی انتہا تک پہنچ کر کیڑے مکوڑے، پتھر اور بے جان چیزوں کے آگے گھٹنے ٹیک چکا تھا، اسے جھنجھوڑا اور اسے اس کا بھولا ہوا مقام یاد دِلایا۔

ارشادِ ربانی ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝۴ (التین)

تحقیق ہم نے انسان کو بہت اچھی شکل وصورت میں پیدا کیا۔

پیغمبرِ اسلام نے رَبّ العالمین کی طرف سے اعلان کیا:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَ حَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۝۷۰ (الاسراء)

اور تحقیق ہم نے آدم کی اولاد کو عزت دی، اور ہم نے ان کو خشکی اور دریا میں سواریاں دیں، اور عمدہ چیزیں کھانے اور برتنے کو دیں، اور ہم نے ان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر فوقیت دی۔

اور ذہن نشین کرایا کہ یہ آسمان زمین، پہاڑ، دریا، سورج، چاند اور ساری کائنات تمہارے اور تمہارے آرام وآسائش کے لئے ہے:

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا (البقرہ: ۲۹)

خدا وہ ہے جس نے تمہارے لئے زمین کی تمام چیزیں پیدا کیں۔

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ (البقرۃ: ۲۲)

خدا کی ذات ایسی ہے جس نے زمین کو تمہارے لئے فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی اُتارا، پھر پانی سے پھلوں کو تمہارے لئے رزق بنایا۔

ایک جگہ بڑی وضاحت سے بیان کیا:

وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ وَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌ بِاَمْرِهٖ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۲﴾ (النحل)

تمہارے لئے رات دن شمس وقمر اور ستاروں کو اپنے حکم سے مسخر فرمایا، بیشک ان میں اس قوم کے لئے (اللہ کی) نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لے۔

اور پھر بتدریج وہ سارے قوانین جو ربّ العالمین کی طرف سے انسانوں کو ملے تھے، پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے کائنات انسانی کو ان سے روشناس کرایا، جیسے اخوت ومروّت، ہمدردی وحسن سلوک، عدل ومساوات، صلح ودرگزر، ایثار واخلاص، رواداری وفیاضی اور اسی طرح کے دوسرے قوانین جس کی مختصر تعبیر ''آئینِ حکومتِ ربانی'' ہے یا ''اسلامی نظامِ حیات''۔

نظامِ سلطنت

یہاں یہ بات پہلے ذہن نشین کرلینی چاہئے کہ ابتدائی طور پر حکومت وسلطنت کے دو نظام ہیں، ایک انسانی، دُوسرا ربانی۔ اس سے تو کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا کہ ہر جماعت قیامِ حکومت پر مجبور ہے تاکہ ملی جلی زندگی میں جب کوئی ناہمواری پیش آئے تو حکومت کے

ذریعے سے اسے دُور کیا جائے۔ پھر انسانی طبائع مختلف ہیں، ہر آن فتنہ وفساد، جنگ وجدال کا خطرہ ہے، اگر کوئی ایسا نظام نہ ہو جو اس طرح کی چیزوں پر کنٹرول کر سکے تو کوئی بھی اطمینان کا سانس نہیں لے سکتا۔

انسانی قانون

یہ مسلّم ہے کہ انسانوں کا خودساختہ قانون خامیوں اور کمزوریوں سے ہرگز پاک نہیں ہوسکتا ہے، اس لئے کہ انسانوں کی ایک جماعت سارے انسانوں کے جذبات ومیلانات سے واقف نہیں ہوسکتی، اور نہ وہ تمام تر انسانوں کے عواطف وخیالات پر قابو پاسکتی ہے۔ جب تک انسان جامۂ انسانیت میں ہے اس کے خوردنی رُجحانات بھی ہوتے ہیں، اس لئے جب انسان قانون بنائے گا تو اس میں حسبِ گنجائش اپنے نظریات کی رعایت ضرور کرے گا۔

جو قانونِ سلطنت انسان کی جماعت وضع کرتی ہے، اسے دُنیوی حکومت کہتے ہیں، جس میں نہ پورا انصاف ہوتا ہے اور نہ ہر ایک کی رعایت ہی ہوسکتی ہے، یہی وجہ ہے کہ کمزور محکوم کے لئے عدل کا جو مفہوم ہوتا ہے، حکمراں طبقہ اور طاقت ور کے لئے عدل کا وہ مفہوم نہیں ہوتا، اور چونکہ حقیقی عدل ومساوات دُنیاوی حکومت میں رائج نہیں ہوا کرتا، اس لئے یہ قانون مفاسد وفتن کا مجموعہ بن جاتا ہے، ایک طبقہ ظلم وتعدی کا نشانہ بنتا ہے، اور دوسرا مزے لوٹتا ہے، اور جونہی مظلوم ومحکوم طاقت حاصل کرلیتا ہے، حکمران طبقہ اس کو مٹانے کی سعی شروع کردیتا ہے، اور ایک دن وہ بھی آتا ہے کہ کل تک جو حکمران طبقہ تھا محکوم بن جاتا ہے، اور جو محکوم تھا حکمران کی صف میں آجاتا ہے، پھر یہ کل کے محکوم ومظلوم انسان حکمران بن کر اپنے مخالف طبقے سے بدلہ لینے کی کوشش کرتے ہیں اور ظالم بن بیٹھتے ہیں، اور یہ کشمکش کبھی ختم نہیں ہو پاتی۔

حاکم ومحکوم کا فرق کبھی قوم ونسل کی بنیاد پر ہوتا ہے، کبھی سرمایہ داری اور غربت کے نام پر، اور کبھی مذہب ودِین کے رُوپ میں، اور اس دور میں تو صرف پارٹی اور جماعت کا نام اس امتیاز کے لئے کافی ہوتا ہے، جو ترقی کرکے باہمی کشمکش کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

ہم اُوپر اشارہ کر آئے ہیں کہ جب بھی کسی ایک طبقے نے اقتدار سنبھالا ہے، اس نے دوسرے کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کی کوشش کی اور پوری بے دردی اور بے رحمی سے تہ تیغ کیا یا مختلف سزائیں دیں۔

حکومتِ ربانی

اس کے مقابلے میں دوسرا قانونِ حکومت ''قانونِ ربانی'' ہے جسے دِینی حکومت سے تعبیر کرتے ہیں، یہ قانون کسی مخصوص انسان یا انسانی پارٹی کا بنایا ہوا نہیں ہوتا، بلکہ دراصل یہ سارا قانون اس احکم الحاکمین کا بنایا ہوا ہوتا ہے، جس نے ساری کائنات پیدا کی اور جو تمام انسانوں کا خالق و مالک ہے۔

اللہ تعالیٰ کا علم چونکہ تمام عالم اور تمام تر کائنات کو محیط ہے، کوئی ذرّہ اس کے علم سے باہر نہیں، وہ انسان تو انسان ایک ایک ذرّے کی بھی پوری خبر رکھتا ہے، لہٰذا اس کا قانون سب کے مزاج اور ساری کائنات کے حالات کے مطابق ہوتا ہے، اس میں ایک ایک چیز اور ایک ایک آدمی کا پورا پورا لحاظ ہوتا ہے، اور یقینی طور پر ایسا قانون سب کے موافق ہوتا ہے۔

اس کائنات میں انسان اشرف المخلوقات بنایا گیا ہے، اسے عقل وفہم اور اختیار و اِرادے کی دولت سے نوازا گیا ہے، بہت ممکن ہے کہ انسان اپنے اِرادے اور اختیار سے غلط کام لے، اور اس کا یہ اختیار دوسرے کمزور انسانوں کے لئے وبالِ جان بن جائے، اس لئے دِینی حکومت میں قوانینِ سلطنت کی ضرورت ناگزیر طور پر ہوئی، تاکہ ہر ایک انسان دوسرے پر ظلم و زیادتی نہ کرسکے، اور دُنیا میں امن و سلامتی برقرار رہے اور ہر شخص، بلکہ ہر مخلوق اپنے حقوق سے پورے طور پر مستفید ہوسکے۔

ربانی حکومت کا مقصد

ربانی حکومت کا مطمحِ نظر آخرت کو دُنیا پر ترجیح دینا ہے، اور وہ سب سے پہلے اسی کو ذہن نشین کراتی ہے، کسی بڑے کام سے روکنے کے لئے پہلے اس کے اُخروی نقصانات

ذہنوں میں راسخ کرتی ہے، ترہیب کا پہلو اختیار کرتی ہے کہ تم فلاں کام کروگے تو اس کا آخرت کی زندگی میں تمہیں یہ وبال پہنچے گا، اسی طرح اچھے کام کے لئے پہلے اُخروی فوائد کی تفصیل پیش کرتی ہے، ترغیب سے کام لیتی ہے، ساتھ ہی دُنیاوی نقصانات وفوائد پر بھی روشنی ڈالتی ہے، تاکہ سرکشی میں مبتلا نہ ہونے پائیں۔

لیکن جب یہ چیزیں کارگرنہیں ہوتیں، یا کوئی ایسی چیز معاشرے میں پیدا ہوجاتی ہے جو اسے قانونِ الٰہی سے بغاوت پر اُبھارتی ہے تو اس نازک موقع پر دِینی حکومت قانون سے کام لیتی ہے، اور اس سلسلے میں پھر اس کے یہاں معافی کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

یہ خوب یاد رکھا جائے کہ جو حکومت دِین کا نام لے مگر اس کے پورے اَحکام وتعلیمات پر عمل پیرا نہ ہو، اس سے ہرگز دھوکا نہ کھانا چاہئے، خواہ عیسائی مذہبی حکومت ہو، یا یہودی وہندو مذہبی حکومت یا پھر مسلمان۔

یعنی حکومت نام ہے اس پورے ''نظامِ سلطنت'' پر عمل پیرا ہونے کا جسے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا، اور اس کے رسولِ برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں تک پہنچایا۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دُنیا میں جس حکومت کی داغ بیل ڈالی وہ سراسر دِینی وربانی حکومت ہے جس کا سارا دستور خدائی ہے، اس کی قانون سازی میں انسان کو ذرّہ برابر دخل نہیں، انسان اسے نافذ تو کرتا ہے، مگر بناتا نہیں، اس ربانی حکومت میں ایک ایک فرد کا لحاظ وپاس جیسا چاہئے ملحوظ رہتا ہے۔ رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی اس پر شاہد ہے۔

دِینی حکومت کا امتیاز

شرک اسلام کی نظر میں سب سے بڑا گناہ اور جرائم میں سب سے بڑا جرم ہے، مگر اللہ تعالیٰ دُنیا میں اس کے لئے کوئی سزا تجویز نہیں کرتا، نہ کسی مشرک کو بے دھڑک قتل کرنے کا حکم دیتا ہے، نہ اس کے ہاتھ پیر کٹواتا ہے اور نہ اسے پھانسی کے تختے پر لٹکانے کا حکم دیتا

ہے، بلکہ اس کی طرف سے اسے زندہ رہنے اور زندگی گزارنے کا پورا حق دیا جاتا ہے، اور اسے اس کی طرف سے فرماں بردار بندوں ہی کی طرح خوراک و پوشاک بھی ملتی رہتی ہے۔

جس طرح خدا کی نعمتیں ہوا، پانی، آگ، سورج، چاند، زمین، آسمان اور کائنات کا ذرّہ ذرّہ بلاتفریقِ مذہب و دھرم ہر ایک کے لئے عام ہے، اسی طرح اسلامی نظامِ حکومت میں امن وامان سکون واطمینان، اور جینے کا حق ہر ایک کو ہے، مذہب اور دِین کا تعلق اختیار سے ہے، اس پر کوئی دباؤ نہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ اسلام اللہ کا پسندیدہ دِین ہے، اور ان مذاہب وادیان سے اسے محبت نہیں جن میں کفر وشرک کی آمیزش ہے، لیکن بایں ہمہ اسلامی ''نظامِ سلطنت'' میں جینے کے حق میں کوئی تفریق نہیں۔

خالص اسلامی حکومت

خالص اسلامی حکومت کے نقشے کو سمجھنے کے لئے دورِ خلافتِ راشدہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا عہدِ حکومت مثال کی حیثیت رکھتا ہے، اسلامی حکومت اپنے ہر باشندے کو جان کی حفاظت، مال کی حفاظت، عقل کی حفاظت، عزت وآبرو کی حفاظت اور دِین و مذہب کی حفاظت کی ضمانت دیتی ہے، کتاب وسنت اور تاریخ کی روشنی میں ان میں سے ہر ایک پر مفصل بحث کی جائے گی، اور بتایا جائے گا کہ قوانینِ اسلام میں کس قدر جامعیت ہے، اور اسلام نے اپنے پیروؤں کے دِلوں میں اس راہ سے کس عظیم الشان انقلاب کی سعی کی ہے۔

خلافتِ راشدہ دوسروں کی نظر میں

یہاں اِجمالی طور پر خلافتِ راشدہ پر روشنی ڈالی جائے گی جو صحیح معنی میں اسلامی حکومت تھی، اور ساتھ ہی غیر مسلموں کی شہادتیں بھی پیش کی جائیں گی کہ اس دِینِ قیم نے ملک اور قوم کی حفاظت و راحت کا کتنا عمدہ سامان کیا، اور یہ کہ ہر شخص اس طرزِ حکومت سے کس قدر خوش اور اس کا کتنا ہی خیر خواہ تھا۔

اپنی طرف سے کچھ لکھنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک یورپی مصنف ومورّخ ڈاکٹر گستاوُلی بان کے خیالات پیش کر دیے جائیں جو مسلمان نہیں عیسائی ہے، اور اس نے جو کچھ لکھا ہے وہ کسی عقیدت کی بنا پر نہیں، بلکہ تحقیق وتنقید کے بعد لکھا ہے، چنانچہ وہ ایک جگہ لکھتا ہے:

خلفائے راشدین جس ملکی خوش تدبیری کو کام میں لائے وہ ان کی سپہ گیری اور فنِ حرب تھی، جسے انہوں نے آسانی سے سیکھ لیا تھا، شروع ہی سے انہیں ایسی اقوام سے کام پڑا جن پر سالہا سال سے مختلف حکومتوں نے نہایت بے رحمی سے ظلم کر رکھا تھا، اور اس مظلوم رعایا نے نہایت خوشی کے ساتھ اس نئے ملک گیروں کو قبول کر لیا، جن کی حکومت میں انہیں بہت زیادہ آسائش تھی، مفتوح اقوام کا طریقۂ عمل کیا ہونا چاہئے، نہایت صاف اور صریح طور پر مقرر کر دیا گیا، اور خلفائے اسلام نے ملکی اغراض کے مقابل میں ہرگز بزورِ شمشیر دِین کو پھیلانے کی کوشش نہیں کی، بلکہ بعوض اس کے کہ وہ اپنے دِین کی اشاعت کرتے، وہ صاف طور پر ظاہر کر دیتے تھے کہ اقوامِ مفتوحہ کے مذاہب ورُسوم اور اوضاع کی پوری طرح سے حرمت کی جائے گی، اور اس آزادی کے معاوضے میں وہ ان سے ایک بہت خفیف سا خراج لیتے تھے، جو ان مطلوبات کے مقابل میں جو ان اقوام کے پُرانے حکام اُن سے وصول کیا کرتے تھے نہایت ہی کم تھا۔ (۱)

خلفائے راشدین اور دُوسرے خلفائے اسلام کا طریقۂ کار کیا تھا؟ اس پر روشنی ڈالتے ہوئے ڈاکٹر لیبان لکھتا ہے:

کسی ملک پر فوج کشی کرنے سے پہلے عرب ہمیشہ ان کے پاس سفیروں کے ذریعے صلح کی شرائط بھیجا کرتے تھے، شرائط ذیل میں لکھی جاتی ہیں۔ (۲)

---

(۱) تمدّنِ عرب: ص ۱۳۱ (۲) تمدّنِ عرب: ص ۱۳۱

صلح و جنگ

یہ شرائط خود ڈاکٹر لیبان کی زبانِ قلم سے ملاحظہ فرمایئے، جس کا اُردو ترجمہ علامہ بلگرامی نے کیا ہے، شرائط نامہ یہ ہے:

> ہمارے پیغمبر نے یہ حکم دیا ہے کہ اگر تم قانونِ اسلام قبول نہ کرو، تو ہم تمہارے ساتھ جنگ کریں، پس تم بھی ہم میں مل جاؤ، اور ہمارے بھائی بن جاؤ، اور ہمارے منافع اور منصوبوں میں شریک ہو جاؤ، اس کے بعد تم سے کوئی بُرائی نہ کریں گے، لیکن اگر تم یہ کرنا نہیں چاہتے تو ہمیں اپنی زندگی تک ایک سالانہ خراج بالالتزام دیا کرو، اس کے بعد ہم تمہارے بدلے ان تمام لوگوں سے لڑیں گے جو تمہیں ستانا چاہیں گے، یا کسی طرح تمہارے دشمن ہوں گے، اور ہم اپنے معاہدے پر مضبوط رہیں گے............ اگر تمہیں یہ بھی منظور نہیں ہے تو پھر ہم میں اور تم میں بجز تلوار کے اور کوئی چیز نہیں رہتی، اور ہم تم سے اس وقت تک جنگ کرتے رہیں گے جب تک اللہ تعالیٰ کے حکم کو پورا نہ کرلیں۔ (۱)

ملاحظہ فرمایئے! ایک غیر مسلم بھی اسلامی حکومت کے متعلق کیا نظریہ رکھتا ہے؟ اور کس طرح اس کی بے غرض اور بے لاگ خدمت کا اعتراف کرتا ہے...!

اسلامی حکومت اور غیر مسلم

آگے ڈاکٹر موصوف لکھتا ہے کہ عملی سلوک غیروں کے ساتھ ان کا کیسا تھا کہ جس کی وجہ سے لوگ خواہ وہ کسی مذہب و ملک سے تعلق رکھتے ہوں، ان میں اور ان کی حکومت کو اپنے لئے سراپا رحمت یقین کرتے تھے۔

بیت المقدس کا تذکرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہے:

> بیت المقدس کی فتح کے وقت حضرت عمر رضی اللہ علیہ کا اخلاق ہم پر ثابت کرتا

---

(۱) تمدّنِ عرب: ص ۱۳۲

ہے کہ آپ اقوامِ مفتوحہ کے ساتھ کیا نرم سلوک کرتے تھے، اور یہ سلوک ان مدارت کے مقابل میں جو صلیبیوں نے اس شہر کے باشندوں سے کئی صدی بعد کی، نہایت حیرت انگیز معلوم ہوتا ہے...... اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منادی کرا دی کہ میں ذمہ دار ہوں کہ باشندگانِ شہر کے مال اور ان کی عبادت گاہوں کی حرمت کی جائے گی، اور مسلمان عیسائی گرجوں میں نماز پڑھنے کے مجاز نہ ہوں گے۔[1]

ایک مخالفِ اسلام مؤرّخ جس حقیقت کا اعتراف کر رہا ہے، اسے بار بار پڑھیں اور بتائیں کہ کیا اسلامی حکومت سچ مچ رحمت نہیں ہے؟ جس کی آغوش میں پہنچ کر سارے انسانوں کو آرام کی زندگی نصیب ہوتی ہے، خواہ وہ عیسائی ہوں یا یہودی، پارسی ہوں یا مجوسی، ہندو ہوں یا سکھ...!

یہی ڈاکٹر گستاوَلی بان ایک جگہ اعتراف کرتا ہے:

جو سلوک عمرو بن العاص نے مصریوں کے ساتھ کیا، وہ اس سے کم نہ تھا[2] اس نے باشندگانِ مصر سے وعدہ کیا کہ پوری مذہب کی آزادی، پورا انصاف، بلا رو رعایت اور جائیداد کی ملکیت کے پورے حقوق دیئے جائیں گے، اور ان ظالمانہ اور غیر محدود مطالبوں کے عوض میں جو شہنشاہانِ یونان ان سے وصول کرتے تھے۔ صرف ایک معمولی سالانہ جزیہ لیا جائے گا جس کی مقدار فی کس دس روپے تھی۔[3]

آگے وہ لکھتا ہے کہ خلفائے اسلام اپنے اس معاہدے پر کس مضبوطی سے قائم رہے، اور رعایا کے ساتھ کتنا عمدہ منصفانہ برتاؤ کیا گیا، اس کے الفاظ یہ ہیں:

---

(۱) تمدّنِ عرب: ص ۱۳۲

(۲) یعنی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس سلوک سے جو آپ نے بیت المقدس کے ساتھ کیا تھا۔

(۳) تمدّنِ عرب: ص ۱۳۳

عمالِ اسلام اپنے عہد میں اس درجہ مستحکم رہے، اور انہوں نے اس رعایا کے ساتھ جو ہر روز شہنشاہِ قسطنطنیہ کے عاملوں کے ہاتھوں سے انواع واقسام کے مظالم سہا کرتی تھیں، اس طرح کا عمدہ برتاؤ کیا کہ سارے ملک نے بکشادہ پیشانی دینِ اسلام اور عربی زبان کو قبول کرلیا۔ میں بار بار کہتا ہوں کہ یہ وہ نتیجہ ہے جو ہرگز بزورِ شمشیر نہیں حاصل ہوسکتا۔ (۱)

خلفائے راشدین کی سادگی

ڈاکٹر لیبان نے آگے چل کر خلفائے راشدین کے اعمال واخلاق اور سادہ زندگی کا تذکرہ کیا ہے، وہ لکھتا ہے:

خلفائے راشدین، یہ سب حضرات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ تھے، اوران میں پیغمبرِ خدا کی سخت (جفاکشی والی) زندگی اور سادہ عادتیں موجود تھیں، اور کسی قسم کی شانِ حکومت ان میں نہ تھی۔ (۲)

عدل ومساوات

ڈاکٹر گستاؤلی بان نے خلفائے راشدین کی عدل پروَرِی اور مساوات کا بھی تذکرہ کیا ہے، وہ اس سلسلے میں لکھتا ہے:

خلفائے راشدین کے زمانے میں ہر شخص برابر سمجھا جاتا تھا، اور ایک ہی قانون سب کے لئے تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ بہ نفسِ نفیس خود عدالت کے سامنے مدعی بن کر آئے اور ایک شخص پر دعویٰ کیا، جس نے آپ کی زرہ چرائی تھی۔ جس وقت غسان کا نصرانی بادشاہ جو مسلمان ہوگیا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملنے کو آیا تو حسبِ اتفاق ایک اَعرابی نے نادانستہ اسے دھکا دیا، اس پر بادشاہ نے خفا ہوکر اسے مارا، اَعرابی کی شکایت پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ

---

(۱) تمدنِ عرب: ص ۱۳۳ (۲) تمدنِ عرب: ص ۱۳۴

کیا کہ وہ بھی بادشاہ کو مارے، اس پر بادشاہ نے کہا: اے امیر المؤمنین! کہیں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایک شخص بادشاہ کو ہاتھ لگائے؟ خلیفہ نے جواب دیا کہ اس کا قانون یہی ہے، اسلام میں نہ درجہ کی عزت ہے نہ ذات کی، ہمارے پیغمبرِ خدا کی نظر میں سب برابر ہیں اور ان کے خلفاء میں بھی یہی روایات قائم رہیں گی۔ (۱)

رعایا کے ساتھ حسنِ سلوک

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سادہ زندگی کا تذکرہ کر کے ڈاکٹر لیبان لکھتا ہے کہ:

بیت المقدس کی فتح کے وقت جب یہ شرط پیش کی گئی کہ کنجی خود خلیفہ کے ہاتھ میں دی جائے گی، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع دی گئی، چنانچہ آپ کا آنا اس سادگی کے ساتھ ہوا کہ:

بیت المقدس کی صلح کے وقت عمر رضی اللہ عنہ آئے، تنِ تنہا مدینہ سے اُونٹ پر سوار ہو کر روانہ ہوئے، ان کا سارا سامان یہ تھا، ایک مشک پانی، ایک تھیلی میں تھوڑے سے چاول اور سوکھا میدہ، رات دن چل کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیت المقدس آئے اور شہر کے باشندوں کے ساتھ بے انتہا نرمی سے پیش آئے، مذہب و رسوم اور مال و متاع کی پوری آزادی ان کو دی۔ (۲)

مذہبی رواداری

مذہبی رواداری کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

عربوں نے اپنی رعایا کے ساتھ نہایت انصاف و انسانیت کا برتاؤ کیا اور ان کو پوری آزادی مذہب کی دی، ان کے عہدِ حکومت میں کلیسا مشرقی و مغربی دونوں کے رئیس کو اس قدر آرام ملا جو انہیں اُس وقت ہرگز نصیب نہیں ہوا تھا۔ (۳)

---

(۱) تمدّنِ عرب: ص ۱۳۵ (۲) تمدّنِ عرب: ص ۱۴۸
(۳) تمدّنِ عرب: ص ۱۴۹

یہ نقد و تبصرہ اسلامی حکومت پر کسی مسلمان عقیدت مند اور نیاز مند کی طرف سے نہیں ہے، بلکہ ایک مغربی مؤرّخ کے قلم سے ہے، جو مذہباً اسلام کا مخالف تھا، بلاشبہ اس نے اسلامی حکومت کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی ہے، اور جو بات لکھی ہے وہ مدلل و محققانہ انداز میں۔ آج بھی ایک منصف مؤرّخ اس کے سوا کوئی دوسرا فیصلہ نہیں کر سکتا ہے۔

امتیازی شان

دِینی حکومت کا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ یہ انسانوں کا بنایا ہوا قانون نافذ نہیں کرتی بلکہ رَبّ العالمین کا بنایا ہوا دستور العمل نافذ کرتی ہے، جس میں کہیں سے نہ اِفراط وتفریط اور ظلم و جور کا نشان ہوتا ہے اور نہ کسی کے لئے کوئی خاص امتیاز وتفریق۔ جو قانون فقیر کے لئے ہے وہی بادشاہ کے لئے بھی، جو آئین سرمایہ دار کے لئے وہی ایک مزدور اور فاقہ مست کے لئے بھی، اور جو قوانین اپنوں کے لئے ہیں وہی غیروں کے لئے بھی۔

یہ غیر ممکن ہے کہ اسلامی اور دِینی حکومت اپنے پورے قوانین کے ساتھ موجود ہو اور پھر ملک میں بدنظمی، انتشار اور بے اطمینانی ہو، دِینی حکومت میں فتنہ وفساد اور قتل وخون ریزی کی کوئی اسکیم بھی کامیاب نہیں ہو سکتی، یہ حکومت افراد کے لئے بھی امن وامان اور سلامتی کا انتظام کرتی ہے اور جماعت وملک کے لئے بھی، گویا انفرادی اور جماعتی ہر حیثیت سے پورا امن وامان رہتا ہے۔

اسلامی حکومت ان تمام چیزوں پر پہرہ بٹھا دیتی ہے جو شخصی یا جماعتی زندگی کے لئے مہلک یا مضر ثابت ہوں، اخلاق واعمال کے راستے سے بھی، اور عقائد ومعاملات کی راہ سے بھی، زندگی کا کوئی ایسا گوشہ نہیں ہے جس کے لئے باضابطہ قوانین موجود نہ ہوں، جب دِینی حکومت میں عقائد کی پختگی حاصل ہوتی ہے، معاملات کی صفائی ضروری قرار دی جاتی ہے، اور اعمال واخلاق کو برباد ہونے نہیں دیا جاتا، تو پھر ملک میں فتنہ وفساد کی گرم بازاری کا موقع کہاں سے نکل سکتا ہے؟

ایک اطالوی کا اعترافِ حق

خلفائے راشدین کی خلافت اسلامی قوانین پر قائم تھی، اس لئے غیروں کو اس کے تمام شعبہ جات کی تعریف کرنی پڑی، ایک اطالوی لارڈ کاؤنٹ ہنری نے اپنی کتاب ''اسلام'' میں پادری برد کلے کا یہ بیان نقل کیا ہے:

ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ میں سلطنت کی زمام لے کر اس میں چار چاند لگا دیئے، اور سیاسی حکمتِ عملی کا ایک ایسا نقش کھینچ کر دِکھلایا جس نے ساری دُنیا سے خراجِ تحسین حاصل کیا، یہ کہنا بغیر کسی مبالغہ کے صحیح ہوگا کہ یہ دونوں مشرقی یونان کی بازنطینی سلطنت کے جن حکمرانوں اور اعلیٰ کمانڈروں سے برسرِ جنگ تھے، ان کے مقابلے میں یہ دونوں زیادہ مستقل مزاج، زیادہ انصاف پسند، زیادہ بُردبار اور قانع، زیادہ شریف، باعظمت، جری، اُولوالعزم اور زیادہ بلند مرتبہ تھے۔ [1]

ایک ہندو لیڈر کا اعتراف

ہمارے ملک کے مُسلّم لیڈر اور ہندوؤں کے مہاتما، مسٹر گاندھی اپنے ہفت وار انگریزی اخبار ''ہریجن'' ۷ر جولائی ۱۹۳۹ء میں لکھتے ہیں:

مجھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مثالیں پیش کرنے دیجئے، رام اور کرشن کو جانے دیجئے، جو اس وقت کے نام ہیں جب تاریخ ہی موجود نہ تھی، اس لئے ناموں کو مثال کے طور پر نہیں پیش کرسکتا ہوں۔ تاریخ بتاتی ہے کہ رانا پرتاب اور سیوا جی انتہائی سادگی کی زندگی بسر کرتے تھے، لیکن اس مسئلے میں اختلاف ہوسکتا ہے کہ جب انہیں حکومت مل گئی تو انہوں نے کیا کیا، لیکن پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی

(۱) اسلام کا نظام حکومت: ص ۱۰۰، ۱۰۱

اللہ عنہ کے بارے میں کوئی بھی اختلافِ رائے نہیں ہے، ان کے قدموں پر دُنیا کی دولت پڑی ہوئی تھی۔ انہوں نے جو مشقتیں برداشت کیں، اس کے لحاظ سے تاریخ میں ان کا کوئی ثانی ملنا دُشوار ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے ماتحتوں کی یہ بات بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ انہیں دُور دراز کے صوبوں میں رہ کر موٹے کپڑوں اور جو کی روٹی پر گزر نہ کرنا چاہئے۔[(۱)]

یہ شہادت گھر کی نہیں باہر کی ہے، اپنوں کی نہیں غیروں کی ہے، اور کسی جاہل کی نہیں ایسے پڑھے لکھوں کی ہے جنہیں دُنیا جانتی ہے اور جن کا مطالعہ وسیع ہے۔

صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا اعلان

حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اور دوسرے صحابہ کرام یکسر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ تھے، جنہوں نے اپنی آنکھوں سے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا، اور آپ کے فیضِ صحبت سے مستفیض تھے، اس لئے ان کی خلافت سراپا ربانی حکومت تھی، اپنے کو مخدوم نہیں خادم سمجھتے تھے، اپنے کو حکمران نہیں نگران یقین کرتے تھے، اور یہ حکمران ہو کر بھی اپنے کو ہرگز کسی معمولی انسان سے بڑا نہیں سمجھتے تھے، چنانچہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے پہلے خطبے میں بڑی صفائی سے فرمادیا تھا:

أَمَّا بَعْدُ أَيُّهَا النَّاسُ! قَدْ وَلِيتُ أَمْرَكُمْ وَلَسْتُ بِخَيْرِكُمْ ...أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّمَا أَنَا مُتَّبِعٌ وَلَسْتُ بِمُبْتَدِعٍ، فَإِنْ أَحْسَنْتُ فَأَعِينُونِي وَإِنْ زُغْتُ فَقَوِّمُونِي.[(۲)]

---

(۱) صدقِ جدید لکھنو ۶ جولائی ۱۹۹۲ء

(۲) الطبقات الكبرى: الطبقة الاولى، و من بني تيم بن مرة بن كعب، ترجمة : ابو بكر الصديق ج۳ ص۱۳۶

اے لوگو! مجھے تمہارا سربراہ بنا دیا گیا ہے حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں، اے لوگو! میں پیروی کرنے والا ہوں، جدت طراز نہیں ہوں، اگر میں ٹھیک طرح سے اُمورِ خلافت انجام دُوں تو میری مدد کرو، اور اگر میں بے راہ راوی اختیار کروں تو مجھے سیدھا کر دو۔

فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا بیان

فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے جب ایک مسئلے کے سلسلے میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کیا تو ان کے سامنے اپنی رائے پیش کرنی چاہی تو سب سے پہلے آپ نے فرمایا:

فَاِنِّی وَاحِدٌ کَاَحَدِکُمْ ...وَلَیْسَ اُرِیدُ اَنْ تَتَّبِعُوا هٰذَا الَّذِی هَوَایَ۔ (۱)

میں بھی تم ہی جیسا ہوں (کوئی امتیاز نہیں)، میری خواہش نہیں ہے کہ میں جو چاہوں اُسے بے چون و چرا تسلیم کرلو۔

فرائض کی ادائیگی

مگر جہاں کسی کی دادرسی کا مسئلہ ہوتا، وہاں بحیثیتِ خلیفہ اُس وقت تک چین سے نہیں بیٹھتے تھے جب تک صاحبِ حق کا حق دِلا نہیں دیتے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبے میں اعلان فرمایا تھا:

وَاَنَّ اَقْوَاکُمْ عِنْدِیَ الضَّعِیفُ حَتّٰی آخِذَ لَهٗ بِحَقِّهٖ وَاَنَّ اَضْعَفَکُمْ عِنْدِیَ الْقَوِیُّ حَتّٰی آخِذَ مِنْهُ الْحَقَّ۔ (۲)

تم میں سے جو سب سے قوی ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے جب تک میں اس سے حق وصول نہ کرلوں، اور جو تم میں سب سے کمزور ہے وہ میرے یہاں قوی ہے جب تک میں اُسے اس کا حق نہ دِلوا دوں۔

(۱) کتاب الخراج لأبی یوسف : فصل فی الفنی والخراج، ص۳٦

(۲) الطبقات الکبریٰ: الطبقة الاولیٰ، ترجمة: أبوبکر الصدیق، ج۳ ص۱۳٦

بیت المال میں احتیاط

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلافت کی ذمہ داریوں سے پہلے ایک کامیاب تاجر تھے، مگر بارِ خلافت کے بعد تجارت کے لئے کوئی موقع نہیں رہا تو بیت المال سے صرف اس قدر وظیفہ لینے پر آمادہ ہوئے جس کی مدد سے بہ عسرت زندگی بسر ہوتی تھی، اور یہ بھی حضرت عمر اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہما جیسے جلیل القدر صحابہ کے اِصرار پر، ورنہ خلافت کے بعد بھی معمول یہی کیا تھا کہ کپڑوں کا گٹھا کاندھے پر اُٹھایا اور بازار روانہ ہو گئے۔ راستے میں اتفاق سے حضرت عمر اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہما مل گئے، کہنے لگے اے خلیفۂ رسول اللہ! کہاں تشریف لے چلے؟ فرمایا: بازار! ان دونوں بزرگوں نے کہا: اب بھی آپ یہی کام کریں گے تو اُمورِ خلافت کا کیا ہوگا؟ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر میرے بال بچوں کی پرورِش کیسے ہوگی؟ انہوں نے کہا: تشریف لے چلیں، ہم آپ کے لئے بیت المال سے وظیفہ مقرر کر دیں گے۔ چنانچہ واپس آئے اور آپ کے لئے ایک عام مہاجر کی مقدار وظیفہ مقرر کر دیا۔ اس کی مقدار طبقات ابنِ سعد کے الفاظ میں یہ تھی:

فَفَرَضُوا لَهٗ كُلَّ يَوْمٍ شَطْرَ شَاةٍ وَمَا كَسُوهُ فِي الرَّأْسِ وَالْبَطْنِ۔ (۱)

چنانچہ انہوں نے آپ کے گھر کے لئے روزانہ نصف بکری مقرر کی اور اس قدر کپڑا جو سر اور پیٹ ڈھانپ سکے۔

یہی وجہ ہے کہ کبھی اچھا کھانا نہیں کھایا، ایک دفعہ میٹھا کھانا کھانے کی اہلیہ نے خواہش ظاہر کی تو صاف صاف فرما دیا، اب اس سے زیادہ بیت المال سے نہیں لے سکتا، اور جب بیوی نے پیٹ کاٹ کاٹ کر ایک مدّت میں کچھ پیسے اس کام کے لئے بچائے تو یہ حکم لکھ بھیجا کہ اتنی رقم میرے وظیفے سے کم کر دی جائے کیونکہ اس کی کم کی ہوئی مقدار میں بھی کسی نہ کسی طرح گزارہ ہو جاتا ہے۔ اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اپنی اہلیہ کی وہ بچائی ہوئی رقم بھی بیت المال

---

(۱) الطبقات الكبرىٰ: الطبقة الاولى، ترجمة: ابوبكر الصديق، ج۳ ص۱۳۷

میں بھجوادی، اور اس حساب سے جتنا روزانہ پڑتا تھا اس کا تاوان بھی داخل کرایا۔ (۱)

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وصیت

جب وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے وہ ساری چیزیں واپس بھجوادیں جو آپ کے استعمال میں تھیں، کل سامان کی فہرست یہ تھی: ایک اُونٹنی، ایک برتن، ایک چادر، ایک لونڈی۔ یہ چیزیں جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچیں تو رونے لگے، اور اس قدر روئے کہ آنکھوں سے آنسو ٹپک ٹپک کر زمین پر گرنے لگے، اور اسی حال میں فرمارہے تھے: اللہ تعالیٰ ابوبکر پر رحم فرمائیں! انہوں نے اپنے بعد والوں کو بڑی مشقت میں ڈال دیا۔ (۲)

کفن کے لئے پُرانے استعمال شدہ کپڑوں کی وصیت فرمائی۔ اور جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نئے کپڑوں کے لئے کہا، تو فرمایا: یہ زندوں کے لئے بہتر ہے، اور بیت المال سے آج تک جو رقم قوتِ لایموت کی شکل میں آپ نے لی تھی، اس کے متعلق فرمایا:

> عمر فاروق نے نہ مانا اور بیت المال سے مجھے وظیفہ دِلوایا، اس وقت تک کل رقم جو مجھ پر اور میرے گھر پر خرچ ہوئی ہے چھ ہزار درہم ہوتی ہے، لہٰذا میرا فلاں باغ بیچ کر یہ رقم بیت المال میں داخل کردی جائے۔ (۳)

چنانچہ اس پر عمل کیا گیا، اور باغ بیچ کر بیت المال کی رقم ادا کردی گئی۔

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی تقریر

خلیفہ ہونے کے بعد اپنے بارے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

أَنَا أُخْبِرُكُمْ بِمَا أَسْتَحِلُّ مِنْهُ، يَحِلُّ لِي حُلَّتَانِ، حُلَّةٌ فِي الشِّتَاءِ وَحُلَّةٌ فِي الْقَيْظِ، وَمَا أَحُجُّ عَلَيْهِ وَأَعْتَمِرُ مِنَ الظَّهْرِ، وَقُوتِي وَقُوتُ أَهْلِي كَقُوتِ رَجُلٍ مِنْ قُرَيْشٍ لَيْسَ بِأَغْنَاهُمْ وَلَا بِأَفْقَرِهِمْ، ثُمَّ أَنَا بَعْدُ

(۱) أشهر مشاهير الإسلام: ترجمة: أبوبكر الصديق، زهده و ورعه، ج۱ ص۹۳

(۲) الطبقات الكبرىٰ: الطبقة الأولىٰ، ترجمة: أبو الصديق ص۱۳۹

(۳) الطبقات الكبرىٰ: الطبقة الأولىٰ، ترجمه: ابو بكر الصديق، ج۳ ص۱۳۹

رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ يُصِيبُنِي مَا أَصَابَهُمْ۔ (۱)

میں خود بتاتا ہوں کہ مجھے بیت المال سے کس قدر لینا دُرست ہے، دو جوڑے کپڑے، ایک جوڑا سردی میں اور ایک جوڑا گرمی میں، اور ایک سواری جس پر میں حج وعمرہ کرسکوں، اور قریش کے ایک متوسط الحال آدمی کے برابر اپنے اور اہل وعیال کے لئے اِخراجاتِ طعام، پھر اس کے بعد میں عام مسلمانوں کی طرح ایک ادنیٰ شخص ہوں، جوان کا حال ہوگا وہی میرا بھی۔

حکمران کا لباس

ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جو شخص پورے سال میں صرف دو جوڑے استعمال کرے گا، اس کے کپڑوں کا کیا حال ہوگا، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لباس کا حال یہ ہوتا تھا کہ پیوند پر پیوند لگے رہتے تھے، ایک مرتبہ شمار کیا گیا تو کُرتے میں چار اور اِزار (لنگی) میں بارہ پیوند تھے۔

ایک مرتبہ ایسے ہی لباس میں شام جانے لگے تو لوگوں نے کہا: علمائے یہود ونصاریٰ اس حالت میں دیکھیں گے تو کیا کہیں گے؟ جواب میں فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسلام سے عزت دی ہے، لباس میں کیا رکھا ہے۔

ڈاکٹر گستاوَلی بان نے بھی اعتراف کیا ہے:

ابوبکر رضی اللہ عنہ صرف پانچ درہم روزانہ لیتے تھے اور عمر ایک عبا کے مالک تھے، راتوں کو مساجد کی سیڑھیوں پر غرباء کے ساتھ سویا کرتے تھے۔ (۲)

یہاں دِینی اور ربانی حکومت کے ضمن میں چند اِشارات کیے گئے ہیں، تفصیل ہر ایک باب کی اِن شاء اللہ اپنی جگہ آئے گی۔

انسانی اور اسلامی قانونِ سلطنت میں غور کرنے سے ان دونوں میں بڑا عظیم الشان

---

(۱) الطبقات الكبرىٰ: الطبقة الأولى، ترجمة: عمر بن الخطاب، ج۳ ظ۲۰۹

(۲) تمدّنِ عرب ص ۱۳۵

فرق معلوم ہوگا، یہ الگ بات ہے کہ ہم کبھی اس مسئلے پر سرے سے غور ہی نہیں کرتے، اور اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ حکمران طبقہ محسوس کرتا ہے کہ ایمان داری سے اسلامی وربانی قانونِ حکمرانی کو ترجیح حاصل ہوگی، اور پھر ان کی بھی آزادی اسی طرح ختم ہو جائے گی جس طرح دوسرے محکموں کی خود ان کے ہاتھوں ختم ہوئی ہے۔

انسانی وربانی نظامِ حکومت میں امتیاز

انسانی وربانی نظامِ حکمرانی میں زیادہ سے زیادہ جو چیز مابہ الاشتراک ہے وہ امن وامان ہے، جس طرح ربانی حکومت کے لئے امن وسکون کی ضرورت ہے، اسی طرح انسانی حکومت میں بھی اس کی ضرورت ہوتی ہے۔ گو دونوں کے نظاموں میں زمین وآسمان کا فرق ہوتا ہے، اس لئے کہ انسانی حکومت کے لئے صرف اس قدر امن وامان کافی ہے جس سے حکمران طبقے کا اقتدار خطرے میں نہ گھرے، ورنہ تاریخ شاہد ہے کہ حکومت کا سب سے بڑا حربہ ہے ''لڑاؤ اور حکومت کرو!'' ایسی حکومتیں جو پارٹی یا رسمی مذہب کے نام پر بنتی ہیں وہ ملک میں قصداً فساد کراتی رہتی ہیں۔ بخلاف ربانی حکومت کے وہ ایک لمحے کے لئے بدنظمی اور جنگ وفساد کو برداشت نہیں کرتی۔

اور ان دونوں نظامِ حکومت میں مابہ الامتیاز یہ ہے کہ ربانی حکومت ہر انسان کو اس کے فطری حقوق بخشتی ہے اور حقیقی عدل ومساوات قائم کرنے کے لئے قائم ہوتی ہے، اور جور وظلم کا روکنا اس کا خاص مشن ہوتا ہے۔ اور انسانی حکومت عام طور سے ایک طاقتور شخص یا خاندان یا ایک مضبوط پارٹی یا قوم کے اغراض پورے کرنے کے لئے وجود میں آتی ہے، اور اپنے مقابلے میں دوسرے کمزور اشخاص، جماعتوں، خاندانوں اور قوموں کو دبانا اور اپنی فرمانبرداری پر مجبور کرنا اس کا منشا ہوتا ہے۔

ربانی حکومت کی شان

اور یہی وجہ ہے کہ ربانی حکومت میں سارا ملک اور ساری رعایا خوش وخرم رہتی ہے،

خیر و برکت کی ہر آن بارش ہوتی رہتی ہے، اور اس حکومت میں کوئی بھوکا، ننگا اور مظلوم نہیں رہتا ہے۔ یہاں نہ قوی اور ضعیف کی تفریق رہتی ہے، نہ خاندانی عصبیت کا دور دورہ ہوتا ہے، نہ طاقتور کے لئے جور و ظلم کا کوئی موقع رہتا ہے، اور نہ ایک انسان دوسرے انسان کی پوجا اور خوشامد پر مجبور ہوتا ہے۔ اس کے برعکس انسانی حکومت میں امتیازی سلوک کا قانون نافذ ہوتا ہے، کوئی اکڑ کر چلتا ہے، اور کوئی مظلوم بن کر زندگی کے ایام پورے کرتا ہے۔ برسرِ اقتدار جماعت محکوم جماعت پر آئے دن مظالم کے پہاڑ ڈھاتی ہے، اور مختلف بہانوں سے غریبوں کا خون بہاتی ہے، عدل و مساوات عنقاء ہوتا ہے، اور محکوم کی عزت و آبرو ہر آن خطرے میں گھری ہوتی ہے۔

موازنہ

حقیقت یہ ہے کہ اسلامی یا ربانی قانون کسی کا محتاج نہیں ہوتا، اس کی قانونی حیثیت اس پر موقوف نہیں ہے کہ کوئی جماعت یا کوئی خاندان یا زعمائے ملک کی اکثریت اسے تسلیم کرے، بلکہ وہ مسلّم ہے، کیونکہ یہ ساری کائنات کے خالق و مالکِ حقیقی کا بنایا ہوا قانون ہے، لہٰذا جو بھی جماعت اسے نہ مانے وہ مجرم ہے، اس کی خلاف ورزی کرنے والا خدا کے آگے جوابدہ ہے، اور کوئی بھی عدالت ہو، اگر وہ اس کے قانونِ عدل سے اِنحراف کرتی ہے تو بلاشبہ وہ باغی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَ مَنۡ لَّمۡ یَحۡکُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ﴿۴۷﴾ (المائدۃ)

اور جو لوگ اللہ کے اُتارے ہوئے اَحکامات کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہ فاسق ہیں۔

البتہ انسانی قانون، قانون نہیں بن سکتا ہے، جب تک ایک جماعت جسے ’’قانون ساز‘‘ کہتے ہیں، قبول نہ کرے اور منظوری نہ دے دے، یا جب تک کسی عدالت کی تصدیق اس کے پیچھے نہ ہو۔

ربانی قانون کی تقدیس

اسی طرح انسانی قانون تقدیس کا پہلو نہیں رکھتا اور نہ یہ جزءِ ایمان ہے کہ لوگ اس کے احترام پر اپنے آپ کو مجبور پائیں، اور لوگوں کے دِل اس کے آگے جھک جائیں، اور سامنے اور پیچھے ہر جگہ اس کا احترام ضروری سمجھیں، بلکہ جس حد تک ذاتی ضرورت کا تعلق ہوتا ہے آدمی مانتا ہے، جہاں سے اس کا کام نہیں چلتا، وہاں اس کی خلاف ورزی کرتا ہے، زیادہ سے زیادہ اس کی سعی کرتا ہے کہ حکام کو اس کی اطلاع نہ ہونے پائے۔

اس کے برعکس اسلامی و ربانی قانون مقدس و محترم ہوتا ہے، اسے جزءِ ایمان کی حیثیت حاصل ہوتی ہے، صرف ظاہری جسم ہی اس کے آگے نہیں جھکتا، بلکہ دل و دماغ بھی اس کے آگے جھکتے ہیں، ہر جگہ اور ہر وقت اس کا احترام فرض کے درجے میں سمجھا جاتا ہے، اس لئے کہ اس سے سچی عقیدت ہوتی ہے، اس کی بجا آوری میں رضائے الٰہی، فلاحِ دارین اور اُخروی نجات کا یقین ہوتا ہے۔

سراپا ہدایت

انسانی قانون زیادہ سے زیادہ ظلم وتعدی سے روکنے کا کام کرتا ہے، یعنی صرف منفی پہلو لئے ہوتا ہے، لیکن اس کے برخلاف ربانی قانون منفی پہلو کے ساتھ مثبت پہلو بھی رکھتا ہے، اس لئے جہاں وہ ظلم وتعدی اور زبردستی کی بیخ کنی کرتا ہے، وہیں وہی ہدایت و رہنمائی کی شمع فروزاں بھی بنتا ہے۔ چنانچہ اس کے دفعات میں طہارت، عبادت، تزکیۂ نفس، اصلاحِ باطن، رفاہِ عام کے کام اور ہر طرح کا اجتماعی و معاشرتی نظام شامل ہے۔

انسانی قانون کی بنیاد رسم و رِواج، عادات واَطوار اور عرفِ عام پر ہوتی ہے، مگر خدائی اور اِسلامی قانون انسانی فطرت اور ربانی ہدایت پر مبنی ہوتا ہے، اس کی پہلی منزل ہی عالمگیر عدل ومساوات، رحم وکرم اور لطف وعنایت سے شروع ہوتی ہے، یہ نہ تو رسم و رِواج سے متأثر ہوتا ہے اور نہ خاندانی عصبیت اور ملکی تعصّبات سے۔

ربانی قانون کا اِستحکام

انسانی قانون حالات کے تقاضے سے ہر آن بدلتا رہتا ہے، مگر ربانی قانون اس کے برعکس دوامی ہوتا ہے اور کبھی بدلتا نہیں ہے، یہ الگ بات ہے کہ اس میں ایسی لچک ہوتی ہے، جس کی وجہ سے یہ ہر دور اور ہر ماحول میں کارآمد ثابت ہوتا ہے، اور کسی منزل پر اِنسان کو تاریکی میں نہیں چھوڑتا۔

پھر اِنسان چونکہ خود محدود ہے، اور اس کی پرواز بھی محدود ہے، اس لئے انسانی قانون میں وحدت و یکسانیت نہیں ہوا کرتی، بخلاف اس کے اسلامی قانون چونکہ عالمگیر اور سراپا ہدایت ہوتا ہے، اور ربّ العالمین کا تجویز کردہ، اس لئے اس کی یکسانیت و وحدت میں کہیں سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

انسانی قانون صرف چند منتخب اور سربرآوردہ افراد کی رائے سے ملتا ہے، جو یقینی طور پر ملک کی ایک بڑی جماعت کی نظر میں ناقابلِ اعتماد ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ قابلِ اعتماد افراد کے تسلیم کر لینے کے بعد بھی انسان سوچتا ہے کہ یہ بھی ہم جیسے انسان ہی ہیں، جو اِنسانی رذائل سے قطعاً پاک نہیں ہیں، اس لئے یہ قانون عام انسانوں کی نگاہوں میں کچھ زیادہ وقیع نہیں ہوتا، اور ربانی قانون ان تمام عیوب سے پاک ہوتا ہے۔

اسلام جو امن و سلامتی اور سکون و اطمینان ملک اور قوم کو عطا کرتا ہے، وہ سب وحیِ اِلٰہی کا فیض ہے، اور چونکہ یہ قانون کسی انسانی جماعت کی دماغی کاوشوں کا نتیجہ نہیں ہے، بلکہ ربّ العالمین کے رحم و کرم کا صدقہ ہے، اس لئے وہ سارے عالم کے لئے رحمت ہی رحمت ہے، کس فرد کے لئے ہی رحمت نہیں، کوئی اس کے خلاف سمجھتا ہے تو یہ اس کی خام عقلی اور فہم کا تصور ہے۔

بین الاقوامی تعلقات اور عدل و مساوات

اسلام جس میں امن و سلامتی کا داعی و مبلغ ہے، اس کے لئے عدل و مساوات ضروری

ہے اس کے بغیر صحیح امن و امان اور سکون و اطمینان انسانوں کو میسر نہیں آسکتا۔ آپ گزشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں کہ اسلام سے پہلے دُنیا کے گوشے گوشے میں اُونچ نیچ، شریف وکمین اور حاکم ومحکوم کی تفریق پوری قوت سے موجود تھی، اس وقت دُنیا کا کوئی آئین بے انصافی اور جوروتعدی سے پاک نہیں تھا۔

ایسے نازک دور میں جب انسان، انسان کو خدا اور دیوتا بنا بیٹھا تھا، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عدل ومساوات اور انصاف ورواداری کی آواز بلند کی اور اس امتیاز کو ختم کیا، جو برہمن اور شودر، اسپارٹی اور ہیلاٹ قوم میں قائم چلا آرہا تھا، یا جو افراتفری اور غلو عیسوی اور موسوی قانون میں پایا جاتا تھا۔

تاریخِ عالم میں اسلام ہی کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس نے پوری قوت سے ان کے ذہن نشین کرایا کہ تم سارے کے سارے ایک ماں باپ کی اولاد ہو، اور سارے کے سارے ایک جان سے پیدا کئے گئے ہو، اس نے اعلان کیا کہ خاندان، قبیلہ اور ذات پات کی تقسیم صرف باہمی تعارف کے لئے ہے، اس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں، اور نہ یہ کوئی وجہ امتیاز ہے، البتہ امتیاز اور برتری کی چیز خدا سے ڈر کر اچھے کام کرنے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے احکام پر جتنا زیادہ عمل پیرا ہوگا وہ اتنا ہی زیادہ معزز اور شریف شمار کیا جائے گا۔ ارشادِ ربانی ہے:

يَآيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ (الحجرات :١٣)

اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا، اور ہم نے تمہیں مختلف شاخ اور خاندان اس لئے بنایا کہ آپس میں تعارف رہے، ورنہ اللہ کے نزدیک وہی بزرگ ہے جو زیادہ متقی ہے۔

انسانی وحدت

پھر اسے بھی واضح کیا کہ ماں باپ کے لفظ سے اس دھوکے میں نہ پڑو کہ دونوں کی

اصل دو ہے تا کہ کسی کو یہ سوچنے کا موقع مل سکے کہ نسلِ انسانی دو مادّوں سے مرکب ہے، یا یہ دو الگ الگ جڑوں کی شاخیں ہیں، اور اس طرح نسلِ انسانی کی وحدت پارہ پارہ ہو جائے، بلکہ اسلام نے دماغوں اور دِلوں میں یہ راسخ کیا کہ دونوں کی بنیاد ایک ہے۔ اور عورت جسے ماں سے تعبیر کیا گیا ہے وہ بھی مرد یعنی تمہارے باپ کی ہی جنس سے ہے۔ قرآنِ کریم نے واضح طور پر یہ اعلان کیا:

يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً (النساء: ۱)

اے لوگو! اس رَبّ سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا، اور اس سے اس کی زوجہ پیدا کی اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور اور بہت سی عورتیں پیدا کیں۔

رشتۂ وحدت کی اہمیت

انسان مرد و عورت اسی ایک درخت کی شاخیں ہیں، لہٰذا آپس میں کہیں سے کوئی اختلاف گھسنے نہ پائے، بلکہ سب باہم مِل جل کر زندگی بسر کریں، اخلاق و مروّت کا سلوک رکھیں اور باہمی خلفشار اور باہمی نفرت و عداوت کے بیج سے اپنے دِلوں کو پاک وصاف کرلیں۔ چنانچہ اس کے فوراً بعد اشارہ فرمایا گیا:

وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ① (النساء)

اور (اے لوگو!) اس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے مطالبہ کرتے ہو، اور (قرابت کے تعلقات کو) قطع کرنے سے پرہیز کرو، یقین جانو اللہ تمہارے احوال کا نگران ہے۔

یہاں قرآنِ پاک نے اپنے معجزانہ انداز میں باہمی قرابت اور رشتہ کی اہمیت پر روشنی

ڈالی، اور انسانوں کو باہم مل جل کر زندگی گزارنے کا سبق دیا، جس طرح ایک باپ کی اولاد بھائی بھائی بن کر رہتی ہے۔

اس ارشادِ خداوندی کا تقاضا یہ ہے کہ انسان کسی حالت میں بھی اپنے اس تعلقِ باہمی کو فراموش نہ کرے، جس طرح آج دو سگے بھائی اپنے رشتے کا لحاظ و پاس کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں، اسی طرح آدم کے سارے بیٹے سگے بھائی بن کر رہیں۔

انسانی وحدت کی خلاف ورزی

اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں وحدت و یکتائی کے جس رشتے کا ذکر کیا ہے، اس کا لحاظ و پاس ہر ایک پر ضروری ہے اور اس رشتے کی بلاوجہ خلاف ورزی اور اس کی طرف سے غفلت حرام ہے:

قَالَ الْقُرْطُبِيُّ :اتَّفَقَتِ الْمِلَّةُ عَلَى اَنَّ صِلَةَ الرَّحِمِ وَاجِبَةٌ، وَاَنَّ قَطِيعَتَهَا مُحَرَّمَةٌ .انْتَهَى .وَقَدْ وَرَدَتْ بِذَلِكَ الْاَحَادِيثُ الْكَثِيرَةُ الصَّحِيحَةُ.(۱)

اِمام قرطبی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ملت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ صلہ رحمی واجب ہے اور اس کا قطع کرنا حرام ہے، کیونکہ اس سلسلے میں بہت سی صحیح حدیثیں آئی ہیں۔

انسان اگر اس قدرتی رشتے پر غور کرے اور اس پر ایمان لے آئے، غیر ممکن ہے کہ دُنیا میں جو اِنتشار اور بے چینی ہے وہ ختم نہ ہو۔ مگر اس قدرتی رشتے کی قدر نہ کل تھی اور نہ آج ہے۔ اسلام کی بنیاد چونکہ توحید پر ہے، اس لئے اس کے پیرو البتہ اس انسانی وحدت پر یقین رکھتے ہیں۔

ان آیتوں میں جب سارے انسانوں کی بنیاد ایک نفس کو قرار دیا گیا تو یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ سارے انسان بحیثیت انسان برابر ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ انسانی برابری میں مساوات برتنا چاہتا ہے، لہٰذا اُونچ نیچ کی بحث کا خاتمہ ضروری ہے۔

---

(۱) فتح القدیر للشوکانی: سورۃ النساء آیت نمبر ا کے تحت، ج ا ص ۳۸۱، احکام القرآن للقرطبی: ج ۵ ص ۶

مساوات کی تشریح

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مساوات کی تشریح مختلف پیرائے میں کی ہے، ایک جگہ فرمایا:

لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَمِيٍّ، وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ، وَلَا لِأَبْيَضَ عَلَى أَسْوَدَ .وَلَا لِأَسْوَدَ عَلَى أَبْيَضَ إِلَّا بِالتَّقْوَى.(۱)

کسی عربی کو نہ کسی عجمی پر کوئی برتری حاصل ہے، اور نہ کسی عجمی کو عربی پر، اسی طرح نہ کسی گورے کو کسی کالے پر تفوق ہے، اور نہ کسی کالے کو کسی گورے پر، ہاں وجہِ فضیلت اگر ہے تو صرف تقویٰ اور خوفِ خدا ہے۔

یعنی جغرافیہ، رنگ و رُوپ اور نسل و خاندان میں سے کوئی چیز باعثِ فضیلت و فخر نہیں ہے، اگر کوئی چیز باعثِ فخر و ناز ہے تو وہ صرف خدا ترسی ہے، اس لئے کہ جب سب ایک باپ کی اولاد ہیں تو پھر کسی کو کب زیب دیتا ہے کہ وہ رنگ و نسل پر فخر کرے؟ ہاں! ذاتی اوصاف و کمالات البتہ اس لائق ہیں کہ وہ باعثِ شرف و امتیاز بن سکتے ہیں۔

جاہلی نخوت و غرور

پیغمبرِ اسلام نے جاہلی کبر و نخوت پر ضربِ کاری لگائی اور انسانی غرور کو کچل کر رکھ دیا، فرمایا:

لَيَنْتَهِيَنَّ أَقْوَامٌ يَفْتَخِرُونَ بِآبَائِهِمُ الَّذِينَ مَاتُوا إِنَّمَا هُمْ فَحْمُ جَهَنَّمَ، أَوْ لَيَكُونُنَّ أَهْوَنَ عَلَى اللهِ مِنَ الْجُعَلِ الَّذِي يُدَهْدِهُ الْخِرَاءَ بِأَنْفِهِ، إِنَّ اللهَ أَذْهَبَ عَنْكُمْ عُبِّيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَفَخْرَهَا بِالْآبَاءِ.(۲)

---

(۱) مسند احمد: ج:۳۸ ص:۴۷۴، رقم الحدیث: ۲۳۴۸۹، شعب الإیمان للبیھقی: ج۷ ص:۱۳۲، رقم الحدیث: ۴۷۷۴، زاد المعاد: ج۵ ص۱۴۴

(۲) سنن الترمذی: ابواب المناقب، باب فی فضل النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج۵ ص۷۲۹، رقم الحدیث: ۳۹۴۴

وہ قومیں جو اپنے مردہ آباء واجداد پر فخر کرتی ہیں ان کو اس سے باز آنا چاہئے، وہ جہنم کے کوئلے بن چکے ہیں، ورنہ پھر وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نجاست کے ان کیڑوں سے بھی ذلیل تر ہوں گے جو اپنی ناک سے نجاست کو دھکیلتے ہیں، اللہ تعالیٰ یقینی طور پر تم سے جاہلیت کی عصبیت اور باپ دادا پر فخر کرنے کو مٹا چکے ہیں۔

پھر اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ دو ہی صورتیں ہیں کہ انسان یا تو خوفِ خدا رکھنے والا مؤمن ہوگا یا بدنصیب کافر ومنافق۔

انسان کی اصل

اگر مؤمن ہے اور اس میں خدا ترسی ہے تو اس کے لئے کسی طرح مناسب نہیں کہ تکبر کرے، اس لئے کہ مدارِ ایمان خاتمہ پر ہے، اور اس کا حقیقی علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے کہ کل کیا ہوگا؟ اور اگر وہ ناشکرا کافر ومنافق ہے تو وہ خدا تعالیٰ کی نظر میں ذلیل ترین انسان ہے، اور کسی ذلیل کو کب زیب دیتا ہے کہ وہ کبر ونخوت کا پتلا بنے؟ ماحصل یہ کہ مخلوق کے لئے سرے سے اس کی گنجائش نہیں ہے کہ وہ غرور سے سر اونچا کرے، بڑائی تو صرف خدا کی ذات کے لئے ہے، باقی انسان کا حال یہ ہے:

وَالنَّاسُ بَنُو آدَمَ، وَخَلَقَ اللّٰهُ آدَمَ مِنْ تُرَابٍ.(۱)

کُل کے کُل انسان آدم کے بیٹے ہیں اور آدم کی پیدائش مٹی سے ہے۔

یعنی انسان کی اصل مٹی ہے، لہٰذا انسان میں خاکساری چاہئے، تعلّی وترفع اس کے لئے کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وَإِنَّ اللّٰهَ أَوْحَى إِلَيَّ أَنْ تَوَاضَعُوا حَتَّى لَا يَفْخَرَ أَحَدٌ عَلَى أَحَدٍ، وَلَا يَبْغِي أَحَدٌ عَلَى أَحَدٍ.(۲)

---

(۱) سنن الترمذی: ابواب تفسیر القرآن، سورة الحجرات، ج۵ص۳۸۹، رقم الحدیث: ۳۲۷۰

(۲) صحیح مسلم: کتاب الجنة وصفة نعیمها واهلها، باب الصفات التی یعرف بها فی الدنیا أهل الجنة ج۴ص۲۱۹۸، رقم الحدیث: ۲۸۶۵

اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی بھیجی ہے کہ عجز و انکساری اختیار کروں نہ کہ فخر و مباہات اور ظلم و جور، جو دراصل کبر و نخوت کی پیداوار ہیں، اگر انسان ان عیبوں سے اپنے کو پاک کرلے تو پھر اس میں انقیاد و اطاعت کا جذبہ خود بخود پرورش پائے گا، اور اس طرح ناجائز ظلم و تعدی سے دُنیا پاک ہو جائے گی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع

خود رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال تھا کہ اگر کوئی بڑائی کے الفاظ آپ کی شان میں کہہ دیتا تو فوراً اسے روک دیتے۔

مطرف بن عبداللہ بن شخیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں وفدِ عامر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اثنائے گفتگو میں ہم لوگوں نے کہا: ''آپ ہمارے سردار ہیں!'' آپ نے فوراً فرمایا: ''سردار تو ربّ العالمین ہے!'' ہم نے کہا: ''آپ ہم میں افضل، اور سب سے زیادہ باعظمت ہیں'' آپ نے فرمایا: ''میری مدح سرائی میں مبالغہ نہ کرو!''(١)

یہ آپ کی عملی تعلیم تھی کہ اس سے لوگ سبق حاصل کریں، اور خودستائی اور کبر و نخوت کے طریقوں سے اپنے آپ کو بچائیں کیونکہ اس کا نفسیاتی فائدہ یہ ہے کہ انسان میں اپنے کو بڑا اور دوسرے کو حقیر سمجھنے کا جذبہ اُبھرنے نہیں پاتا۔

نسب کی حیثیت

شریعت کی نظر میں نسب کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ جس پر فخر و ناز کیا جائے، یہ بالکل جائز نہیں ہے کہ نسب کی بنا پر دوسرے انسانوں کو ذلیل سمجھا جائے، اسلام کبھی اس کی اجازت نہیں دیتا۔

---

(١) سنن ابی داود: کتاب الأدب، باب فی کراھیۃ التمادح، ج٤ص ٢٥٤، رقم الحدیث: ٤٨٠٦

ایک دفعہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ أَنْسَابَكُمْ هَذِهِ لَيْسَتْ بِمَسَبَّةٍ عَلَى أَحَدٍ، كُلُّكُمْ بَنُو آدَمَ. (۱)

تمہارے یہ نسل ونسب باعثِ ننگ و عار نہیں ہیں، تم سب کے سب آدم کی اولاد ہو۔

اگر کوئی چیز اسلام کی نظر میں باعثِ ننگ وعار ہے تو وہ فضائلِ اخلاق اور کمالاتِ رُوحانی سے عاری ہونا ہے، اس لئے کہ باعثِ فضل وکمال یہی چیزیں ہیں:

لَيْسَ لِأَحَدٍ عَلَى أَحَدٍ فَضْلٌ إِلَّا بِدِينٍ أَوْ تَقْوَى. (۲)

کسی کو کسی پر فوقیت و برتری نہیں ہے، سوائے اس کے کہ دین وتقویٰ میں بڑھا ہوا ہو۔

ایمان وعمل

قرآن نے صاف اعلان کیا ہے کہ سارے انسان خسارے میں ہیں، بجز ان افراد کے جنھوں نے ایمان قبول کیا اور عملِ صالح سے اپنے کو آراستہ کیا۔

وَ الْعَصْرِ ۝۱ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝۲ إِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝۳ (العصر)

قسم ہے زمانے کی! سارے انسان بلاشبہ خسارے میں ہیں، بجز ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور شائستہ اعمال اختیار کیے، ایک دوسرے کو حق بات کی نصیحت کریں اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کریں۔

معلوم ہوا کہ اسلام کے قانون میں وہ انسان بڑا معزز ومکرم ہے جس کے پاس تقویٰ اور خدا ترسی کی پونجی ہے، اگر یہ نہیں تو کچھ بھی نہیں۔

---

(۱) مسند احمد : مسند الشامیین، حدیث عقبة بن عامر الجهنی، ج۲۸ص۶۵۱ رقم الحدیث: ۱۷۴۴۶

(۲) مسند احمد : مسند الشامیین، حدیث عقبة بن عامر الجهنی، ج۲۸ص۶۵۱ رقم الحدیث: ۱۷۴۴۶

عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ :سُئِلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیُّ النَّاسِ اَکْرَمُ؟ قَالَ:اَکْرَمُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاهُمْ.(۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: لوگوں میں معزز ترین کون ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خدا کے نزدیک معزز ترین وہ شخص ہے جو سب سے بڑھ کر متقی اور خدا ترس ہو۔

اسلام ہر ایک کو اپنی طرف بلاتا ہے، مگر مجبور نہیں کرتا، اسی طرح وہ جور و ظلم کا دشمن ہے، مگر اِنسانیت کو پروان چڑھاتا ہے، سارے انسانوں کا احترام کرتا ہے، سب کو خدا کی مخلوق تسلیم کرتا ہے اور سب کا رِشتہ حضرت آدم علیہ السلام سے مانتا ہے۔

اُوپر جو آیتیں اور حدیثیں پیش کی گئیں، وہ ثبوت کے لئے کافی ہیں۔ آپ نے ملاحظہ کیا کہ آیات میں خطاب عام ہے جو تمام کائناتِ انسانی کو شامل ہے، اور جس میں بلاتفریق ساری قومیں آجاتی ہیں۔

عصبیت

جو ناجائز مدد پر اُبھارتی ہے، اسلام میں اس کی کہیں گنجائش نہیں ہے، اور اسلام اسے لمحہ بھر کے لئے بھی برداشت نہیں کرتا ہے۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَیْسَ مِنَّا مَنْ دَعَا اِلَی عَصَبِیَّةٍ، وَلَیْسَ مِنَّا مَنْ قَاتَلَ عَلَی عَصَبِیَّةٍ، وَلَیْسَ مِنَّا مَنْ مَاتَ عَلَی عَصَبِیَّةٍ.(۲)

وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو عصبیت کی دعوت دے، اور وہ بھی ہم میں سے نہیں ہے جو عصبیت کی وجہ سے قتال کرے، اور وہ بھی ہم میں سے نہیں ہے جس کی موت عصبیت پر واقع ہو۔

---

(۱) صحیح البخاری : کتاب تفسیر القرآن، باب قوله: لقد کان فی یوسف واخوته آیات للسائلین، ج۶ ص۷۶، رقم الحدیث: ۴۶۸۹

(۲) سنن ابی داود : کتاب الأدب، باب فی العصبیة، ج۴ ص۳۳۲، رقم الحدیث: ۵۱۲۱

عصبیت کی تعریف خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔ واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے دریافت کیا: یارسول اللہ! عصبیت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا:

اَنْ تُعِینَ قَوْمَكَ عَلَى الظُّلْمِ.(۱)

عصبیت اس کا نام ہے کہ تم ظلم پر اپنی قوم کی مدد کرو۔

لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہ سمجھا جائے کہ قوم سے محبت کوئی مذموم چیز ہے۔ ایک دفعہ ایک صحابی نے آپ سے پوچھا تھا:

اَمِنَ الْعَصَبِیَّةِ اَنْ یُحِبَّ الرَّجُلُ قَوْمَهٗ؟(۲)

کیا اپنی قوم سے محبت کرنا عصبیت ہے؟

آپ نے فرمایا: قومی اُنس ومحبت کا نام عصبیت نہیں ہے، بلکہ عصبیت نام اس کا ہے کہ ظلم پر قوم کی ناجائز مدد کی جائے اور دوسروں کو ستایا جائے:

قَالَ :لَا ، وَلٰکِنْ مِنَ الْعَصَبِیَّةِ اَنْ یُعِینَ الرَّجُلُ قَوْمَهٗ عَلَى الظُّلْمِ.(۳)

قوم سے محبت عصبیت نہیں، بلکہ عصبیت یہ ہے کہ کوئی شخص ظلم پر اپنی قوم کی مدد کرے۔

ناجائز اور جائز مدد

بلاشبہ یہ ناجائز مدد اور حمایت باعثِ ہلاکت ہے، ایک دفعہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ نَصَرَ قَوْمَهٗ عَلَى غَیْرِ الْحَقِّ، فَهُوَ کَالْبَعِیرِ الَّذِی رُدِّیَ، فَهُوَ یُنْزَعُ بِذَنَبِهٖ.(۴)

(۱) سنن ابی داود : کتاب الأداب، باب فی العصبیة، ج۴ص ۳۳۱، رقم الحدیث: ۵۱۱۹

(۲) مسند احمد : مسند الشامین، حدیث کعب بن عیاض، ج۲۹ص ۱۶ ا رقم الحدیث: ۱۷۴۷۲

(۳) مسند احمد : مسند الشامین، حدیث کعب بن عیاض، ج۲۹ص ۱۶ ا رقم الحدیث: ۱۷۴۷۲

(۴) سنن ابی داود: کتاب الأدب، باب فی العصبیة، ج۴ص ۳۳۱، رقم الحدیث: ۵۱۱۷

جو شخص ناحق بات پر اپنی قوم کی مدد کرتا ہے وہ اس اُونٹ کی طرح ہے جو کنویں میں گر جانے کے بعد دُم پکڑ کر کھینچا جاتا ہے۔

گویا ناحق مدد کر کے اس نے اپنے آپ کو گناہ کے گہرے کنویں میں ڈال دیا، ارادہ تو کیا تھا قوم کی ترقی و بلندی کا، مگر اس طرح خود غارِ جہنم میں جا پڑا، جہاں سے کوئی اسے صحیح سالم نہیں نکال سکتا۔

البتہ حق پر مدد باعثِ ثواب اور لائقِ مدح و ستائش ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک خطبے میں فرمایا:

خَيْرُكُمُ الْمُدَافِعُ عَنْ عَشِيرَتِهِ مَا لَمْ يَأْثَمْ.(۱)

تم میں بہترین شخص وہ ہیں جو اپنے قبیلے کی طرف سے اس وقت تک مدافعت کرے جب تک کوئی گناہ کا کام نہ ہو۔

مگر اس مدافعت میں حد سے تجاوز ہرگز نہ کرے، جو کام نرمی سے ہوسکتا ہے، اس میں گرمی کی ضرورت نہیں، اور جو شکر سے رام ہوسکتا ہے، اسے زہر دینے کی کیا حاجت...؟

ظالم کی مدد

ظلم پر بھی مدد ہوسکتی ہے، مگر یہ نہیں کہ ظلم کرنے والا اور جری ہو جائے، بلکہ اس کی مدد یہ ہے کہ ظلم و تعدی سے اس کو قوت کے ساتھ روک دیا جائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لِيَنْصُرِ الرَّجُلُ أَخَاهُ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُومًا فَإِنْ كَانَ ظَالِمًا، فَلْيَنْهَهُ، فَإِنَّهُ لَهُ نُصْرَةٌ، وَإِنْ كَانَ مَظْلُومًا فَلْيَنْصُرْهُ.(۲)

---

(۱) سنن ابی داود: كتاب الأدب، باب في العصبية، ج۴ص ۳۳۱، رقم الحديث: ۵۱۲۰

(۲) سنن الدرامي: كتاب الرقاق، باب : انصر اخاك ظالمًا او مظلومًا، ج۳ص ۱۸۱۲، رقم الحديث: ۲۷۹۵

اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم، اگر ظالم ہے تو اسے ظلم سے روک دو، اور اگر مظلوم ہے تو اس کی مدد کرو۔

حق پر مدد بہر حال باعثِ اجر ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ نَصَرَ اَخَاهُ بِظَهْرِ الْغَيْبِ نَصَرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ۔ (۱)

جو پشت پیچھے اپنے بھائی کی مدد کرے گا اللہ تعالیٰ دُنیا و آخرت میں اپنی مدد سے اس کو نوازے گا۔

اسلام کی تعلیم میں ہر جگہ اعتدال ہے، اِفراط و تفریط سے اس کی تعلیم بالکل پاک ہے، سچ پوچھئے تو دُنیا میں سارے جھگڑے اِفراط و تفریط کے ہی نتیجے میں ہوا کرتے ہیں۔ اگر لوگ اسلامی تعلیمات پر گامزن ہو جائیں تو زندگی کے تمام شعبے سدھر جائیں اور ہر جگہ امن و امان اور صلح و سلامتی کا پرچم لہراتا نظر آئے، جیسا کہ خلفائے راشدین کے عہد میں ہوا۔

اُخوّت و محبت

اسلام نے ایک طرف ناجائز عصبیت کی بیخ کنی کی، دوسری طرف باہم اُخوّت و محبت کی تعلیم دی۔ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلْخَلْقُ عِيَالُ اللّٰهِ، فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَى اللّٰهِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰى عِيَالِهٖ۔ (۲)

تمام مخلوق خدا کی عیال ہے، لہٰذا سب سے بڑا محبوب خدا کے نزدیک وہ ہے جو خدا کے عیال کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آئے۔

اس تعبیر کا منشاء یہ ہے کہ سارے انسان مل جل کر محبت بھری زندگی گزاریں، ایک دوسرے کے ساتھ محبت و شفقت کا سلوک کریں، اور عداوت و نفرت اور بغض و حسد سے ہر ایک اپنے آپ کو دُور رکھے۔

---

(۱) السنن الكبرى للبيهقي، كتاب قتل اهل البغي، باب ما في الشفاعة والذب عن عرض أخيه المسلم، ج۸ص ۲۹۰، رقم الحديث: ۱۶۶۸۵۔ قال البيهقي: والموقوف اصح

(۲) شعب الإيمان للبيهقي: طاعة اولي الأمر، ج۹ ص ۵۲۳، رقم الحديث: ۷۰۴۸

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عملی زندگی

اسلام کی ان تعلیمات ہی کا یہ ثمرہ تھا کہ جنگ وفساد اور نفرت وحقارت کی جڑ کٹ گئی، اور جہاں سے فتنوں کے چشمے اُبلتے تھے وہ خشک ہوگئے، نسلِ انسانی کا احترام عام ہوگیا، قتل وخون ریزی اور لوٹ مار کا بازار سرد پڑ گیا۔ اسلام کے ان قوانین نے ایک ایسی نسل پیدا کردی جو انسانیت نواز تھی، اور اس نے عملی طور پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حکومت قائم کی۔

خلیفۂ رسول کا حال

وفاتِ نبوی کے بعد اِرتداد کا فتنہ جس تیزی سے پھیلا، سبھوں کو اس کا علم ہے، مگر تاریخ شاہد ہے کہ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے عزم واستقلال اور طرزِ حکمرانی نے چند دِنوں میں اس کا سر کچل کر رکھ دیا، اور دیکھتے ہی دیکھتے سارے انسان پھر بھائی بھائی بن گئے، تاریخ کا مطالعہ کرلیجئے مگر کوئی ایک واقعہ ایسا نہیں ملے گا جس میں صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے عدل ومساوات کی خلاف ورزی کی ہو، یا ہونے دی ہو، بڑائی کسے کہتے ہیں؟ خلیفۂ رسول کے ذہن کے کسی گوشے میں اس کا وجود تک باقی نہیں رہا۔

چنانچہ آپ نے بڑی صفائی کے ساتھ اپنے خطبے میں فرمایا تھا:

> اے لوگو! تم کو خیال گزرے کہ میں نے خلافت خواہش سے قبول کی ہے، یا تم پر اور عام مسلمانوں پر کسی برتری کا ارادہ رکھتا تھا، تو سن لو! قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضے میں میری جان ہے! میں نے کسی رغبت کی بنیاد پر یہ ذمہ داری نہیں قبول کی ہے، اور نہ میرا یہ مقصد ہے کہ مجھے تم پر یا کسی مسلمان پر کوئی ادنیٰ ترجیح حاصل ہے، یہ خلافت ایسی ذمہ داری ہے جس کا شوق یا حرص میرے دل میں ایک لمحہ کے لئے بھی نہیں آیا، اور نہ میں نے اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے کوئی درخواست کی، نہ چھپ کر اور نہ کھل کر، یہ ایک عظیم بار ہے جسے

میں نے اُٹھالیا ہے، اور اس کے نباہ کی مجھ میں قطعاً طاقت نہیں، سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ اعانت فرمائے، مجھے دل سے پسند ہے کہ یہ کسی اور صحابی کی طرف منتقل ہو جائے۔ یہ امانت تم جسے پسند کرو اس کے سپرد کر سکتے ہو، میں تو ایک معمولی انسان ہوں۔ (۱)

خلافت کے بعد

خلافت سے پہلے محلّہ والوں کی بکریوں کا دُودھ نکال دیا کرتے تھے، جب آپ مسند آرائے خلافت ہوئے تو محلّہ کی ایک عورت نے کہا، اب ہماری بکریوں کا دُودھ نہیں نکالا جائے گا، صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے اس عورت کی یہ بات سن کر فرمایا:

بَلَى لَعَمْرِيْ! لَاَحْلُبَنَّهَا لَكُمْ وَاِنِّي لَاَرْجُو اَنْ لَا يُغَيِّرَنِي مَا دَخَلْتُ فِيهِ عَنْ خُلُقٍ كُنْتُ عَلَيْهِ. (۲)

نہیں قسم ہے میری جان کی! کہ میں ان بکریوں کا ضرور دُودھ نکالوں گا اور مجھے اُمید ہے کہ جس رَوِش پر میں تھا، اس میں اس حالیہ تبدیلی سے کوئی فرق نہیں آئے گا۔

چنانچہ کوئی فرق نہیں آنے دیا اور یہ کام حسبِ سابق انجام دیتے رہے، آپ اس طرح کے واقعے سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اسلام نے کیسی کایا پلٹ دی تھی! اور انسان کو کس منزل پر لا کر کھڑا کر دیا تھا! جب خلیفہ کا یہ مزاج ہو تو سمجھ سکتے ہیں کہ کیا عوام کا مزاج اس سے متأثر نہ ہوگا۔ مثل مشہور ہے "الناس علی دین ملوکهم" لوگ اپنے بادشاہوں کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔

---

(۱) فضائل الخلفاء الراشدين لأبي نعيم الأصبهاني: ذكر بيعة عمرو علي و طلحة والزبير، ص۱۵۴، رقم:۱۹۵

(۲) الطبقات الكبرى: الطبقة الأولى، ترجمة : ابو بكر الصديق، ذكر بيعة ابي بكر، ج۳ص ۱۳۹

خلیفۂ رسول کا اعلان

صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے بڑی دُور رس بات فرمائی تھی کہ اسلام میں سب سے بڑا ذی عقل اور ذی ہوش وہ ہے جس کے پاس تقویٰ، طہارت کا سرمایہ ہو۔ اور سب سے بڑھ کر احمق وہ ہے جو فسق وفجور کے دلدل میں پھنسا ہوا ہو، میرے نزدیک سچائی امانت ہے اور جھوٹ خیانت ہے۔

خلیفہ ہونے کے بعد آپ نے جو پہلا خطبہ دیا تھا، اس میں جہاں اور باتیں فرمائی تھیں وہاں اس کا اعلان بھی تھا:

فأطيعوني ما أطعت الله، فإذا عصيت الله ورسوله فلا طاعة لي عليكم.(۱)

اس وقت تک میرا حکم مانو جب تک خدا اور رسول کے حکم پر چلتا رہوں، جوں ہی اس میں فرق دیکھو میرا حکم ترک کردو۔

جس حکومت اور قوم کے سربراہ کا انداز یہ ہو، کیا اس قوم میں فتنہ وفساد اور نفرت وحقارت کے جذبات پیدا ہو سکتے ہیں؟ آپ یقین کریں کہ ایسی بات کبھی نہیں ہوسکتی اور نہ ہوئی، جیسا کہ دورِ اول کی تاریخ شاہد ہے۔

حقارت کی ممانعت

لوگوں سے برابر فرماتے رہے کہ خبردار کوئی شخص کسی مسلمان کو حقیر نہ جانے، کیونکہ معمولی مسلمان بھی خدا کے نزدیک بڑا معزز ہے۔ اور یہ بھی فرماتے کہ بزرگی تقویٰ میں ہے، تونگری یقین میں اور عزت تواضع میں۔

ارشاد فرماتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ ''لونڈی اور غلام کو اولاد کی طرح رکھو، جو خود کھاؤ، وہی ان کو بھی کھلاؤ، اور جو خود پہنو، وہی انہیں بھی پہناؤ۔''

---

(۱) جامع معمر بن راشد: ج۱ ص:۳۳۶، البداية والنهاية: ج۴ ص۴۹۳، وقال هذا إسناد صحيح، كنز العمال: كتاب الخلافة، الباب الاولى فى خلافة الخلفاء، ج۵ص۵۳۶، رقم:۱۴۱۱۴

انسانیت کا احترام

خلیفہ ہونے کے باوجود کبر ونخوت سے دامن پاک وصاف تھا، حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک شخص آیا اور اس نے آپ کے رُو برو بہت کچھ آپ کو بُرا بھلا کہا، حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ جو وہاں موجود تھے، انہوں نے اجازت طلب کی میں اس بدزبان کی گردن اُڑا دوں؟ تو آپ نے انہیں اس اِرادے سے روکا اور فرمایا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے کے سوا اور کسی کی شان میں بدزبانی کرنے والے کی گردن اُڑانا دُرست نہیں ہے۔ (۱)

حکام وعمال کو ہدایت

جس حکمران کی زندگی کا یہ نقشہ ہو، اس کے دورِ حکومت میں ظلم وتعدی کا تصور بھی مشکل ہے۔ عمال کو آپ نے جو ہدایتیں دیں، وہ تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں، انہیں پڑھ کر اندازہ لگائیں کہ وہ ان کے لئے کس قدر مفید ہیں۔

پہلا لشکر حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں روانہ ہوا، آپ ان کی مشایعت میں پیدل چلتے رہے، حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کے اِصرار کے باوجود خود پیادہ پا رہے اور ان کو سوار رکھا، اور پھر لشکر کو روک کر یہ زرّیں ہدایات دیں:

> تمہیں دس باتوں کی نصیحت کرتا ہوں، ان کو یاد رکھنا۔ دیکھو! خیانت نہ کرنا، دھوکا نہ دینا، بدعہدی نہ کرنا، مثلہ نہ کرنا، بچوں کو، بوڑھوں کو، اور عورتوں کو قتل نہ کرنا، کھجور کے درختوں کو نہ اُکھاڑنا اور نہ جلانا، کسی پھل دار درخت کو نہ کاٹنا، کھانے کے سوا اور کسی موقع سے بکری، گائے اور اُونٹ ذبح مت کرنا، تمہارا گزر ایسے لوگوں کے پاس بھی ہوگا جو دُنیا سے کنارہ کش ہو کر عبادت خانوں

---

(۱) سنن أبي داود: كتاب الحدود، باب الحكم فيمن سب النبي صلى الله عليه وسلم، ج۴ ص۱۲۹، رقم الحديث: ۴۳۶۳

میں بیٹھے ہوں گے، اُنہیں مت چھیڑنا، اُنہیں ان کے حال پر چھوڑ دینا، کچھ لوگ تمہارے پاس مختلف اقسام کے کھانے لے کر آئیں گے، جب ان میں سے کچھ کھانا تو پہلے ان پر اللہ کا نام لینا۔ (۱)

خلیفۂ رسول صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی دو سالہ حکومت کا نقشہ اور آپ کے سارے کارنامے سامنے رکھ کر تسلیم کرنا پڑے گا کہ آپ نے انسانی قدروں کو ہدایاتِ نبوی کے مطابق اس قدر بلند کر دیا کہ مؤرّخ یہاں پہنچ کر حیرت زدہ ہو جاتا ہے، اسے ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ آپ نے کبھی انسانی قدر و منزلت کے منافی کوئی چیز ہونے دی ہو۔

فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا مزاج

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ حکومت میں ان نقوش کو اور اُجاگر کیا جو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلیفہ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ چھوڑ گئے تھے، طبعاً آپ کے مزاج میں شدّت تھی، چنانچہ منبر پر چڑھنے کے بعد سب سے پہلے کلمات آپ کی زبان پر یہ تھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّی شَدِیدٌ فَلَیِّنِّی وَاِنِّی ضَعِیفٌ فَقَوِّنِی وَاِنِّی بَخِیلٌ فَسَخِّنِی. (۲)

اے اللہ! میں سخت ہوں مجھے نرم بنا دے، میں ضعیف ہوں مجھے قوت عطا فرما دے، اور میں بخیل ہوں مجھے سخی بنا دے۔

حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نرم خو واقع ہوئے تھے، اس لئے جب تک آپ بقیدِ حیات رہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنی سختی پر قائم رہے، تاکہ توازن برقرار رہے، مگر

---

(۱) تاریخ مدینة دمشق لا بن عساکر: باب ذکر بعث النبی صلی اللہ علیه وسلم اسامة قبل الموت۔۔۔ الخ، ج۲ ص ۵۰

(۲) الطبقات الکبریٰ: ترجمة : عمر بن الخطاب،ذکر استخلاف عمر، ج۳ص۲۰۸

آپ کی وفات کے بعد جب خود مسندِ خلافت پر جلوہ افروز ہوئے تو آپ کی ساری سختی نرمی سے بدل گئی، اس کا بعض موقع پر آپ نے اظہار بھی فرمایا، اب تو حال یہ تھا کہ حکومت کے سلسلے میں جن حضرات کو ذمہ داری سپرد کرتے، تو انہیں تاکید فرماتے تھے کہ پبلک کے ساتھ ہرگز سختی کے ساتھ پیش نہ آنا، ان کی عزت و آبرو کو میلا نہ کرنا، اور ان کی دولت پر حرص کی نگاہ نہ ڈالنا۔

عوام وخواص کے احترام کی تاکید

روایت میں ہے کہ جہاں ان عمال کو ان کی ذات کے سلسلے میں ہدایات دیتے کہ راحت طلبی وتن آسانی سے دُور رہنا، محنت و جفاکشی اختیار کرنا، وہاں اس کی تاکید بھی فرماتے کہ پبلک پر اپنے دروازے نہ بند کرنا، بلکہ ان کی ضرورت پر نگاہ رکھنا۔ پھر آپ گورنر کو جس وقت کسی ملک یا صوبے میں تقرر کر کے بھیجتے تو اس کی مشایعت میں تھوڑی دُور تک ساتھ جاتے اور جب واپس ہونے لگتے تو یہ کلمات فرماتے:

> إني لم أسلطكم على دماء المسلمين ولا على ابشارهم ولا على أعراضهم ولا على أموالهم ولكني بعثتكم لتقيموا بهم الصلاة وتقسموا فيهم فيئهم وتحكموا بينهم بالعدل فإن أشكل عليكم شيئًا فارفعوه الي.(۱)

> میں نے تمہیں نہ تو مسلمانوں کے خون پر مسلط کیا، نہ ان کی سزا پر، اور نہ ان کے اموال اور عزت و آبرو پر، میں نے تمہیں اس مقصد کے لئے حاکم و گورنر بنایا ہے کہ تم انہیں نماز کا پابند بناؤ، ان میں مالِ غنیمت تقسیم کرو اور ان کے معاملات عدل و انصاف کے ساتھ نمٹاؤ، اور اگر تمہیں کسی معاملے میں دُشواری پیش آئے تو میرے پاس پیش کرو۔

---

(۱) تاريخ مدينة دمشق : ترجمة : عمر بن الخطاب بن نفيل، ج۴۴ ص۲۷۷

حکام کو تاکید

اپنے عاملوں کو تاکید کر رکھی تھی کہ بیماروں کی عیادت کرنا، مرنے والوں کے جنازے میں شریک ہونا، اور ہر وقت اپنا دروازہ کھلا رکھنا کہ جس وقت کسی کو کوئی کام ہو آ کر مل سکے۔

ایک دفعہ ایک گورنر کو لکھا کہ عام مسلمانوں سے پوشاک و خوراک اور سواری میں امتیاز حیرت انگیز ہے، یہ تو چوپائے کا کام ہے کہ جہاں اس نے شاداب وادی میں قدم رکھا، پھر اس کو سوائے پیٹ بھرنے کے کوئی فکر باقی نہیں رہتی، اور بالآخر یہی پیٹ اس کی موت کا سبب بنتا ہے۔ اور آخر میں آپ نے یہ زرّیں ہدایت لکھی:

واعلم أن العامل إذا زاغ زاغت رعيته، وأشقى الناس من شقيت به رعيته.(۱)

یقین رکھو جب حاکم کج رَوِی اختیار کرتا ہے تو رعیت بھی کج رو ہو جاتی ہے، اور جس حاکم کی وجہ سے رعیت کج رَوِی اختیار کرے وہ بدترین اور بدنصیب انسان ہے۔

ملک میں جس قدر فتنے برپا ہوتے ہیں، یہ سب حکمران طبقے کی غفلت و بے پروائی اور ظلم و جور کے نتائج ہوتے ہیں، اگر یہ طبقہ دُرست ہو اور ان میں اعتدال ہو، اور یہ حق و انصاف پر گامزن رہیں تو ممکن نہیں کہ رعایا گمراہ ہو جائے اور امن و امان برباد ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام پہلے خود ان کی اصلاح پر زور دیتا ہے اور ان میں خداترسی اور فرض شناسی پیدا کرتا ہے۔

نیک نیّتی

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں مصر کی فتح میں جب دیر ہوئی تو آپ نے گورنر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو لکھا ''معلوم ہوتا ہے تم لوگوں میں دُنیا کی

---

(۱) المجالسة وجواهر العلم للدينوري: ج۴ ص: ۴۱، رقم: ۱۱۹۸، كنز العمال: كتاب الخلافة، الباب الأول في خلافة الخلفاء، ج۵ ص ۲۹۶، رقم: ۱۴۲۰۹

محبت آ گئی ہے اور تمہاری نیتیں دُرست نہیں رہیں، جب تک تم اپنے حالات میں انقلاب برپا نہیں کرو گے، نصرت نہیں آئے گی:

وإن الله تعالیٰ لا ینصر قوما إلا بصدق نیاتهم.(۱)

اللہ تعالیٰ اس وقت تک کسی قوم کی امداد نہیں فرماتا جب تک اس کی نیتیں درست اور صادق نہ ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک معتمد آدمی صرف اسی کام کے لئے مخصوص کر رکھا تھا کہ وہ عمال و حکام کے اعمال و اخلاق کی نگرانی کرے اور رپورٹ دیتا رہے، چنانچہ جہاں کسی کے خلاف رپورٹ آتی تحقیق کے بعد اسے معزول کر دیتے۔

زرّیں ہدایت

آپ کو یہ بات پسند نہیں تھی کہ عمال وحکام معاملات کے اندر آزاد وغلام، امیر وغریب، اور قومی وضعیف میں کوئی تفریق کریں۔ چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو جب آپ نے امارت سپرد کی تو ساتھ ہی یہ وصیت بھی فرمائی:

لَا يَغُرَّنَّكَ مِنَ اللّٰهِ اَنْ قِيلَ خَالُ رَسُولِ اللّٰهِ وَصَاحِبُ رَسُولِ اللّٰهِ، فَإِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ لَا يَمْحُو السَّيِّءَ بِالسَّيِّءِ، وَلٰكِنَّهُ يَمْحُو السَّيِّءَ بِالْحَسَنِ، فَإِنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ اَحَدٍ نَسَبٌ إِلَّا طَاعَتَهُ، فَالنَّاسُ شَرِيفُهُمْ وَوَضِيعُهُمْ فِي ذَاتِ اللّٰهِ سَوَاءٌ، اَللّٰهُ رَبُّهُمْ وَهُمْ عِبَادُهُ، يَتَفَاضَلُونَ بِالْعَافِيَةِ، وَيُدْرِكُونَ مَا عِنْدَهُ بِالطَّاعَةِ فَانْظُرِ الْاَمْرَ الَّذِي رَاَيْتَ النَّبِيَّ عَلَيْهِ مُنْذُ بُعِثَ إِلَى اَنْ فَارَقَنَا فَالْزَمْهُ فَإِنَّهُ الْاَمْرُ.(۲)

تمہیں یہ بات دھوکے میں نہ ڈالے کہ تم میں سے کسی کو رسول اللہ کا ماموں، کسی کو

(۱) الإکتفاء بما تضمنه من مغازی رسول الله صلی الله علیه وسلم والثلاثة الخلفاء: ج۲ ص: ۳۴۱، کنز العمال: کتاب الخلافة، الباب الأول فی خلافة الخلفاء، ج۵ص ۷۰۵، رقم: ۱۴۲۲۰

(۲) تاریخ الطبری : سنة اربع عشرة، ذکر ابتداء امر القادسیة، ج۳ص ۴۸۳

رسول کا ہم نشین کہا جاتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ بُرائی کو بُرائی کے ذریعے نہیں مٹاتا، بلکہ بُرائی کو بھلائی سے ختم کرتا ہے۔ اطاعتِ خداوندی کے سوا اللہ سے کسی کی کوئی رشتہ داری نہیں ہے، یعنی صرف اطاعت کا حق ہے۔ نسب کے لحاظ سے کوئی شریف ہو یا رذیل، اللہ کے نزدیک سب برابر ہیں، سب انسان اس کے بندے ہیں، اور وہ سب کا خدا ہے، آپس میں اگر تفاضل ہے تو عاقبت اندیشی سے ہے، اور عاقبت کی فلاح اگر مل سکتی ہے تو اطاعتِ خداوندی سے، پس تم اس چیز کی رعایت کرو جس پر تم نے رسول اللہ کو اوّل اَمرِ نبوّت سے آخر وقت تک پایا اس کو لازم پکڑو، اصل یہی ہے۔

عدل و مساوات پر عمل

غسانی بادشاہ جبلہ بن ایہم کا واقعہ مشہور ہے کہ جب اس نے ایک معمولی عرب کو پیٹ دیا، اور یہ مقدمہ دربارِ فاروقی میں آیا تو آپ نے اس کی قطعاً رعایت نہیں کی کہ اس نے ابھی نیا نیا اسلام قبول کیا ہے، یا یہ بادشاہ ہے، یا ابھی اسے اسلامی مسائل سے پوری واقفیت حاصل نہیں ہوئی ہے، بلکہ دوٹوک فیصلہ دیا:

یا تم اس کو راضی کرو، یا وہ تمہاری اسی طرح پٹائی کرے گا جس طرح تم نے اسے مارا ہے۔

یہ فیصلہ شاہِ غسان پر شاق گزرا، اور سوال کیا کہ بادشاہ اور گنواروں میں آپ کے نزدیک کوئی فرق نہیں ہے؟ آپ نے برجستہ فرمایا:

الإسلام قد جمعك وإياه.[1]

تم دونوں کو اِسلامی رشتے نے ایک سطح پر لا کھڑا کیا ہے۔

معاملات میں رعایت آپ نے خود بھی نہیں کی۔ ایک دفعہ حضرت اُبیّ بن کعب رضی

---

(۱) مختصر تاریخ دمشق لابن عساکر: حرف الجیم، ترجمة: جبلة بن أیهم بن جبلة، ج۵ص ۳۷۰

اللہ عنہ سے کسی معاملے میں آپ کی خصومت ہوگئی، تو دونوں بزرگ باہم رضا مندی سے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی خدمت میں فیصلے کے لئے حاضر ہوئے، آپ کو دیکھ کر حضرت زید رضی اللہ عنہ نے درمیان میں فرش پر جگہ کشادہ کردی، اور کہا کہ امیر المؤمنین! یہاں تشریف رکھیں، یہ بات آپ کو ناگوار گزری اور فرمایا:

هَذَا أَوَّلُ جَوْرٍ جُرْتَ فِي حُكْمِكَ أَجْلِسْنِي وَخَصْمِي مَجْلِسًا.(۱)

یہ تمہارا پہلا ظلم ہے جو تمہارے فیصلے میں ہوا، مجھے اور میرے خصم کو ایک ساتھ بٹھاؤ!

اس طرح کی عملی کارروائیوں کا ہی اثر ہے کہ عہدِ خلفائے راشدین حکمران طبقے کے لئے ایک نمونے کی حیثیت رکھتا ہے، اور کوئی متعصب سے متعصب مؤرّخ بھی اس دور کے برکات وثمرات کا انکار نہیں کرسکتا۔

فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

مَنْ يُنْصِفِ النَّاسَ مِنْ نَفْسِهِ يُعْطَ الظَّفَرُ فِي أَمْرِهِ، وَالذُّلُّ فِي الطَّاعَةِ أَقْرَبُ إِلَى الْبِرِّ مِنَ التَّعَزُّزِ فِي الْمَعْصِيَةِ.(۲)

جو شخص اپنی ذات میں لوگوں کے ساتھ انصاف کرے گا، وہ کامیابی سے ہمکنار ہوگا، اور طاعت میں اگرچہ ذلت ہو، مگر وہ اس عزت سے بہتر ہے جو معصیت سے حاصل ہو۔

اسلامی حکومت کے عُمّال

اسلام کی تعلیم وتربیت ہی کا ثمرہ تھا کہ خلیفہ سے لے کر ایک معمولی سپاہی تک خدا ترسی

---

(۱) السنن الکبری للبیهقی: کتاب آداب القاضی، باب القاضی لا یحکم لنفسه، ج۱۰ ص۲۴۳، رقم: ۲۰۵۱۰

(۲) مکارم الأخلاق للخرائطی :باب فضیلة انصاف الرجل من نفسه، ص۱۲۶، رقم: ۳۶۱

اور فرض شناسی کا مجسمہ نظر آتا تھا۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی ہونے کے ساتھ مملکتِ فاروقی کے گورنر بھی تھے، مگر ان کا حال ایسا بوسیدہ اور رہن سہن اس قدر سادہ ہوتا تھا کہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ دیکھ کر رو پڑے تھے۔

ایک مرتبہ آپ ان کے گھر میں اُترے، تو آپ نے گھر کے جائزے کے لئے نظر دوڑائی، دیکھا ان کا سارا مکان خالی پڑا ہے، لے دے کر کل سرمایہ یہ تھا: ایک تلوار اور ایک ڈھال۔ آپ نے یہ حال دیکھ کر فرمایا، کچھ سامان بنوالیا ہوتا! حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

یہی سامان ہمیں خواب گاہ (قبر) تک پہنچانے کے لئے کافی ہیں۔

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب شام تشریف لے گئے تو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: گھر تشریف لے چلیں! انہوں نے جواب میں کہا: کیا مطلب ہے، جائزہ لینا ہے کیا؟

پھر دونوں حضرات گھر آئے، یہاں پہنچ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ کچھ نہیں ہے، صرف ایک نمدہ ہے، ایک پیالہ اور ایک مشک۔ فرمانے لگے، آپ یہاں کے امیر و گورنر ہیں کچھ تو سامان ہونا چاہئے۔ آپ کھانا بھی رکھتے ہیں یا نہیں، یہ سن کر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اُٹھ کر اپنے تھیلے کے پاس پہنچے اور اس سے روٹی کے چند سوکھے ٹکڑے نکال کر دِکھائے کہ یہ ہے میرا سامانِ خوراک! یہ دیکھ کر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ ضبط نہ کر سکے رو پڑے اور فرمانے لگے:

غَيَّرَتْنَا الدُّنْيَا كُلَّنَا غَيْرَكَ يَا اَبَا عُبَيْدَةَ. (۱)

اے ابوعبیدہ! تمہارے سوا ہم سب کو دُنیا نے بدل ڈالا۔

یہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی سادگی کا حال تھا! دوسری طرف آپ کو اپنے گورنر

(۱) تاریخ مدینة دمشق: ج۲۵ ص ۴۸۱، سیر اعلام النبلاء: ج۳ ص:۱۳

اور اَمیرِ لشکر ہونے پر ذرا بھی فخر نہ تھا، آپ فرمایا کرتے تھے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنِّي امْرُؤٌ مِنْ قُرَيْشٍ، وَإِنِّي وَاللّٰهِ مَا أَعْلَمُ أَحْمَرَ وَلَا أَسْوَدَ يَفْضُلُنِي بِتَقْوَى اللّٰهِ إِلَّا وَدِدْتُ أَنِّي فِي مِسْلَاخِهِ.(۱)

اے لوگو! میں ایک قریشی انسان ہوں اور تمہارا ایک فرد، جو بھی مجھ سے تقویٰ میں بڑھا ہوا ہوگا خواہ گورا ہو خواہ کالا، میں اس جیسا بننا پسند کروں گا۔

جس حکومت کے عمال کا نظریہ اتنا اُونچا ہو، اور جس کے گورنروں اور سپہ سالاروں پر یہ رنگ غالب ہو، کون کہہ سکتا ہے کہ اس حکومت میں عدل ومساوات اور امن وسلامتی کا پرچم سرنگوں ہو سکے گا، یا اس ملک کے عوام وخواص بے اطمینانی کی زندگی میں مبتلا ہوسکیں گے...!

خلیفۂ وقت کا احساس وعمل

اسلام میں حکمران طبقہ حکومت کے خزانے پر ڈاکا ڈالنے یا عوام کو ذلیل کرنے کے لئے نہیں ہوا کرتا، بلکہ اس کا کام ملک وقوم کی نگرانی، اور ایک ایک فرد کی عافیت وراحت کی دیکھ بھال ہے، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ اپنی ذمہ داری محسوس فرماتے تھے۔

(۱) مصنف ابن ابی شیبة: کتاب الزھد، کلام ابی عبیدة بن الجراح، ج۷ص۱۱۶، رقم: ۳۴۶۲۰

حکمران طبقہ اسلام کی نظر میں

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا عمال کے سلسلے میں یہ اہتمام اور ان کی یہ دیکھ بھال بے وجہ نہ تھی، بلکہ وہ جانتے تھے کہ اربابِ حکومت اچھے نہیں ہوں گے تو ملک کا سارا نظام درہم برہم رہے گا۔ اس لئے کہ کسی ملک میں امن و سلامتی، صلح و آشتی اور خوش حالی کا مدار بڑی حد تک اسی طبقے کے رویے پر ہے۔ جب تک ان میں اخلاق و اعمال کی پاکیزگی، عقائد کی پختگی، معاملات کی صفائی اور فرض شناسی نہیں ہوگی، رعایا کے حالات تشفی بخش نہیں ہو سکیں گے۔ یہ مشاہدہ اور تجربہ ہے کہ اُوپر والوں میں جیسے جذبات ہوتے ہیں، کم و بیش وہی جذبات نیچے والوں میں پرورش پاتے ہیں، مثل مشہور ہے کہ عوام اپنے بڑوں کے نقشِ قدم پر چلا کرتے ہیں۔

یہ حقیقت بھی ہے کہ امن و امان کی تمام تر ذمہ داری حکمران طبقے پر عائد ہوتی ہے۔ ٹیکس وصول کرنے کا منشا ہی یہ ہے کہ اربابِ حکومت ملک کے ان تمام انسانوں کی عزت و آبرو، جائیداد و مال اور جسم و جان کی حفاظت کی ذمہ داری قبول کرتے ہیں جو اس ملک میں بستے ہیں۔

ان میں سے جو لوگ اپنے ان فرائض کا احساس نہیں رکھتے، وہ صرف نااہل ہی نہیں ہیں، بلکہ حکومت کے دُشمن بھی ہیں۔

اس کے ساتھ اربابِ حکومت میں خداترسی و فرض شناسی بھی لازم ہے۔ ان کو یقین رکھنا چاہئے کہ وہ بھی اپنی کوتاہیوں اور فرائض سے غفلت پر اللہ تعالیٰ کی گرفت سے نہیں بچ سکیں گے، خواہ دُنیا کی عدالت ان کو معاف ہی کیوں نہ کر دے۔

قرآنی ہدایت

اس سلسلے میں سب سے پہلے قرآنِ کریم کی یہ آیت پڑھی جائے جس میں اربابِ حکومت کو مخاطب کیا گیا، ربّ العالمین فرماتے ہیں:

اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا ۙ وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا یَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِیْعًۢا بَصِیْرًا ﴿۵۸﴾ (النساء)

بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم کو اس بات کا حکم دیتا ہے کہ تم اہلِ حقوق کو ان کے حقوق پہنچا دیا کرو، اور جب لوگوں میں تصفیہ کرنے بیٹھو تو انصاف کے ساتھ تصفیہ کرو، اللہ تعالیٰ جس بات کی تم کو نصیحت کرتا ہے وہ بہت اچھی ہے اور اللہ سننے دیکھنے والا ہے۔

اس آیت میں حکومت کے ذمہ دار افراد کو ان کی ذمہ داری کی طرف توجہ دِلائی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ اہلِ حکومت کے فرائض کیا ہیں؟ اس آیت کی تفسیر حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کی زبانِ قلم سے ملاحظہ فرمائیں:

اے اہلِ حکومت! خواہ تھوڑوں پر حکومت ہو، خواہ بہتوں پر، بے شک اللہ تعالیٰ تم کو اس بات کا حکم دیتا ہے کہ اہلِ حقوق کو ان کے حقوق جو تمہارے ذمہ میں ہیں پہنچا دیا کرو۔ اور تم کو یہ بھی حکم دیتے ہیں کہ جب محکوم لوگوں کا تصفیہ کیا کرو، ایسے حقوق میں جو ان میں باہم ایک دوسرے کے ذمے ہیں، تو عدل وانصاف سے تصفیہ کیا کرو، بے شک اللہ تعالیٰ جس بات کی تم کو نصیحت کرتے ہیں وہ بات بہت اچھی ہے، دُنیا کے اعتبار سے بھی کہ اس میں بقائے حکومت ہے، اور آخرت کے اعتبار سے بھی کہ موجبِ قرب وثواب ہے، بلاشک اللہ تعالیٰ تمہارے اقوال کو، جو درباہ امانت وتصفیہ کے تم سے صادر ہوتے ہیں، خوب سنتے ہیں، اور تمہارے افعال کو جو اس باب میں تم سے واقع ہوتے ہیں،

خوب دیکھتے ہیں، تو اگر کمی و کوتاہی کرو گے، مطلع ہو کر تم کو سزا دیں گے۔ (۱)

اس آیت کے سلسلے میں علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ (متوفی ۷۲۸ھ) لکھتے ہیں:

قَالَ الْعُلَمَاءُ :نَزَلَتْ الْآيَةُ الْأُولَى فِي وُلَاةِ الْأُمُورِ؛ عَلَيْهِمْ أَنْ يُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا، وَإِذَا حَكَمُوا بَيْنَ النَّاسِ أَنْ يَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ. (۲)

پہلی آیت کے سلسلے میں علماء کا قول ہے کہ یہ اہلِ حکومت کے باب میں نازل ہوئی ہے، اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اہلِ حکومت کا فرض ہے کہ وہ اہلِ حقوق کو ان کے حقوق پہنچا دیں اور لوگوں کے درمیان تصفیہ کریں تو انصاف کے ساتھ کریں۔

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں:

وَإِذَا كَانَتِ الْآيَةُ قَدْ أَوْجَبَتْ أَدَاءَ الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا، وَالْحُكْمِ بِالْعَدْلِ فَهَذَانِ جِمَاعُ السِّيَاسَةِ الْعَادِلَةِ، وَالْوِلَايَةِ الصَّالِحَةِ. (۳)

آیت میں چونکہ اہلِ حقوق کو ان کے حقوق پہنچا دینا، اور لوگوں کے درمیان انصاف کرنا واجب قرار دیا گیا ہے، لہٰذا یہ دونوں چیزیں انسان نواز سیاست اور نیکوکار حکمرانوں کے لئے رُوح کی حیثیت رکھتی ہیں۔

اس مختصر سی آیت میں نظامِ حکمرانی کا جو خلاصہ بیان کیا گیا ہے، وہ اربابِ فکر کے لئے بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس رُوح کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو حکومت کو بقاء عطا کرتی ہے، اور جس سے عوام و خواص کو اطمینان و سکون کی دولت ملتی ہے۔

---

(۱) بیان القرآن، سورہ نساء آیت نمبر ۵۸ کے تحت، ج ۱ ص ۳۶۴

(۲) السياسة الشرعية : مقدمة، ص ٦

(۳) السياسة الشرعية : مقدمة، ص ٦

حکمرانوں میں جب تک یہ دونوں اوصاف پوری فراوانی سے نہیں پائے جائیں گے، حکمرانی کے لازمی جوہر سے وہ عاری سمجھے جائیں گے، اور اس بوجھ کو نہیں اُٹھا سکیں گے جو ان پر ایک ذمہ دار کی حیثیت سے آپڑتا ہے۔ کیونکہ حقوق والوں کے حقوق کی ادائیگی اور ملک میں عدل پروَری ہی ایسی چیزیں ہیں، جن میں حکومت کی کامیابی کا راز مضمر ہے، اور یہی وجہ ہے کہ آخرِ آیت میں ان دونوں اوصاف میں کوتاہی پر تنبیہ کی گئی ہے۔

حکمران کی حیثیت

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اربابِ حکومت کے سلسلے میں جو ہدایات فرمائیں، ساری کی ساری نقل کی جائیں تو بات لمبی ہوگی، لہٰذا جستہ جستہ چند ہدایتیں نقل کرتا ہوں۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ یمن کا گورنر بنا کر روانہ فرمایا تو وصیت کی:

يَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا، وَبَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا، وَتَطَاوَعَا وَلَا تَخْتَلِفَا.(۱)

نرمی برتنا، دُشواری نہ پیدا کرنا، خوشخبری سنانا، نفرت انگیزی نہ کرنا، اور باہم متحد رہنا، اختلاف میں مبتلا نہ ہونا۔

جن لوگوں کی نظر حکمران طبقے کی تاریخ پر ہے، وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ حکومت واقتدار کے ساتھ رِفق وملاطفت اور خوش اخلاقی و نیک خوئی کم جمع ہوتی ہے، حکومت کے نشے میں عموماً انسان مکارمِ اخلاق سے دُور ہو جاتا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان عیوب سے پاک تھے، مگر ذمہ داری سونپ کر جب ان کو روانہ کرنے لگے تو اس وقت سیّد الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چیزوں کی اہمیت جاننے کے لئے وصیت ضروری سمجھی۔

---

(۱) صحیح البخاری: کتاب الجهاد والسير، باب مايكره من التنازع والاختلاف في الحرب، ج۴ص۶۵، رقم الحديث: ۳۰۳۸

یہ وصیت ان ہی بزرگوں کے ساتھ مخصوص نہ تھی، بلکہ حکومت کے سلسلے میں جس پر بھی ذمہ داری ڈالی جاتی اُسے یہ زرّیں نصیحت ضرور فرماتے:

عَنْ اَبِی مُوسٰی قَالَ: کَانَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ إِذَا بَعَثَ اَحَدًا مِنْ اَصْحَابِہٖ فِی بَعْضِ اَمْرِہٖ، قَالَ: بَشِّرُوا وَلَا تُنَفِّرُوا، وَیَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا.(۱)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب میں سے جب کسی کو حکومت کے کسی کام پر مقرر فرماتے تو ان کو ہدایت دیتے کہ تم خوشخبری سنانا، نفرت انگیزی نہ کرنا، آسانی پیدا کرنا، دُشواری میں مبتلا نہ کرنا۔

ایک حدیث میں یہ الفاظ آئے ہیں:

مَا مِنْ عَبْدٍ اسْتَرْعَاہُ اللّٰہُ رَعِیَّۃً، فَلَمْ یَحُطْھَا بِنَصِیحَۃٍ، إِلَّا لَمْ یَجِدْ رَائِحَۃَ الْجَنَّۃِ.(۲)

اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو رعایا کی نگرانی سپرد کرتا ہے، اور وہ خیر خواہانہ ان کی دیکھ بھال نہیں کرتا تو ایسا شخص جنت کی بو سے محروم رہتا ہے۔

بہترین حکام اور ان کے فرائض

نگران کا جو مرتبہ ہے، اس کا تقاضا یہی ہے کہ وہ اپنے ماتحتوں کے لئے سراپا خیر خواہ ہو، جو ان کی نگرانی میں زندگی گزارتے ہیں۔ جس طرح ایک باپ اپنے بیٹوں کے حق میں، اور ایک اُستاد اپنے شاگردوں کے حق میں خلوص و محبت کا پیکر ہوتا ہے، اور ہر آن اس کو اپنے

(۱) صحیح مسلم: کتاب الجهاد والسیر، باب فی الأمر بالتیسیر و ترک التنفیر ج۳ ص۱۳۵۸، رقم الحدیث: ۱۷۳۲

(۲) صحیح البخاری: کتاب الأحکام، باب من استرعی رعیة فلم ینصح، ج۹ ص۶۴، رقم الحدیث: ۷۱۵۰

بچوں اور تلامذہ کی فلاح و بہبود کی فکر لاحق ہوتی ہے۔ پھر بیٹے اپنے باپ کی شفقت و محبت پر جس طرح نازاں ہوتے ہیں، پبلک اور رعایا کو بھی حق ہے کہ وہ اپنے حکمران افراد پر ناز کریں۔

حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ ایک دفعہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے بہترین اور بدترین افرادِ حکومت کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا:

بہترین افرادِ حکومت تم میں وہ لوگ ہیں جن سے تم کو محبت وخلوص ہو، اوران کو تم سے خلوص ومحبت ہو، تم ان کے لئے دُعا کرو، اور وہ تمہارے حق میں دُعا کریں۔ اور بدترین افرادِ حکومت وہ لوگ ہیں، جن کو تم مبغوض رکھو، اور وہ تم کو مبغوض رکھیں، تم ان پر لعنت بھیجو، اور تم پر لعنت بھیجیں:

خِيَارُ اَئِمَّتِكُمُ الَّذِينَ تُحِبُّونَهُمْ وَيُحِبُّونَكُمْ، وَيُصَلُّونَ عَلَيْكُمْ وَتُصَلُّونَ عَلَيْهِمْ، وَشِرَارُ اَئِمَّتِكُمُ الَّذِينَ تُبْغِضُونَهُمْ وَيُبْغِضُونَكُمْ، وَتَلْعَنُونَهُمْ وَيَلْعَنُونَكُمْ.(۱)

یہی وجہ ہے کہ حکمرانوں کے لئے اسلام نے کچھ اُصول بنائے ہیں، اوران پر عمل کی تاکید کی ہے، اس سلسلے میں ترغیب وترہیب کا جو پہلو زیادہ مؤثر ہوسکتا ہے، اسے اختیار کیا ہے، تاکہ رعایا اور عوام کو اپنی ضرورتیں پیش کرنے میں سہولت ہو، اور ذمہ دارانِ حکومت اپنے فرائض ادا کرنے میں کوئی کوتاہی نہ کریں۔ رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ وَلِيَ مِنْ اَمْرِ النَّاسِ شَيْئًا ثُمَّ اَغْلَقَ بَابَهُ دُونَ الْمِسْكِينِ اَوِ الْمَظْلُومِ اَوْ ذِي الْحَاجَةِ، اَغْلَقَ اللّٰهُ دُونَهُ اَبْوَابَ رَحْمَتِهِ عِنْدَ حَاجَتِهِ وَفَقْرِهِ اَفْقَرَ مَا يَكُونُ اِلَيْهِ.(۲)

---

(۱) صحیح مسلم کتاب الإمارة، باب خيار الأئمه وشرارهم، ج ۳، ص: ۱۴۸۱، رقم الحديث: ۱۸۵۵

(۲) شعب الإيمان للبيهقي : طاعة اولي الأمر، ج۹ ص۴۸۸، رقم الحديث: ۶۹۹۹

لوگوں کے کاموں میں سے کسی کام کو جو شخص ذمہ دار بنایا جائے، اور پھر وہ اپنا دروازہ مسلمانوں یا مظلوم اور ضرورت مند انسانوں پر بند کر لے، تو اللہ تعالیٰ بھی ایسے شخص پر اپنی رحمت کے دروازوں کو اس کی اس ضرورت و محتاجی کے وقت بند کر لیتا ہے، جس میں وہ سب سے زیادہ مضطر ہوتا ہے۔

اس حدیث کے راوی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جب سر برآئے خلافت ہوئے تو آپ نے جہاں دوسری چیزوں پر پابندی سے عمل کیا، اس حدیث پر بھی پوری ثابت قدمی سے عمل کرتے رہے، اور عوام کی آسانی کے لئے ایک خاص آدمی اس کام کے لئے مقرر کر دیا کہ جو حاجتمندوں کی درخواستیں ان تک پہنچنے میں ان کی مدد کرے، تاکہ ایسا نہ ہو کہ کوئی ایسا شخص بابِ خلافت سے محروم چلا جائے جو فطری طور پر بے باک نہیں ہے، یا وہ اپنی کسی مجبوری سے بروقت حاضر نہیں ہوسکتا۔ (۱)

عوام کا لحاظ و پاس

پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

مَنْ وَلَّاهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ شَيْئًا مِنْ أَمْرِ الْمُسْلِمِينَ فَاحْتَجَبَ دُونَ حَاجَتِهِمْ، وَخَلَّتِهِمْ وَفَقْرِهِمْ، احْتَجَبَ اللّٰهُ عَنْهُ دُونَ حَاجَتِهِ وَخَلَّتِهِ، وَفَقْرِهِ۔ (۲)

جس شخص کو مسلمانوں کے کاموں میں کسی کام کا اللہ تعالیٰ ذمہ دار بنائے اور وہ ان کی چھوٹی بڑی ضرورت اور فقر کا مداوا نہ کرے، تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی چھوٹی بڑی ضرورت اور محتاجی پر توجہ نہیں دیتے۔

دوسری حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

---

(۱) سنن الترمذی: ابواب الأحکام، باب ما جاء فی إمام الرعیة ج۳ ص ۶۱۱، رقم الحدیث: ۱۳۳۲

(۲) سنن ابی داود: کتاب الخراج والإمارة و الفئی، باب فیما یلزم الإمام من امر الرعیة والحجبة عنه، ج۳ ص ۱۳۵، رقم الحدیث: ۲۹۴۸

مَنْ وَلِيَ شَيْئًا مِنْ اَمْرِ الْمُسْلِمِيْنَ لَمْ يَنْظُرِ اللّٰهُ فِي حَاجَتِهٖ حَتّٰى يَنْظُرَ فِي حَوَائِجِهِمْ۔ (۱)

جوشخص مسلمانوں کے معاملات میں سے کسی معاملے کا ذمہ دار بنایا جاتا ہے تو جب تک وہ عوام کی حاجت براری نہیں کرتا ہے، اللہ تعالیٰ بھی اس کی حاجت روائی نہیں کرتا۔

حدیث میں جو الفاظ آئے ہیں ان پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ چھوٹی بڑی جیسی بھی چیز ہو، اگر کسی اربابِ حکومت سے اس میں امداد کی ضرورت ہے تو ان کا فریضہ ہے کہ پوری دلچسپی سے اس کی مدد کریں، یہ ہرگز نہ سوچیں کہ یہ معمولی ضرورت ہے، کیونکہ حدیث میں تاکید کے لئے مسلسل تین الفاظ لائے گئے ہیں۔ حاجت، خلت، اور فقر۔ ان تینوں کا ساتھ ساتھ لانا اوّلاً خود اہمیت پر دلالت کرتا ہے، ثانیاً ان الفاظ کے مادّوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو جو ضرورتیں حکومت سے پیش آئی ہیں وہ عموماً تین ہی طرح کی ہوتی ہیں۔

(۱)...... ایسی ضرورت جو پوری نہ ہو تو وہ انسان کو موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا کر دیتی ہے، اور بسا اوقات اس کی ساری قوت سلب ہو کر رہ جاتی ہے۔

(۲)...... ایسی ضرورت جو موت وحیات کی کشمکش تو پیدا نہیں کرتی، مگر انسان اس کی اہمیت محسوس کرتا ہے، اور اس کی عدمِ تکمیل کی صورت میں نقصان اُٹھاتا ہے۔

(۳)...... ایسی ضرورت جو زندگی کے لئے گو لازم نہیں ہوتی، لیکن ان سے زندگی میں لطف پیدا ہوتا ہے اور ان کے بغیر زندگی پُر لطف نہیں ہوتی۔

پہلی قسم کے لئے لفظ ''فقر'' لایا گیا ہے، اور دوسری قسم کے لئے لفظ ''خلت''، اور تیسری قسم کی تعبیر ''حاجت'' سے کی گئی ہے، غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ حکام کے حالات بھی

---

(۱) المعجم الكبير للطبراني : حرف العين، عطاء بن ابی رباح عن ابن عمر، ج۱۲ص۴۴۰، رقم الحديث:۱۳۶۰۳

تین ہی طرح کے ہوتے ہیں۔ایک ضرورتمند جب پہنچتا ہے تو کبھی یہ حکام اپنی کوٹھی سے باہر نکلنا ہی گوارانہیں کرتے، اور کبھی نکلتے تو ہیں، مگر صورت دیکھ کر پلٹ جاتے ہیں، درخواست پیش کرنے کا موقع نہیں دیتے۔اور کبھی فقیر کو دھتکار بھی دیتے ہیں، قدم رکھنے کی سرے سے اجازت ہی نہیں دیتے، اسلام ان حالتوں میں سے کسی حال کو پسند نہیں کرتا، اس لئے کہ یہ طریقہ صرف مردم آزار ہی نہیں ہے، بلکہ انسانیت کی مٹی پلید کرنے والا بھی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل

سیّد الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار صحابہ ان ہدایتوں پر جس طرح عمل کرتے ہیں وہ تاریخ کا زرّیں باب ہے۔ اپنے عہدِ خلافت میں خلفائے راشدین بھی اپنے گورنروں اور دوسرے عمال و حکام کو اسی طرح کی تاکیدیں فرماتے تھے۔

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ اپنے گورنروں سے بار بار فرماتے تھے کہ پبلک پر کسی طرح کی کوئی سختی نہ کرنا، ان کے مال و متاع کو ہڑپ کرنے کی سعی نہ کرنا، ان کو زدوکوب نہ کرنا، تم کو بحیثیت خادم بھیجا جارہا ہے آقا بنا کر نہیں۔ معلم کی حیثیت تو بے شک ہے، ظالم اور ستم گر کی نہیں۔

خود آپ کو عوام سے اس قدر شغف تھا کہ جب آپ کے عہدِ خلافت میں ایک بار قحط پڑا تو بے حد متأثر ہوئے، اور پبلک کے غم نے نڈھال بنادیا۔اس تاثر میں قسم کھالی کہ جب تک قحط دُور نہ ہوگا، گھی اور شہد کا استعمال نہ کروں گا، اور ایسا ہی کیا، پورے زمانۂ قحط میں روغنِ زیتون سے روٹی کھاتے رہے۔درمیان میں جب صحت گرنے لگی تو آپ کے غلام نے ازراہِ ہمدردی درخواست کی کہ حضرت! اپنی قسم کا کفارہ ادا کردیں تا کہ صحت برقرار رہ سکے، ورنہ خطرہ ہے۔مگر اس کے باوجود آپ اپنے عہد پر قائم رہے، اور غلام سے فرمایا کہ جب تک خود میں تکلیف نہیں جھیلوں گا دُوسروں کی مصیبت و تکلیف کا احساس کس طرح زندہ رہے گا؟(۱)

خلیفۂ وقت میں ذمہ داری کا احساس اسلامی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی

---

(۱) الطبقات الکبریٰ: ترجمة: عمر بن الخطاب، ذکر استخلاف عمر، ج۳ص ۲۳۹، ۲۴۰

صحبتِ بابرکت کا نتیجہ تھا۔ اگر ایک باپ اپنے لختِ جگر کو فاقے میں دیکھ کر خوشگوار غذا برداشت نہیں کرسکتا تو اسلامی حکومت کا ایک سربراہ بھی اپنی رعیت کو فقر وفاقہ میں مبتلا دیکھ کر عمدہ غذا حلق سے نہیں اُتار سکتا، کیونکہ اس کا ایمان ہے کہ قیامت میں پورے ملک کے مسائل کی جواب دہی اُسے کرنا ہوگی۔

خلفائے راشدین کی پوری زندگی شاہد ہے کہ انہوں نے اپنی ذمہ داری سے ایک لمحہ کے لئے بھی چشم پوشی نہیں کی، اور حکومت کے باب میں ہمیشہ اپنے خدا سے لرزاں وترساں رہے۔

گورنروں کو ہدایتیں

فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ جب گورنروں اور دوسرے عمال کو فرائض کی انجام دہی کے لئے روانہ فرماتے تو خود تھوڑی دُور ساتھ جاتے اور یہ زرّیں ہدایات دے کر واپس ہوتے:

اَلَّا تَرْكَبُوا بِرْذَوْنًا، وَلَا تَأْكُلُوا نَقِيًّا، وَلَا تَلْبَسُوا رَقِيقًا، وَلَا تُغْلِقُوا اَبْوَابَكُمْ دُونَ حَوَائِجِ النَّاسِ، فَإِنْ فَعَلْتُمْ شَيْئًا مِنْ ذَلِكَ فَقَدْ حَلَّتْ بِكُمُ الْعُقُوبَةُ.(۱)

ترکی عمدہ گھوڑے پر سوار نہ ہونا، میدہ استعمال نہ کرنا، باریک پوشاک نہ پہننا، اور نہ ضرورت مندوں پر اپنا دروازہ بند کرنا، اگر ان میں سے تم نے کوئی بات کی تو پھر تمہاری سزا ہوگی۔

ان ہدایات کا منشا یہ ہوتا تھا کہ عمال اور حکام تعیش کی زندگی سے بچیں، کبر ونخوت، تعلّی وترفع اور بے جا اظہارِ شان وشکوہ سے اجتناب کریں۔ کیونکہ قوم کے لئے یہ ایک مثال کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر ان میں کوئی گندی بیماری پیدا ہوئی اور اس کی روک تھام نہ ہوئی تو اس سے پورے ملک کا اثر پذیر ہونا ناگزیر ہے، پھر اربابِ حکومت ملک کی اصلاح کا سبب ہونے کی جگہ فسادِ اُمت کا ذریعہ ثابت ہوں گے۔

---

(۱) شعب الإيمان للبيهقي : طاعة اولى الأمر، ج۹ص۴۹۳،رقم الحديث: ۷۰۰۹

فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ غالباً اس لئے بھی ان چیزوں سے عمال کو روکتے تھے کہ ان میں عام پبلک سے امتیازی شان پیدا کرنے کا جذبہ پرورش نہ پائے اور یہ خادمِ قوم ہونے کے بجائے مخدوم بننے کے شوق میں گرفتار نہ ہو جائیں۔ محدثین نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے، علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قَالَ الطِّيبِيُّ: فَالنَّهْيُ عَنْ رُكُوبِ الْبِرْذَوْنِ نَهْيٌ عَنِ التَّكَبُّرِ، وَعَنْ أَكْلِ النَّقِيِّ وَلُبْسِ الرَّقِيقِ نَهْيٌ عَنِ التَّنَعُّمِ وَالسَّرَفِ، وَالنَّهْيُ عَنِ الْاِحْتِجَابِ نَهْيٌ عَنْ تَقَاعُدِهِمْ عَنْ قَضَاءِ حَوَائِجِ النَّاسِ وَالْاشْتِغَالِ عَنْهُمْ بِخُوَيْصَةِ نَفْسِهِ.(۱)

ترکی گھوڑے کی سواری سے روکنا، نازونعمت کی زندگی بسر کرنے اور حدِ اعتدال سے تجاوز کرنے سے منع ہے، اور پردے میں بیٹھنے سے روکنا، لوگوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے میں سستی وغفلت کرنے سے منع کرنا ہے، اس طرح کہ سارا وقت اپنے لئے مخصوص ہو۔

فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا وہ محل جلوا دیا تھا جو انہوں نے اپنے عہدِ گورنری میں بنوایا تھا، اور یہ صرف اس اطلاع پر کہ پبلک کو گورنر تک پہنچنے میں دقت ہوتی ہے۔(۲)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حکام پر تین چیزوں کی پابندی عائد کی ہے، جن کی پابندی ان کے لئے ضروری ہے:

إِنَّ اللّٰهَ أَخَذَ عَلَى الْحُكَّامِ ثَلَاثاً: أن لَّا يَتَّبِعُوا الْهَوَى، وَأَنْ يَخْشَوْهُ وَلَا يَخْشَوْا النَّاسَ، وَأَنْ لَّا يَشْتَرُوا بِآيَاتِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا.(۳)

---

(۱) مرقاة المفاتيح: كتاب الإمارة والقضاء، باب ما على الولاة من التيسير، ج٦ ص ٢٤٢١، رقم: ٣٧٣٠، شرح الطيبي: ج٨ ص٢٥٩٣، رقم الحديث: ٣٧٣٠

(۲) الحسبة في الإسلام: التعزير المالي، ص٥٠

(۳) احكام القرآن للجصاص: سورة النساء آیت نمبر ۵۸ کے تحت، ج۲ ص ۲۶۳

پہلی خبر یہ کہ خواہشاتِ نفس کی پیروی نہ کریں، دوسری یہ کہ صرف خدا سے
ڈریں اور کسی سے خوف زدہ نہ ہوں، اور تیسری یہ کہ چند پیسوں کے لالچ میں
آکر قانونِ الٰہی میں ردّو بدل کی جرأت نہ کریں، اور دین کو دُنیا کمانے کا
ذریعہ نہ بنائیں۔

واقعہ بھی یہی ہے کہ جب کسی ذمہ دارِ حکومت میں یہ عیوب پیدا ہو جاتے ہیں تو پھر وہ حکومت کے کسی شعبے کے لائق نہیں رہ جاتا ہے، کیونکہ ان حالات میں اس پر اعتماد نہیں ہوسکتا ہے اور نہ ہونا چاہیے، اس لئے کہ نفس پرستی اور حرص و ہوس کے ساتھ آدمیت باقی نہیں رہتی۔ پھر اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ جب اس میں خداترسی کی جگہ انسانوں کا خوف ہوگا تو وہ حق پر قائم نہیں رہ سکتا ہے۔

خلیفہ کی ذمہ داری

مگر ان گورنروں اور حکام وعمال سے زیادہ ذمہ داری خلیفۂ وقت یا سلطان پر ہوتی ہے، جو پوری حکومت کا سربراہ ہوتا ہے اور ان گورنروں اور حکام وعمل کی نگاہ بھی اسی پر رہتی ہے، اور اسی کی مضبوطی و کمزوری سے یہ متاثر ہوتے ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ اسلام نے خلیفہ کو راہِ راست پر قائم رکھنے کے لئے ترغیب وترہیب کا جو پہلو بھی ممکن تھا ان تمام پہلو سے کام لیا ہے۔

یہ مسئلہ اپنی جگہ مسلّم ہے کہ جب تک خلیفہ یا سلطان انصاف ومساوات پر پوری قوت سے جم نہیں جاتا، ملک میں عدل و مساوات کا تصور بھی ناممکن ہے۔ جب خود اس میں حق شناسی اور خداترسی ہوگی، تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ یہ اپنے گورنروں اور دوسرے حکام پر حق پرستی اور حق شناسی کے سلسلے میں سختی نہ کرے، اور انہیں رِفق وعدل کے لئے مجبور نہ کرے، اور جب واقعی خلیفہ یا سربراہ حق شناس ہوگا تو وہ صرف ترغیب وترہیب ہی پر اکتفا نہ کرے گا۔ بلکہ وہ چل پھر کر ہر کارروائی کا جائزہ بھی لے گا، عوام سے ملے گا اور اپنے عمال و حکام کے اعمال واخلاق کا پتہ چلائے گا۔ اور جب بھی ان میں سے کسی کو ظلم وتعدی کرتے دیکھے گا تو ان کو سزا دے گا، تاکہ خود ان عمال کو بھی یہی عبرت ہو اور عوام بھی محسوس کریں کہ ہم ان

کارندوں کے رحم وکرم پر نہیں، بلکہ ان کے اُوپر بھی ایک شخص دیکھ بھال کرنے والا ہے، جو پاسداری، بے جا مروّت اور حکام سے ناجائز حسنِ ظن کے مرض میں گرفتار نہیں ہے۔

خلیفہ کے لئے اہم شرط یہ ہے کہ وہ عدل پروَر ہو، اور ظالم کو کسی حال میں معاف نہ کرے، خواہ ظالم کوئی بھی ہو، علماء نے لکھا ہے:

> شرط یہ ہے کہ اِمام منصف ہو، ظالم کے ظلم اور قانون سے اس کی خلاف ورزی کو معلوم کرنے کے بعد معاف نہ کرے، بلکہ اس کو ضرور سزا دے، اور اِمام کے لئے جتنی شرطیں بیان کی گئی ہیں ان میں ان کا عادل ہونا سب سے زیادہ ضروری شرط ہے۔

اہلِ حکومت کے اوصاف

علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اربابِ حکومت میں ان تین اوصاف کا پایا جانا ضروری ہے، اوران ہی پر رضائے الٰہی اور سعادتِ دارین کا دارومدار ہے۔

(۱)......اَحکامِ الٰہی کی تعظیم اور دِینِ اسلام پر اِستقامت۔

(۲)......اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر اس کے قانون اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق شفقت اور رحم وکرم۔

(۳)......کتاب وسنت کے مطابق بندگانِ خدا کے درمیان عدل ومساوات کا قیام اور اس پر عمل۔

پہلی چیز جب تک نہ ہوگی دوسرا مضبوط قدم اُٹھ ہی نہیں سکتا، اور دوسرا اور تیسرا وصف حکومت کے قیام وبقا کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ خود رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے کہا گیا:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ (آل عمران: ۱۵۹)

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!) یہ اللہ کی بڑی مہربانی ہے کہ آپ ان کے حق میں

نرم دل واقع ہوئے، اور اگر کہیں آپ تندخو اور دِل کے سخت ہوتے تو یہ لوگ
آپ کے پاس سے منتشر ہو چکے ہوتے، سو آپ ان کو معاف کردیجئے اور ان
کے لئے خدا سے بخشش طلب کیجئے۔

معلوم ہوا بے جا سختی اسلامی اُصول کے منافی ہے۔ شفقت اور رحم و کرم کا برتاؤ پبلک کے ساتھ ضروری ہے، باقی رہا عدل و مساوات تو پہلے یہ آیت نقل ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ (النساء:۵۸)

اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے لگو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا کرو۔

اس آیت میں خطاب حکمران طبقے ہی کو ہے، یوں اور بہت ساری آیتیں ہیں جن میں نفسِ عدل و مساوات کی تاکید موجود ہے، جس کی تفصیل اپنی جگہ آ رہی ہے۔

عدل پروری

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مختلف انداز سے سلطان کے عدل و مساوات پر روشنی ڈالی ہے، اور اس کی اہمیت ذہن نشین کرانے کی سعی کی ہے۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلسُّلْطَانُ ظِلُّ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ يَاْوِي اِلَيْهِ كُلُّ مَظْلُومٍ مِنْ عِبَادِهٖ فَاِنْ عَدَلَ كَانَ لَهُ الْاَجْرُ، وَكَانَ يَعْنِي عَلَى الرَّعِيَّةِ الشُّكْرُ، وَاِنْ جَارَ اَوْ ظَلَمَ كَانَ عَلَيْهِ الْوِزْرُ وَعَلَى الرَّعِيَّةِ الصَّبْرُ۔ (۱)

سلطان رُوئے زمین پر اللہ تعالیٰ کا سایہ ہے، جس کی طرف خدا کے مظلوم
بندے پناہ لیتے ہیں، جب وہ انصاف کرتا ہے تو وہ مستحقِ اجر ہوتا ہے، اور رعایا
پر شکر گزاری واجب ہوتی ہے، اور جب ظلم و جور کرتا ہے تو وہ گنہگار ہوتا ہے اور

(۱) مسند البزار: مسند ابن عباس، ج۱۲ ص۱۷، رقم الحدیث: ۵۳۸۳

اس وقت رعایا کو صبر سے کام لینا چاہئے۔

اگر زمین پر حکومت حاصل ہونے کے بعد بھی وہ اِمام اَحکامِ خداوندی کو نافذ نہیں کرتا، بلکہ قانونِ خداوندی سے باغی ہو کر ظلم وستم ڈھاتا ہے تو پھر وہ ظل اللہ باقی نہیں رہتا، بلکہ ظل الشیطان (سایہ شیطانی) بن جاتا ہے، اس کا کام زمین پر فساد کا بیج بونا اور شیطنت پھیلانا ہے۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں:

ثُمَّ لَا شَكَّ اَنَّ السُّلْطَانَ حِينَ ظُلْمِهٖ إِنَّمَا يَكُونُ ظِلَّ الشَّيْطَانِ.(۱)

پھر اس میں قطعاً کوئی شبہ نہیں ہے کہ بادشاہ جس وقت ظالم بن جاتا ہے تو وہ شیطان کا سایہ ہو جاتا ہے۔

ظالم بادشاہ کے ظل الشیطان ہونے کی دلیل میں صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت پیش کی ہے، جس میں اس سلطان کو ظل اللہ (سایۂ خداوندی) قرار دیا گیا ہے، جو عادل اور متواضع ہوتا ہے:

السُّلْطَانُ الْعَادِلُ الْمُتَوَاضِعُ ظِلُّ اللّٰهِ وَرُوحُهُ فِي الْاَرْضِ.(۲)

خدا کا سایہ، اس کی رحمت وہ بادشاہ ہے جو انصاف پسند اور متواضع ہو۔

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ حکومت کو عدل ومساوات کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

إِنَّ اَفْضَلَ عِبَادِ اللّٰهِ عِنْدَ اللّٰهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِمَامٌ عَادِلٌ رَفِيقٌ، وَإِنَّ شَرَّ النَّاسِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِمَامٌ جَائِرٌ خَرِقٌ.(۳)

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کے بندوں میں سے بڑے مرتبے والا منصف، نرم خو خلیفہ ہوگا، اور لوگوں میں سب سے بدتر خدا کے نزدیک ظالم،

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح : کتاب الإمارۃ والقضاء، الفصل الثالث، ج۶ص ۲۴۱۹، رقم الحدیث: ۳۷۱۸

(۲) مرقاۃ المفاتیح : کتاب الإمارۃ والقضاء، الفصل الثالث، ج۶ص ۲۴۱۹، رقم الحدیث: ۳۷۱۸

(۳) شعب الإیمان : طاعۃ اولی الأمر، ج۹ص ۴۷۷، رقم الحدیث: ۶۹۸۶

تند خو اور درشت مزاج خلیفہ ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کو تین خطروں سے آگاہ کیا، ان میں ایک خطرہ بادشاہ کے ظلم و جور کو بتایا۔ (۱)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک بار مجھ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یَا مُعَاوِیَۃُ! اِنْ وُلِّیتَ اَمْرًا فَاتَّقِ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ وَاعْدِلْ. (۲)

اے معاویہ! اگر کبھی تم کو کوئی ملکی اور قومی خدمت سپرد کی جائے تو اس میں انصاف کرنا اور اللہ تعالیٰ سے ہر وقت ڈرتے رہنا۔

عدل و انصاف کی ترغیب دی اور ارشاد فرمایا:

حکومت کے وہ افراد جو انصاف کرنے والے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو اپنے پاس نور کے منبر پر بٹھائے گا۔ (۳)

ظلم و جور کی ممانعت

غیر منصف حکمرانوں کے سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے:

مَا مِنْ اَحَدٍ یَکُونُ عَلَی شَیْءٍ مِنْ اُمُورِ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ قَلَّتْ اَمْ کَثُرَتْ فَلَا یَعْدِلُ فِیھِمْ اِلَّا کَبَّہُ اللّٰہُ فِی النَّارِ. (۴)

جو شخص اس اُمت کے کسی کام پر مامور ہو، چاہے وہ کم ہو یا زیادہ، اور وہ ان میں انصاف نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو جہنم میں ڈال دے گا۔

---

(۱) مسند احمد : مسند البصریین، حدیث جابر بن سمرۃ، ج۳۴ ج۳۲۳رقم الحدیث: ۲۰۸۳۲

(۲) مسند احمد: مسند الشامیین، حدیث معاویۃ بن ابی سفیان، ج۲۹ ص۱۲۹، رقم الحدیث: ۱۶۹۳۳

(۳) صحیح مسلم: کتاب الإمارۃ، باب فضیلۃ الإمام العادل، ج۳ ص:۱۴۵۸، رقم الحدیث:۱۸۲۷

(۴) المستدرک علی الصحیحین : کتاب الأحکام، ج۴ ص۱۰۲، رقم الحدیث:۷۰۱۴، و قال الحاکم والذھبی : "صحیح"

اسلام نے حکمران طبقے کو مختلف پیرایے میں انصاف اور عدل و مساوات کی تاکید کی ہے، اور چوری خیانت اور بیت المال میں ناجائز تصرف سے منع کیا ہے، اور ان ہدایات پر عمل نہ کرنے کی صورت میں آخرت کے عذاب کی دھمکی سنائی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَنِ اسْتَعْمَلْنَاهُ مِنْكُمْ عَلَى عَمَلٍ، فَكَتَمَنَا مِخْيَطًا، فَمَا فَوْقَهُ كَانَ غُلُولًا يَأْتِي بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.(۱)

جس شخص کو ہم کسی کام پر مقرر کردیں اور وہ اس میں ایک سوئی یا اس سے بھی معمولی چیز چھپا رکھے تو یہ خیانت ہے، قیامت میں وہ اسے لے کر حاضر ہوگا۔

مسندِ احمد کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ أَحَبَّ النَّاسِ إِلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَأَقْرَبَهُمْ مِنْهُ مَجْلِسًا: إِمَامٌ عَادِلٌ، وَإِنَّ أَبْغَضَ النَّاسِ إِلَى اللهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَأَشَدَّهُ عَذَابًا: إِمَامٌ جَائِرٌ.(۲)

لوگوں میں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں سے زیادہ محبوب اور مجلس کے اعتبار سے قریب عادل حکمران ہوگا، اور لوگوں میں قیامت کے دن اللہ کے ہاں مبغوض ترین اور سخت عذاب ظالم حکمران کو ہوگا۔

حدیث میں صراحت ہے کہ ہر وہ شخص کہ جو کسی چھوٹی یا بڑی جماعت کا امیر رہا ہے، قیامت میں اس طرح حاضر ہوگا کہ وہ بندھنوں میں جکڑا ہوا ہوگا، اس کے سامنے اس کے اعمال نامے پیش ہوں گے، اب اگر عدل و مساوات پر قائم رہا تو رہائی پائے گا، اور اگر ظلم وستم کی راہ پر گامزن رہا تو ہلاک اور برباد ہوگا:

---

(۱) صحیح مسلم: كتاب الإمارة، باب تحريم هدايا العمال، ج ۳ ص ۱۴۶۵، رقم الحديث: ۱۸۳۳

(۲) مسند احمد: مسند المكثرين، مسند ابي سعيد الخدري، ج ۱۷ ص ۲۶۴، رقم الحديث: ۱۱۱۷۴

مَا مِنْ رَجُلٍ يَلِي اَمْرَ عَشَرَةٍ فَمَا فَوْقَ ذٰلِكَ اِلَّا اَتَى اللّٰهُ مَغْلُولًا ، يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَدُهُ اِلَى عُنُقِهِ فَكَّهُ بِرُّهُ اَوْ اَوْبَقَهُ اِثْمُهُ.(۱)

دس یا زیادہ آدمیوں کا جو شخص بھی حاکم ہوگا، اللہ تعالیٰ اسے اپنی عدالت میں اس طرح حاضر کریں گے کہ اس کے ہاتھ اس کی گردن سے بندھے ہوں گے، اب وہاں اس کی نیکی اس کو رہائی بخشے گی یا اس کی برائی اس کو ہلاک کرے گی۔

دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں:

يُؤْتَى بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَغْلُولًا ، لَا يَفُكُّهُ اِلَّا الْعَدْلُ ، اَوْ يُوبِقُهُ الْجَوْرُ.(۲)

وہ قیامت کے دن بیڑیوں میں جکڑا ہوا لایا جائے گا، پھر یا اُس کا عدل وانصاف اُسے خلاصی بخشے گا، یا اُس کا ستم اُس کی ہلاکت کا باعث ہوگا۔

غور کیجئے کہ ان احادیث میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خلیفہ اور سلطان کو کس قدر تاکید کی ہے کہ وہ حق پر ثابت قدم رہیں اور جب ان پر قوم وملک کا بار آ جائے تو اس وقت ان ذمہ دارانِ اُمت کے کیا فرائض ہیں۔ عدل ومساوات کی یہ ترغیب اور ظلم وجور سے بچنے کی یہ تاکید بے وجہ نہیں ہے، یقین کریں کہ پورے ملک میں امن وسکون، راحت وعافیت اور اتحاد و یکجہتی کی فضا اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتی جب تک اربابِ حکومت میں یہ اوصاف موجود نہ ہو۔

جس ملک میں بھی اس کے افرادِ حکومت سے یہ اوصاف ختم ہو جائیں گے۔ وہ ملک فتنہ وفساد، خوف وہراس اور بدامنی کا مرکز بن جائے گا۔ انسانی جانیں دن رات کیڑے مکوڑوں کی طرح ضائع ہوں گی، شرافت ووقار کا دامن تار تار نظر آئے گا، اور ملک سے خوش حالی عنقا ہو جائے گی۔

---

(۱) مسند احمد: مسند الانصار، حدیث ابی امامۃ الباھلی، ج۳۶ ج۶۳۵، رقم الحدیث: ۲۲۳۰۰

(۲) مسند احمد: مسند المکثرین من الصحابۃ، مسند ابی ھریرۃ، ج۱۵ ص۳۵۲، رقم الحدیث: ۹۵۷۳

حکومت میں کیسے لوگ لئے جائیں؟

اربابِ حکومت پر عدل پروری کی جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے، اس کا اوّلین تقاضا یہ ہے کہ جب کسی شعبۂ حکومت میں کسی شخص کو لینا ہو تو متعلقہ شعبے کے افسرِ اعلیٰ کا فرض ہے کہ وہ ایسے شخص کو لے جو ہر طرح اس منصب کے لائق ہو، خواہ وہ کسی بھی خاندان سے تعلق رکھتا ہو، انسان کے بنائے ہوئے قانون کی پابندی نہ کرے، جس کی وجہ سے اہل شخص کو چھوڑنا پڑے اور نااہل کے انتخاب پر اپنے آپ کو مجبور پائے۔ آخرت میں یہ عذر اس کو بچا نہ سکے گا کہ فلاں ''ایل. ایل. بی'' نہ تھا، اس کو ہم نہ لے سکے، اور فلاں شخص چونکہ فلاں ڈگری رکھتا تھا، اس کے لینے پر مجبور ہوئے۔

اس موقع پر قرابت داری کا خیال، خاندان و نسل کا پاس و لحاظ، اور رشتۂ اُخوّت و مودّت ہرگز دھوکا دینے نہ پائے، اسی طرح حرص و ہوس، بے جا خوشامد و چاپلوسی اور غلط اخلاقی دباؤ کا شکار نہ ہو۔

اسلام نے اس سلسلے میں بھی رہنمائی کی ہے۔ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَنِ اسْتَعْمَلَ رَجُلًا مِنْ عِصَابَةٍ وَفِي تِلْكَ الْعِصَابَةِ مَنْ هُوَ أَرْضَى لِلّٰهِ مِنْهُ فَقَدْ خَانَ اللّٰهَ وَخَانَ رَسُولَهُ وَخَانَ الْمُؤْمِنِينَ. (۱)

ایک بہتر شخص کی موجودگی میں اس کو چھوڑ کر جس شخص نے کسی اور کو قومی کام کا ذمہ دار بنایا، اس نے اللہ تعالیٰ، اس کے رسولِ برحق اور مومنوں سے خیانت کی۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سیّد الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنِ اسْتَعْمَلَ عَامِلًا عَلَى قَوْمٍ، وَفِي تِلْكَ الْعِصَابَةِ مَنْ هُوَ أَرْضَى لِلّٰهِ مِنْهُ، فَقَدْ خَانَ اللّٰهَ، وَخَانَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَخَانَ

---

(۱) المستدرك على الصحيحين : كتاب الأحكام، ج۴ ص۱۰۴، رقم الحديث: ۷۰۲۳

جَمِيعَ الْمُسْلِمِينَ. (۱)

جس شخص نے پسندیدہ ترین اشخاص کو چھوڑ کر جماعت کا کام دوسرے کے سپرد کیا، اس نے اللہ، اُس کے رسول اور مسلمانوں سے خیانت کی۔

ان حدیثوں میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے کہ جب کسی عہدے پر کسی کو بحال کرنا ہو تو متعلقہ افراد کا فرضِ اوّلین ہے کہ وہ ایسے شخص کا انتخاب کریں، جو صحیح معنی میں اس عہدے کا مستحق ہو، اور وہ اپنے فرائض پوری دیانت داری اور محنت سے حسن وخوبی کے ساتھ انجام دے سکے، اور وہ اس طرح کے لوگوں میں سب سے افضل ہو۔

ہر شعبے کے لئے اس کے لائق آدمی کی تلاش وجستجو ہونی چاہئے، اگر ذمہ داروں نے اس سلسلے میں اپنی طرف سے کوئی کوتاہی کی یا غفلت برتی، وہ اسلام کے قانون میں مجرم ہوں گے، اور خیانت جیسے جرم کے مرتکب۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اہتمام

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان ہدایاتِ نبوی کی جس طرح پیروی کی، وہ تاریخ کا سنہرا باب ہے۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے یارِ غار نے جن کا لقب ہی ''خلیفۂ رسول'' تجویز ہوا تھا، جب خلافت کی باگ ڈور سنبھالی تو آپ نے عمال اور حکام کے انتخاب میں ہدایات کا پورا لحاظ رکھا، اور ہر شعبے میں ان لوگوں کو جگہ دی جو ہر طرح اس مفوّضہ خدمت کے اہل اور لائق تھے، اور واقعی اس جگہ کے لئے اس سے اچھا دوسرا آدمی نہیں ہوسکتا تھا۔

سیّدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے تمام عمال وحکام کو تاکید کر رکھی تھی کہ حکومت کے کام میں جب کسی آدمی کی ضرورت ہو تو وہ ایسا آدمی منتخب کریں جو ہر پہلو سے اس خدمت کے مناسب ہو، کینہ پروری اور اقربا نوازی کی گرفت میں ہرگز نہ آئیں۔

---

(۱) السنة لابن ابی عاصم: ج۲ ص۶۲۶، رقم الحدیث: ۱۴۶۲

چنانچہ یزید بن سفیان کو شام کی گورنری جب تفویض کی تو ساتھ ہی ان کو یہ ہدایت بھی فرمائی:

يَا يَزِيدُ، إِنَّ لَكَ قَرَابَةً عَسَيْتَ اَنْ تُؤْثِرَهُمْ بِالْاِمَارَةِ، وَذٰلِكَ اَكْبَرُ مَا اَخَافُ عَلَيْكَ. (۱)

یزید! دیکھو وہاں تمہاری قرابت داری ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ حکومت کے کاموں میں قرابت داری اثر انداز ہونے لگے، اور تم رشتہ داروں کو لینے لگو اور مجھے اسی کا تم سے سب سے زیادہ خطرہ ہے۔

صاف گوئی اور لب ولہجہ دیکھیں کہ حکومت کے باب میں جو بات کہنی ہے کس بے باکی سے فرما رہے ہیں، اور آپ کا اندازِ بیان اس سلسلے میں کس قدر موثر اور چونکا دینے والا ہے۔ اسی پر اکتفا نہیں فرمایا، بلکہ آگے یہ بھی ذہن نشین کیا کہ میں اس لئے صفائی سے یہ کہہ رہا ہوں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

مَنْ وَلِيَ مِنْ اَمْرِ الْمُسْلِمِينَ شَيْئًا فَاَمَّرَ عَلَيْهِمْ اَحَدًا مُحَابَاةً فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ مِنْهُ صَرْفًا وَّلَا عَدْلًا حَتّٰى يُدْخِلَهُ جَهَنَّمَ. (۲)

جو شخص کسی خدمت کا نگرانِ اعلیٰ بنایا جائے گا، اور دوسروں کو چھوڑ کر پبلک کام کے لئے خلافِ انصاف ایک مخصوص شخص کو لے، تو اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتے اور تمام لوگوں کی لعنت ہو، اللہ تعالیٰ نہ تو اس کی طرف سے کوئی فدیہ قبول فرمائیں گے اور نہ کوئی سفارش، یہاں تک کہ اس کو جہنم میں ڈالیں گے۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بے دار مغزی

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حکومت میں ان لوگوں کو کسی قیمت پر گھسنے نہیں دیتے تھے جو کسی وجہ سے اپنا اعتماد کھو چکے تھے، ہمیشہ ان ہی لوگوں کو منتخب فرماتے تھے جو ہر طرح

(۱) مسند احمد : مسند ابی بکر الصدیق، ج ۱ ص ۲۰۲، رقم الحدیث: ۲۱

(۲) المستدرك على الصحيحين : كتاب الأحكام، ج۴ ص ۱۰۴، رقم الحديث: ۷۰۲۴

بے داغ تھے، اگر کسی پر کوئی شبہ ہوتا تو رکھتے وقت اسے صفائی سے فرما دیتے کہ رکھتا ہوں، مگر تم نے اگر اپنے فرائض کی انجام دہی میں ذرّہ برابر بھی کوتاہی کی تو تم کو برطرف کردوں گا، ہاں! اگر تم نے اپنے فرائض بحسن خوبی انجام دیئے تو البتہ برقرار رہنے دُوں گا۔ اور ایسا ہی کرتے تھے، جو مفوّضہ خدمات پورے طور پر انجام نہیں دیتا، اس کو علیحدہ کر دیتے، اس سلسلے میں اس کے ساتھ کسی قسم کی رعایت نہیں کرتے تھے۔

یزید بن ابی سفیان کو اَمیرِ عسکر بنا کر جب شام روانہ کرنے لگے تو ان سے فرمایا:

إِنِّي قَدْ وَلَّيْتُكَ لِأَبْلُوَكَ وَأُجَرِّبَكَ وَأُخَرِّجَكَ، فَإِنْ أَحْسَنْتَ رَدَدْتُكَ إِلَى عَمَلِكَ وَزِدْتُكَ، وَإِنْ أَسَأْتَ عَزَلْتُكَ. (۱)

تجھے میں اس لئے ذمہ داری کا کام سپرد کر رہا ہوں کہ تمہارا امتحان لوں، تجربہ کروں اور تربیت دُوں، اگر تم نے حسن وخوبی سے خدمت انجام دی، کام پر برقرار رکھوں گا، بلکہ ترقی دُوں گا، اور اگر بے راہ روی اختیار کی تو علیحدہ کردوں گا۔

فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا اہتمام

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حال بھی یہی تھا، وہ بھی اس سلسلے میں کسی رو رعایت کے قائل نہ تھے، بلکہ فرمایا کرتے تھے:

مَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ الْمُسْلِمِينَ شَيْئًا فَوَلَّى رَجُلًا لِمَوَدَّةٍ أَوْ قَرَابَةٍ بَيْنَهُمَا، فَقَدْ خَانَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَالْمُسْلِمِينَ. (۲)

کسی شعبے کے افسرِ اعلیٰ نے جب کسی کو صرف اس لئے کام سپرد کیا کہ اس سے اس کی دوستی یا قرابت داری ہے تو اس نے اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں سے خیانت کی۔

---

(۱) الكامل في التاريخ : سنة ثلاث عشرة، ذكر فتوح الشام، ج۲ ص۲۴۹

(۲) السياسية الشرعية : فصل : انواع اداء الأمانات، ص۷

جس کے عقیدے میں یہ بات داخل ہو، خود سوچ سکتے ہیں کہ اس کا عمل اس سلسلے میں کیا رہا ہوگا؟ کیا وہ ایک لمحے کے لئے بھی پسند کر سکتا ہے کہ کسی کو حکومت میں محض اس وجہ سے جگہ دے کہ وہ اس کا رشتہ دار یا دوست ہے؟ یہ غیر ممکن ہے...!

عہدہ تو بڑی چیز ہے، آپ یہ بھی پسند نہیں فرماتے تھے کہ میرے کنبے کے ساتھ حکومت کی جانب سے کوئی معمولی رعایت بھی روا رکھی جائے۔

ایک دفعہ جہاد کے سلسلے میں آپ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ اور عبدالرحمٰن مصر تشریف لے گئے، مگر احتیاط کا یہ عالم تھا کہ آپ نے اس قریب زمانے میں وہاں کے گورنر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو جب خط لکھا تو دوسری باتوں کے ساتھ ان کو یہ بھی تحریر فرمایا کہ اگر میرے خاندان کا کوئی فرد تمہارے پاس پہنچے تو اس کے ساتھ ہرگز کوئی احسان نہ کرنا، آپ کے الفاظ یہ تھے:

إياك أن يقدم عليك أحد من أهل بيتي فتضعه بأمر لا تصنعه بغيره، فأفعلُ بك ما أنت اهله.(۱)

اگر تمہارے پاس میرے گھر والوں میں سے کوئی شخص پہنچے تو اس کی مہمانی سے بچنا، اور تم اس کے ساتھ رعایت کا کوئی ایسا سلوک نہ کرنا جو تم دوسروں کے ساتھ نہ کرتے ہو، ورنہ میں تمہیں سزا دوں گا۔

اس خط کے ملنے کے بعد حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ گورنرِ مصر کو خلاف ورزی کی جرأت کیسے ہوتی۔ صاحبزادوں کی حاضری پر کوئی معمولی اہتمام بھی نہیں کیا جس طرح سب آتے جاتے تھے، یہ حضرات بھی آئے اور گئے۔(۲)

---

(۱) مختصر تاریخ مدینة دمشق: ترجمة: عمر بن الخطاب، ج۱۸ ص۳۴۳

(۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ بات سبھوں کو معلوم ہوگی کہ شہادت کا زخم لگنے کے بعد زندگی سے جب مایوس ہو گئے تو آپ نے چھ آدمیوں کی ایک کمیٹی بنا دی تھی کہ خلیفہ کے انتخاب میں مدد دے گی، ان میں آپ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ تھے، مگر آپ نے صراحت کر دی تھی کہ عبداللہ خلیفہ منتخب نہیں ہو سکتے بلکہ یہ صرف بقیہ پانچ میں سے کسی کے خلیفہ ہونے کے سلسلے میں مشورہ دے سکتے ہیں۔

عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ خلفائے بنواُمیہ میں سے ہیں، مگر انہوں نے اپنے دورِ خلافت میں خلفائے راشدین کی یاد تازہ کر دی تھی، اور یہی وجہ ہے کہ آپ کا دورِ خلافت ممتاز شمار ہوتا ہے اور خالص دینی حکومت میں شمار کیا جاتا ہے۔

آپ کا بھی یہ حال تھا کہ آپ نے تاکید کر رکھی تھی کہ میرا کوئی رشتہ دار حکومت کے کسی شعبے میں نہ لیا جائے۔ اور یہی ہوتا بھی تھا۔ آپ نے اپنے کسی لڑکے کو کوئی سرکاری عہدہ نہیں دیا، ایک مرتبہ آپ نے تمام صاحبزادوں کو جمع کر کے پوچھا: تم کیا چاہتے ہو، کیا تم سب کو ایک ایک صوبے کی گورنری سونپ دُوں؟ صاحبزادوں نے ایک زبان ہو کر جواب دیا: جو آپ کو کرنا نہیں ہے، اس کے متعلق کیوں سوال فرماتے ہیں؟ ان کا یہ جواب سن کر آپ نے فرمایا:

> تم دیکھتے ہو میرا یہ فرش پُرانا ہو چلا ہے، لیکن میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ تم اس کو میلا کرو، پھر تم کو اپنا دِین کیونکر حوالے کر دُوں، ہر صوبے میں تم اس کو گرد آلود کرو۔(۱)

ایک دفعہ جراح بن عبد اللہ الحکمی نے آپ کے ایک رشتہ دار عبد اللہ نامی کو عامل مقرر کر دیا، جوں ہی آپ کو اس کی خبر پہنچی آپ نے لکھ بھیجا کہ اس کو معزول کر دو، اس لئے کہ وہ امیر المومنین کا رِشتہ دار ہے، اور جو باتیں ہیں وہ اپنی جگہ۔(۲)

مختصر یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بعد کے وہ خلیفہ جنھوں نے منہاجِ نبوّت کے مطابق خلافت کے فرائض انجام دیئے، عمال و حکام کے رکھنے میں ان حدیثوں پر پورا پورا عمل کیا جن میں عمال و حکام کے انتخاب سے متعلق نشاندہی کی گئی ہے۔

---

(۱) سیرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ ص: ۱۸۸

(۲) سیرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ ص: ۱۸۸

عہدوں کے خواہش مندوں سے اِجتناب

شیخ الاسلام علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ نے ان ہی احادیثِ نبوی کے پیشِ نظر صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ حکومت کے تمام شعبہ جات کے لئے ایسے آدمیوں کا انتخاب ضروری ہے، جو ان عہدوں کے لئے ہر طرح موزوں و مناسب ہوں، اور ان کے اندر اس کی پوری صلاحیت ہو۔ نیز تمام شعبہ جات کے ذمہ داروں کا فریضہ ہے کہ وہ اپنا نائب اور عامل ان لوگوں کو بنائیں جو سب سے زیادہ صلاحیت اور اس کام کے مستحق ہوں۔ کسی کو اس وجہ سے جگہ دینے میں ہرگز ترجیح نہ دی جائے کہ اس نے پہلے درخواست دی ہے، یا اپنی خدمت پیش کی ہے، کیونکہ یہ وجوہ تو جگہ سے علیحدہ رکھنے کی ہیں۔

یہ بالکل درست ہے کہ ایسے لوگوں کو ہرگز حکومت میں نہ لیا جائے جو آگے بڑھ کر اپنے آپ کو اس کام کے لئے پیش کرتے ہیں۔ اس لئے کہ حدیث میں صراحت کے ساتھ ایسے لوگوں کو عہدہ دینے سے منع کیا گیا ہے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر عمل بھی تھا، آپ عہدے کے خواہش مند کو کبھی عہدہ سپرد نہیں فرماتے تھے۔ حدیث میں ہے کہ ایک شخص خدمتِ نبوی میں حاضر ہوا اور اس نے درخواست کی کہ یارسول اللہ! مجھے فلاں جگہ عطا کی جائے۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا:

إِنَّا وَاللهِ لَا نُوَلِّي عَلَى هَذَا الْعَمَلِ أَحَدًا سَأَلَهُ، وَلَا أَحَدًا حَرَصَ عَلَيْهِ۔(۱)

اللہ کی قسم! میں کسی ایسے شخص کو اس کام کا ذمہ دار نہیں بناؤں گا جو مجھ سے اس کا سوال کرے گا، جو اس کا حریص ہوگا۔

دوسری حدیث میں اس کی وجہ بھی مذکور ہے کہ درخواست کرنے والوں کو ذمہ داری

---

(۱) صحیح مسلم : کتاب الامارة، باب النهي عن طلب الامارة والحرص عليها، ج۳ ص۱۴۵۶، رقم الحديث: ۱۷۳۳

کیوں نہ سونپی جائے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ سیّد الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا: اے عبدالرحمٰن! امارت کی ہوس نہ کرنا، اور نہ اس کے لئے درخواست کرنا، کیونکہ اگر درخواست اور اِلتجا پر وہ کام تمہارے سپرد ہوا تو تم اس ذمہ داری کے کام کو نہیں نباہ سکو گے، البتہ اگر بغیر سوال یہ خدمت تمہارے سپرد کی جائے تو یقیناً اِمداد واعانت ہوگی:

يَا عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ سَمُرَةَ، لاَ تَسْأَلِ الْإِمَارَةَ، فَإِنَّكَ إِنْ أُوتِيتَهَا عَنْ مَسْأَلَةٍ وُكِلْتَ إِلَيْهَا، وَإِنْ أُوتِيتَهَا مِنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ أُعِنْتَ عَلَيْهَا.(۱)

اسی طرح ایک دفعہ جب حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے درخواست کی، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محبت وشفقت کے لہجے میں ان سے فرمایا:

يَا أَبَا ذَرٍّ، إِنَّكَ ضَعِيفٌ، وَإِنَّهَا أَمَانَةٌ، وَإِنَّهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ خِزْيٌ وَنَدَامَةٌ، إِلَّا مَنْ أَخَذَهَا بِحَقِّهَا، وَأَدَّى الَّذِي عَلَيْهِ فِيهَا.(۲)

ابوذر! تم کمزور ہو، اور یہ ذمہ داری کا کام ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ کام قیامت کے دن تمہارے لئے باعثِ ذِلت ورُسوائی اور وجہِ ندامت ثابت ہو (لہٰذا پرہیز ہی مناسب ہے) ہاں! وہ شخص البتہ اس طرح کی ذمہ داری قبول کرسکتا ہے جو پورے طور پر اپنے آپ کو اس ذمہ داری کے ادا کرنے کے لائق سمجھتا ہو، اور اس کے پورے حقوق بھی ادا کرسکتا ہو۔

ایک دوسرے موقع پر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تَجِدُونَ مِنْ خَيْرِ النَّاسِ أَشَدَّهُمْ كَرَاهِيَةً لِهَذَا الأَمْرِ حَتَّى يَقَعَ فِيهِ.(۳)

---

(۱) صحیح البخاری کتاب الأحکام، باب من سال الإمارة وكل إليها، ج:۹ ص ۶۳، رقم الحديث: ۷۱۴۷

(۲) صحیح مسلم : کتاب الإمارة، باب كراهة الإمارة بغير ضرورة، ج۳ ص ۱۴۵۷، رقم الحديث: ۱۸۲۵

(۳) صحیح البخاری: کتاب المناقب، باب علامات النبوة فی الإسلام، ج۴ ص ۱۹۶، رقم الحديث: ۳۵۸۸

تم دیکھو گے کہ جو اچھے لوگ ہیں وہ حکومت کے کام ہاتھ میں لینے سے بہت ڈرتے ہیں، اور اس ذمہ داری کے قبول کرنے سے بھاگتے ہیں۔ سوائے ان لوگوں کے جو اس کام کے لئے مجبور کئے جائیں اور ان کے لئے بچنے کی کوئی صورت نہ ہو۔

اب یہ بات صاف نکھر کر سامنے آتی ہے کہ ایک دِین دار شخص کے لئے بہتر یہ ہی ہے کہ وہ اپنے آپ کو حکومت کے کاموں سے وسعت بھر بچانے کی سعی کرے،، بجز اس صورت کے کہ اگر وہ ہاتھ میں نہ لے گا تو ظالم لوگ اس عہدے پر قبضہ کر کے اللہ کی مخلوق پر ظلم کریں گے۔ اسی طرح جب قوم کا مطالبہ اور ان کا اِصرار ہو تو پھر خدا پر بھروسہ کر کے قبول کر لے، ایسی صورت میں رَبّ العزت کی طرف سے یقیناً اس کی غیبی مدد ہوگی، اور اگر بلا قصد و اِرادہ اس سے کوئی غلطی ہو جائے، اور کام خراب ہو جائے تو اس وقت بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بُرے نتیجے سے بچالے، اور اس کی وجہ سے ملک میں کوئی انتشار پیدا نہ ہو۔ جب وہ واقعی گریز کر رہا تھا تو یہ دلیل ہے کہ اس میں اس ذمہ داری کا پورا احساس تھا، اب زبردستی اس منصب پر فائز کیا گیا ہے تو پوری محنت اور دُور اندیشی سے اپنے فرائض انجام دے گا، اور اس کی طرف سے قصداً کوئی کوتاہی نہیں ہوگی۔

اِجتناب کی وجہ

دوسری یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ جو لوگ حکومت کے عہدوں پر آنے کی ہوس رکھتے ہوں، ان کو ہرگز عہدہ نہ دینا چاہئے، کیونکہ ایک طرف وہ اللہ تعالیٰ کی نصرت و دستگیری سے محروم ہوں گے۔ دوسری طرف ان کی طلب و خواہش اس کی دلیل ہے کہ ان میں ذمہ داری کا احساس نہیں ہے، وہ دُنیا طلبی کے مرض میں گرفتار اور روپے اور اقتدار کے بھوکے ہیں، تاریخ بتاتی ہے کہ ایسے لوگوں سے کبھی قوم و ملک کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا، بلکہ انسان کی جان و مال کا نقصان ہی ہوا۔ ذمہ داری کا احساس رکھنے والے جب لوگوں کے اِصرار سے سنبھال لیتے ہیں تو ان کی مدد ضرور ہوتی ہے، حدیثِ نبوی ہے:

مَنْ طَلَبَ الْقَضَاءَ وَاسْتَعَانَ عَلَيْهِ وُكِّلَ إِلَيْهِ، وَمَنْ لَمْ يَطْلُبْهُ وَلَمْ يَسْتَعِنْ عَلَيْهِ، أَنْزَلَ اللّٰهُ مَلَكًا يُسَدِّدُهُ.(۱)

جو شخص قضا کا طالب ہو اور اس کے لئے امداد کا خواہاں ہو، اس کو بے سہارا چھوڑ دیا جاتا ہے، البتہ جو اس عہدے کا طالب نہیں ہوتا، اور نہ نصرت کا خواہش مند، اس کی فرشتوں کے ذریعے مدد کی جاتی ہے۔

اس ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ حکومت کے مختلف شعبہ جات میں ان لوگوں کو ہی لیا جائے جو اپنے فرائض کے ادا کرنے کا صحیح جذبہ رکھتے ہوں، اور ان میں اس کام کی پوری صلاحیت ہو، تاکہ وہ تفویض کردہ خدمات حسن وخوبی کے ساتھ انجام دے سکیں، ساتھ ہی وہ فرض شناس، خداترس، عوام پر مہربان اور امین ہوں۔

خلاصۂ بحث

شیخ الاسلام علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فَإِنْ عَدَلَ عَنِ الْأَحَقِّ الْأَصْلَحِ إِلَى غَيْرِهِ، لِأَجْلِ قَرَابَةٍ بَيْنَهُمَا، أَوْ وَلَاءِ عَتَاقَةٍ أَوْ صَدَاقَةٍ، أَوْ مُوَافقة فِي بَلَدٍ أَوْ مَذْهَبٍ؛ أَوْ طَرِيقَةٍ، أَوْ جِنْسٍ: كَالْعَرَبِيَّةِ، وَالْفَارِسِيَّةِ، وَالتُّرْكِيَّةِ، وَالرُّومِيَّةِ، أَوْ لِرِشْوَةٍ يَأْخُذُهَا مِنْهُ مِنْ مَالٍ أَوْ مَنْفَعَةٍ، أَوْ غَيْرِ ذَلِكَ مِنَ الْأَسْبَابِ، أَوْ لِضِغْنٍ فِي قَلْبِهِ عَلَى الْأَحَقِّ، أَوْ عَدَاوَةٍ بَيْنَهُمَا؛ فَقَدْ خَانَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَالْمُؤْمِنِينَ، وَدَخَلَ فِيمَا نُهِيَ عَنْهُ فِي قَوْله تَعَالَى: يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾ (۲)

---

(۱) سنن ابی داود: كتاب الأقضية، باب في طلب القضاء والتسرع إليه، ج۳ ص۳۰۰، رقم الحديث:۳۵۷۸، السياسة الشرعية:، انواع اداء الأمانات، ص۸

(۲) السياسة الشرعية:، انواع اداء الأمانات، ص۸

حکمرانوں میں کسی نے اگر قرابت داری، رِشتہ داری، یا دوستی، یا شہر و مذہب، طریقہ یا جنس کی باہمی موافقت کی وجہ سے اَصلح اور اَحق کو چھوڑ کر دوسرے کو رکھ لیا، جیسے عربی نے عربی کو، فارسی نے فارسی کو، ترکی نے ترکی کو ہم جنس ہونے کی وجہ سے ترجیح دی، یا رِشوت میں مال لے کر، یا کسی نفع کی اُمید پر اس نے ناانصافی کی، یا اس وجہ سے حق دار اور باصلاحیت کو نظر اَنداز کر دیا کہ اس سے اس کی عداوت تھی یا کینہ، ان تمام صورتوں میں اس نے اللہ تعالیٰ، اس کے مقدس رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے خیانت کی، اور اس آیت کے تحت آ گیا جس میں اس طرح کے کام سے روکا گیا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے: اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول کے حق میں خیانت نہ کیا کرو، اور اپنی باہمی امانتوں میں خیانت نہ کرو، حالانکہ تم جانتے ہو۔

اَصلح واَحق کو چھوڑ کر غیر اہل کو رکھنے کی وجہ خواہ:

(۱) قرابت داری ہو۔	(۲) خواہ رشتہ داری۔
(۳) دوستی ہو۔	(۴) یا ہم شہر ہونا۔
(۵) مذہب ومسلک ہو۔	(۶) یا جنس کی موافقت۔
(۷) رِشوت ہو۔	(۸) یا کوئی دوسرا نفع۔
(۹) عداوت ہو۔	(۱۰) یا حسد وکینہ۔

ان میں جو بھی صورت ہو، وہ اللہ اور اس کے رسول کے حقوق میں خیانت ہے، شیخ الاسلام علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ نے اس خیانت کو آیت ''لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ'' (الأنفال:۲۷) میں داخل کیا ہے۔

حکومت ایک امانت ہے

یہاں یاد دِلانا ہے کہ شروع باب میں جو آیت نقل کی گئی ہے، وہاں اہلِ حکومت کو

مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ (النساء:۵۸)

بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم کو اس بات کا حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں (حقوق) ادا کرو۔

معلوم ہوا کہ حکومت کی ذمہ داریاں اہلِ حکومت کے ہاتھ میں امانت کی حیثیت رکھتی ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ قرآنِ کریم اور حدیثوں میں عموماً ایسے موقعوں پر لفظِ ''امانت'' کو استعمال کیا گیا ہے، بہت سی حدیثوں کا خاکسار نے صرف ترجمہ پیش کیا ہے، اس لئے امانت کا لفظ اُجاگر ہو کر سامنے نہیں آیا۔ مگر جہاں حدیث کے الفاظ بھی نقل کیے گئے ہیں وہاں آپ دیکھ چکے ہیں کہ ذمہ داری میں غفلت کوتاہی اور خلاف ورزی کے لئے "خان" کا لفظ لایا گیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ذمہ داری ایک امانت ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ والی حدیث میں صراحتاً امانت ہی کا لفظ لایا گیا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَاِنَّهَا اَمَانَةٌ، وَاِنَّهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ خِزْيٌ وَنَدَامَةٌ. (۱)

بے شک ذمہ داری ایک امانت ہے اور یہ قیامت کے دن باعثِ ذِلت ورُسوائی اور وجہ ندامت ہے۔

اس لفظِ ''امانت'' سے حکومت کے شعبہ جات کی اہمیت اور ذمہ دارانِ شعبہ جات کی حیثیت کو اُجاگر کیا گیا ہے، تاکہ اربابِ حکومت کو صحیح طور پر اس اہم خدمت کی طرف توجہ ہو، اور اپنے فرائض کی ادائیگی میں اگر ان سے کسی طرح کی غفلت یا کوتاہی ہو جائے تو محسوس کریں کہ ہم نے ایسا جرم کیا ہے جو عنداللہ قابلِ مؤاخذہ ہے۔ اور ہم نے اگر اپنی غلط رَوِش نہیں بدلی تو ہمیں حق نہیں ہے کہ حکومت کے عہدوں اور کاموں سے اپنے آپ کو

---

(۱) صحیح مسلم: کتاب الإمارة، باب كراهة الإمارة بغير ضرورة، ج۳ ص۱۴۵۷، رقم الحديث: ۱۸۲۵

چھپائے ہوئے رکھیں، بلکہ ہمارا دینی، اخلاقی اور قومی فرض ہے کہ ان سے علیحدہ ہو جائیں، اور اہل لوگوں کو کام کرنے کا موقع دیں تاکہ ملک کا وقار بلند ہو اور رعایا کو امن وسلامتی کی زندگی نصیب ہو سکے۔

لیکن خدانخواستہ اگر اربابِ حکومت اور اس کے عمال نے ایسا نہیں کیا اور ناجائز طور پر حکومت اور اس کے عہدوں پر قابض رہ کر خداناترسی کا ثبوت دیا تو پھر ملک اور قوم کے لئے خیر کی کوئی توقع نہیں۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

فَإِذَا ضُيِّعَتِ الْأَمَانَةُ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ، قَالَ: كَيْفَ إِضَاعَتُهَا؟ قَالَ: إِذَا وُسِّدَ الْأَمْرُ إِلَى غَيْرِ أَهْلِهِ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ.(۱)

جب امانت برباد کی جانے لگے تو قیامت کا انتظار کرو! کہا گیا: یارسول اللہ! امانت کی بربادی کیا ہے؟ فرمایا: جب کام اس کے نااہل کے سپرد کر دیا جائے تو قیامت کا کا انتظار کرو!

حکامِ بالا اور ہائی کمان

یہ عجیب بات ہے کہ چھوٹوں میں اپنی غلطی اور کوتاہی کا احساس تو کسی نہ کسی درجے میں ہوتا ہے، لیکن ہائی کمانڈ کے افراد عموماً حس کی دولت سے محروم ہوتے ہیں۔ یہ جذبات اُصول کے خلاف ہیں کہ نیچے درجے والے تو اپنی کوتاہیوں پر قابلِ مؤاخذہ سمجھے جائیں، مگر اُوپر درجے والے اپنے کو مؤاخذے سے بالاتر سمجھیں۔

اسلام نے نظامِ حکومت میں چھوٹوں سے زیادہ ذمہ داری بڑوں پر ڈالی ہے، اور ان کو قطعاً اس کا حق نہیں ہے کہ وہ اپنے کو عام حکام سے اُونچا سمجھیں، اور مخدوم بن کر حکومت

---

(۱) صحيح البخاري: كتاب العلم، باب من سئل علماء و هو مشتغل، الخ، ج ۱ ص ۲۱، رقم الحديث: ۵۹

سے ناجائز استفادہ اپنا مشغلہ بنائیں۔ اور اسلام کے عدل و مساوات کے یہی معنی ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی سب سے بڑی شہادت ہے۔ جنگِ قادسیہ کے موقع پر حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بحیثیت سفیر رُستم کی فرودگاہ میں پہنچے، تو رُستم نے اسلامی سفیر کو مرعوب کرنے کے لئے یہ ڈھونگ رچایا کہ خود بیچ دربار میں ایک سونے کے تخت پر جواہرات کا تاج سر پر رکھ کر بیٹھ گیا، اور اِردگرد پردے لٹکا دیئے، ریشم کے نفیس فرش بچھوائے، درباریوں کو سج دھج کر اِدھر اُدھر بٹھایا، اور خدام کو دُور کھڑا کر دیا، مگر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ان ظاہری نمائشوں سے کب مرغوب ہونے والے تھے! حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ گھوڑے سے اُتر کر سیدھے رُستم کے پاس اس کے تخت پر پہنچ گئے اور سامنے جا کر بیٹھ گئے، آپ کی اس جرأت پر سارا دربار حیرت زدہ رہ گیا، اور آپ کی اس جرأت و بے باکی کو شاہی آداب کے خلاف سمجھا گیا، چنانچہ ایک آدمی بڑھا اور آپ کو تخت سے نیچے اُترنے کا کہا، یہ دیکھ کر حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے بھرے دربار میں برجستہ تقریر فرمائی:

> اے سردارانِ ایران! ہم تم کو عقل مند سمجھتے تھے، لیکن تم بڑے بے وقوف نکلے، ہم مسلمان بندوں کو خدا نہیں بنایا کرتے اور کمزور اِنسانوں پر طاقت ور لوگوں کی آقائی کے قائل نہیں، ہمارا خیال تھا کہ تمہارے ہاں بھی یہی دستور ہوگا، بہتر یہ تھا کہ تم پہلے ہی ہمیں بتا دیتے کہ تمہارے یہاں کمزور، طاقتور کی پرستش کرتے ہیں، اور انہیں دیوتا بنا کر اُونچی جگہ بٹھاتے ہیں، انسانی مساوات کا اُصول تمہیں تسلیم نہیں، اگر یہ بات مجھے پہلے ہی معلوم ہو جاتی تو میں ہرگز تمہارے دربار میں نہیں آتا، خیر اَب تو میں آگیا لیکن تمہیں بتائے دیتا ہوں کہ سلطنت قائم رہنے کے یہ ڈھنگ نہیں ہیں، زیردستوں کی بے قراری تمہارے اِقتدار کی بساط اُلٹ دے گی۔

اس واقعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ حاکم و محکوم کے بارے میں اسلام کا نظریہ کیا ہے؟ اور اِسلام حکومت کے ذمہ داران کو کس ڈھنگ کی زندگی گزارنے کی تعلیم دیتا ہے...!

آپ کو سن کر حیرت ہوگی کہ اس نظریے کی تائید خود ان ایرانیوں نے بھی کی تھی، جن کے سامنے آپ نے مندرجہ بالا تقریر کی تھی، تاریخ میں مذکور ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی تقریر سن کر ایرانی مجمع بول اُٹھا:

خدا کی قسم! اس عربی نے بات تو سچ کہی۔ (۱)

عہدِ صحابہ میں امیر کی حیثیت

اس سلسلے میں عہدِ صحابہ کا یہ واقعہ بھی عبرت کے لئے یاد رکھنا ضرری ہے۔ شیخ الاسلام علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں:

ابو مسلم خولانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو آپ نے اس طرح سلام کیا ''السلام عليك أيها الأجير'' (اے مزدور تم پر سلامتی ہو)

لوگوں نے کہا: آپ یہ کیا کہتے ہیں؟ یوں کہئے ''السلام عليكم أيها الأمير'' یہ سن کر ابو مسلم خولانی رحمہ اللہ نے پھر دُہرایا: ''السلام عليك أيها الأجير''

لوگ بار بار اِصرار کرتے رہے کہ ''أيها الأجير'' کی جگہ ''أيها الأمير'' سے خطاب کیجئے! مگر آپ ہمیشہ ''أيها الأجير'' سے خطاب کرتے رہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس رَدّ وکد کو سن رہے تھے۔ فرمایا: ان کو چھوڑ دو! جو کچھ کہتے ہیں، اسے اچھی طرح سمجھتے ہیں۔

آخر میں ابو مسلم خولانی رحمہ اللہ نے اپنے سلام کی تشریح فرمائی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

آپ مزدور ہیں، ان بکریوں یعنی مخلوق کے، رَبّ نے آپ کو ان کی حفاظت کے لئے اُجرت پر مقرّر کیا ہے، آپ نے اگر ان بکریوں کے مرض کی دیکھ بھال

---

(۱) البداية والنهاية سنة أربع عشرة من الهجرة، غزوة القادسيه، ج:٧ ص٤٦، ٤٧

کی، اور ان میں جو بیمار ہیں ان کا معقول علاج کیا، اور ان کو باہم ایک دوسرے پر زیادتی کرنے سے روکا، تو ان بکریوں یعنی مخلوق کا مالک آپ کو پورا پورا اجر عطا فرمائے گا، اور اگر آپ نے ذمہ داری ادا نہیں کی اور غفلت سے کام لیا تو ان کا مالک آپ کو سزا دے گا۔ (۱)

ان کا منشا یہ تھا کہ امیر المومنین بندگانِ خدا کا نگران ہے، اس کی اچھی کارگزاری پر رَبّ العالمین نعمتوں سے نوازے گا، ورنہ وہ سزا کا مستحق قرار دے گا۔

اس واقعے سے والی و امیر کی اصل حیثیت پر روشنی پڑتی ہے کہ وہ انسانی مساوات میں کسی خصوصی امتیاز کا مستحق نہیں ہے۔ جو حکمران اپنے کو عوام کی گردن کا مالک سمجھتے ہیں وہ سراسر فریب میں مبتلا ہیں، خلافتِ راشدہ کی تاریخ گواہ ہے کہ دورِ راشدہ میں خلفاء، اُمراء اور دوسرے اربابِ حکومت نے ملی جلی زندگی بسر کی اور کبھی اپنے کو عوام سے ممتاز ہونے نہیں دیا۔

فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا اِحساسِ ذمہ داری

اسی ذمہ داری کا اِحساس تھا جس سے فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کبھی کبھی بے چین ہو جایا کرتے تھے، اور فرمایا کرتے تھے کہ: میں کمزور اور ناتواں ہو چلا، اور حال یہ ہے کہ خلافت وسیع تر ہوتی جارہی ہے، خدایا! یہ اہم ذمہ داری کیسے ادا ہو سکے گی؟

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ مصر کے گورنر تھے، ایک دفعہ آپ نے ان کو ساری باتیں لکھ بھیجیں اور ان پر عمل کی سخت تاکید کی۔ اس خط میں اور باتوں کے ساتھ آپ نے یہ بھی تحریر فرمایا:

اے عمرو! خدا کی قسم! اُمت کی اِمارت قبول کر کے سخت امتحان میں مبتلا ہو گیا ہوں، اب میں اپنے اندر ضعف محسوس کرتا ہوں اور حالت یہ ہے کہ رعایا ہر طرف بڑی تعداد میں پھیلی ہوئی ہے، ادھر اپنا بڑھاپا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ

---

(۱) حلية الأولياء: ترجمه: ابو مسلم الخولانی، ج۲ ص:۱۲۵، السياسة الشرعية : أنواع أداء الأمانات، ص ۱۱

سے اِلتجا ہے کہ وہ مجھے اُٹھا لے، تا کہ کوتاہی کے جرم میں پکڑا نہ جاؤں۔ تمہاری عمل داری کے کسی دُور دراز گوشے میں بھی اگر کوئی اُونٹ ضائع ہو گیا تو بخدا! مجھے خوف ہے کہ اس کا جواب بھی قیامت میں مجھ سے لیا جائے گا۔ (۱)

خلیفہ کے فرائض

ملک کا سربراہ اسلامی نظامِ سلطنت میں ''خلیفہ'' ہوتا ہے، اس کے فرائض کیا ہیں؟ تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ ماوردی رحمہ اللہ (متوفی ۴۵۰ھ) لکھتے ہیں:

(۱)...... دِین کی حفاظت کرے، اگر کسی شخص نے مذہب میں کوئی بدعت نکالی، یا کسی شک وشبہ پر دِین سے پھر گیا تو خلیفہ کو چاہئے کہ وہ دلائل سے اس کا شبہ دُور کر دے، اور جو حق بات ہے وہ اس کے ذہن نشین کروائے، اور فرائض ومنہیات پر اُسے کاربند کرے، تا کہ دِین میں کوئی خلل پیدا نہ ہو، اور اُمت لغزشوں سے محفوظ رہے۔

(۲)...... جھگڑنے والوں میں اَحکامِ شرعیہ نافذ کرے، اور مخاصموں کا فیصلہ کرے، تا کہ انصاف کا دور دورہ ہو، کوئی طاقتور دستِ تعدی دراز نہ کرنے پائے، اور کسی پر ظلم نہ ہو۔

(۳)...... ملک کی حفاظت کرے، اور دُشمن سے بچائے تا کہ تمام لوگ اطمینان سے اپنی زندگی کے کاروبار میں مصروف ہوں، اور بغیر جان و مال کے خطرے کے اطمینان سے سفر کر سکیں۔

(۴)...... حدودِ شرعیہ کو قائم کرے، تا کہ جن باتوں کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے ان میں سے کسی چیز کا کوئی شخص ارتکاب نہ کرے...... نیز اس کے بندوں کے حقوق تلف و برباد نہ ہونے پائیں۔

(۵)...... سرحدوں کی پوری حفاظت کرے کہ دُشمن کو اس میں اچانک دراندازی کا موقع نہ

(۱) كنز العمال: كتاب الخلافة، الباب الثاني، ج ۵ ص ۷۶۰، رقم: ۱۴۳۰۴، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سرکاری خطوط: ۱۹۱

رہے تا کہ مسلمانوں اور ذِمیوں کی جانیں محفوظ رہیں۔

(۶)...... پہلے اسلام کی دعوت دے، نہ ماننے پر مخالفینِ اسلام سے جہاد کرے، تا کہ وہ مخالفین یا تو اسلام قبول کریں یا ذِمی بن جائیں، یعنی اسلامی حکومت کو تسلیم کر کے اپنے مذہب پر باقی رہیں۔

(۷)...... خوف، جبر اور زیادتی کے بغیر اَحکامِ شرعیہ کے مطابق خراج وصدقات وصول کرے۔

(۸)...... بیت المال سے مستحقین کے وظیفے اور تنخواہیں مقرر کرے، نہ اس میں اسراف ہو، نہ امساک، اور یہ وظیفے اور تنخواہیں مستحقین کو بلا تقدیم وتاخیر وقت پر دی جائیں۔

(۹)...... دیانت داروں کو اپنا قائم مقام، اور قابلِ اطمینان لوگوں کو حاکم وعامل مقرر کرے، اور خزانے کو ایسے ہی لوگوں کے سپرد کرے، تا کہ انتظام قابل لوگوں سے مضبوط ہو اور خزانے دیانت داروں کے قبضے میں محفوظ رہیں۔

(۱۰)...... خود تمام اُمورِ سلطنت کی نگرانی کرتا رہے، اور تمام واقعات سے باخبر رہے، تا کہ اُمت کی پاسبانی اور ملت کی حفاظت وہ خود کر سکے، اور عیش وعشرت یا عبادت میں مشغول رہ کر اپنے فرائض دوسروں کے حوالے نہ کرے، کیونکہ ایسی صورت میں دیانت دار بھی خیانت کرنے لگتا ہے، اور وفادار کی نیت میں بھی فرق پڑ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (ص:۲۶)

اے داوٗد! ہم نے تم کو زمین پر خلیفہ مقرر کیا ہے، تم لوگوں میں حق وصداقت سے حکومت کرو، خواہشوں کے پیچھے نہ پڑ جانا، ورنہ وہ تمہیں اللہ تعالیٰ کے راستے سے بھٹکا دیں گی۔[۱]

---

(۱) الأحكام السلطانية: الباب الأول، الخليفة و مسؤلياته، ص ۴۰، ۴۱

اس تفصیل سے معلوم ہوگیا کہ خلیفہ پر کیسی اہم ذمہ داریاں اور اس کے کیا فرائض ہیں؟ وہ اپنی جدوجہد کی حد تک قوم وملک کی ضرورتوں کا متکفل اور امن وسلامتی اور عدل ومساوات کا ذمہ دار ہے، خاص کر مسلمانوں کی دِینی تربیت خلیفۂ اِسلام کا اہم فریضہ ہے۔

مالیات کا شعبہ ہو یا ملکی ترقی کی خدمت کا شعبہ ہو، یا کوئی اور شعبہ، اس کا فرض ہے کہ ہر ایک میں کتاب وسنت کی روشنی میں قدم اُٹھائے اور ایک لمحے کے لئے بھی اس روشنی سے چشم پوشی گناہِ عظیم سمجھے۔

حکمرانوں کے لئے قانون کی پابندی

حکمران طبقہ من مانی کارروائی کے لئے آزاد ہرگز نہیں ہے، بلکہ وہ قانونِ خداوندی کا پابند ہے، جس طرح سارے دوسرے مسلمان۔ یہ خوب ذہن نشین رہے کہ اسلام ساری دُنیا کو صرف اسلامی اور خدائی قانون کے آگے جھکانا چاہتا ہے، نہ کہ انسانی قانون اور اِنسانوں کے آگے۔

حکمران طبقہ صرف نفاذ کا اختیار رکھتا ہے، قانون سازی کا نہیں، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

مَا أُعْطِيْكُمْ وَلَا أَمْنَعُكُمْ إِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ أَضَعُ حَيْثُ أُمِرْتُ.[1]

میں نہ کسی کو عطا کرتا ہوں اور نہ کسی سے روکتا ہوں، میں تو بس تقسیم کرنے والا ہوں، جہاں جیسا حکم ہوتا ہے، بجالاتا ہوں۔

جس کا ماحصل یہ ہے کہ خود رحمۃ للعالمین بھی اپنے آپ کو قانونِ اِلٰہی کا پابند سمجھتے ہیں، بغیر اس کے اشارہ کچھ نہیں کرتے تھے، جب آپ کا یہ حال تھا تو دوسروں کو آزادی اور چھوٹ کہاں مل سکتی ہے...!

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ کسی نے آپ سے کہا: اے امیر المؤمنین! آپ اپنی

(۱) صحيح البخاري: كتاب فرض الخمس، باب قول الله تعالى: فأنّ لله خمسه وللرسول، ج۴ ص:۸۵، رقم الحديث:۳۱۱۷، السياسة الشرعية: القسم الثاني، ص۲۶

ذات پر کشادہ دستی سے کیوں نہیں خرچ کرتے؟ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ میری مثال ایسی ہے:

كَمِثْلِ قَوْمٍ كَانُوا فِي سَفَرٍ، فَجَمَعُوا مِنْهُمْ مَالًا، وَسَلَّمُوهُ إِلَى وَاحِدٍ يُنْفِقُهُ عَلَيْهِمْ.

ایک قوم سفر کر رہی تھی، سب نے مل کر اپنا سارا سرمایہ جمع کیا اور ایک شخص کے سپرد کر دیا کہ وہ نظم کے ساتھ ان پر بقدرِ ضرورت خرچ کرے۔

اس کے بعد آپ نے پوچھنے والے کو مخاطب کر کے سوال کیا کہ تم بتاؤ، ایسی حالت میں:

فَهَلْ يَحِلُّ لِذَلِكَ الرَّجُلِ أَنْ يَسْتَأْثِرَ عَنْهُمْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ؟(۱)

کیا اس شخص کے لئے یہ دُرست ہے کہ اس مال کے خرچ کرنے میں اپنی ذات کو ترجیح دے؟

کوئی دانش مندی کس طرح اِثبات میں جواب دے سکتا تھا؟ کھلی ہوئی بات ہے کہ جب وہ منتظم ہے تو اس کو یہ اختیار کہاں ہے کہ دوسرے کا مال اپنی ذات پر زیادہ خرچ کر ڈالے! یہی مثال خلیفہ کی ہے کہ وہ بیت المال کا منتظم ہے، مالک نہیں ہے کہ جس طرح چاہے وہ تصرف کرے۔ آپ یقین کریں کہ آج حکمران طبقہ اپنی ذات پر سرکاری خزانے کا منہ جس طرح کھول دیتا ہے، یہ اس کے لئے جائز نہیں ہے، بلکہ کھلی ہوئی خیانت ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ حکمرانوں کے طبقے کی مثال بازار جیسی ہے، بازار میں وہی چیز آتی ہے جس کی مانگ ہوتی ہے، اگر بازارِ حکمرانی میں صدق وامانت، عدل ونیکوکاری اور عفت وعصمت کی مانگ ہے تو ملک میں یہی چیزیں ملیں گی اور پورے ملک میں ان ہی چیزوں کا گھر گھر چرچا ہوگا۔ اور اگر بازارِ حکمرانی میں بدکاری،

(۱) الطبقات الكبرى: ذكر استخلاف عمر رضى الله عنه، ج۳ ص۲۱۳، تاريخ مدينة دمشق: ج۴۴ ص۲۹۹، السياسة الشرعية: القسم الثاني، ص۲۶

خیانت، وجور وظلم اور بدامنی ہے تو یقینی طور پر ملک میں ان ہی اشیاء کی ریل پیل ہوگی، اور راحت وعافیت مفقود، اور امن وامان ناپید ہوگا۔ (۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حکام کے ظلم سے بے زاری

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی کہ آپ کے کچھ حکام جور وظلم سے کام لے رہے ہیں، یہ معلوم کرکے آپ چیخ اُٹھے اور دُعا کرنے لگے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّي لَمْ آمُرْهُمْ اَنْ يَّظْلِمُوْا خَلْقَكَ، وَلَا اَن يَّتْرُكُوْا حَقَّكَ. (۲)

اے اللہ! میں نے ان کو تیری مخلوق پر ظلم وستم کا حکم نہیں دیا اور نہ اس بات کہ تیرا حق چھوڑ دیں۔

غریبوں کی قدر وقیمت

جو لوگ غریبوں، کمزوروں اور ناتوانوں پر ستم ڈھاتے ہیں وہ یہ نہیں سوچتے کہ ان کو رزق اور دُنیا کی ساری آسائش ان ہی بے سہاروں کی وجہ سے نصیب ہے۔ اگر یہ پریشان وبدحال لوگ نہ ہوں تو رزق کا مسئلہ اِلتوا میں پڑ جائے اور یہ ترستے اور انتظار کرتے رہ جائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

هَلْ تُنْصَرُوْنَ وَتُرْزَقُوْنَ اِلَّا بِضُعَفَائِكُمْ. (۳)

تم کو رزق اور مدد تمہارے ان کمزوروں ہی کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے۔

یہ انتہائی درجے کی خیانت ہے کہ حکمران طبقہ غیر مستحقین پر ہزاروں روپے بے دریغ خرچ کرے، اور مستحقین کو ان کے واجب حقوق سے بھی محروم رکھے، سرمایہ دار طبقے کو ہر طرح سہارا دے اور ان کی مصیبت میں کام آئے، مگر غریبوں، مسکینوں اور بے سہارا انسان

---

(۱) السياسة الشرعية: القسم الثاني، ص۲۷

(۲) السياسة الشرعية: القسم الثاني، ص۲۶

(۳) صحيح البخاري: كتاب الجهاد والسير، باب من استعان بالضعفاء والصالحين، ج۴ ص۳۶، رقم الحديث: ۲۸۹۶

کو ہمیشہ ترسائے۔

اسلام اس طرح کی زیادتی کو ایک لمحے کے لئے بھی برداشت نہیں کرتا، اور نہ ایسے خائن، بددیانت اور خودغرض انسانوں کی حکمرانی برداشت کرتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عدل وانصاف اور تواضع کا یہ حال تھا کہ ادنیٰ سے ادنیٰ شخص آتا اور جس ضروری مسئلے پر چاہتا آپ سے گفتگو کرتا، اپنے حقوق کا مطالبہ کرتا اور منہ مانگی مراد لے کر واپس ہوتا۔ ایک لونڈی بھی جب چاہتی آ کر کہتی کہ میرا فلاں کام کرادیجئے، آپ فوراً اس کے ساتھ ہو لیتے اور حسن وخوبی کے ساتھ اس کا جو کام ہوتا انجام دِلا دیا کرتے تھے۔

یہ بات اپنی جگہ تفصیل سے آئے گی کہ اسلام میں کبر ونخوت کی کوئی جگہ نہیں ہے، اس کی جگہ اسلام نے تواضع اور عاجزی کی تعلیم دی ہے۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

وَإِنَّ اللهَ اَوْحَى إِلَيَّ اَنْ تَوَاضَعُوا حَتَّى لَا يَفْخَرَ اَحَدٌ عَلَى اَحَدٍ، وَلَا يَبْغِي اَحَدٌ عَلَى اَحَدٍ. (۱)

اللہ تعالیٰ نے مجھے وحی کے ذریعے اطلاع دی ہے کہ تم سب عاجزی اختیار کرو، یہاں تک کہ نہ کوئی کسی پر فخر کرے اور نہ کوئی کسی پر زیادتی۔

اس حدیث کے باوجود اگر کوئی حکمران فخر وغرور سے اپنا سر اُونچا کرے تو اس سے بڑھ کر نادان دوسرا اور کون ہوسکتا ہے...؟

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ حکمران طبقہ اسلام میں سب سے بڑھ کر ذمہ دار

---

(۱) صحیح مسلم : كتاب الجنة و صفة نعيمها، باب الصفات التي يعرف بها في الدنيا اهل الجنة و أهل النار، ج۴ ص۲۱۹۷، رقم الحديث: ۲۸۶۵

ہے اور ربّ العالمین کے سامنے جواب دہ بھی، اس کا فرض ہے کہ وہ ملک اور قوم میں امن و امان، اطمینان وسکون کی فضا پیدا کر کے جہاں دو فرد یا جماعتوں میں جھگڑا ہو، ان میں صلح صفائی کرائے، قوم و ملک کی خوشحالی و ترقی اور فلاح و بہبودی کے لئے زیادہ سے زیادہ جدو جہد کرے، اور ملک وقوم میں عدل ومساوات اور اخلاق واعمال کی پاکیزگی پھیلائے۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

الْإِمَامُ رَاعٍ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ. (۱)

اِمام نگران ہے، اور اس سے اس کی رعایا کے متعلق سوال ہوگا۔

نمونے کے لئے خود سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام اور خلفائے راشدین کی زندگی دیکھی اور پڑھی جاسکتی ہے، ان حضرات کو اپنی ذمہ داری کا بڑا اِحساس تھا، ان کی زندگی شریعتِ مقدسہ کے سانچے میں اس طرح ڈھل گئی تھی کہ کہیں سے کوئی خامی نظر نہیں آتی ہے، انہیں ہر وقت اپنی مسئولیت کا اِستحضار رہتا تھا، اور ایک لمحہ بھی اپنے فرائض سے غفلت جرم تصور کرتے تھے۔

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا عمل

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں جن حضرات کو عمال کی حیثیت سے ملک وقوم کی خدمت کرنی پڑی انہوں نے عدل و امن کا دامن کبھی اپنے ہاتھوں سے چھوٹنے نہیں دیا۔ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ خلیفۃ المسلمین تھے، آپ نے ایک دفعہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا:

اَنْ سَوِّ بَيْنَ النَّاسِ فِي مَجْلِسِكَ وَجَاهِكَ حَتَّى لَا يَيْأَسَ ضَعِيفٌ مِنْ عَدْلِكَ وَلَا يَطْمَعُ شَرِيْفٌ مِّنْ حَيْفِكَ. (۲)

---

(۱) صحیح البخاری : کتاب الجمعة، باب الجمعة فی القری، ج۲ ص۵، رقم الحدیث: ۸۹۳

(۲) کتاب الخراج : باب فی الزیادة والنقصان والضیاع فی الزکاة، فصل فی تقبیل السواد واختیار الولاة، ص۱۳۰

لوگوں کے درمیان اپنی مجلس اور توجہ برابر رکھو، تا کہ کوئی کمزور تمہارے انصاف سے مایوس نہ ہو اور نہ کوئی شریف تم سے ظلم کی کوئی توقع رکھے۔

ایک دفعہ آپ نے اپنے خطبے میں فرمایا: تمہارے مال میں میری مثال یتیم کے ولی کی سی ہے، اگر میری ضرورت پوری ہوگئی تو بیت المال سے کوئی رقم لینے کی ضرورت نہیں ہے، البتہ اگر ضرورت نے مجبور ہی کیا تو دستور کے مطابق بقدرِ کفاف لینا پڑے گا۔ اس کے بعد اعلان فرمایا:

وَلَسْتُ اَدَعُ اَحَدًا يَظْلِمَ اَحَدًا وَلَا يَعْتَدِيْ عَلَيْهِ حَتّٰى اَضَعَ خَدَّهُ عَلَى الْاَرْضِ، وَاَضَعُ قَدَمِي عَلَى الْخَدِّ الْآخَرِ حَتّٰى يُذْعِنَ لِلْحَقِّ۔ (۱)

کسی کو میں چھوٹ نہیں دُوں گا کہ وہ کسی پر ظلم و تعدی کرے، اگر ایسی بات ہوئی تو اس کے ایک رُخسار کو زمین پر رکھوں گا اور دُوسرے رخسار پر اپنا پاؤں رکھ کر اس طرح رگڑ ڈالوں گا کہ وہ حق کا فرمانبردار ہو جائے۔

اُمراء و عمال کو ہدایت تھی کہ وہ انصاف اور مساوات کو کسی حال میں نہ چھوڑیں، اور اپنے کو حاکم ہونے کی وجہ سے بڑا نہ سمجھیں، اہلِ حقوق کے حقوق ادا کریں، عوام کے ساتھ انسانیت کا سلوک کریں، اس طرح پیش نہ آئیں جس سے ان کی ذِلت و رُسوائی ہو، اور نہ ان کی اس قدر تعریف کریں کہ وہ فتنے میں مبتلا ہو جائیں، ساتھ ہی یہ بھی فرمایا:

وَلَا تُغْلِقُوا الْاَبْوَابَ دُوْنَهُمْ فَيَاْكُلَ قَوِيُّهُمْ ضَعِيْفَهُمْ، وَلَا تَسْتَاْثِرُوا عَلَيْهِمْ فَتَظْلِمُوْهُمْ، وَلَا تَجْهَلُوا عَلَيْهِمْ۔ (۲)

اس طرح دروازے بند کر کے نہ بیٹھ رہنا کہ ان کے بااقتدار اور قوی لوگ کمزوروں کو پیس ڈالیں، اور نہ تم خود کو قابلِ ترجیح سمجھ کر ان پر ظلم ڈھانے لگنا، اور نہ جہالت کا برتاؤ کرنا۔

---

(۱) کتاب الخراج: باب فی الزیادة والنقصان والضیاع فی الزکاة، فصل فی تقبیل السواد واختیار الولاة، ص ۱۳۰

(۲) کتاب الخراج: باب فی الزیادة والنقصان والضیاع فی الزکاة، فصل فی تقبیل السواد واختیار الولاة، ص ۱۳۰

خلیفہ اور اس کے نائبین

خلیفہ اور خلیفہ کے اُمراء وعمال کی حیثیت فرائض سے ہٹ کر وہی ہے جو ملک کے ایک عام باشندے کی ہے، اور خلافتِ راشدہ میں عمل بھی اسی پر رہا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر تمام گورنروں کو لکھا کہ آپ تمام حضرات موسمِ حج میں جمع ہو جائیں۔ حسب الحکم سب اس موقع پر یکجا ہو گئے۔ موسمِ حج کی وجہ سے عوام کا بھی مجمع تھا، گویا پورے حدودِ خلافت کے لوگوں کا ایک عظیم الشان اجتماع ہو گیا تھا۔ اس میں آپ نے تقریر فرمائی:

> اے لوگو! میں نے ان گورنروں اور عمال کو تمہارے یہاں اس لئے بھیجا ہے کہ یہ حق کو قائم کریں اور تمہاری جان اور تمہارے مال اور تمہاری عزت وآبرو کی حفاظت کریں، اس لئے نہیں بھیجا ہے کہ یہ تم کو تکلیف پہنچائیں اور تمہاری جان ومال سے کھیلیں۔ لہٰذا سنو! اگر ان میں سے کسی نے تم لوگوں میں سے کسی پر ظلم اور ستم ڈھایا ہو، تو اس کو چاہئے کہ آج اس مجمع میں کھڑا ہو، اور مظالم کی تفصیل بیان کرے۔

آپ کے اس اعلان سے سناٹا چھا گیا، اس جمِ غفیر میں کوئی حرکت نہیں ہوئی، ایک جگہ البتہ ایک آدمی کھڑا ہوا، اور اس نے امیر المؤمنین کو مخاطب کر کے کہا:

> يَا اَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! عَامِلُكَ ضَرَبَنِي مِائَةَ سَوْطٍ. (۱)
>
> امیر المؤمنین! آپ کے فلاں عامل نے مجھے سو کوڑے مارے ہیں۔

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے تحقیقِ حال کے بعد بغیر تاخیر کے شکایت کرنے والے سے فرمایا: اُٹھو! اور اپنا بدلہ یہیں لوگوں کے سامنے لے لو، جلدی کرو، اس عامل کو سو کوڑے لگاؤ۔

خلفیہ کے اس فرمان کو سن کر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے،

---

(۱) کتاب الخراج: ص ۱۲۹

درخواست کی کہ امیر المؤمنین! اگر آپ نے یہ دروازہ کھول دیا تو پھر کبھی بند نہ ہو گا، اور دستور بن جائے گا، حالانکہ یہ چیز آپ کے عمال پر بہت شاق ہے۔ (شاید یہ اس لئے کہ پھر ان کا کوئی وقار باقی نہیں رہے)

امیر المؤمنین فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

تو کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں انصاف نہ کروں؟ میں نے اپنی ان آنکھوں سے دیکھا ہے کہ خود رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذاتِ اقدس کو بلا تکلف بدلے کے لئے پیش فرما دیا کرتے تھے۔ مطلب یہ تھا کہ عمال کی حیثیت کیا آپ سے بڑھی ہوئی ہے کہ ان سے بدلہ نہ لیا جائے۔

یہ جواب دے کر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اس مظلوم کو حکم دیا:

قُمْ فَاسْتَقِدْ مِنْهُ. (۱)

اے شخص! کھڑا ہو اور اپنا بدلہ لے۔

انصاف کی نظر میں گورنر زادہ

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ ان ہی عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے اور ایک مصری باشندے کے درمیان دوڑنے میں مقابلہ ہوا کہ کون زیادہ تیز دوڑتا ہے۔ مصری اس دوڑ میں بازی لے گیا اور گورنر زادہ پیچھے رہ گیا۔ بس اتنی سی بات پر گورنر زادے کو غصہ آ گیا اور یہ کہہ کر مصری پر کوڑے برسانے لگا، میں شریف زادہ ہوں (تو نے میری توہین کی)۔

یہ مظلوم مصری سیدھا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی عدالت میں حاضر ہوا، اور ساری رُوداد ظلم کی سنائی، آپ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ گورنرِ مصر کو لکھا کہ اپنے صاحبزادے کے ساتھ فوراً مدینہ منورہ پہنچیں۔ حسب الحکم دونوں باپ بیٹے تشریف لے آئے، ان کے آجانے کے بعد آپ نے فرمایا:

---

(۱) کتاب الخراج :ص ۱۲۹

مصری کہاں ہے؟ وہ دربارِ فاروقی میں حاضر ہوا۔ امیر المؤمنین نے حکم دیا: جا! گورنر زادے کو کوڑے لگا اور اپنا بدلہ وصول کر! وہ غریب مظلوم غصے میں بھرا ہوا تھا ہی، حکم ملتے ہی اُٹھا اور کوڑا اُٹھا کر گورنر زادے پر برسانے لگا، مصری مارتا جاتا تھا اور آپ فرماتے جاتے تھے: شریف زادے ہیں؟ مارو! غصے میں یہ بھی فرمایا: گورنر کی کھوپڑی پر بھی کوڑے لگا، مصری نے آپ کا غصہ ٹھنڈا کرنے کے لئے کہا:

یا أمیر المؤمنین، إنما ابنه الذی ضربنی وقد اشتفیت منه.

امیر المؤمنین! مجھے تو بس ان کے صاحبزادے نے پیٹا تھا اور جی بھر کے میں نے اس سے بدلہ لے لیا۔

اس کے بعد فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: دیکھو! مصری نے اپنا بدلہ لے لیا، سن لو! انصاف میں کسی کی تمیز نہیں ہوا کرتی، جو بھی جرم کا مرتکب ہوگا بدلہ پائے گا۔ پھر گورنر صاحب کو خطاب کر کے فرمایا:

مذ کم تعبدتم الناس وقد ولدتهم امهاتهم احرارا[1]

ان کی ماؤں نے ان کو آزاد پیدا کیا تھا، تم نے کب سے ان کو غلام بنالیا ہے؟

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ یہ ساری کارروائی خاموشی سے دیکھتے رہے، آخر میں معذرت کرتے ہوئے درخواست کی:

امیر المؤمنین! مجھے نہ تو اس کی کوئی اطلاع ہوئی اور نہ ہی یہ مصری میرے پاس آیا، مطلب یہ تھا کہ پھر میرا کیا قصور؟

---

(۱) فتوح مصر والمغرب: ص۱۹۵، مناقب عمر بن الخطاب: ص۹۸،۹۹، حسن المحاضرة فی تاریخ مصر و القاهرة: سلاسل ولاة والقضاء، ذکر امراء مصر، ج ۱ ص۷۸

پبلک کا لحاظ

ایک دفعہ ایک کاشتکار نے خدمتِ فاروقی میں حاضر ہو کر شکایت کی کہ میں نے کاشت کر رکھی تھی، شام کے ایک لشکر نے گزرتے ہوئے روند کر ساری کاشت برباد کردی۔ آپ نے اس کے نقصان کا تخمینہ لگوا کر دس ہزار معاوضہ ادا کیا:

وَاَتٰی عُمَرَ رَجُلٌ فَقَالَ: یَا اَمِیرَ الْمُؤْمِنِینَ زَرَعْتُ زَرْعًا؛ فَمَرَّ بِهٖ جَیْشٌ مِنْ اَهْلِ الشَّامِ فَاَفْسَدُوهُ، قَالَ: فَعَوَّضَهُ عَشْرَةَ آلَافٍ.(۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ عموماً حج کے موقع پر تمام عمال کو جمع کرتے تھے، اور جس عامل کے خلاف کوئی شکایت پیش کی جاتی، تحقیقات کر کے فوراً تدارک کرتے، لیکن باوجود اس کے معلوم ہوا کہ بعض عمال بے وجہ لوگوں کو مارتے اور گالی دیتے ہیں، اور دوسرے طریقوں سے ظلم و تعدی کرتے ہیں۔ اس لئے یہ اعلانِ عام جاری کیا ہوا تھا کہ جس کو مجھ سے یا میرے کسی عامل سے کوئی شکایت ہو، وہ حج کے موقع پر بیان کرے، میں کامل تدارک کر کے مظلوم کو اس کا حق دِلاؤں گا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے بھی اپنے عمال و حکام کو یہ ہدایت کر رکھی تھی کہ وہ لوگوں کو اپنے تک پہنچنے اور شکایات پہنچانے کے مواقع پر سہولتیں مہیا کریں۔ اور صرف اسی پر اکتفا نہیں تھا، بلکہ حج کے موقع پر اعلان ہوتا کہ جو شخص کسی کے ظلم کی اطلاع دے گا، یا نیک مشورہ، اسے حکومت کی طرف سے تین سو دِینار تک اِنعام ملے گا۔(۲)

خلفائے راشدین کے انصاف کا اثر

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس عدل پروَری اور اس پر اِستقامت کا یہ ثمرہ تھا کہ پورے ملک میں کہیں کوئی خلفشار اور جور و ظلم کا چرچا نہ تھا۔ عہدِ صدیق میں فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ

---

(۱) کتاب الخراج: باب فی الزیادة والنقصان، فصل فی تقبیل السواد واختیار الولاة، ص: ۱۳۰
(۲) تاریخ دعوت وعزیمت: پہلی صدی کی اصلاحی کوششیں، ج ۱ ص ۳۸

مدینہ کے قاضی تھے، ان کا خود بیان ہے:

قَالَ عُمَرُ :فَلَقَدْ كَانَ يَأْتِي عَلَيَّ الشَّهْرُ مَا يَخْتَصِمُ إِلَيَّ فِيهِ اثْنَانِ.(۱)

پورا مہینہ گزر جاتا تھا اور میرے پاس دو مدعی اور مدعا علیہ نہیں آتے تھے۔

صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ مال کی تقسیم میں ہمیشہ مساوات برتتے تھے، کسی کی کوئی تمیز اس سلسلے میں نہیں فرماتے تھے:

وَكَانَ يُسَوِّي بَيْنَ النَّاسِ فِي الْقَسْمِ اَلْحُرُّ وَالْعَبْدُ وَالذَّكَرُ وَالأُنْثَى وَالصَّغِيرُ وَالْكَبِيرُ فِيهِ سَوَاءٌ.(۲)

آپ اس طرح تقسیمِ مال میں بھی مساوات سے کام لیتے تھے۔ مرد و عورت، آزاد و غلام اور چھوٹے بڑے سب کو برابر برابر دیا کرتے تھے۔

اربابِ حکومت کے اخلاقی اثرات

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ جب حکامِ بالا بلند اخلاق، نیک کردار، انسانیت کے دلدادہ، عدل وانصاف، اور امان ومساوات کے خواہاں ہوتے ہیں، اور اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کرتے، بلا اِمتیاز شاہ و گدا، اور حاکم ومحکوم انصاف کرتے ہیں تو پورے ملک میں انسانوں کی انسانیت زندہ رہتی ہے، اور جب ایسا نہیں ہوتا تو ملک میں انسانیت سوگوار ہوتی ہے اور ظلم وجور کی گرم بازاری۔ علماء نے بالکل دُرست لکھا ہے:

دِین اور عدل وانصاف پر خلیفہ کی اِستقامت تمام لوگوں کی اِستقامت کا سبب ہے، اور ظلم وجور پر اس کا اِصرار اس کے تمام عملے اور حکام کے ظلم وجور پر اِصرار کا ذریعہ ہے، لہٰذا اگر خلیفہ نے کسی ایک ظلم کا ارتکاب کیا، یا اس پر اپنی رضا ظاہر کی، یا کسی ظالم سے درگزر کیا، خواہ ایک ہی مرتبہ کیوں نہ ہو، پھر سارے حکام ظلم

---

(۱) الطبقات الكبرىٰ : ترجمة : أبو بكر الصديق، ذكر بيعة أبى بكر، ج۳ ص۱۳۷

(۲) الطبقات الكبرىٰ: ترجمة : أبو بكر الصديقؓ، ذكر وصية أبى بكر، ج۳ ص۱۵۹، ۱۶۰

ڈھانا شروع کر دیں گے، اور ان میں سے ہر ایک طرح طرح کے نئے مظالم ایجاد کرے گا اور قانون کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوگا۔ (۱)

پھر اس کا انجام اس کے سوا کیا ہوگا کہ قوم و ملک میں تباہی و بربادی پھیل پڑے اور ملک کے رہنے والے سکونِ قلب کی دولت سے محروم ہو جائیں۔

پس یہ اُصول تسلیم کر لینا چاہئے، اربابِ حکومت اور عمال و حکام کی کوتاہی و غفلت اور ظلم پسندی ہی سے ملک برباد ہوتا ہے، اور جب تک حکام و عمال دُرست رہیں گے اور اُن میں خوفِ خدا اور اپنے فرائض کا اِحساس باقی ہوگا، ملک کبھی بھی فتنہ و فساد کا مرکز، بدامنی اور ستم رانی کی آماج گاہ نہیں بن سکتا۔

لہٰذا جب کبھی کسی ملک میں اس طرح کے حالات پیدا ہوں گے تو ملک کے رہنماؤں، حکومت کے مشیروں، اربابِ حکومت کے ہم نشینوں، ملک کے خیر خواہوں، علماء و مشائخ کا فرض ہے کہ وہ اپنے اپنے انداز سے سلطان اور عمال و حکام کو مجبور کریں کہ وہ عدل و مساوات کو اپنائیں اور ظلم و جور کو بند کریں، اور یہ جو کچھ ہو رِفق و ملاطفت اور محبت و شفقت کے رنگ میں ہو، شدّت و خشونت کے پیرائے میں ہرگز نہ ہو، اس لئے کہ یہ حکام اور اربابِ حکومت چاپلوسی اور اپنی مدح و ستائش کے عادی ہو چکے ہیں۔

یہ اُصول اربابِ حکومت کو ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ ظلم و تعدی اور ناانصافی، حکومت کی جڑ کھوکھلا کر ڈالتی ہے، اور عدل و مساوات سے حکومت کی بنیاد اُستوار ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ بھی اسی سلطنت کو باقی رکھتا ہے جو اِنصاف پسند ہو، ظالم سلطنت کی مدد من جانب اللہ نہیں ہوتی۔ علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

الله ينصر الدولة العادلة وإن كانت كافرة، ولا ينصر الدولة الظالمة وإن كانت مؤمنة۔ (۲)

---

(۱) منتخب مختار الكونين قلمي: ص ۲۷ (۲) الحسبة في الإسلام، مقدمة، ص ۷

اللہ تعالیٰ انصاف پسند حکومت کی مدد کرتا ہے، اگر چہ وہ کافروں ہی کے ہاتھ میں کیوں نہ ہو، مگر ظلم ڈھانے والی حکومت کی مدد نہیں کرتا اگر چہ وہ مسلمانوں کے ہاتھ میں ہی ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

مَا مِنْ ذَنْبٍ اَجْدَرُ اَنْ يُعَجِّلَ اللّٰهُ تَعَالٰى لِصَاحِبِهِ الْعُقُوْبَةَ فِي الدُّنْيَا، مَعَ مَا يَدَّخِرُ لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِثْلُ الْبَغْيِ وَقَطِيعَةِ الرَّحِمِ۔ (۱)

ظلم و تعدی اور قطع رحمی کرنے والوں کو جس قدر دُنیا میں جلد سزا ملتی ہے، اور آخرت میں بھی اس کے مثل ان کے لئے ذخیرہ کی گئی ہے، کسی اور گناہ کرنے والے کو نہیں ملتی۔

عدل ومساوات اسلام میں

گزشتہ باب میں آپ نے جو کچھ پڑھا اس سے یہ بات سامنے آگئی ہوگی کہ اسلام ظلم و جور کا دُشمن اور عدل و مساوات کو ہر قیمت پر برقرار رکھنے والا ہے، اور یہ حقیقت ہے کہ امن و امان اور صلح و سلامتی کی بنیاد بہت حد تک اسی عدل و مساوات کے قائم رہنے پر ہے، جو انسانی حقوق کی پوری پوری رعایت سے باقی رہتا ہے۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے آپ قرآنِ مقدس کی ان صریح آیتوں کا مطالعہ کریں جس میں عدل و مساوات کا اجمال اور دستور بیان ہے، اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ (المائدة:۸)

اے ایمان والو! ایسے بن جاؤ کہ اللہ (کے اُحکام کی پابندی) کے لئے ہر وقت تیار رہو، اور انصاف کی گواہی دینے والے ہو۔

پھر اس انصاف پر ایسی استقامت ہو کہ کسی کی انتہائی دُشمنی بھی تمہارے قدموں میں جنبش نہ پیدا کر سکے:

(۱) سنن ابی داود: کتاب الأدب، باب فی النهی عن البغی، ج۴ ص۲۷۶، رقم الحدیث: ۴۹۰۲

وَ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۫ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (المائدۃ)

کسی قوم کی دُشمنی تم کو بے انصافی پر آمادہ نہ کرے، تم انصاف کرو، پرہیزگاری کے قریب تر یہی بات ہے، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی پوری اطلاع ہے۔

انصاف کرنے والوں کو ہدایتِ ربانی

پہلے حصے میں نفسِ عدل وانصاف کا وجوبی حکم ہے، اور دوسرے حصے میں اس بات کی تاکید ہے کہ جب کوئی انصاف کی مسند پر بیٹھ جائے تو وہ صرف منصف اور جج ہو، تمام کدورتوں، عداوتوں، ہر طرح کے بغض وحسد اور جذبۂ اِنتقام سے اس کا دِل پاک اور دِماغ صاف ہو۔ اگر انسانی تقاضے سے اس طرح کی باتیں ذہن میں گھر کرنا بھی چاہیں تو یہ سوچ کر کہ کل خدا کے سامنے مجھے اپنے اعمال واخلاق کا حساب وکتاب پیش کرنا ہے، لغویات کو ہرگز جگہ نہ دے۔ عدالت کی کرسی پر بیٹھنے کے بعد دوست ودُشمن اس کی نظر میں برابر ہوں، اس کی نظر صرف انصاف پر ہو، مقدمات کی ترتیب اور معاملے کا نشیب وفراز جس صحیح نتیجے تک پہنچائے، وہی اس کا فیصلہ ہو۔ یہاں جذبات کی رو میں بہنا اور انسانی جذبۂ اِنتقام سے متأثر ہونا اس منصبِ عظیم کے سراسر منافی ہے۔

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں:

اَیْ لَا یَحْمِلَنَّکُمْ بُغْضُ قَوْمٍ عَلَی تَرْکِ الْعَدْلِ فِیهِمْ، بَلِ اسْتَعْمِلُوا الْعَدْلَ فِی کُلِّ اَحَدٍ صَدِیقًا کَانَ اَوْ عَدُوًّا۔(۱)

یعنی کسی قوم کے ساتھ تمہارا بغض وکینہ تم کو ان میں انصاف کرنے سے نہ روک سکے، بلکہ تمہارا شیوہ یہ ہے کہ تم ہر ایک کے ساتھ انصاف کا برتاؤ کرو، خواہ وہ تمہارا دوست ہو یا دُشمن۔

(۱) تفسیر ابن کثیر: سورۃ النساء آیت نمبر ۸ کے تحت، ج۳ ص۵۶

شیخ علی مہائی رحمہ اللہ (متوفی ۸۳۵ھ) لکھتے ہیں:

کسی قوم سے انتہائی دُشمنی تم کو اس کے حق میں ناانصافی پر آمادہ نہ کردے، اور اس ناانصافی کی ممانعت صرف اس لئے نہیں ہے کہ اس میں دُشمنوں کے حقوق کی پوری ادائیگی نہیں ہے، بلکہ اس حیثیت سے بھی کہ اس صورت میں تم اس اِستقامت سے دُور ہوجاتے ہو جو تمہارے ایمان کا تقاضا ہے۔ (۱)

انصاف کا ایک واقعہ

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر بھیجا کہ وہاں کا تخمینہ لاکر پیش کریں تاکہ اسی کے مطابق کارروائی عمل میں لائی جائے۔ جب یہ وہاں پہنچے تو وہاں کے باشندوں نے مل جل کر زیورات کی ایک مقدار جمع کی اور اسے آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہا تاکہ اس لالچ میں آکر آپ تخمینہ کم لگائیں اور اس طرح وہ آئندہ نفع میں رہیں۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ یہ رشوت حرام ہے، اور سنو! تم اپنے غلط اعمال واخلاق اور عقائد کی وجہ سے اپنی کثرتِ تعداد کے باوجود میری نگاہ میں بندر اور خنزیر سے بھی زیادہ بُرے ہو، مگر باہیں ہمہ اس طرح کا کوئی جذبۂ نفرت ہمیں تمہارے ساتھ انصاف سے نہیں روک سکتا۔ وہ سب آپ کے اس عمل اور قول سے بہت متأثر ہوا اور خوش ہوئے، اور بول اُٹھے کہ اسی انصاف کی وجہ سے دُنیا قائم ہے:

وَكَذٰلِكَ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ رَوَاحَةَ حِينَ بَعَثَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى خَيْبَرَ خَارِصًا، فَجَمَعُوا لَهُ شَيْئًا مِنْ حُلِيِّهِمْ وَأَرَادُوا دَفْعَهُ إِلَيْهِ لِيُخَفِّفَ فِي الْخَرْصِ، قَالَ: إِنَّ هٰذَا سُحْتٌ وَإِنَّكُمْ لَأَبْغَضُ إِلَيَّ مِنْ عِدَّتِكُمْ قِرَدَةً وَخَنَازِيرَ، وَمَا يَمْنَعُنِي ذٰلِكَ مِنْ أَنْ أَعْدِلَ عَلَيْكُمْ۔ فَقَالُوا: بِهٰذَا قَامَتِ السَّمٰوَاتُ وَالْأَرْضُ. (۲)

---

(۱) تبصیر الرحمن وتیسیر المنان: سورۃ النساء آیت نمبر ۸ کے تحت ج۱ ص ۱۸۱

(۲) احکام القرآن للجصاص، سورۃ المائدۃ آیت نمبر ۸ کے تحت، ج۲ ص۴۹۷

جذبات پر قابو رکھنے کی ضرورت

خدانخواستہ اگر کوئی منصف جذبات سے بے قابو ہو جائے، اور اِنصاف کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دے تو حکم یہ ہے کہ اس کی ہرگز کوئی حوصلہ افزائی نہ کی جائے، بلکہ سب مل کر نیکی اور تقویٰ کا مظاہرہ اس انداز میں کریں کہ وہ منصف اپنے بے جا غیظ وغضب پر شرمندہ ہو، اور فوراً اپنی غلطی کا احساس کر کے راہِ راست پر آجائے۔

پھر یہ عداوت کسی جائز بنیاد پر ہو، یا ناجائز بنیاد پر، بہر صورت عدل ومساوات کا دامن ہاتھ سے چھوڑنے کی اجازت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ (المائدۃ: ۲)

جو قوم تم کو حرمت والی مسجد سے روکتی تھی اس قوم کی دشمنی اس کا باعث نہ ہو کہ تم زیادتی کرنے لگو۔

گو یہاں عداوت کی بنیاد جائز ہے، مگر پھر بھی انصاف سے پھرنے کی اجازت نہیں ہے، جس کا ماحصل یہ ہے کہ نہ کافروں کا کفر اس راستے میں مانع آئے اور نہ ظالموں کا ظلم، ہر حال، ہر صورت میں انصاف پر قائم رہنا ضروری ہے، بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی حکم ہے کہ وہ تعاون اس صورت میں کریں جب وہ انصاف پر قائم ہو، ورنہ ہرگز نہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۠ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ (المائدۃ)

آپس میں نیک کام اور پرہیز گاری پر مدد کرو، اور گناہ اور ظلم پر تعاون نہ کرو، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو، بلاشبہ اس کا عذاب سخت ہے۔

آپ دیکھ رہے ہیں کہ بغض کی بنیاد کس قدر مضبوط ہے، مگر یہاں بھی انصاف کا دامن چھوڑنے کی اجازت نہیں دی گئی، بلکہ شدّت کے ساتھ روکا گیا اور ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ انصاف کے خلاف کسی صورت میں بھی تعاون جائز نہیں ہے۔ حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ

اس موقع پر تحریر فرماتے ہیں کہ عدل ہر حال میں ضروری ہے اور ہر قوم اور ہر فرد کے ساتھ:

فَإِنَّ الْعَدْلَ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ أَحَدٍ فِي كُلِّ أَحَدٍ فِي كُلِّ حَالٍ.(۱)

ہر شخص پر واجب ہے کہ وہ ہر شخص کے ساتھ ہر حال میں انصاف کرے۔

عدل وانصاف وہ بیش بہا دولت ہے جس سے آسمان وزمین کا نظم برقرار رہتا ہے، اور جس انداز سے اس میں کمی ہوئی ہوتی ہے، دُنیاوی نظام میں اس کے اثرات نظر آتے ہیں، اس لئے اسے واجب ہونا ہی چاہئے تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بار بار عدل کی تاکید فرمائی ہے اور مختلف انداز میں، تاکہ اس کی اہمیت اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝٩٠ (النحل)

(اے لوگو!) بے شک اللہ تعالیٰ تم کو ہر معاملے میں انصاف اور نیکی اور اہلِ قرابت کو دیتے رہنے کا حکم فرماتے ہیں، اور کھلی بُرائی اور مطلق بُرائی اور ظلم کرنے سے منع فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ تم کو اس لئے نصیحت فرماتے ہیں کہ تم نصیحت قبول کرو۔

بلکہ انبیاء کی بعثت کا بڑا مقصد یہی بیان کیا گیا کہ ان کی وجہ سے لوگوں میں انصاف کا بول بالا ہو:

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۖ (الحدید: ۲۵)

ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی ہوئی نشانیاں دے کر بھیجا، اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب اور ترازو اُتارا تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔

---

(۱) تفسیر ابن کثیر: سورۃ المائدۃ آیت نمبر ۲ کے تحت، ج ۳ ص ۱۰

گواہ اور منصف کی ذمہ داری

جہاں یہ ضروری ہے کہ عدل وانصاف کی مسند پر جلوہ افروز ہو کر بغض وحسد دِل سے نکال ڈالے، وہیں یہ بھی لازم ہے کہ کسی کی بلاوجہ حمایت ونفرت اور جانبداری میں ملوّث نہ ہو۔ بہت مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کو خود اپنے خلاف فیصلہ دینا ہوتا ہے، کبھی اسے ماں باپ کی محبت بے انصافی پر مجبور کرتی ہے، اور کبھی رشتہ داروں کا دباؤ پڑتا ہے، اسلام نے ان مواقع کے لئے خصوصی ہدایت کی ہے کہ خواہ کچھ بھی ہو مگر انصاف کے معاملے میں ذرّہ برابر بھی قدم میں جنبش نہ آنی چاہئے۔ اسی طرح بعض اوقات امیر کی امارت اور مال دار کی دولت سامنے کھڑی ہو جاتی ہے، اور کبھی غریب ومفلس کی بے کسی ومفلسی انصاف کے قلم میں جنبش پیدا کرنا چاہتی ہے، مگر عدالت کی کرسی پر بیٹھنے کے بعد ان میں سے کسی کی بھی رعایت یا کسی کو بھی نظر انداز کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ ایک منصف اور جج کا فریضہ ہے کہ وہ وہی فیصلہ کرے جو اِنصاف کا تقاضا ہے۔ یہی گواہوں کا بھی فریضہ ہے، خواہ کسی کا نقصان ہو یا فائدہ، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ ۚ إِن يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا ۖ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَن تَعْدِلُوا ۚ (النساء: ۱۳۵)

اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو، اللہ کی خاطر گواہی دینے والے، چاہے وہ گواہی تمہارے اپنے خلاف پڑتی ہو، یا والدین یا قریبی رشتہ داروں کے خلاف۔ وہ شخص (جس کے خلاف گواہی دینے کا حکم دیا جارہا ہے) چاہے امیر ہو یا غریب، اللہ تعالیٰ دونوں قسم کے لوگوں کا (تم سے) زیادہ خیر خواہ ہے، لہٰذا ایسی نفسانی خواہش کے پیچھے نہ چلنا جو تمہیں انصاف کرنے سے روکتی ہو۔

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

اے ایمان والو! تمام معاملات میں ادا کے وقت بھی اور فیصلے کے وقت بھی

انصاف پر خوب قائم رہنے والے بنو، اور اقرار یا شہادت کی نوبت آئے تو اللہ کی خوشنودی کے لئے سچی گواہی اور اظہار دینے والے رہو، اگر چہ وہ گواہی اور اظہار اپنی ہی ذات پر ہو، جس کو اقرار کہتے ہیں، یا کہ والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے مقابلے میں ہو۔ اور گواہی کے وقت یہ خیال نہ کرو کہ جس کے مقابلے میں ہم گواہی دے رہے ہیں یہ امیر ہے، اس کو نفع پہنچانا چاہئے تا کہ اس سے بے مروّتی نہ ہو، یا یہ کہ غریب ہے، اس کا کیسے نقصان کر دیں، تم کسی کی امیری غریبی کو نہ دیکھو، کیونکہ وہ شخص جس کے خلاف گواہی دینی پڑے گی، اگر امیر ہے تو، اور غریب ہے تو، دونوں کے ساتھ اللہ کو زیادہ تعلق ہے، اتنا تعلق تم کو نہیں کیونکہ تمہارا تعلق جس قدر ہے وہ بھی انہیں کا دیا ہوا ہے، اور اللہ تعالیٰ کو جو تعلق ہے وہ تمہارا دیا ہوا نہیں، پھر جب باوجود تعلق قوی کے اللہ تعالیٰ نے ان کی مصلحت اسی میں رکھی کہ اظہارِ حق کی جائے، تو تم تعلق ضعیف پر ان کی ایک عارضی مصلحت کا کیوں خیال کرتے ہو؟ سوتم اس شہادت میں خواہشِ نفس کا اتباع مت کرنا کہ کبھی تم حق سے ہٹ جاؤ، اگر تم کج بیانی کرو گے یعنی غلط اظہار کرو گے، پہلوتہی کرو گے، یعنی شہادت کو ٹالو گے تو یاد رکھنا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال کی پوری خبر رکھتے ہیں۔ (۱)

قرآن میں دوسری جگہ ارشادِ الٰہی ہے:

وَ اِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ (الانعام: ۱۵۲)

اور جب (فیصلے کے سلسلے میں) کوئی بات کیا کرو تو اس میں انصاف کا خیال رکھو، گو وہ تمہارا قرابت دار ہی کیوں نہ ہو۔

یہاں بھی انصاف کی تاکید ہے، اور ہر حال میں کسی کی بھی رعایت کی اجازت نہیں

---

(۱) بیان القرآن: سورہ نساء آیت نمبر ۱۳۵ کے تحت، ج ۱ ص ۴۱۴

ہے، اگر کوئی بایں ہمہ اس کی خلاف ورزی کرتا ہے تو اس کا یہ فعل قطعاً حرام ہے، اور قرآنِ مقدس کے خلاف بغاوت کا اعلان۔

اس قانون کی عملی تشریح رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی ہے، اور اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی کے کسی شعبے میں بھی آپ دیکھ لیں، ہر جگہ عدل وانصاف کی حکمرانی نظر آئے گی، اس عدل وانصاف میں چھوٹے بڑے، امیر وفقیر، مسلم وکافر اور سلطان وگدا کی کوئی تمیز نہیں ہے، قانون کی نظر میں سب برابر ہیں۔

ثبوتِ جرم کے بعد رعایت کی ممانعت

عہدِ نبوی میں ایک چوری کا واقعہ پیش آیا، جس کی مرتکب ایک مخزومیہ خاتون تھیں، جو ایک شریف اور اُونچے خاندان کی لڑکی تھیں، کچھ لوگوں کا خیال ہوا کہ عزت وآبرو کا مسئلہ ہے، لوگوں کے سامنے رُسوائی ہوگی، ایسا کیوں نہ ہو کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کے نشیب وفراز کو پیش کیا جائے، خدا کے لاڈلے نبی ہیں، ممکن ہے کوئی صورت نکل آئے۔

پہلے تو کسی کی جرأت نہ ہوئی، پھر کہہ سن کر حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کو آمادہ کیا، یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے چہیتے تھے، اُنہوں نے جرأتِ لب کشائی کی، مگر بایں ہمہ آپ پر کیا اثر ہوا؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبان سے سنئے! فرماتی ہیں:

اَنَّ اُسَامَةَ كَلَّمَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي امْرَاَةٍ، فَقَالَ: إِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، اَنَّهُمْ كَانُوا يُقِيمُونَ الحَدَّ عَلَى الوَضِيعِ وَيَتْرُكُونَ الشَّرِيفَ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَوْ اَنَّ فَاطِمَةَ فَعَلَتْ ذٰلِكَ لَقَطَعْتُ يَدَهَا.(۱)

ایک عورت کے مسئلے میں حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ

(۱) صحیح البخاری: کتاب الحدود، باب إقامة الحدود على الشريف والوضيع، ج۸ ص۱۶۰، رقم الحديث: ۶۷۸۷

وسلم سے گفتگو کی، آپ نے فرمایا: تم سے پہلے والے اس وجہ سے ہلاک ہوئے کہ وہ سزا کم تر لوگوں کو دیتے اور شریفوں کو چھوڑ دیتے تھے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے! اگر (جگر گوشۂ رسول) فاطمہ وہ کام کرتی تو یقیناً میں اس کا ہاتھ بھی کاٹتا۔

جواب کا لب ولہجہ ملاحظہ فرمایا جائے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا کیفیت ہوئی جب آپ کے کانوں میں یہ آواز پڑی، اور کس مضبوطی سے آپ نے اپنا فیصلہ سنایا۔

امن وامان اس طرح کے قانون ہی سے باقی رکھا جاسکتا ہے جس میں کسی کی رعایت نہ ہو۔ یہ بھی کوئی انصاف ہے کہ وزیراعظم، صدر اور دیگر وزراء اور اہلِ اقتدار اور ان کے عزیزوں کے جرم کی پردہ پوشی کی جائے، اور غریب وکمزور افراد کو سزا بھگتنے کے لئے جیل میں بند کردیا جائے۔

اسلام کا قانونِ مساوات

اسلام اس طرح کی ناانصافی ایک منٹ کے لئے بھی برداشت نہیں کرتا، پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اَقِيمُوا حُدُودَ اللَّهِ فِي الْقَرِيبِ وَالْبَعِيدِ، وَلَا تَأْخُذْكُمْ فِي اللَّهِ لَوْمَةُ لَائِمٍ.(۱)

اللہ کی حدیں بلاتمیز، دُور ونزدیک سب پر جاری کرو، اور اس سلسلے میں تم کسی ملامت کرنے والے کی پرواہ مت کرو۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی ہیں، ایک دفعہ سفیر بن کر قیصرِ روم کے دربار میں تشریف لے گئے اور ایک موقع پر آپ نے وہاں برجستہ فرمایا:

ہمارا سردار ہم میں سے ایک فرد ہے، اگر ہمارے مذہب کی کتاب اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کی پیروی کرے تو ہم اس کو اپنا سردار باقی

(۱) سنن ابن ماجة : كتاب الحدود، باب إقامة الحدود، ج۲ ص۸۴۹، رقم الحديث: ۲۵۴۰

رکھیں گے، اور اگر ان کے سوا وہ کسی اور چیز پر عمل کرے تو ہم اس کو معزول کردیں۔ اگر وہ چوری کرے تو ہاتھ کاٹیں اور اگر زِنا کرے تو سنگسار کریں، اور اگر وہ کسی کو گالی دے تو وہ بھی اس طرح گالی دے، اگر وہ کسی کو زخمی کرے تو اس کے بدلے میں اس کو زخم پہنچایا جائے، وہ ہم سب سے چھپ کر پردے میں نہیں بیٹھتا، وہ ہم سے غرور نہیں کرتا، مالِ غنیمت میں اپنے کو ہم پر ترجیح نہیں دے سکتا، وہ ہم میں ایک معمولی آدمی کا رُتبہ رکھتا ہے۔ (۱)

اَنَّ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَدَّلَ صُفُوفَ اَصْحَابِہٖ یَوْمَ بَدْرٍ، وَفِی یَدِہٖ قِدْحٌ یُعَدِّلُ بِہِ الْقَوْمَ، فمرَّ بسَوَادِ بْنِ غَزِیَّةَ حَلِیفِ بَنِی عَدِیِّ ابْنِ النَّجَّارِ وَھُوَ مُسْتَنْتِلٌ مِنَ الصَّفِّ، فَطَعَنَ فِي بطنه بالقدح وقال: اِسْتَوِ یَا سَوَادُ فَقَالَ: یَا رَسُولَ اللّٰہِ! اَوْجَعْتَنِي، وَقَدْ بَعَثَکَ اللّٰہُ بِالْحَقِّ وَالْعَدْلِ، فَاَقِدْنِي فَکَشَفَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ بَطْنِہٖ فَقَالَ: اسْتَقِدْ، قَالَ: فَاعْتَنَقَہٗ فَقَبَّلَ بَطْنَہٗ. (۲)

غزوۂ بدر میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کی صفوں کو دُرست فرما رہے تھے، آپ کے دستِ مبارک میں تیر تھا جس سے آپ اشارہ کرتے جاتے، صف سیدھی کرتے ہوئے جب آپ سواد بن غزیہ کے پاس آئے تو وہ صف کی سیدھ سے نکلے ہوئے تھے، آپ نے ان کے پیٹ کو تیر سے چوکا دیا، اور فرمایا: اے سواد! برابر ہو جاؤ۔ سواد بول اُٹھے: یارسول اللہ! آپ نے مجھے تکلیف پہنچائی، حالانکہ رَبّ العالمین نے آپ کو حق اور انصاف دے کر مبعوث فرمایا ہے، لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ آپ سے بدلہ لوں! یہ سنتے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا شکم مبارک کھول دیا، اور فرمایا: بدلہ لے لو! حضرت سواد یہ دیکھ کر آپ کی گردن مبارک سے لپٹ گئے اور شکم مبارک کو بوسہ دیا۔

---

(۱) آئینۂ حقیقت نما ص ۲۴

(۲) تاریخ الطبری: ذکر واقعة بدر الکبری، ج۲ ص:۴۴۶، البدایة و النھایة : السنة الثانیة من الھجرة، کتاب المغازی، فصل فی فریضة شھر رمضان، ج۳ ص ۳۳۰

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ تھے، کھانا پکانے کا وقت آیا تو کام آپس میں تقسیم کر لئے گئے، گو آپ سب کے آقا اور محبوب تھے، مگر لکڑیاں لانے کا کام آپ نے اپنے ذمہ رکھا۔ (۱)

عدل وانصاف رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف پیرائے میں عدل ومساوات کی ترغیب دی ہے، اور لوگوں کے دِلوں میں اسے راسخ کرنے کی جدوجہد فرمائی ہے، ایک دفعہ آپ نے فرمایا:

ثَلَاثَةٌ لَا تُرَدُّ دَعْوَتُهُمْ: الصَّائِمُ حَتَّى يَفْطُرَ، وَالإِمَامُ الْعَادِلُ، وَدَعْوَةُ الْمَظْلُومِ. (۲)

تین شخصوں کی دُعائیں رَدّ نہیں کی جاتیں، روزہ دار کی بوقتِ اِفطار، عادل حکمران اور مظلوم کی دُعا۔

انصاف پر اُبھارنے کے لئے آپ نے منصف کا مرتبہ بیان فرمایا:

يَوْمٌ مِنْ إِمَامٍ عَادِلٍ أَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ سِتِّينَ سَنَةً. (۳)

عدل وانصاف کرنے والے حکمران کا ایک دن ساٹھ سال کی عبادت سے افضل ہے۔

دُوسری حدیث میں آیا ہے کہ ایک دن کا انصاف ساٹھ سال کی عبادت سے بڑھا ہوا ہے:

عَدْلُ يَوْمٍ وَاحِدٍ أَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ سِتِّينَ سَنَةً. (۴)

ایک دن کا انصاف ساٹھ سال کی عبادت سے بڑھ کر ہے۔

---

(۱) سبل الهدى والرشاد: ابواب صفاته المعنوية، الباب الثاني، ج۷ ص۱۳

(۲) صحیح ابن حبان: کتاب الصوم، باب فضل الصوم، ج۸ ص۲۱۵، رقم الحدیث: ۳۴۲۸

(۳) المعجم الکبیر: باب العین، عکرمة عن ابن عباس، ج۱۱ ص۳۳۷، رقم الحدیث: ۱۱۹۳۲

(۴) الترغیب والترهیب: کتاب القضاء: ج۳ ص۱۱۷، رقم الحدیث: ۳۳۰۵

ایک اور روایت میں ہے کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے خطاب کر کے فرمایا:

يَا اَبَا هُرَيْرَةَ! عَدْلُ سَاعَةٍ اَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ سِتِّيْنَ سَنَةً قِيَامُ لَيْلِهَا وَصِيَامُ نَهَارِهَا.(۱)

اے ابو ہریرہ! ایک ساعت کا انصاف اس ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے جن کی راتیں شب بے داری میں گزریں، اور دِن روزے میں۔

اور اس کے ساتھ آپ نے یہ بھی فرمایا:

يَا اَبَا هُرَيْرَةَ! جَوْرُ سَاعَةٍ فِيْ حُكْمٍ اَشَدُّ وَاَعْظَمُ عِنْدَ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ مِنْ مَعَاصِيْ سِتِّيْنَ سَنَةً.(۲)

اے ابو ہریرہ! ایک ساعت کا ظلم اللہ تعالیٰ کے نزدیک ساٹھ سال کی معصیت سے بڑھا ہوا اور زیادہ سخت ہے۔

ان ارشاداتِ نبوی کو بار بار پڑھیں اور سوچیں کہ اسلام کی نظر میں عدل وانصاف کی کتنی زبردست قدر و قیمت ہے، اور ظلم وزیادتی اس کی نظر میں کس قدر مذموم اور قبیح ہے۔

ظلم و جور کی قباحت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں

اسی طرح ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ظلم وتعدی کی قباحت پر روشنی ڈالی اور فرمایا:

اِنَّ اَشَدَّ اَهْلِ النَّارِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ قَتَلَ نَبِيًّا، اَوْ قَتَلَهُ نَبِيٌّ، وَاِمَامٌ جَائِرٌ.(۳)

---

(۱) الترغیب والترھیب: کتاب القضاء، ج۳ ص۱۱۷، رقم الحدیث ۳۳۰۵/و قال الألبانی: "ضعیف جدا" انظر: ضعیف الترغیب والترھیب: ج۲ ص۳۵

(۲) الترغیب والترھیب: کتاب القضاء ج۳ ص۱۱۷، رقم الحدیث ۳۳۰۵/و قال الألبانی: "ضعیف جدا" انظر: ضعیف الترغیب والترھیب: ج۲ ص۳۵

(۳) المعجم الکبیر: حرف العین، ج۱۰ ص۲۱۶، رقم الحدیث: ۱۰۵۱۵

قیامت کے دن دوزخیوں میں سب سے زیادہ سخت عذاب اس شخص کو ہوگا جس نے کسی نبی کو قتل کیا، یا کسی نبی نے اُس کو قتل کیا ہو، اور ظالم حکمران کو۔

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص انصاف کی کرسی پر بیٹھ کر انصاف سے گریز کرے، اس پر اللہ تعالیٰ اور فرشتے اور تمام انسانوں کی لعنت ہو۔ اسی طرح آپ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے مسلمانوں کے لئے منصف بننے کی خواہش کی اور اسے یہ منصب مل گیا، اس کے بعد اگر اس کے انصاف نے ظلم و زیادتی کو مغلوب کر ڈالا تو بلاشبہ اس کے لئے جنت ہے، اور اگر خدانخواستہ اس کا اُلٹا ہوا، اور اس کا ظلم وستم ہی اس کے عدل و انصاف پر بازی لے گیا تو پھر اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ حدیثوں میں اس قسم کی ہدایتوں کا بڑا ذخیرہ ہے، جس میں عدل و مساوات اور حق گوئی کی ترغیب و تلقین ہے، اور ظلم و جور اور ناانصافی اور ناجائز طرف داری اور عدل و مساوات سے گریز کی مذمت ہے۔ (۱)

جن کو اس منصب پر فائز کیا جائے، امیر پر واجب ہے کہ وہ ان تمام اوصاف و محاسن کا امتحان کرنے کے بعد منصب سپرد کردے جو اس منصب کے لئے ضروری ہیں، عدالت کا شعبہ ہر کس و ناکس کے حوالے نہیں کیا جاسکتا ہے، اس لئے کہ اگر ایسا ہوا تو پھر ملک تباہ و برباد ہوجائے گا، اور اس وقت دُنیا کی کوئی طاقت اسے بربادی سے نہیں بچاسکتی۔

منصف کے اوصافِ جلیلہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجنے لگے تو آپ نے روانگی سے قبل پہلے سوال کیا کہ فیصلہ کس طرح کروگے؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کتاب اللہ سے! آپ نے فرمایا: اگر اس میں حکم نہ ملا تو پھر کیا کروگے؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: سنتِ رسول اللہ کی مدد سے! آپ نے فرمایا: اگر یہاں بھی پیش آمدہ مسئلے کا جواب نہ ملے تو کیا کروگے؟ جواب دیا کہ پھر اجتہاد کروں گا اور اپنی طرف

---

(۱) سنن أبي داود: كتاب الأقضية، باب في القاضي يخطئ، ج۳ ص ۲۹۹، رقم الحديث: ۳۵۷۵

سے کوئی کوتاہی نہیں ہونے دُوں گا۔ یہ جواب سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے سینے کو تھپکی دے کر فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی وَفَّقَ رَسُولَ، رَسُولِ اللّٰهِ لِمَا یُرْضِی رَسُولَ اللّٰهِ.(۱)

تمام تعریف اس اللہ کے لئے ہیں جس نے رسولِ خدا کے قاصد کو اس چیز کی توفیق بخشی جس سے اللہ کا رسول خوش ہوتا ہے۔

قاضی اور جج جب تک دل میں عدل وانصاف کا عزم نہ کرلے، مفید ثابت نہیں ہوسکتا، جب یہ مخلص اور خدا ترس ہوگا، اس کے کارنامے شاندار ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کی مدد بھی اس کے شاملِ حال ہوگی، اور جوں ہی اس کی نیت میں فتور آئے گا اس پر شیطان کا تسلط ہوجائے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْقَاضِی مَا لَمْ یَجُرْ، فَإِذَا جَارَ تَخَلّٰی عَنْهُ وَلَزِمَهُ الشَّیْطَانُ.(۲)

جب تک قاضی (جج) ظلم نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ اس کا ساتھ دیتا ہے، لیکن جب وہ ظلم پر اُتر آتا ہے اور انصاف کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیتا ہے، تو اللہ کی رحمت اس سے دُور ہوجاتی ہے اور شیطان اس سے چپک جاتا ہے۔

قاضی اور جج کا فریضہ ہے کہ جب وہ عدالت کی کرسی پر بیٹھے تو جو مقدمہ پیش ہو، خوب اچھی طرح غور وفکر کرنے کے بعد اس کا فیصلہ کرے۔ اگر یہ اپنے معاملے میں مخلص ہے اور طرف داری کا کوئی شائبہ اس میں نہیں پایا جاتا ہے تو پھر بحث وتمحیص کے بعد جو بھی فیصلہ کرے گا اس پر اسے ثواب حاصل ہوگا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) سنن ابی داود: کتاب الأقضیة، باب اجتهاد الرای فی القضاء، ج۳ ص۳۰۳، رقم الحدیث: ۳۵۹۲

(۲) سنن الترمذی: ابواب الأحکام، باب ما جاء فی الإمام العادل، ج۳ ص۶۱۰، رقم الحدیث: ۱۳۳۰

إِذَا حَكَمَ الحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ اَصَابَ فَلَهُ اَجْرَانِ، وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ اَخْطَأَ فَلَهُ اَجْرٌ.(۱)

کوئی حاکم جب انصاف اس طرح کرتا ہے کہ اِجتہاد کرتا ہے اور دُرستی کو پالیتا ہے تو اسے دوگنا اجر ملتا ہے، اور جب فیصلے میں جدوجہد کے بعد بھی اس سے خطا ہو جاتی ہے تو وہ ایک اجر کا مستحق ہوتا ہے۔

اسی طرح قاضی کو چاہئے کہ فیصلہ اس وقت لکھے جب اسے یکسوئی اور اطمینانِ خاطر حاصل ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا يَقْضِيَنَّ حَكَمٌ بَيْنَ اثْنَيْنِ وَهُوَ غَضْبَانُ.(۲)

غصے اور غضب کی حالت میں دو شخصوں کے درمیان ہرگز فیصلہ نہیں کرنا چاہئے۔

فقہائے کرام کی نظر میں قاضی کے اوصاف

فقہائے کرام رحمہم اللہ نے لکھا ہے کہ قاضی کو مندرجہ ذیل اوصاف کا حامل ہونا چاہئے:

وَيَنْبَغِي اَنْ يَكُونَ مَوْثُوقًا بِهِ فِي عَفَافِهِ وَعَقْلِهِ وَصَلَاحِهِ وَفَهْمِهِ وَعِلْمِهِ بِالسُّنَّةِ وَالْآثَارِ وَوُجُوهِ الْفِقْهِ۔ وَالِاجْتِهَادُ شَرْطُ الْاَوْلَوِيَّةِ لِتَعَذُّرِهِ عَلَى اَنَّهُ يَجُوزُ خُلُوُّ الزَّمَنِ عَنْهُ عِنْدَ الْاَكْثَرِ ...وَلَا يَطْلُبُ الْقَضَاءَ بِقَلْبِهِ وَلَا يَسْأَلُهُ بِلِسَانِهِ ...وَلَا يَكُونُ فَظًّا غَلِيظًا جَبَّارًا عَنِيدًا لِاَنَّهُ خَلِيفَةُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.(۳)

ضروری ہے کہ قاضی اپنی پاک دامنی، عقل و فہم، سنت و آثارِ صحابہ کرام کے علم،

---

(۱) صحيح البخاری : كتاب الإعتصام بالكتاب والسُّنّة، باب اجر الحاكم إذا اجتهد فأصاب او اخطا، ج۹ ص۱۰۸، رقم الحديث: ۷۳۵۲

(۲) صحيح البخاری : كتاب الأحكام، باب هل يقضى القاضى او يفتى و هو غضبان، ج۹ ص۶۵، رقم الحديث: ۷۱۵۸

(۳) الدر المختار، كتاب القضاء، فصل الخصومات و قطع المنازعات ج۵ ص۳۶۷

فقہ و اِجتہاد کے وجوہ میں معتمد ہو، اور اِجتہاد کی شرط اَوْلویت کے درجے میں ہے کیونکہ اس کا ہر زمانے میں پایا جانا دُشوار ہے، اور قاضی کو چاہئے کہ اس عہدے کی طلب نہ اس کے دل میں ہو اور نہ زبان سے وہ اس کی درخواست کرے، پھر نہ وہ تندخو ہو، نہ سخت مزاج، نہ سخت گیر، اور نہ صاحبِ عناد، اس لئے کہ وہ اللہ کے رسول کا نائب ہے۔

وہ لوگ جنہیں اپنے آپ پر اعتماد نہ ہو، یا انہیں اس بات کا اندیشہ ہو کہ ہم سے انصاف نہ ہوسکے گا بلکہ ظلم کا ارتکاب ہو جائے گا، ایسے شخص کو اس عہدے پر نہیں آنا چاہئے:

(وَكُرِهَ) تَحْرِيمًا التَّقَلُّدُ اَیْ اَخْذُ الْقَضَاءِ لِمَنْ خَافَ الْحَيْفَ اَیْ الظُّلْمَ.(۱)

اس عہدے کو قبول کرنا مکروہِ تحریمی ہے، اور جو نااہل ہے اس کے لئے عہدۂ قضا قبول کرنا حرام ہے:

وَيَحْرُمُ عَلَى غَيْرِ الْاَهْلِ الدُّخُولُ فِيهِ قَطْعًا مِنْ غَيْرِ تَرَدُّدٍ فِي الْحُرْمَةِ.(۲)

جو اس عہدۂ جلیلہ کے لائق نہ ہو اس کے لئے اس محکمے میں قدم ڈالنا قطعاً حرام ہے، اور اس کی حرمت میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

مساواتِ انسانی

پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ لوگ اپنے غلاموں کو حقیر نہ سمجھیں، بلکہ جو کھائیں وہی ان کو کھلائیں، جو پہنیں وہی ان کو پہنائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ یہ ہیں:

فَمَنْ كَانَ اَخُوهُ تَحْتَ يَدِهِ، فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ، وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ،

---

(۱) الدر المختار، كتاب القضاء، فصل الخصومات و قطع المنازعات ج۵ ص۳۶۷

(۲) الدر المختار، كتاب القضاء، فصل الخصومات و قطع المنازعات ج۵ ص۳۶۷

وَلَا تُكَلِّفُوهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ، فَإِنْ كَلَّفْتُمُوهُمْ فَأَعِينُوهُمْ.

جس کا بھائی اس کے قبضے میں ہو، اس کو چاہئے کہ جو خود کھائے اُسے کھلائے،
جو خود پہنے اُسے پہنائے، اور اُس کو تم اُس کی طاقت سے زیادہ تکلیف مت دو،
اگر کوئی مشکل کام سپرد کرو تو اس کی مدد کرو۔

یہ جو کچھ مخصوص حکم ہی نہ تھا بلکہ عہدِ نبوی اور عہدِ صحابہ میں اس پر عمل بھی تھا، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا بھی اور صحابہ کرام کا بھی۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ایک مشہور صحابی ہیں، ان کا حال یہ تھا کہ جب کوئی جوڑا خریدتے تو ایک خود لیتے دوسرا غلام کو دیتے۔ ایک دفعہ ایک بزرگ نے یہ حالت دیکھی تو پوچھا کہ یہ کیا بات ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں ایک دفعہ غلام کو بُرا بھلا کہہ رہا تھا، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو فرمایا: ابوذرؔ! تم اس غریب کو بُرا بھلا کہتے ہو صرف اس لئے کہ وہ تمہارا غلام ہے، تم یقین کرو کہ یہ جاہلیت کا طریقہ ہے، پھر اس کے بعد آپ نے مساوات کی تلقین فرمائی۔ (۱)

صحابہ کا عمل

حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت ابوذرؔ رضی اللہ عنہ کا یہ عالم تھا کہ اگر ایک کپڑا ہوتا تو اس کے دو حصے کر ڈالتے، آدھا خود استعمال کرتے اور آدھا اپنے غلام کو استعمال کے لئے دیتے۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حالت میں دیکھ کر حضرت ابوذرؔ رضی اللہ عنہ سے خیریت دریافت کی، تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا آپ نے ہی یہ حکم فرمایا ہے کہ جو تم کھاؤ، وہی ان کو بھی کھلاؤ، اور جو خود زیبِ تن کرو، وہی کپڑے ان کو بھی پہناؤ، آپ نے فرمایا: ہاں میرا ہی حکم ہے:

وَكَانَ لِأَبِي ذَرٍّ ثَوْبٌ فَشَقَّهُ نِصْفَيْنِ فَأَعْطَى الْغُلَامَ نِصْفَهُ فَرَآهُ النَّبِيُّ

(۱) صحیح البخاری: کتاب الإیمان، باب: المعاصی من امر الجاهلیة... الخ، ج۱ ص۱۵، رقم الحدیث: ۳۰

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُ، فَقَالَ: قُلْتَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَطْعِمُوهُمْ مِمَّا تَأْكُلُونَ وَأَلْبِسُوهُمْ مِمَّا تَلْبَسُونَ قَالَ: نعم.(۱)

دُنیا میں سرمایہ دار اور مزدور کی جنگ یہیں سے شروع ہوئی کہ مال داروں نے اپنے نیچے والوں کو ذِلت وحقارت کی نگاہ سے دیکھنا شروع کردیا، اور اگر آج بھی اسلام کے اس قانون پر عمل شروع کردیا جائے تو دیکھتے ہی دیکھتے مزدور اور سرمایہ دار کے نام پر جتنی لڑائیاں جاری ہیں وہ سب ختم ہوجائیں اور امن وامان بحال ہوجائے۔

غلام وآقا برابر

اسلام کے اسلامی قانونِ مساوات کا اثر تھا کہ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ جب بحیثیت خلیفہ مدینہ منوّرہ سے بیت المقدس روانہ ہوئے اور غلام کو ساتھ لیا، تو ایک اُونٹ ہونے کی وجہ سے ایسا نہیں کیا کہ خود برابر سوار رہے ہوں اور غلام پیدل دوڑتا ہو، بلکہ باری طے کرلی اور دونوں (یعنی امیر المومنین فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ اور آپ کے غلام) باری باری سوار ہوتے اور اُترتے رہے، ایک جب سوار ہوتا تو دُوسرا اُونٹ کی مہار تھامے ہوتا، جب شہر قریب آیا تو باری غلام کی تھی، غلام نے عرض کی کہ شہر قریب آچکا ہے اب داخلہ ہوگا، لہٰذا آپ اُونٹ پر سوار ہوجائیں اور مجھے اجازت دیں کہ میں مہار پکڑ کر آگے آگے چلوں، فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے کہا کہ انصاف کے خلاف کیوں کیا جائے؟ باری تمہاری ہے لہٰذا تم سوار ہوکر چلو اور میں نکیل پکڑ کر چلوں گا۔ اور بالآخر یہی ہوا کہ شہر میں اس طرح داخلہ ہوا کہ خلیفۃ المسلمین نکیل پکڑے آگے آگے چل رہے تھے اور غلام سوار تھا۔(۲)

پبلک کا احترام

امن وامان کا دارومدار اسی طرح کے معیاری عدل وانصاف پر ہے، مزدوروں کے

(۱) فتح الباري: كتاب الإيمان، باب كفران العشير و كفر دون كفر، ج۱ ص۸۷، رقم الحديث: ۳۱

(۲) مرآة الجنان وعبرة اليقظان: السنة السادسة عشرة، ج۱ ص ۲۶

نام پر جتنی لڑائیاں لڑی گئیں یا لڑی جارہی ہیں، ان کی بنیاد یہی چیز ہے کہ حکمران طبقہ ان کے ساتھ انصاف کرنے پر آمادہ نہیں، اسلامی نظام مجبور کرتا ہے کہ انصاف کے دربار میں افسر کی بھی کوئی رعایت نہ کی جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ گورنروں سے فرمایا کہ آپ حضرات پبلک کے ساتھ محبت وشفقت کا سلوک کریں، بدسلوکی کا کوئی شائبہ بھی نہ پایا جائے۔ ساتھ ہی اپنے بیان میں جو آپ پبلک کے سامنے دے رہے تھے، عوام کو خطاب کر کے فرمایا کہ جس کے ساتھ حکومت کے آدمی سختی کا معاملہ کریں، ان کا مقدمہ یہاں میرے پاس لایا جائے، میں جرم کے مطابق ان کو سزا دوں گا۔ یہ سن کر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین سے کہا: کیا آپ ایسے شخص کو سزا دیں گے جو اپنی رعیت کو ادب دے؟ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا:

وَالَّذِي نَفْسُ عُمَرَ بِيَدِهِ! لَأُقِصَّنَّ مِنْهُ، وَقَدْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقِصُّ مِنْ نَفْسِهِ. (۱)

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! کہ میں ان سے قصاص لوں گا، میں نے تو خود سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ اپنے نفس کو قصاص کے لئے پیش کیا کرتے تھے۔

دربارِ قیصر میں اسلامی خوبیوں کا اعتراف

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عدل پروری اور مساوات کا اعتراف دشمنوں نے کیا ہے اور سامنے نہیں پیٹھ پیچھے، اور صرف تاریخ پڑھ کر نہیں بلکہ حالات کا معائنہ کر کے۔

عہدِ فاروقی میں جب مسلمان بڑی تیز رفتاری سے آگے بڑھ رہے تھے اور مخالفینِ اسلام حیرت زدہ تھے کہ آخر یہ کیا بات ہے کہ مسلمان جہاں مورچہ قائم کرتے ہیں کامیاب ہو کر واپس ہوتے ہیں۔ اسی زمانے میں ایک رُومی جو مسلمانوں کے ہاتھوں میں گرفتار تھا، کسی

(۱) السنن الكبرىٰ للبيهقي : كتاب السير، باب ما على الوالي من امر الجيش، ج۹ ص ۷۰، رقم الحديث: ۱۷۹۰۷

طرح قید سے نکل بھاگا، اس وقت قیصرِ رُوم قسطنطنیہ میں مقیم تھا، رُومی سپاہی دربارِ قیصری میں حاضر کیا گیا، قیصرِ رُوم نے اس سے مسلمانوں کے حالات دریافت کئے، اس رُومی فوجی نے بیان دیتے ہوئے کہا:

اے بادشاہ! وہ لوگ دِن کو شہسوار ہیں اور رات میں شب زندہ دار، وہ اپنے مفتوحین کا مال قیمت ادا کئے بغیر استعمال نہیں کرتے، اور جس ملک میں داخل ہوتے ہیں امن وسلامتی کی برکتیں اپنے ساتھ لاتے ہیں، لیکن جو قوم ان کا مقابلہ کرتی ہے اسے اس وقت تک نہیں چھوڑتے جب تک وہ ہتھیار نہ ڈال دے۔

قیصرِ رُوم اپنے ایک فوجی کی زبان سے یہ حقائق سن کر بے حد متاثر ہوا اور کہنے لگا:

اگر مسلمان ایسے ہیں تو میرے قدموں تلے کی زمین بھی فتح کرلیں گے۔ (۱)

شاہ مقوقس کے سامنے شاہی وفد کی رپورٹ

اسی طرح شاہ مقوقس نے ایک دفعہ اپنے یہاں کے کچھ افراد مسلمانوں کے پاس بھیجے کہ جا کر وہ مسلمانوں کے حالات کا جائزہ لیں اور صحیح رپورٹ دیں، تا کہ اس کی روشنی میں کوئی رائے قائم کی جاسکے۔ یہ منتخب افراد روانہ ہوئے اور مسلمانوں میں جا کر کچھ دن رہے اور ان کی ایک ایک چیز کا تنقیدی نظر سے جائزہ لیا۔ جب واپس آئے تو شاہ مقوقس نے ان سے مسلمانوں کے حالات بیان کرنے کو کہا، اراکینِ وفد نے متفقہ طور پر بیان دیا:

اے بادشاہ! مسلمان ایک ایسی قوم ہے جنہیں موت زندگی سے زیادہ پیاری ہے، جنہیں تواضع، تکبر سے زیادہ پسندیدہ ہے، ان میں سے کوئی شخص دُنیا اور متاعِ دُنیا کا حریص نہیں۔

---

(۱) تاریخ مدینة دمشق: ترجمة: زیاد بن حنظلة، ج۱۹ ص۱۳۲، بغیة الطالب فی تاریخ حلب: ج۹ ص۳۹۱۳، تاریخ ملت: خلافتِ عمر فاروق رضی اللہ عنہ، ج۱ ص۱۶۰

وہ زمین پر بیٹھنے میں عار نہیں سمجھتے، اور بغیر دستر خوان کھانا کھا لیتے ہیں، ان کا سردار بھی ان ہی جیسا ہے، کسی بات میں ان سے ممتاز نہیں، اعلیٰ وادنیٰ اور آقا غلام کی ان میں تمیز نہیں ہوتی۔ جب نماز کا وقت آتا ہے تو سب وضو کر کے ایک قطار میں خشوع وخضوع کے ساتھ خداوند قدوس کی عبادت میں مصروف ہو جاتے ہیں۔

شاہ مقوقس نے بغور رپورٹ سنی اور آخر میں اپنی قوم سے مخاطب ہو کر بولا:

اے قوم! یہ جماعت اگر پہاڑوں سے بھی ٹکرائے گی تو انہیں بھی اپنی جگہ سے ہلا دے گی، خیریت اسی میں ہے کہ ان کے حملہ آور ہونے سے پہلے ہم ان سے صلح کر لیں۔ (۱)

جنگ اور اِنتقام اسلام میں

عدل ومساوات ہی کا تقاضا ہے کہ جب کبھی کسی قوم کے مظالم حد سے بڑھ جائیں، امن واطمینان خطرے میں گھر جائے، اور حق وصداقت کی پامالی ہو جائے، تو اس وقت حق پرستوں کا فریضہ ہے کہ ظلم وتعدی کو ختم کرنے کے لئے حدودِ شرع کے اندر رہ کر جو کچھ وہ کر سکتے ہیں، ضرور کریں، خواہ اس کے لئے میدانِ کارزار گرم کرنا پڑے، خواہ خاک وخون میں تڑپنا پڑے۔

چنانچہ اسلام نے ایسے نازک وقت میں تلوار اُٹھانے کی اجازت دی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں تیرہ سالہ زندگی کس طرح گزاری، صبر وتحمل کا کوئی گوشہ آپ کے عمل سے تشنہ نہیں ہے۔ کفارِ مکہ نے وہ ساری اذیتیں پہنچائیں

(۱) فتوح مصر والمغرب لابن عبدالحکم: ص۸۷، النجوم الزاھرۃ: ج۱ ص۱۲، حسن المحاضرۃ: ج۱ ص۱۱۵، تاریخ ملت: خلافتِ عمر فاروق رضی اللہ عنہ، ج۱ ص۱۷۰

جوایک غیر مہذّب، درندہ صفت اور کافر ومشرک قوم پہنچاسکتی تھی۔[۱] اور اِسلام کی تبلیغ میں قریش نے جیسی مزاحمت کی، اہلِ ایمان کو جس طرح ستایا، اور دِین قبول کرنے والوں کے ساتھ جیسے وحشیانہ مظالم کئے، ان کے تصور سے ہی رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔

مگر پانی جب سر سے اُونچا ہوگیا، حق کا دَم گھٹنے لگا اور انسانیت اپنا سر پیٹنے لگی تو غیرتِ حق تعالیٰ حرکت میں آئی اور اِذنِ جہاد نازل ہوا، جس کی بقدرِ ضرورت تفصیل اس باب میں پڑھیں گے۔ مگر اِسلام نے شروع ہی سے سعی کی کہ امن وامان، عدل ومساوات اور اِنسانی اُخوّت کا چہرہ کہیں سے داغ دار نہ ہونے پائے۔ عفت وناموس، شفقت ومحبت اور سکون واطمینان کا دامن کہیں سے بھی تار تار نہ ہو۔ ساتھ ہی یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ آنے والی حکومت انسانی قانون کی پابند نہیں ہے، بلکہ وہ ربانی دستورِ حیات نافذ کرتی ہے، اور اسی کی اشاعت اس کا بنیادی مقصد ہے۔

جنگ میں جولوگ حصہ نہ لیں وہ مجرم نہیں

چنانچہ اسلام نے زمانۂ جنگ وانتقام میں بھی ''امن وعدل'' کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہیں دیا ہے، مجرم قوم کے وہ افراد جو جنگ میں حصہ نہیں لیتے، یا جن کو دُنیا کے جھگڑوں سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا، پیغمبرِ اسلام نے ان کو چھیڑنے کی اجازت نہیں دی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلامی جنگ میں عورتوں، بچوں، بوڑھوں، بیماروں اور گوشہ نشینوں پر ہاتھ اُٹھانا جائز نہیں ہے، خواہ ان کا خونی رشتہ اسی ظالم قوم سے کیوں قائم نہ ہو؟ یہاں مجرم وہی ہے جو مقابلے میں آئے یا جواُن کو مدد پہنچائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

لَا تَقْتُلُوا وَلِيدًا وَلَا امْرَأَةً۔[۲]

کسی بچے اور عورت کو قتل نہ کرو۔

(۱) اس تفصیل کے لئے خاکسار کی کتاب ''مصائبِ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم'' کا مطالعہ کریں۔ ۱۲ظفیر

(۲) شرح معانی الآثار : کتاب السير : باب ما ينهى عن قتله من النساء والولدان في دار الحرب، ج ۳ ص ۲۲۱

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قَتْلِ النِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ.(۱)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں اور بچوں کے قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔

یہ اسلام کی ہی خصوصیت ہے کہ وہ دارُالحرب یعنی دُشمنوں کے ملک پر حملہ آور ہونے کے وقت بھی ان لوگوں کو تکلیف پہنچانے کی اجازت نہیں دیتا جو جنگی تدبیروں میں شریک نہیں ہیں، حدیثِ نبوی ہے:

كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا بَعَثَ سَرِيَّةً يَقُولُ: لَا تَقْتُلُوا شَيْخًا كَبِيرًا.(۲)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی سریہ یعنی (ایسی فوج جس میں خود شریک نہ ہوتے) بھیجتے تو اسے ہدایت فرماتے کہ بوڑھوں کو قتل نہ کرنا۔

اسلامی قانون کا پاس

اِمام ابوجعفر طحاوی رحمہ اللہ (متوفی ۳۲۱ھ) فرماتے ہیں:

اَنَّ اَهْلَ الْحَرْبِ إِذَا تَتَرَسُوا بِصِبْيَانِهِمْ فَكَانَ الْمُسْلِمُونَ لَا يَسْتَطِيعُونَ رَمْيَهُمْ إِلَّا بِإِصَابَةِ صِبْيَانِهِمْ فَحَرَامٌ عَلَيْهِمْ رَمْيُهُمْ فِي قَوْلِ هَؤُلَاءِ وَكَذَلِكَ إِنْ تَحَصَّنُوا بِحِصْنٍ وَجَعَلُوا فِيهِ الْوِلْدَانَ فَحَرَامٌ عَلَيْنَا رَمْيُ ذَلِكَ الْحِصْنِ عَلَيْهِمْ إِذَا كُنَّا نَخَافُ مِنْ ذَلِكَ إِصَابَةَ صِبْيَانِهِمْ وَنِسَائِهِمْ.(۳)

---

(۱) شرح معانی الآثار: کتاب السیر: باب ما ینھی عن قتله من النساء والولدان فی دار الحرب، ج۳ ص۲۲۱

(۲) شرح معانی الآثار: کتاب السیر، باب الشیخ الکبیر هل یقتل فی دار الحرب اَم لا، ج۳ ص۲۲۴

(۳) شرح معانی الآثار: ج۳ ص۲۲۲

حربی کافر جب اس طرح اپنے بچوں کو ڈھال بنالیں کہ مسلمانوں کے لئے تیر اندازی بغیر بچوں کے مارے ہوئے ممکن نہ ہوتو ایسی حالت میں ان ائمہ کے قول کے مطابق تیراندازی حرام ہے، اسی طرح اگر حربی کافر قلعہ بند ہو جائیں اور اسی میں اپنے بچوں کو ڈال لیں تو ہم مسلمانوں پر یہ حرام ہے کہ اس قلعے پر تیر اندازی کریں اور اسے برباد کریں، اگر بچوں اور عورتوں کی جانوں کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو۔

اسلام کے ان قوانین کا بغور مطالعہ کیجئے اور اندازہ لگایئے کہ امن وامان کے زمانے میں کسی کے لئے اس کی کہاں سے گنجائش نکل سکتی ہے کہ وہ پبلک اور عوام کے سکون واطمینان کو برہم کر سکے...؟ اسلام جس طرح دُشمن کے بے قصور اَفراد کو نہیں چھیڑتا، اور وہ بھی عین لڑائی کے وقت میں، ٹھیک اسی طرح اسلام اپنی حکومت میں بھی ان غیر مسلموں کو ایسی کوئی ایذا نہیں پہنچانے دیتا جس سے ان کی مذہبی آزادی یا امن وسکون میں کوئی خلل واقع ہو۔

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے دُشمنوں کے ساتھ سلوک

کونسی ایسی اذیت ہے جو اہلِ مکہ نے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں پہنچائی، مسلسل بیس سال تک جن لوگوں نے چین سے بیٹھنے نہیں دیا، اور جو رَات دِن اسلام کا بیج اُکھیڑ پھینکنے کی جدوجہد میں مصروف رہے۔ ۸ھ میں فتحِ مکہ کے سال جب پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم فاتح کی حیثیت سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے، تو آپ جانتے ہیں کہ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ان دُشمنوں کے ساتھ جنگ کے ایام میں کیا سلوک کیا؟ اور بعد فتح کس طرح نوازا؟ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اعلان فرماتے ہیں:

مَنْ دَخَلَ دَارَ اَبِی سُفْیَانَ فَهُوَ آمِنٌ، وَمَنْ اَلْقَی السِّلَاحَ فَهُوَ آمِنٌ، وَمَنْ اَغْلَقَ بَابَهُ فَهُوَ آمِنٌ. (۱)

---

(۱) صحیح مسلم : کتاب الجهاد والسیر، باب فتح مکة، ج ۳ ص ۱۴۰۷، رقم الحدیث: ۱۷۸۰

جوابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اسے امن ہے، جو ہتھیار رکھ دے اس کے لئے امن ہے، جو اپنے گھر کے دروازے بند کر لے اس کے لئے امن ہے۔

اور یہ صرف اعلان ہی نہ تھا، بلکہ اس حکم پر پورا پورا عمل ہوا، اور اہلِ مکہ نے اس اعلان سے فائدہ اُٹھایا، حدیث میں ہے کہ جوں ہی یہ اعلان ہوا اہلِ مکہ اپنے گھروں اور مسجدِ حرام میں چھپ گئے اور وہ صنادیدِ قریش بھی جنہوں نے مسلمانوں پر مظالم کے پہاڑ ڈھائے تھے، پورے مکہ کی آبادی میں صرف چار مرد اور دو عورتیں ایسی نکلیں جو اَمن سے محروم رہیں۔ ورنہ تمام اہلِ مکہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امن سے نوازا، اور ان کے سارے قصور درگزر فرمائے:

اَمَّنَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ النَّاسَ إِلَّا أَرْبَعَةً مِّنَ النَّاسِ.(۱)

فتحِ مکہ کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام لوگوں کو معاف کر دیا اور امن کا اعلان کر دیا بجز ان چار مردوں (اور دو عورتوں کے جو اپنے ظلم کی وجہ سے قابلِ عفو نہ تھے)۔

عفو وکرم کا اعلانِ عام

فتحِ مکہ کا دِن عجیب دِن تھا، قریش اپنے گناہوں اور زیادتیوں کی وجہ سے بے حد خائف تھے، اور اپنی جگہ یقین کئے ہوئے تھے کہ ہم سب کی گردن مار دِی جائے گی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

ثُمَّ دَخَلَ صَنَادِيدُ قُرَيْشٍ مِنَ الْمُشْرِكِينَ الْكَعْبَةَ وَهُمْ يَظُنُّونَ اَنَّ السَّيْفَ لَا يُرْفَعُ عَنْهُمْ.(۲)

---

(۱) المعجم الاوسط : باب الميم، من اسمه محمد، ج ٦ ص ٦٣٢، رقم الحديث ٦٥٧٧

(۲) شرح معاني الآثار : كتاب الحجة في فتح رسول الله صلى الله عليه وسلم مكة عنوة، ج ٣ ص ٣٢٥

صنادیدِ قریش کعبۃ اللہ میں اس یقین کے ساتھ داخل ہوئے کہ تلوار ان کو معاف نہیں کرے گی۔

ان ہی کا بیان ہے کہ جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خانۂ کعبہ کے قریب آ کر سوال کیا کہ تم میرے متعلق کیا خیال رکھتے ہو؟ تو انہوں نے بیک زبان کہا: ''آپ اپنے چھوٹوں کے بُردبار بھائی اور اپنے بڑوں کے مہربان بھتیجے ہیں!'' یہ سن کر آپ نے فرمایا:

اَقُولُ کَمَا قَالَ یُوسُفُ: لَا تَثْرِیبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ یَغْفِرُ اللّٰہُ لَکُمْ وَھُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِینَ.(۱)

میں یوسف علیہ السلام کی طرح اعلان کرتا ہوں کہ آج تمہارے لئے کوئی سرزنش نہیں ہے، اللہ تعالیٰ تم کو معاف فرمائیں، وہ بڑا ارحم وکرم والا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس اعلان کے بعد خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی اور انہوں نے ایک نئی زندگی محسوس کی، ان کے الفاظ یہ ہیں:

فَخَرَجُوا کَاَنَّمَا نُشِرُوا مِنَ الْقُبُورِ.(۲)

وہ تمام (صنادیدِ قریش) کعبہ سے اس طرح نکلے جیسے قبروں سے نکل کر نئی زندگی پانے پر خوش وخرم ہوں۔

جس دِین نے اپنے پیروؤں کے سامنے اپنے پیغمبر کی یہ عملی تعلیم پیش کی ہو، کون کہہ سکتا ہے کہ اس دِین سے زیادہ امن وسلامتی کا تصور کہیں اور ممکن بھی ہے...!

ابھی زمانۂ قریب ہی میں ہیروشیما، حیدرآباد، ہندوستان اور پاکستان میں جو خون کی ندیاں بہہ رہی ہیں اور عورتوں کی عفت وعصمت جس بُرے طریقے سے پامال کی گئی ہے

---

(۱) شرح معانی الآثار: کتاب الحجۃ فی فتح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکۃ عنوۃ، ج۳ ص۳۲۵

(۲) شرح معانی الآثار: کتاب الحجۃ فی فتح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکۃ عنوۃ، ج۳ ص۳۲۵

اسے نگاہوں کے سامنے رکھئے، پھر اندازہ ہوگا کہ اسلام انسانوں کو کتنا بلند کردار بناتا ہے، اور اس کے آئینِ امن وسلامتی کس قدر مضبوط ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اسلام نے ان تمام دروازوں پر پہرہ بٹھایا ہے جہاں سے امن وسلامتی کی آہنی دیوار مخدوش ہوسکتی تھی، اسلام ایک لمحے کے لئے پسند نہیں کرتا کہ امن وامان کا حسین چہرہ کہیں سے بھی داغ دار ہو، دُنیا میں اسلامی نظامِ حکومت رائج ہوتا تو لاکھوں بے گناہ معصوم بچے، ناتواں بوڑھے، کمزور عورتیں اور دُنیا سے الگ تھلگ گوشہ نشین خداپرست افراد خاک وخوں میں تڑپتے نظر نہ آتے، اور نہ ظلم وجور کی یہ فراوانی ہوتی۔

اسلامی نظام ہی کی برکت تھی کہ خلفائے راشدین کے قدم جہاں پہنچے، لوگوں نے اپنے سروں پر ظلِ رحمت قرار دیا، اور اس ملک سے ظلم وجور کا نشان حرفِ غلط کی طرح مٹ گیا۔

انتقام یا درگزر؟

یہ دُرست ہے کہ اسلام بوقتِ ضرورت جہاد کا بھی حکم دیتا ہے اور اس کی تنظیم میں انتقام کی قانونی گنجائش بھی ہے، مگر یہ قانون جس قدر جچا تلا اور معتدل ہے، اس کی مثال کہیں اور نہیں مل سکتی، پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل آپ ملاحظہ کر چکے۔ اب اس سلسلے کے چند قوانین پر بھی غور فرمالیں۔

اسلام اپنے ماننے والوں سے کہتا ہے کہ حتی الوسع وہ درگزر اور عفو وکرم سے کام لیں، لیکن اگر کہیں بدلہ لینا ضروری ہی ہو تو پھر ظلم کے درجے کا خیال رکھیں، حدِ اعتدال سے ہرگز نہ بڑھیں، ارشادِ ربانی ہے:

وَ جَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَ اَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۰﴾ (الشوریٰ)

اور بُرائی کا بدلہ بُرائی ہے ویسی ہی، (پھر اجازتِ انتقام کے بعد) جو شخص معاف کرے اور اصلاح کرے تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے، واقعی اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔

دوسری جگہ ترغیب کا پہلو اختیار کیا اور کس دل نشیں انداز میں فرمایا کہ اگر کوئی سخت بات کہے یا بدسلوکی سے پیش آئے تو تم بھی ویسا ہی نہ کرنے لگو، بلکہ رِفق و ملاطفت اور تحمل وضبط سے کام لو:

وَ لَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۚ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَ بَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ﴿۳۴﴾ وَ مَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿۳۵﴾ (حم سجدۃ)

اور نیکی اور بدی برابر نہیں، آپ نیک برتاؤ سے بدی کو ٹال دیا کیجئے، پھر یکا یک آپ میں اور جس میں عداوت تھی وہ ایسا ہو جائے گا جیسے کوئی دِلی دوست ہوتا ہے، اور یہ بات ان ہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو بڑے مستقل مزاج ہیں، اور یہ بات اسی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑا صاحبِ نصیب ہے۔

بُرائی مٹانے کے لئے نیکی کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ سختی کا جواب سختی سے گو اِنسانی فطرت ہے، مگر کمال یہ ہے کہ اسے برداشت کرلیا جائے اور نرمی کا ایسا عمدہ پہلو اختیار کیا جائے کہ دُشمن کی دُشمنی محبت سے بدل جائے، بلکہ شرمسار ہو کر وہ اپنی سختی اور بُرائی سے ہمیشہ کے لئے باز آجائے، اور اس طرح رُوئے زمین سے بُرائی کے خاتمے کی یہ کامیاب صورت عام ہو جائے۔

وَ لَمَنْ صَبَرَ وَ غَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۴۳﴾ (الشوریٰ)

اور جو شخص صبر کرے اور معاف کردے تو بلاشک یہ بڑے عزم کی بات ہے۔

جنگ اور قتال کی اجازت

جنگ اور قتال کے متعلق آپ پڑھ چکے ہیں کہ اسلام بچوں، بوڑھوں، عورتوں اور جو خدا کی یاد میں گوشہ نشیں ہوں، انہیں چھیڑنے کی اجازت قطعاً نہیں دیتا۔ ربّ العالمین کا حکم اس سلسلے میں اپنے اندر بڑی جامعیت رکھتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَ قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ

الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۹۰﴾ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ (البقرة: ۱۹۰، ۱۹۱)

اور تم اللہ کے راستے میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں، اور زیادتی نہ کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا، (جس وقت وہ خود عہد شکنی کریں) اس وقت ان کو قتل کرو، جہاں ان کو پاؤ، ان کو نکال دو جہاں سے انہوں نے تم کو نکلنے پر مجبور کیا۔

جو لوگ مسلمانوں کے خلاف صف آرا ہوں، یا دِین کی تبلیغ میں مزاحم ہوں، یا اس طرح کی کوئی اور چیز ان میں مسلمانوں اور ان کے مذہب کے خلاف پائی جائے، ایسے لوگوں کے بخشنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا، قوت اگر ہے تو ہر حال میں ان کا مقابلہ کیا جائے گا، لیکن اگر وہ کسی طرح بھی اسلام اور ان کے ماننے والوں کے لئے نقصان دہ نہیں ہیں، تو خواہ مخواہ ان سے جنگ کی اجازت نہیں ہے، البتہ اگر ان کی طرف سے اس طرح کا کوئی خطرہ یا اندیشہ ہے کہ وہ قتال سے باز نہیں آئیں گے، اور یہ دیر سویر فتنہ فساد کریں گے تو پھر جہاد کی اجازت ہوگی۔

اسلام ظلم وتعدی کو نہ اپنے لئے پسند کرتا ہے، اور نہ دُوسروں کو اس کی اجازت دیتا ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

وقال ابن عباس ولا تقتلوا النساء والصبيان والشيوخ والرهبان ولا من ألقى إليكم السلام.[1]

عورتوں، بچوں، بوڑھوں، راہبوں اور ان لوگوں کو قتل نہ کرو جو تم کو سلام کریں۔

وہ لوگ جو اِسلامی عقائد واخلاق کی اشاعت میں حارج ہوتے ہیں، یا فساد پھیلاتے ہیں ان کا جرم قتل سے بڑھا ہوا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

(۱) تفسیر الطبری: ج۳ ص۵۶۳، رقم: ۳۰۹۴، تفسیر الخازن: سورة البقرة آیت نمبر ۱۹۰ کے تحت، ج۱ ص۱۲۱

وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ (البقرہ: ۱۹۱)

اور فتنہ قتل سے بھی سخت تر ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۲۵ھ) لکھتے ہیں کہ ان کی شرارت میں شرک، مسلمانوں کو مسجدِ حرام سے روکنا، عبادتِ الٰہی میں ایذا رسانی اور اس طرح کی دُوسری چیزیں داخل ہیں:

وَالْفِتْنَةُ يَعْنِي شِرْكَهُمْ بِاللّٰهِ تَعَالٰى وَصَدَّهُمْ إِيَّاكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَشَدُّ اَعْظَمُ وِزْرًا عِنْدَ اللّٰهِ مِنَ الْقَتْلِ اَىْ قَتْلِكُمْ إِيَّاهُمْ وَمَنْ ثُمَّ اَبَاحَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى لَكُمْ.(۱)

فتنہ یعنی کافروں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا کسی کو شریک بنانا اور مسلمانوں کو مسجدِ حرام سے روکنا، اللہ تعالیٰ کے نزدیک قتل سے بڑھ کر گناہ ہے، یعنی مسلمان کافروں اور اس طرح کے مباح الدم کو قتل کریں، اس سے بڑھا ہوا جرم تو خود ان کا فعلِ شرک وغیرہ ہے۔

فتنہ وفساد کے خاتمے کے بعد قتال کی گنجائش نہیں

شرک کو فتنے سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ یہ موجبِ فساد و ہلاکت ہے، اور فساد و ہلاکت سراسر ظلم ہے، شرک سے انسان کے خیال میں انتشار پیدا ہوتا ہے، اور توحید سے اتحاد و یکجہتی، پھر مشرکین کا سب سے بڑا عیب یہ ہے کہ دباؤ اور جبر و تشدد کے ذریعے چاہتے ہیں کہ لوگ جس کو حق سمجھتے ہیں اُسے حق نہ کہیں، چنانچہ یہ مختلف حیلوں سے دِین و اعتقاد کی آزادی چھین لیتے ہیں اور لوگوں کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ شرک کی پوجا کریں، حالانکہ ربّ العالمین کسی قوم کے اس طرزِ عمل کو برداشت نہیں کرتا، اور جنگ کا مقصد ''مذہبی آزادی'' قرار دیا گیا۔ اسی وجہ سے قرآن نے کہا:

---

(۱) تفسیر المظهری : سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۱۹۳ کے تحت، ج ۱ ص ۲۱۳

وَ قٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ (البقرة: ۱۹۳)

ان سے لڑو تا آنکہ کوئی فتنہ باقی نہ رہے، اور پورا دین اللہ ہی کا ہو جائے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ نے فتنے کی تعبیر شرک وفساد سے کی ہے:

حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ اَىْ شِرْكٌ وَفَسَادٌ۔ (۱)

فتنے سے مراد شرک اور فساد ہے۔

یہ دونوں ہی چیزیں باعثِ انتشار اور وجۂ بربادی ہیں، امن وسلامتی کے حصول میں یہ دونوں رکاوٹ ہیں، مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بت پرستی سے جو فتنہ وفساد اور پراگندگی پیدا ہوتی ہے، اس سے بچنے کے لئے سوائے قتل کے اور کوئی چارۂ کار نہیں ہے، بلکہ ایک تیسری درمیانی صورت جزیہ دے کر اطاعت قبول کرنا ہے، تاکہ اقتدارِ اعلیٰ ان کے شر کو محدود کر دے اور پھر بتدریج ختم کر سکے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ولا دليل في هذه الآية على ان الوثني لا يقبل منه إلّا الإسلام فإن ابى قتل كما قال البغوى إذ لا فرق بين الوثني والمجوسي والكتابي فإن الدين عند الله الإسلام والفتنة كما يكون بالوثني يكون بالكتابي والمجوسي ايضا وينتهي منهما بالانقياد وقبول الجزية ...ثم لما ثبت أخذ الجزية عن اهل الكتاب بهذه الآية مع كونهم على الدين الباطل ثبت أخذ الجزية عن المجوسي والوثني ايضا بالقياس عند ابى حنيفة رحمه الله. (۲)

اس آیت میں اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ بت پرست سے سوائے قبولِ اسلام کے کوئی اور چیز قبول نہ کی جائے، یعنی اگر وہ اسلام کے قبول کرنے سے انکار

(۱) التفسير المظهرى: سورة البقرة آیت نمبر ۱۹۳ کے تحت، ج ۱ ص ۲۱۳

(۲) التفسير المظهرى: سورة البقرة آیت نمبر ۱۹۳ کے تحت، ج ۱ ص ۲۱۴

کردیں تو ان کو قتل ہی کرڈالا جائے، جیسا کہ اِمام بغوی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے، اس وجہ سے کہ بت پرست، مجوسی اور کتابی ان تینوں میں اس باب میں کوئی فرق نہیں ہے، کیونکہ اللہ کو تو پسند صرف دِینِ اسلام ہے، اور فتنہ جس طرح بت پرست کی وجہ سے ہوتا ہے، اسی طرح مجوسی اور کتابی کی وجہ سے بھی، اور یہ مسلّم ہے کہ ان دونوں سے قتل کا حکم اس وقت ختم ہوجاتا ہے جب وہ اسلامی حکومت کے فرماں بردار بن جائیں اور جزیہ دینا قبول کرلیں، تو جب اہلِ کتاب سے باوجود اس کے دِینِ باطل پر ہونے کے جزیہ قبول کرنا اس آیت سے ثابت ہوگیا، تو اسی پر قیاس کرکے مجوسی اور بت پرست سے بھی جزیہ لینا اِمام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دُرست ہوگا۔

صلح وسلامتی

اسلام کسی حال میں زیادتی اور ظلم وتعدی کو پسند نہیں کرتا ہے، بلکہ اس کی جگہ صلح وسلامتی اور امن وامان کو ترجیح دیتا ہے، اِنتقام ومکافات اور جنگ کے سلسلے میں بھی یہی پہلو اس کے قانون میں قابلِ عمل ہے، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَإِنِ اعْتَزَلُوكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ وَأَلْقَوْا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا ﴿٩٠﴾ (النساء)

اگر وہ تم سے علیحدگی اختیار کرلیں اور نہ لڑیں اور صلح پیش کریں تو ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ نے تم کو ان پر کوئی راہ نہیں دی ہے کہ ایسے لوگوں کے خلاف جنگ کرو۔

پھر اِسلام کی تاکید ہے کہ جو کچھ کیا جائے اور جو قدم اُٹھایا جائے وہ بغیر سوچے سمجھے ہرگز نہ ہو، بلکہ پورے غور وفکر کے بعد ہو، اس لئے کہ قتال اور جنگ میں جلد بازی جائز نہیں ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا (النساء:۹۴)

اے ایمان والو! جب تم اللہ کے راستے میں سفر کرو تو ہر کام کو تحقیق کرکے کیا کرو۔

پھر اگر فریقِ مخالف صلح پر آمادگی ظاہر کرے تو اسے قبول کر لینا چاہئے، اپنی قوت کے گھمنڈ پر خون ریزی کو ہرگز ترجیح دینا نہ چاہئے:

وَ اِنۡ جَنَحُوۡا لِلسَّلۡمِ فَاجۡنَحۡ لَہَا وَ تَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰہِ ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۶۱﴾ (الانفال)

اور اگر وہ صلح کے لئے جھکیں تو تم بھی اس کے لئے آمادہ ہو جاؤ اور خدا پر بھروسہ کرو، بے شک وہی ہے جو سنتا اور جانتا ہے۔

اسی طرح اگر کوئی اپنے اسلام کو ظاہر کرے تو فوراً تسلیم کر لینا چاہئے، اگرچہ مکمل ثبوت تمہارے سامنے نہ ہو، رَدّ نہیں کرنا چاہئے:

وَ لَا تَقُوۡلُوۡا لِمَنۡ اَلۡقٰۤی اِلَیۡکُمُ السَّلٰمَ لَسۡتَ مُؤۡمِنًا ۚ تَبۡتَغُوۡنَ عَرَضَ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ۫ (النساء: ۹۴)

جو شخص تمہارے سامنے اطاعت ظاہر کرے، دُنیوی زندگی کے سامان کی خواہش میں اس سے تم یہ نہ کہو کہ تو مؤمن نہیں ہے۔

جن چند اُصولی قوانین کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، ان کا بغور مطالعہ کیا جائے اور فیصلہ کیا جائے کہ ان میں فتنہ وفساد اور قتال و جنگ کو صلح وسلامتی سے تبدیل کرنے کا جذبہ کارفرما ہے یا قتل وخون ریزی کا؟ ایک انصاف پسند کا جواب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ اسلام سراپا امن و امان اور سلامتی ہے، اس کے قوانین میں جنگ اور خون ریزی کی اجازت انتہائی مجبوری اور اشد ضرورت میں ہے، اور وہ بھی اس وقت جب اس کے سوا کوئی چارۂ کار ہی باقی نہ رہے۔

مظلوم مہاجر کو اِجازتِ جنگ

یہاں جنگ کے سلسلے کی چند آیتیں ملاحظہ فرمائیں کہ جنگ کی اجازت کن بنیادوں پر دی گئی ہے؟ ارشادِ ربانی ہے:

أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰي نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُۨ ۝٣٩ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ۭ (الحج: ٣٩)

جن لوگوں سے ناحق جنگ کی جاتی ہے اُن کو اِس بنا پر جنگ کی اجازت دی جاتی ہے کہ اُن پر ظلم کیا گیا ہے، اور بلاشبہ اللہ اس کے غالب کر دینے پر پوری قدرت رکھتا ہے، جو اپنے گھروں سے بے وجہ نکالے گئے، محض اتنی بات پر کہ وہ یوں کہتے ہیں کہ ہمارا ربّ اللہ ہے۔

اجازت کی وجہ کس صفائی سے بتائی گئی ہے کہ ان پر ظلم ہو رہا ہے، انہیں زبردستی بلا کسی قصور کے ان کے گھروں سے نکالا گیا ہے اور ہجرت پر مجبور کیا گیا ہے، ان مظلوموں کا اگر کوئی قصور ہے تو صرف اس قدر کہ یہ اس کا اقرار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارا پروردگار ہے، بس اتنی بات پر قابلِ گردن زدنی قرار دیئے گئے ہیں۔ ایسے مواقع پر کسی کو دبانا صلح نہیں سراسر ظلم ہوتا ہے، اس لئے عقل کا بھی تقاضا ہے کہ ان مظالم کے وقت انسان پر حتی الوسع اپنی مدافعت ضروری ہے۔

مظلوم کی حمایت

بلکہ اگر اس طرح کے مصائب دوسروں پر ڈھائے جا رہے ہوں اور وہ دوسرے بھی اذیتوں سے تنگ آچکے ہوں تو مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اُٹھ کر ان ظالموں کو ظلم سے روکیں، اور پوری طاقت سے ان کا مقابلہ کریں، اور ان مظلوموں کی جان بچائیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاۗءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ڌ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ۝٧٥ (النساء)

اور تمہارے پاس کیا عذر ہے کہ تم اللہ کی راہ میں، اور کمزوروں کی خاطر جہاد نہ کرو، جن میں کچھ مرد ہیں کچھ عورتیں ہیں اور کچھ بچے ہیں جو دُعا کر رہے ہیں

کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو اس بستی سے باہر نکال جس کے رہنے والے سخت ظالم ہیں، اور ہمارے لئے کسی دوست کو اپنے پاس سے کھڑا کیجئے اور ہمارے لئے کسی حامی کو بھیجئے۔

مظلوموں کی اعانت ونصرت اور مفسدوں اور ظالموں کو ظلم سے روکنا ضروری ہے، اگر ایسا نہ کیا گیا تو زمین ظلم وفساد سے بھر جائے گی، اس لئے اس جنگ کو خاص راہِ حق کی جنگ سے تعبیر کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ اس جنگ سے پروردگارِ عالم خوش ہوتا ہے۔

ہاتھ پیر مارنے کا حکم

یہ اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ اسلام مظلومانہ زندگی ایک لمحے کے لئے برداشت نہیں کرتا، اس کی نظر میں یہ انسانی مجد وشرف کے خلاف ہے کہ آدمی پٹتا رہے اور ہاتھ پاؤں تڑوا کر بیٹھ جائے اور ظالم کو جرأت وہمت سے نہ روکے، بلکہ اس کا فرض ہے کہ وہ خود بھی اپنی اس انسانی عزت کی بقا کے لئے پوری قوت صرف کرے، اس سلسلے میں اگر جان پر کھیلنے کا اندیشہ ہو تو جان پر کھیل جانے کی بھی پروا نہ کرے، اور دُوسرے خداترس لوگوں کو بھی اس کی مدد کرنی چاہئے۔ چنانچہ قرآن میں ذِلت کی زندگی پر قناعت کرنے پر شدید وعید آئی ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ ظَالِمِیْۤ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِیْمَ كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِیْنَ فِی الْاَرْضِ ؕ قَالُوْۤا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِیْهَا ؕ فَاُولٰٓىِٕكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا ﴿۹۷﴾ (النساء)

بے شک جب ایسے لوگوں کی جان فرشتے قبض کرتے ہیں جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا، تو وہ ان سے کہتے ہیں کہ تم کس حالت میں تھے؟ وہ کہنے لگے: ہم تو زمین میں بے بس بنادیئے گئے تھے۔ فرشتوں نے کہا: کیا اللہ تعالیٰ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم دِین کی محبت میں وطن چھوڑ کر وہاں چلے جاتے؟ ان لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے، اور جانے کے لئے وہ بُری جگہ ہے۔

ان آیتوں کی روشنی میں یہ ماننا پڑے گا کہ اسلام جس کی نظر اَفراد و جماعت دونوں پر

رہتی ہے، وہ ضرورت پر قوت کے استعمال کو ضروری قرار دیتا ہے، اور دوسرے مسلمان لوگوں کی بھی مدد بھی ضروری قرار دیتا ہے جو مادّی، اخلاقی اور سماجی ابتری کا شکار ہیں، یہ بڑی المناک اور بے حمیتی کی بات ہے کہ انسان، انسان کی آزادی کا گلا گھونٹے، اس کی عزت وآبرو پر حملہ آور ہو، اور دُوسرے اس تماشے کو دیکھیں اور ان کی حمیت وغیریت سوتی رہے۔

کتابُ اللہ اور سنتِ نبوی میں جہاد کی بے انتہا فضیلت اور حق کی نصرت واعانت کی ترغیب اس لئے دی گئی ہے کہ ملک سے ظلم وزیادتی کا خاتمہ ہوسکے اور اس میں امن وامان اور سکون واطمینان کی فضا پیدا ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا۟ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَٰرَةٍ تُنجِيكُم مِّنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ⑩
تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِۦ وَتُجَٰهِدُونَ فِى سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَٰلِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ ۚ
ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ⑪ (الصف)

اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایسی سوداگری بتاؤں جو تم کو ایک دردناک عذاب سے بچائے؟ وہ یہ کہ تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرو، یہ تمہارے لئے بہت ہی بہتر ہے، اگر تم کچھ سمجھ رکھتے ہو۔

اور اسی امن وامان کے قائم کرنے اور تشدد وظلم کے مٹانے کے لئے فرمایا گیا:

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَٰتِلُونَ فِى سَبِيلِهِۦ صَفًّا كَأَنَّهُم بُنْيَٰنٌ
مَّرْصُوصٌ ④ (الصف)

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو خاص طور پر پسند کرتا ہے جو اس کے راستے میں اس طرح مل کر لڑتے ہیں گویا وہ ایک ایسی عمارت ہے جس میں سیسہ پلا دیا گیا ہے۔

یہ مسلّم ہے، اور اب تجربہ بھی یہی ہے کہ جو انسان اپنے خالق و مالک کا نہیں ہوتا، دُنیا میں وہ کسی کا نہیں ہوتا، بلکہ وہ خودغرض، نفس پرست اور ابن الوقت ہوتا ہے۔ اس میں رحم وکرم کی رمق بھی نہیں ہوتی، مجبوری میں بے بس ہوتا ہے، مگر جوں ہی اسے طاقت ملتی ہے اور

اِقتدار اس کے ہاتھوں میں آتا ہے، انسانوں کا خون بہانے سے دریغ نہیں کرتا، دوسروں کی عزت و آبرو پر ڈاکا ڈالنے میں جری ہوتا ہے، اور قوت پاکر جامۂ اِنسانیت تارتار کرڈالتا ہے۔ اسی پراگندہ نفسانیت کو مٹانے کے لئے اسلام میں حکم ہے کہ ایسے لوگوں کو خودسر نہ چھوڑا جائے بلکہ ان کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جائے کہ وہ انسانی خون سے ہولی نہ کھیل سکیں، اور موقع پاکر اِنسانوں کے ناحق قتل کا ارادہ نہ کریں۔ اور اس کی علامت کہ اب وہ اپنی شرارت اور فتنہ انگیزی سے باز آگئے، جزیہ کی ادائیگی ہے:

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ لَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ لَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾ (التوبة)

اہلِ کتاب جو نہ خدا پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ قیامت کے دن پر، اور ان چیزوں کو حرام نہیں سمجھتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے حرام بتلایا ہے، اور نہ سچے دِین (اسلام) کو قبول کرتے ہیں، ان سے یہاں تک لڑو کہ وہ ماتحت ہوکر، رعیت بن کر جزیہ دینا منظور کرلیں۔

اِقتدارِ مؤمن کی شان

اور وہ لوگ جن کا ایمان خدا پر ہے اور یومِ آخرت پر اِعتقاد رکھتے ہیں، یہ منکروں اور مشرکوں کے بالکل خلاف طبیعت لے کر دُنیا میں آتے ہیں، یہ انسانیت کا احترام کرتے ہیں، دُوسروں کی جان اور عزت و آبرو کو اتنا ہی قیمتی سمجھتے ہیں جس قدر اپنی جان اور عزت و آبرو کو، یہ اِقتدار پاکر خدا کی طرف جھکتے ہیں اکڑتے نہیں۔ ارشادِ الٰہی ہے:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ (الحج: ۴۱)

یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان لوگوں کو دُنیا میں حکومت دے دیں تو یہ لوگ

نماز پڑھیں، زکوۃ دیں اور نیک کاموں کے کرنے کو کہیں اور بُرے کاموں سے منع کریں۔

منشا یہ ہے کہ ایسے لوگ اقتدار پا کر ظلم و تعدی نہیں کرتے، اپنے جیسے انسانوں کو بے دردی سے موت کے گھاٹ نہیں اُتارتے اور نہ اپنی انسانیت کھوتے ہیں، بلکہ قوت پا کر دُنیا میں اللہ تعالیٰ کی حکمرانی کا اعلان کرتے ہیں، اس کی بندگی بجالاتے ہیں، اور اپنی ذلت اور اس کی کبریائی کا عملی مظاہرہ کرتے ہیں، پھر غریبوں، مسکینوں، ناداروں اور بے کس و بے نواؤں کی خبر گیری اپنا فرض سمجھتے ہیں، معروف کی اشاعت اور نسلِ انسان کی خیر خواہی ان کا رات دِن مشغلہ ہوتا ہے، اور اہلِ دُنیا کو فتنہ و فساد و ظلم و جور اور مردم آزاری سے روکتے ہیں، لہٰذا ایسے لوگوں کو جہاد کی اجازت دینے میں زیادتی اور فتنہ و فساد کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔
آپ کو یقین آئے یا نہ آئے، مگر واقعہ یوں ہی ہے کہ انسان کی تخلیق کا منشا اس کے سوا کچھ نہیں کہ زندگی بندگی میں گزاری جائے، جو تمام محاسن و مکارمِ انسانی کی جڑ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ (الذاریات)

میں نے جن اور انسان کو اسی واسطے پیدا کیا تا کہ وہ زندگی کو بندگی میں گزاریں۔

یعنی زندگی کی کوئی حرکت اور زندگی کا کوئی سکون بندگی کی تعریف سے خالی نہ ہو۔

اسلامی جنگ کا مقصد

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی جنگ کا مقصد دراصل دُنیا سے فتنہ و فساد اور جنگ و جدال کا سدِ باب، انسانی برادری اور انسانی نسل کی حفاظت، اور ان تمام لوگوں کی حوصلہ افزائی ہے جن کا اللہ تعالیٰ سے صحیح تعلق ہے، جہاں جہاد کی قرآن نے اجازت دی ہے وہاں اس کی بھی صراحت کی ہے۔

وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ

وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۭ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ (الحج)

اگر اللہ لوگوں کے ایک گروہ (کے شر) کو دوسرے کے ذریعے دفع نہ کرتا رہتا تو خانقاہیں اور کلیسا اور عبادت گاہیں اور مسجدیں جن میں اللہ کا ذکر کثرت کے ساتھ کیا جاتا ہے، سب مسمار کردی جاتیں، اور اللہ ضرور ان لوگوں کی مدد کرے گا جو اس (کے دِین) کی مدد کریں گے، بے شک اللہ بڑی قوت والا بڑے اقتدار والا ہے۔

دیکھیے! اس آیت میں عیسائیوں کے عبادت خانے اور یہودیوں کے معابد سب داخل ہیں، اور اللہ تعالیٰ ان تمام کا نام لے کر یہ بتانا چاہتا ہے کہ ان میں جب باہم جنگ چھڑتی ہے، یا کسی کو کسی پر اِقتدار حاصل ہوتا ہے تو وہ انسانیت کشی کے کس درجے پر پہنچ جاتے ہیں، گویا یہ انتہائی شرم ناک بات ہے کہ ایک قوم عداوت کی اس انتہا پر اُتر آئے کہ دوسری قوم کے معابد بھی اس کے ہاتھوں محفوظ نہ رہ سکیں، اور اِنسان جب اس حد تک شرارت وشیطنت پر آتا ہے تو پھر قدرت اسے گوارا نہیں کرتی۔

آپ ان آیتوں میں غور کرنے کے بعد محسوس کریں گے کہ جہاد کا حکم توازن قائم رکھنے، اپنی عزت وآبرو اور راحت وعافیت حاصل کرنے اور توحید پر جمے رہنے اور اس کی تعلیمات کی بقا کی خاطر دیا گیا ہے، جہاد کا منشا تخریب، انسانوں کی تذلیل اور خواہشاتِ انسانی کی تکمیل نہیں ہے۔ ان آیتوں میں کہیں مذہبی عقائد کے باب میں جبر وتشدد کا شائبہ نہیں پایا جاتا ہے، بلکہ مسلمانوں کی مسجدوں ہی کی صف میں یہود ونصاریٰ، مجوسیوں اور راہبوں کے معابد اور خلوَت خانوں کی عظمت کا بھی تذکرہ ہے۔

اسلام نے جنگ کی اجازت کیوں دی؟

جنگ کے سلسلے کی چند آیتیں اور ملاحظہ فرمائیں تاکہ فیصلے میں آسانی ہو۔ ارشادِ

ربانی ہے:

فَقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ وَ اللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّ اَشَدُّ تَنْكِیْلًا ﴿۸۴﴾ (النساء)

پس آپ اللہ کی راہ میں قتال کیجئے، آپ کو بجز آپ کے ذاتی فعل کے کوئی حکم نہیں، اور مسلمانوں کو ترغیب دیجئے، اللہ تعالیٰ سے اُمید ہے کہ کافروں کے زورِ جنگ کو روک دیں گے، اور اللہ تعالیٰ زورِ جنگ میں زیادہ شدید ہیں اور سخت سزا دیتے ہیں۔

یہاں جہاد کا حکم ہے، مگر اس وقت جبکہ کفار نے زور باندھ رکھا ہو۔ اور واقعہ یہ ہے کہ اہلِ کفر طاقت پا کر چین سے بیٹھنا نہیں جانتے، وہ معمولی چیز کو بہانہ بنا کر خدا پرستوں کا بیج زمین سے اُکھیڑ دینا چاہتے ہیں، اپنے سے کمزوروں کے ساتھ رحم و کرم کافروں کا شیوہ ہے ہی نہیں، یہ شرف اللہ تعالیٰ نے صرف اسلام کو عطا کیا ہے۔ اس سلسلے ایک آیت یہ ہے:

فَاِنْ لَّمْ یَعْتَزِلُوْكُمْ وَ یُلْقُوْۤا اِلَیْكُمُ السَّلَمَ وَیَكُفُّوْۤا اَیْدِیَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَ اقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ؕ وَ اُولٰٓىِٕكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا ﴿۹۱﴾ (النساء)

اگر یہ لوگ مصالحانہ رَوِش پر قائم رہ کر تم سے الگ نہ رہیں اور نہ تمہارے سامنے مصالحت پیش کریں، اور نہ اپنے ہاتھوں کو روکیں (بلکہ تم سے جنگ کریں) تم ان کو پکڑو اور جہاں کہیں ان کو پاؤ قتل کرو، اور ہم نے تم کو ان پر کھلی حجت دی ہے۔

کفر وشرک کا مزاج

اس آیت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ کفر وشرک کی آغوش میں زندگی گزارنے والوں اور ان سے چمٹے رہنے والوں کا مزاج ہی فتنہ پرداز، ظلم آشنا اور پیماں شکن ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کو موقع پر معاف کرنا مخلوقِ خدا پر ظلم کے مرادف ہے:

وَ اِنْ نَّكَثُوْۤا اَیْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَ طَعَنُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ فَقَاتِلُوْۤا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَاۤ اَیْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ یَنْتَهُوْنَ ﴿۱۲﴾ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْۤا

اَیۡمَانَهُمۡ وَهَمُّوۡا بِاِخۡرَاجِ الرَّسُوۡلِ وَ هُمۡ بَدَءُوۡكُمۡ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ اَتَخۡشَوۡنَهُمۡ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنۡ تَخۡشَوۡهُ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ۝ قَاتِلُوۡهُمۡ يُعَذِّبۡهُمُ اللّٰهُ بِاَيۡدِيۡكُمۡ وَيُخۡزِهِمۡ وَيَنۡصُرۡكُمۡ عَلَيۡهِمۡ وَ يَشۡفِ صُدُوۡرَ قَوۡمٍ مُّؤۡمِنِيۡنَ ۝ (التوبۃ)

اور اگر وہ لوگ عہد کرنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں اور تمہارے دِینِ اسلام کو بُرا بھلا کہیں، تو تم لوگ اس قصد سے کہ یہ لوگ باز آ جائیں ان پیشوایانِ کفر سے خوب لڑو، کیونکہ اس صورت میں ان کی قسمیں باقی نہیں رہیں، تم ایسے لوگوں سے کیوں نہیں لڑتے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور رسول کے جلاوطن کر دینے کی تجویز کی اور انہوں نے خود تم سے چھیڑ نکالی، کیا ان سے لڑنے میں ڈرتے ہو، سو اس بات کا اللہ زیادہ مستحق ہیں کہ تم ان سے ڈرو، اگر تم ایمان رکھتے ہو۔ ان سے لڑو، اللہ تعالیٰ ان کو تمہارے ہاتھوں سزا دے گا اور ذلیل و خوار کرے گا، اور تم کو ان پر غالب کرے گا اور بہت سے مسلمانوں کے دِلوں کو ٹھنڈا کرے گا۔

اسی سورۂ توبہ میں ایک دُوسری آیت ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ قَاتِلُوا الۡمُشۡرِكِيۡنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوۡنَكُمۡ كَآفَّةً ؕ (التوبۃ: ۳۶)

ان سب مشرکین سے لڑو، جیسا کہ وہ تم سب سے لڑتے ہیں۔

کیا ان آیتوں میں کفر و شرک کا یہ مزاج صاف نہیں جھلکتا ہے کہ یہ عہد شکن، دوسرے دِین کو بُرا کہنے والے، جنگ و جدال میں پہل کرنے والے، قتل و خون ریزی کے دالدادہ اور مجسم فتنہ و فساد ہیں؟ جن کی نگاہوں میں نہ قسم اور عہد و پیمان کی کوئی قیمت ہے، نہ فضائلِ اخلاق کے لئے کوئی اُصول ہے، طاقت پا کر وہ سب کر گزرتے ہیں، جس سے انسانیت اپنا سر پیٹ لیتی ہے۔

ان حالات میں جب ایک طرف سے یہ ساری چیزیں پائی جائیں، کیا یہ مناسب ہوگا کہ دوسری طرف والے ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جائیں اور فتنہ و فساد کو کچلنے کی جدوجہد نہ

کریں؟ ایک سلیم الطبع انسان اس فیصلے پر مجبور ہوگا کہ جب ایسا وقت آجائے تو مقابلہ کرنا اور ظلم وتعدی کا گلا گھونٹنا صرف ایک قوم کے لئے مفید نہیں، بلکہ پوری کائناتِ انسانی پر احسانِ عظیم ہے۔

نہ لڑنے والے ممالک سے تعلقات کی اجازت

مگر اس کا یہ بھی مطلب نہیں ہے کہ سارے کافر اسی مزاج کے ہوتے ہیں، یقیناً ان کے یہاں بھی کچھ لوگ سمجھ دار، رحم دِل اور دُور اندیش ہوتے ہیں، چنانچہ جو لوگ ایسے ہوں ان سے رواداری اور احسان کا برتاؤ کیا جائے، غیر مسلموں اور غیر مسلم حکومتوں سے تعلقات کے سلسلے میں اسلامی دستور کی حیثیت اس ذیل کی آیت کو حاصل ہے:

لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ لَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ اَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَ ظٰهَرُوْا عَلٰٓي اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ (الممتحنة)

اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے ساتھ احسان اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے نہیں روکتا جو دِین کے معاملے میں تم سے نہیں لڑے، اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا، اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت رکھتے ہیں، صرف ان لوگوں کے ساتھ تم کو دوستی کرنے سے روکتا ہے جو تم سے دِین کے بارے میں لڑے ہوں اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ہو، اور تمہارے نکالنے میں نکالنے والوں کی مدد کی ہو، اور جو ایسوں سے دوستی رکھیں گے وہ ظالم ہوگ ہیں۔

معلوم ہوا کہ کافروں کے جو ممالک یا ان کی جو جماعتیں محارِب ومخالف کی حیثیت نہیں رکھتی ہیں، ان سے تعلقات بہتر رکھے جائیں گے، اور جو ممالک یا جماعتیں محارِب ومخالف ہوں گی، ان میں اسلام اور مسلمانوں کو برداشت کرنے کا جذبہ نہیں ہوگا، ان سے اجتناب اور بوقتِ ضرورت مقابلہ کیا جائے گا۔

اسلام کی بین الاقوامی رواداری

بہر حال! یہ بات بہت واضح ہے کہ اسلام جنگ اس لئے نہیں کرتا کہ وہ کسی کو اس دِینِ حق کے قبول پر مجبور کردے، ہاں! وہ یہ ضرور چاہتا ہے کہ دُنیا سے ظلم وتعدی ختم ہو، عدل ومساوات کی حکومت ہو، اور ہر شخص کو مذہبی آزادی حاصل ہو۔ جولوگ اس کے خلاف کہتے ہیں، وہ اِفترا پردازی کرتے ہیں۔ اسلام میں جو رواداری ہے اس کا صحیح معنوں میں اندازہ لگانا بھی مشکل ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۪ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۫ وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَ لَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ؕ وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۫ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝۵ (المائدة)

آج تمہارے لئے پاکیزہ چیزیں حلال کی گئی ہیں، اور جولوگ کتاب دیئے گئے ہیں ان کا ذبیحہ تمہارے لئے حلال ہے، اور تمہارا ذبیحہ اُن کو حلال ہے، نیز مؤمنوں میں سے پاکدامن عورتیں بھی اور اُن لوگوں میں سے پاکدامن عورتیں بھی تمہارے لئے حلال ہیں جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی، جبکہ تم اُن کو اُن کا معاوضہ دے دو اس طور پر کہ تم بیوی بناؤ، نہ تو اعلانیہ بدکاری کرو اور نہ خفیہ آشنائی کرو، اور جو شخص ایمان کے ساتھ کفر کرے گا تو اس شخص کا عمل غارت ہوجائے گا، اور آخرت میں اس کا شمار خسارہ اُٹھانے والوں میں ہوگا۔

سورۂ مائدہ کی اس آیت میں جس کشادہ دِلی کا اعلان ہے اور غیروں سے تعلقات اُستوار رکھنے کی جو تعلیم ہے اس پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے، پھر اندازہ ہوگا کہ اسلام کیسا ہمہ گیر اور دوست دُشمن کا کتنا خیر خواہ ہے، اور امن وامان اور سکونِ قلب کے لئے کس قدر ساعی ہے! اہلِ کتاب کے ذبیحے کی حلت اور ان کی عورتوں سے شادی کی اجازت، دوسری

قوموں سے تعلقات کی اُستواری ہے، نہ یہ کہ ان سے کٹ جانا ہے، پھر اِسلام میں چھوت چھات کے لئے کوئی جگہ نہیں، بلکہ اس کے قانون میں عیسائی، یہودی، ہندو، سکھ، پارسی اور دوسرے سارے انسانوں کا جھوٹا پاک ہے۔

مذہبی آزادی اسلام میں

اسلام سے پہلے دِین کے باب میں قطعاً آزادی نہیں تھی، اور یہی وجہ ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ سے متأثر ہو کر جب کچھ لوگوں نے اسلام قبول کرنا شروع کیا تو کفارِ قریش نے نہ آپ کو بخشا، اور نہ ان لوگوں کو جو آپ پر اِیمان لائے اور خدا کے دِین میں داخل ہوئے، بلکہ وحشت و بربریت کے سارے انسانیت سوز ہتھیار ان پر بے دریغ استعمال کئے۔

پھر تاریخ کی شہادت ہے کہ اسلام کی آمد سے پہلے اس سلسلے میں لوگوں کو بڑی اذیتیں دی جاتی تھیں اور بُری طرح ستا کر ان کو موت کے گھاٹ اُتارا جاتا تھا۔ علامہ فرید وجدی لکھتے ہیں:

> مذہب کے قبول کرنے پر مجبور کرنے میں بے رحمی اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ جو لوگ انکار کرتے تھے وہ بھڑکتی ہوئی آگ کے حوالے کئے جاتے، پھاڑنے والے حیوانات کے آگے ڈالے جاتے تھے، یا ان کی دونوں ٹانگیں دو گھوڑوں کے پاؤں میں باندھ کر ان کو مختلف سمتوں میں چھوڑ دیتے تھے، تانبہ پگھلا کر ان پر ڈالتے تھے، یا ان کو مدہم آگ پر کئی کئی روز تک لٹکائے رکھتے تھے، اور ان کے شور و فریاد اور آہ و فغاں کی بالکل پروا نہیں کرتے تھے، ان کا گوشت کٹ کٹ کر گرتا جاتا، اور چربی پگھل کر بہتی جاتی۔ (۱)

قرآنِ کریم نے بھی اس طرف سورۂ بروج میں اشارہ کیا ہے:

(۱) المدنیة والاسلام ص ۱۴۳

قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ۝ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ۝ (البروج)

مارے گئے اور غارت ہوئے خندق والے یعنی ایندھن والی آگ والے۔

مفسرین نے اس آیت کے سلسلے میں ہم سے پہلے کے مظالم کا تذکرہ کیا ہے جو حق پرستوں پر کئے جاتے تھے، ان واقعات کی تفصیل رُوح المعانی، تفسیر فتح القدیر اور دُوسری کتبِ تفسیر وحدیث میں پڑھی جاسکتی ہے۔

مذہبی آزادی

مگر اِسلام جو سارے عالم کے لئے پیامِ رحمت بن کر آیا اور جس نے تمام شعبہ جاتِ زندگی کی اصلاح کی، اس نے مذہب کے باب میں بھی اسی وسعتِ ظرف اور بلند حوصلگی کا سبق دیا جو اِنسانیت کا تقاضا ہے، اس نے انسانوں کی انسانیت کو سنوارا، اور انہیں ان کا گمشدہ جوہر فراخ دِلی کے ساتھ عطا کیا، جیسا کہ اس سے پہلے باب میں آپ نے پڑھا۔

دُنیا جانتی ہے کہ دِین کے سلسلے میں اسلام کسی پر کوئی زبردستی نہیں کرتا اور نہ کسی کو مخصوص دِین وملت کے قبول کرنے پر مجبور کرتا ہے، بلکہ یہاں دِین کے باب میں پوری آزادی ہے اور آزادانہ فیصلے کا اختیار، اس کا اعلان ہے:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۣ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ (البقرة: ۲۵۶)

دِین میں کسی طرح کی زبردستی نہیں، ہدایت یقیناً گمراہی سے ممتاز ہوچکی ہے۔

جس دِین کی حقانیت آفتاب سے زیادہ روشن ہو، اس میں زبردستی کا سوال پیدا بھی نہیں ہوتا، اس وقت اور بھی جب کہ دِین کا تعلق قلب کی تصدیق سے ہو۔ اسلام اپنے اُسلوبِ خاص میں تبلیغ وترغیب کا فریضہ تو بے شک انجام دیتا ہے، مگر دباؤ کا وہاں نام ونشان تک نہیں ہے۔ حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) اپنی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

يَقُوْلُ تَعَالَى: لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ اَيْ لَا تُكْرِهُوا اَحَدًا عَلَى الدُّخُولِ فِي دِيْنِ الْاِسْلَامِ، فَاِنَّهُ بَيِّنٌ وَاضِحٌ، جَلِيٌّ دَلَائِلُهُ وَبَرَاهِيْنُهُ، لَا يَحْتَاجُ

اِلٰی اَنْ یُکْرِہَ اَحَدٌ عَلَی الدُّخُولِ فِیہِ۔ (۱)

ارشادِ خداوندی ہے کہ دِین میں زبردستی کا کوئی موقع نہیں ہے، یعنی دِینِ اسلام میں داخل ہونے کے لئے کسی کو مجبور نہ کرو، اس لئے کہ وہ خود ممتاز ہے اور اس کے دلائل و براہین روشن ہیں، اس کی ضرورت نہیں کہ کسی کو مسلمان ہونے کے لئے مجبور کیا جائے۔

دِین میں جبر و اِکراہ کی ممانعت

انہوں نے علامہ ابنِ جریر رحمہ اللہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ بنوسالم بن عوف کے کوئی انصاری بزرگ جو خود مسلمان تھے، مگر ان کے دولڑکے نصرانی تھے، خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ کیا مجھے یہ حق ہے کہ میں اپنے دونوں صاحبزادوں کو اِسلام قبول کرنے کے لئے مجبور کروں؟ اس سلسلے میں یہ آیت نازل ہوئی کہ دِین میں کوئی جبر نہیں ہے۔

جہاد کے موقع پر جزیہ قبول کر لینے کے بعد کافروں سے قتال کا حکم نہیں ہے، یہ خود دلیل ہے کہ اسلام برتری تو ضرور چاہتا ہے کہ دُنیا کی اصلاح کا فریضہ حسن وخوبی کے ساتھ انجام پذیر ہو سکے، مگر وہ اسلام قبول کرنے پر کسی کو مجبور نہیں کرتا۔ رہا جزیے کا مسئلہ سو یہ اِکراہ نہیں ہے۔ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ نے دُرست لکھا ہے:

> اور جہاد میں صورتِ دِین پر بھی اِکراہ کا شبہ نہ کیا جائے، کیونکہ مشروعیتِ جزیہ دلیلِ صریح ہے کہ مقصود جہاد سے اسلام کا غالب رہنا ہے، خواہ مخالف کے اسلام سے ہو یا صرف رعیت بننے سے ہو۔ اور اس نفیٔ اِکراہ سے نہی عن الاکراہ بھی لازم آگئی۔ اس لئے بعض نے نہی کے ساتھ تفسیر کی ہے، یعنی دِین میں اِکراہ مت کرو، خوب سمجھ لو۔ (۲)

---

(۱) تفسیر ابن کثیر : سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۲۵۶ کے تحت، ج۱ ص ۵۲۱

(۲) بیان القرآن: سورہ بقرہ آیت نمبر ۲۵۶ کے تحت، ج۱ ص ۱۷۵

ایمان اِکراہ کے ساتھ ممکن نہیں

اس آیت کے سلسلے میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ نے جو کچھ لکھا ہے، وہ سب سے زیادہ واضح ہے، لکھتے ہیں:

لا يتصور الإكراه في ان يؤمن احد إذ الإكراه الزام الغير فعلا لا يرضى به الفاعل وذا لا يتصور إلا في افعال الجوارح واما الإيمان فهو عقد القلب وانقياده لا يوجد بالإكراه او المعنى لا تكرهوا في الدين فهو اخبار بمعنى النهي ووجه المنع أما ما ذكرنا انه لا يوجد الإيمان بالإكراه فلا فائدة فيه.(۱)

کسی کے ایمان قبول کرنے کے باب میں مجبور کرنے کا تصور بھی نہیں ہوسکتا ہے، کیونکہ مجبور کرنے کا مطلب ہے کسی کے سر ایسا کام چپکا دینا جس کو وہ پسند نہیں کرتا ہے، لہٰذا یہ چیز افعالِ جوارح میں تو پائی جا سکتی ہے، باقی ایمان جو تصدیقِ قلبی اور انقیادِ محض کا نام ہے، دباؤ کے ساتھ نہیں پایا جا سکتا ہے۔ یا اخبار نہی کے معنی میں ہے اور معنی یہ ہیں کہ دِین قبول کرنے پر مجبور نہ کرو، اور جبر واِکراہ سے روکنے کی وجہ وہی ہے جس کا ہم نے ذکر کیا کہ اِکراہ وجبر کے ساتھ ایمان کا وجود نہیں ہوسکتا ہے، پھر اس کا کیا فائدہ؟

جہاد کا بنیادی مقصد

جن مفسرین اور علماء نے کہا ہے کہ آیت ''لَآ اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ'' (البقرۃ:۲۵۶) آیاتِ قتال سے منسوخ ہے، ان کے جواب میں قاضی ثناء اللہ رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

قلت: لا يتصور النسخ إلا بعد التعارض ولا تعارض فإن الأمر بالقتال والجهاد ليس لأجل الإكراه على الدين بل لدفع الفساد

(۱) التفسير المظهري : سورة البقرة آیت نمبر ۲۵۶ کے تحت، ج ا ص ۳۶۲

من الأرض فإن الكفار يفسدون في الأرض ويصدون عباد الله عن الهدى والعبادة ...ومن ثم جعل الله تعالىٰ غاية قتلهم إعطاء الجزية حيث قال: حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾ ولأجل هذا نهى النبى صلى الله عليه وسلم عن قتل الولدان والنساء والمشائخ والرهبان والعميان والزمنا الذين لا يتصور منهم الفساد في الأرض.(۱)

منسوخ ہونے کی بات تصور میں نہیں آتی ہے، اس لئے کہ نسخ کا حکم اس وقت کیا جاتا ہے جب تعارض ہو، اور یہاں سرے سے کوئی تعارض نہیں ہے، اس لئے کہ قتال و جہاد کا حکم زبردستی دِین قبول کرنے کے لئے نہیں ہے، بلکہ اس کا مقصد زمین سے فتنہ وفساد کا ناپید کر دینا ہے، کیونکہ کفار زمین میں فتنہ وفساد پھیلاتے ہیں اور اللہ کے بندوں کو ہدایت اور عبادتِ الٰہی سے روکتے ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کفار کے قتل کی غایت اِعطائے جزیہ بیان کی ہے، جیسا کہ فرمایا ''حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾'' (التوبة) اور یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے قتل سے روکا ہے جن سے فتنہ وفساد کا اندیشہ نہیں، جیسے بچے، عورتیں، مشائخ، دُنیا سے الگ تھلگ رہنے والے، اندھے اور اپاہج۔

حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ نے جس مدلل انداز میں روشنی ڈالی ہے، اس کو سمجھ لینے کے بعد مسئلے میں کوئی اِشکال باقی نہیں رہ جاتا، اور جو لوگ اسلامی جہاد سے یہ اِستدلال کرتے ہیں کہ مذہب کے نام پر اسلام میں تلوار اُٹھانے کی ترغیب ہے، یا اسلام بزورِ شمشیر پھیلا، سرے سے غلط ہے، اسلام امن وسلامتی کا نام ہے اور اسی کے لئے جہاد کا حکم دیتا ہے تاکہ دُنیا امن وامان کا گہوارہ بن سکے۔

---

(۱) التفسیر المظهری: سورة البقرة آیت نمبر ۲۵۶ کے تحت، ج۱ ص ۳۶۲

منشا یہ ہے کہ اگر کوئی مسئلۂ جہاد سے شبہ میں مبتلا ہے تو اس کا یہ شبہ قطعاً غلط ہے۔ اسلام کسی حال میں بھی اجازت نہیں دیتا کہ کوئی وطن، نسل، مذہب کے نام پر اِنسانوں کا ناحق خون بہائے، اور دُنیا میں برہمی اور اِنتشار پیدا کرنے کی ناروا سعی کرے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْغَزْوُ غَزْوَانِ: فَاَمَّا مَنِ ابْتَغَى وَجْهَ اللّٰهِ، وَاَطَاعَ الْاِمَامَ، وَاَنْفَقَ الْكَرِيمَةَ، وَيَاسَرَ الشَّرِيكَ، وَاجْتَنَبَ الْفَسَادَ، فَاِنَّ نَوْمَهُ وَنُبْهَهُ اَجْرٌ كُلُّهُ، وَاَمَّا مَنْ غَزَا فَخْرًا وَرِيَاءً وَسُمْعَةً، وَعَصَى الْاِمَامَ، وَاَفْسَدَ فِي الْاَرْضِ، فَاِنَّهُ لَمْ يَرْجِعْ بِالْكَفَافِ۔ (۱)

جنگ دو طرح کی ہوتی ہے، لہٰذا جس نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی چاہی، اپنے اِمام کی پیروی کی، اپنا قیمتی سرمایہ خرچ کیا اور رُفقاء کے ساتھ رِفق و ملاطفت سے پیش آیا، اور فتنہ وفساد سے بچا تو بے شک اُس کا سونا اور جاگنا سب کارِ ثواب میں داخل ہے، اور جس نے بڑائی، دِکھاوا اور شہرت کی خاطر جنگ کی اور اِمام کی نافرمانی کی، اور زمین پر فساد برپا کیا، وہ ثواب سے محروم رہا۔

دُوسری حدیث میں اور زیادہ وضاحت ہے کہ اگر جہاد میں طلبِ دُنیا کی نیت سے شریک ہوگا تو وہ جہاد کے ثواب سے محروم رہے گا، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

اَنَّ رَجُلًا قَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! رَجُلٌ يُرِيدُ الْجِهَادَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، وَهُوَ يَبْتَغِي عَرَضًا مِنْ عَرَضِ الدُّنْيَا، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا اَجْرَ لَهُ۔ (۲)

ایک شخص نے خدمتِ نبوی میں حاضر ہو کر عرض کی: یارسول اللہ! ایک شخص اللہ

(۱) سنن ابی داود: کتاب الجهاد، باب فی من یغزو ویلتمس الدنیا، ج۳ ص۱۳، رقم الحدیث: ۲۵۱۵

(۲) سنن ابی داود: کتاب الجهاد، باب فی من یغزو ویلتمس الدنیا، ج۳ ص۱۴، رقم الحدیث: ۲۵۱۶

کے راستے میں جہاد کے ارادے سے نکلا، اور اس نے اس کے ذریعے طلبِ دُنیا کی خواہش کی، اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا: اس کے لئے کوئی ثواب نہیں ہے۔

یہ بات جب عام صحابہ کو معلوم ہوئی تو انہوں نے اس سے کہا: تم دوبارہ دریافت کرو، ہوسکتا ہے کہ تمہارا سوال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے طور پر نہ سمجھا ہو۔ چنانچہ وہ مسلسل لوگوں کے تقاضے سے تین بار خدمتِ نبوی میں حاضر ہوا، اور ہر مرتبہ اپنے سوال کو دُہرایا، مگر آپ نے ہر مرتبہ وہی جواب دیا کہ ''لَا اَجْرَ لَہٗ'' (اس کے لئے کوئی ثواب نہیں ہے)

اِعلائے کلمۃ اللہ

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک اَعرابی نے خدمتِ نبوی میں حاضر ہوکر پوچھا:

(۱) ایک شخص نام و نمود کے لئے جنگ میں شریک ہوتا ہے۔

(۲) ایک شخص اپنی مدح و ستائش کی اُمید پر لڑائی میں حصہ لیتا ہے۔

(۳) ایک شخص اپنی بہادری ظاہری کرنے کے لئے تلوار سے کھیلتا ہے، اور جنگ میں دادِ شجاعت حاصل کرتا ہے۔

(۴) ایک شخص صرف مالِ غنیمت حاصل کرنے کے لئے لڑتا ہے۔

ارشاد فرمایا جائے کہ ان میں سے کس کو جہاد فی سبیل اللہ کا ثواب ملے گا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان میں سے کسی کو بھی جہاد کا ثواب نہ ملے گا، جہاد کا ثواب صرف اس شخص کو ملتا ہے:

مَنْ قَاتَلَ حَتّٰی تَكُونَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ اَعْلٰی، فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ۔ (۱)

---

(۱) سنن ابی داود: كتاب الجهاد، باب من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا، ج۳ ص۱۴، رقم الحديث:۲۵۱۷

جو صرف اس نیت سے جنگ کرے کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو، بس یہی مجاہد فی سبیل اللہ ہے۔

تاریخی حقائق سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پوری زندگی شہادت پیش کرتی ہے کہ جہاد سے ان کا مقصد صرف اِعلائے کلمۃ اللہ اور دُنیا میں امن وامان اور لوگوں میں سکون واطمینان پیدا کرنا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ (سپہ سالار) کے نام دربارِ خلافت سے فرمان پہنچا کہ کسریٰ کے دربار میں چند زیرک اور فہیم مسلمانوں کو بحیثیت سفیر روانہ کرو، اور اِسلامی قاعدوں کے مطابق شرائط صلح پیش کرو۔ چنانچہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ایک وفد کسریٰ کی خدمت میں بھیج دیا، جس وقت یہ اسلامی وفد شہنشاہِ ایران کے دربار میں بے باکانہ حاضر ہوا، سارے درباری دنگ تھے، خود بادشاہ بھی ان کی جرأت پر حیران تھا، اس موقع پر رئیسِ وفد نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ نے اسلام پر ایک تقریر کی، اور پھر اپنی آمد کا مقصد ان لفظوں میں ظاہر کیا:

> اے عمایدِ ایران! ہم تمہیں اس مقدس دِین کی طرف بلاتے ہیں، اگر تم یہ بلاوا قبول کرتے ہو تو کیا کہنے! ہمیں تم سے تعرض کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، ہم کتابُ اللہ تمہارے حوالے کردیں گے وہی تمہاری رہنما ہوگی، اور اس کے اَحکام کے پیروی تمہارا فرض ہوگا، لیکن اگر تمہیں اس دعوت کے قبول کرنے سے انکار ہے تو پھر تمہیں جزیہ ادا کرکے اسلام کے اِقتدار کو قبول کرنا ہوگا، اور وعدہ کرنا ہوگا کہ تمہاری سلطنت میں ظلم نہ ہوگا اور بدکاری سر نہ اُٹھائے گی، اور تمہیں یہ بھی منظور نہیں تو پھر تلوار تمہارے درمیان فیصلہ کرے گی۔ (۱)

معلوم ہوا کہ جہاد کا مقصد ظلم وتعدی کا خاتمہ اور بدکاری ومردم آزاری کو نیست ونابود

---

(۱) البداية والنهاية: سنة اربع عشرة من الهجرة، ج ۷ ص ۴۸، ۴۹، تاریخ ملت: خلافتِ عمر فاروق رضی اللہ عنہ، ج ۱ ص ۱۳۹

کرنا ہے، کسی مذہب ودھرم پر حملہ کرنا جہاد کا منشا نہیں ہے، ورنہ بیچ کی راہ ''جزیہ کی صورت'' شرعی شرائط میں داخل نہیں ہوتی۔ آدمی ظاہری نظام کو قوت سے بدل سکتا ہے، مگر قلب کی دُنیا دباؤ سے بدلا نہیں کرتی۔

ایک جلیل القدر صحابی کا بیان

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے جن لفظوں میں جہاد کا منشا بیان کیا ہے، وہ بھی پڑھنے کے لائق ہے۔ یہ تقریر حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے مقوقس کے سامنے اس وقت کی تھی جب آپ اس کی طلب پر ایک وفد کے ساتھ قائدانہ حیثیت سے تشریف لے گئے تھے۔ آپ نے فرمایا:

> دُشمنانِ دِین سے ہماری لڑائی دُنیاوی جاہ و مال کی غرض سے نہیں، بلکہ محض إعلائے کلمۃ الحق کے لئے ہے، اللہ تعالیٰ نے ہمارے اُوپر جہاد فرض کیا ہے، ہمارے پاس خواہ سیم وزر کے ڈھیر ہوں، خواہ ایک درہم بھی نہ ہو، ہمیں اس کی مطلق پروا نہیں ہوتی، اس لئے کہ ہمارے لئے روٹی کا ایک ٹکڑا جو بھوک کو روکے اور ایک کپڑا جس سے ستر پوشی ہو سکے کافی ہے، جو اس سے فاضل ہوتا ہے اس کو اللہ کی راہ میں صَرف کردیتے ہیں، ہم دُنیاوی آسائش کے دلدادہ نہیں ہیں، نعمت وراحت کی جگہ تو آخرت ہے، ہمارے اللہ اور رسول نے ہم کو یہی بتلایا ہے، اور اس بات کا عہد لیا ہے کہ ہم اپنی تمام تر توجہ رضائے الٰہی اور اس کے دُشمنوں کے ساتھ جہاد کرنے کی طرف رکھیں، اور دُنیا کی نعمتوں میں صرف ضروری کھانے اور کپڑے پر کفایت کریں۔ (۱)

یہ ایک جلیل القدر صحابی کی تقریر ہے، اس سے بھی آسانی کے ساتھ اندازہ لگا سکتے ہیں

---

(۱) النجوم الزاهرة فی ملوك مصر و القاهرة : مقدمة، ج۱ ص۱۳/ حسن المحاضرة فی تاریخ مصر والقاهرة: ذكر فتح مصر فی خلافة عمر بن الخطاب، ج۱ ص۱۱۲

کہ جہاد سے اسلام کا منشا کیا ہے؟ اور اسلام کا ایک ایک سپاہی کس عقیدے کے ساتھ لڑتا تھا؟ یہاں بھی مسلمانوں کی طرف سے وہی تین صورتیں پیش کی گئیں جو ہر جگہ پیش کی جاتی تھیں، یعنی یا تو اِسلام قبول کرلو، یا پھر جزیہ دے کر اِسلام کی برتری منظور کرلو، اور ظلم وستم بند کردو، اور پھر آخری شکل جنگ ہے۔

جنگِ قادسیہ کے موقع پر رُستم کے سوال کا جواب دیتے ہوئے حضرت زہرہ بن الحویہ رضی اللہ عنہ نے جہاد کی وضاحت کی اور فرمایا:

إنا لم نأتكم لطلب الدنيا، إنما طلبتنا وهمتنا الآخرة.(۱)

ہم تمہارے پاس طلبِ دُنیا کی غرض سے حاضر نہیں ہوئے ہیں، ہمارا مطالبہ اور مقصد آخرت ہے۔

دِینِ اسلام کے فضائل جب رُستم نے ان کی زبان سے سنے، تو اس نے دریافت کیا کہ وہ کیا ہے؟ آپ نے ایمان کی بنیادی حقیقت پر روشنی ڈالی، یہ سن کر رُستم نے پھر پوچھا: اس کے علاوہ اور کیا مقصد ہے؟ آپ نے کہا:

وَإِخْرَاجُ الْعِبَادِ مِنْ عِبَادَةِ الْعِبَادِ إِلَى عِبَادَةِ اللَّهِ، وَالنَّاسُ بَنُو آدَمَ وَحَوَّاءَ إِخْوَةٌ لِأَبٍ وَأُمٍّ.(۲)

ہمارا مقصد خدا کے بندوں کو اِنسانوں کی بندگی سے نکال کر خدا کی عبادت پر لگا دینا ہے، اس لئے کہ سارے سارے کے انسان آدم وحوا کی اولاد ہیں، اور ایک ماں باپ ہونے کی حیثیت سے وہ سب بھائی بھائی ہیں۔

رُستم آپ کا یہ جواب سن کر جھوم اُٹھا، اور بے ساختہ اس کی زبان سے کلماتِ داد وتحسین نکل پڑے۔

---

(۱) تاریخ الطبری: سنة اربع عشرة، ذكر ابتداء امر القادسية، ج۳ ص۵۱۷

(۲) الكامل فى التاريخ: سنة أربع عشرة، ذكر ابتداء أمر القادسية، ج۲ ص۲۹۷

ہمارے علماء نے جہاں جہاد کی بحث کی ہے، وہاں بڑی صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ جہاد کا مقصد رُوئے زمین سے فتنہ وفساد اور ظلم و جور کا خاتمہ، بے کسوں اور مجبوروں کی دستگیری اور بندگانِ خدا کو اُمن وسلامتی کی نعمت سے ہمکنار کرنا ہے۔ جہاد کا منشا یہ نہیں ہے کہ آبادیاں برباد کی جائیں، قومیں غلام بنائی جائیں، زمین وجائیداد پر قبضہ کیا جائے، اور مملکت کے طول وعرض میں اضافہ ہو، کیونکہ یہ چیزیں قانونِ اسلام میں قابلِ نفرین اور لائقِ مذمت ہیں۔

اسلامی حکومت میں غیر مسلم

یہی وجہ ہے کہ اسلامی حکومت میں ان غیر مسلموں کا جنہوں نے حکومت کی وفاداری کا اِقرار کیا ہے، احترام اتنا ہی ہے جتنا ایک مسلمان کا، حکومت کا فریضہ ہے کہ وہ ان کی جان، عزت وآبرو اور مال کی حفاظت کرے، اس بارے میں قانون سب کے لئے ایک ہے، جس کی تفصیل اپنے اپنے موقع پر آئے گی۔

اسی طرح اسلام میں معاہدے کا بڑا احترام ہے، کوئی حربی کافر امن لے کر اِسلامی حکومت میں داخل ہوتو حکومت اور تمام مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ اس پر کسی کو ہاتھ اُٹھانے نہ دے۔

غیر مذاہب کی رعایت جس قدر کی جاسکتی تھی، اسلام نے کی ہے، وہ یہ بھی برداشت نہیں کرتا کہ غیر مذاہب کو بُرا بھلا کہا جائے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وَ لَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ (الأنعام:۱۰۸)

مسلمانو! تم اس کو بُرا مت کہو جن کی یہ مشرک خدا کے سوا عبادت کرتے ہیں، ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ مشرک حد سے تجاوز کر کے اپنی جہالت سے خدا کی شان میں گستاخی کرنے لگیں۔

پھر آگے یہ بھی بتایا گیا ہے کہ مشرکین اپنے مذہب پر مضبوط کیوں رہتے ہیں؟

كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۪ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ (الانعام)

اسی طرح ہم نے ہر فرقے کے اعمال ان کی نگاہ میں خوشنما کر دیئے ہیں، پھر ان سب کو اپنے رَبّ کی طرف واپس جانا ہے، اس وقت ان کو ان کے اعمال کی حقیقت سے آگاہ کرے گا۔

ایک مسلمان کا یہ فرض تو یقیناً ہے کہ وہ دِینِ حق کی دعوت غیروں تک پہنچا دے، مگر مجبور کرنے کی اس کو قطعاً اجازت نہیں ہے۔ کیونکہ ارشادِ ربانی ہے:

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ؕ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۹﴾ (یونس)

اگر آپ کا رَبّ چاہتا تو جتنے لوگ زمین میں ہیں، سب کے سب ایمان لے آتے، کیا آپ لوگوں کو اس بات پر مجبور کریں گے کہ وہ مسلمان ہو جائیں؟

ماحصل یہ ہے کہ دِین کے باب میں جبر وتشدد کی اجازت نہیں ہے، ان کا ایمان لانا، نہ لانا، اپنے اختیار کے صحیح وغلط استعمال پر موقوف ہے، اگر کوئی ایمان لا کر اپنی آخرت بہتر بنانے کا ارادہ نہیں کرتا تو وہ اپنا نقصان خود کر رہا ہے، آپ کا کام حق کی تبلیغ ہے۔

فَذَكِّرْ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ﴿۲۱﴾ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ﴿۲۲﴾ (الغاشیۃ)

آپ تو بس نصیحت کر دیا کیجئے! آپ صرف نصیحت کرنے والے ہیں، ان پر آپ مسلط نہیں ہیں۔

پھر اگر اس زبردستی ہی سے کام لینا ہوتا جس کا تذکرہ یورپ کے مصنّفین کرتے ہیں، تو مسلمانوں کو ایسے مواقع بہت ملے ہیں کہ اگر ان کا مذہب اس قتلِ عام کو گناہِ عظیم قرار نہ دیتا تو شاید بہت سے ملکوں کے بڑے حصے کافروں سے پاک ہوتے۔

تبلیغِ دِینِ اسلام میں ایک ضروری فریضہ ہے، مگر کس انداز میں؟ قرآنِ مقدس میں صراحت ہے:

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ (النحل)

(اے رسول!) آپ اپنے رَبّ کی راہ کی طرف حکمت کی باتوں اور عمدہ نصیحتوں کے ذریعے بلایئے اوران سے اچھے طریقے سے بحث کیجئے۔

ایک دُوسری جگہ ارشاد ہے:

وَ اِنَّ الَّذِیْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِیْبٍ ﴿۱۴﴾ فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَ اسْتَقِمْ كَمَاۤ اُمِرْتَ ۚ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَ قُلْ اٰمَنْتُ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَ اُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَ رَبُّكُمْ ؕ لَنَاۤ اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ؕ لَا حُجَّةَ بَیْنَنَا وَ بَیْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ یَجْمَعُ بَیْنَنَا ۚ وَ اِلَیْهِ الْمَصِیْرُ ﴿۱۵﴾ (الشوریٰ)

اور جن لوگوں کو اس کے بعد کتاب دی گئی ہے، وہ اس کی وجہ سے ایسے شک میں پڑے ہیں کہ اس نے تردّد میں ڈال رکھا ہے، سو آپ اسی کی طرف بلائیں، اور جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے اس پر مضبوطی سے قائم رہئے، اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے، اور آپ کہہ دیجئے کہ اللہ نے جتنی کتابیں نازل کی ہیں سب پر ایمان لاتا ہوں، اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں، اللہ ہمارا بھی رَبّ ہے اور تمہارا بھی، ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لئے، ہماری تمہاری کچھ بحث نہیں، اللہ ہم سب کو جمع کرے گا اور اسی کے پاس جانا ہے۔

کاش! کہ متعصب اہلِ علم اس سارے پہلو کو سامنے رکھ کر گفتگو کرتے تو پھر ان کے لئے صحیح نتیجے تک پہنچ جانا بہت سہل ہوتا، اور خلجان باقی نہیں رہتا۔ سوچئے تو سہی! کہ اگر دِین کے باب میں، قانونِ اسلام کے اندر کہیں سے زور زبردستی کی اجازت ہوتی، تو تبلیغِ دین میں اس حکمت وموعظت، بحث وہ مباحثہ اور عدل وانصاف کی کیا ضرورت تھی؟ اور اس

کے کہنے کا کیا موقع کہ اللہ تعالیٰ ہمارا بھی مالک ہے اور تمہارا بھی، ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے واسطے، ہماری تمہاری کوئی بحث نہیں، ہاں وہاں پہنچ کر معلوم ہوگا کہ کون حق پر تھا اور کون ناحق پر۔

غیر مسلم اسلام کی نظر میں

اُوپر ہم اشارہ کر چکے ہیں کہ اسلام کا قانونِ امن وسلامتی ساری انسانی کائنات کی حفاظت کا ضامن ہے، اس قانون کی نظر میں مسلم اور غیر مسلم میں کوئی فرق نہیں۔ جس طرح دارُالاسلام میں ایک مسلمان عزت وآبرو اور اطمینان وسکون کی زندگی کا مستحق ہے، اتنا ہی اِستحقاق ایک غیر مسلم کے لئے بھی ہے۔ اَحکامِ الٰہی کا پابند مسلمان اس غیر مسلم کی آزادی اور اس کے امن وامان میں کوئی خلل نہیں ڈال سکتا۔

اسلامی حکومت کا فریضہ

اسلامی حکومت کا فریضہ ہے کہ جو غیر مسلم ان کے ملک میں بستے ہیں اور حکومت نے ان کی ذمہ داری قبول کر لی ہے، ان کی جان ومال، عزت وآبرو اور مذہبی آزادی پر حرف نہ آنے دے، اور جس طرح بھی ممکن ہو اسب سے پہلے ان کی خبر گیری کر کے اپنی ذمہ داری کو پورا کرے، اس لئے کہ یہ معاہد ہیں، گو ان کا مذہب حکومت کے مذہب کے خلاف ہے، ایسا کبھی نہ ہو کہ مذہب کا اختلاف ظلم وجور کا ذریعہ بن جائے، اور خدا کے یہ بندے اسلام کے انصاف ومساوات سے محروم رہ جائیں۔

اسلامی حکومت کا نظریہ

اسلامی حکومت ان تمام لوگوں کو جو ان کی مشینوں کے پرزے بنے ہوئے ہیں ذہن نشین کرتی ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ اس رُوئے زمین پر اپنے تمام بندوں کو خواہ اس کا مذہب ودِین کچھ بھی ہو، رزق عطا کرتے ہیں، آرام وعافیت کے سامان میں مساوات

برتتے ہیں، اسی طرح جو حکومت اللہ تعالیٰ کے قوانین پر عمل پیرا ہے، اس کا بھی فریضہ ہے کہ ان بنیادی معاملات میں کسی کے ساتھ کوئی امتیازی سلوک روا نہ رکھے، اور مسلم و غیر مسلم کے ساتھ یکساں معاملہ کرے، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ قَتَلَ مُعَاهَدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ، وَإِنَّ رِيحَهَا تُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ أَرْبَعِينَ عَامًا.(۱)

جو شخص اس غیر مسلم کو قتل کرے گا جس سے معاہدہ ہو چکا ہے، وہ جنت کی بو سے بھی محروم رہے گا، اور بلاشبہ اس کی خوشبو چالیس سال کی مسافت تک پہنچتی ہے۔

غیر مسلم کا درجہ اسلامی حکومت میں

سوچنے کی بات یہ ہے کہ حکومت نے ان کی ذمہ داری قبول کر لی اور انہوں نے وفاداری کا اقرار کیا، پھر کسی کو کیا حق پہنچتا ہے کہ ذمی کے کسی ایک بچے کو بھی بلاوجہ ستائے؟ اس وقت اور بھی جبکہ ان لوگوں نے جزیہ کی رقم دے کر اپنی حفاظت کا بار حکومتِ وقت پر ڈال دیا ہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

إِنَّمَا بَذَلُوا الْجِزْيَةَ لِتَكُونَ دِمَاؤُهُمْ كَدِمَائِنَا، وَأَمْوَالُهُمْ كَأَمْوَالِنَا.(۲)

ان غیر مسلموں نے جزیہ اسی لئے ادا کیا ہے کہ ان کا خون ہمارے خون کے برابر اور ان کا مال ہمارے مال کے درجے میں آجائے۔

''سنن دار قطنی'' میں ان الفاظ کے ساتھ یہ روایت نقل کی گئی ہے:

مَنْ كَانَتْ لَهُ ذِمَّتُنَا فَدَمُهُ كَدَمِنَا.(۳)

---

(۱) صحیح البخاری : کتاب الجزیہ، باب إثم من قتل معاهدا بغیر جرم، ج۴ ص۹۹، رقم الحدیث: ۳۱۶۶

(۲) نصب الرایة، کتاب السیر، باب کیفیة القتال، ج۳ ص۳۸۱

(۳) سنن الدارقطنی: کتاب الحدود والدیات، ج۴ ص۱۷۹، رقم الحدیث: ۳۲۹۲

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے جو غیر مسلم ہمارا ذمی بن جائے تو اس کا خون ہمارے خون جیسا ہو جاتا ہے۔

ذمیوں کے حقوق اسلام میں

معلوم ہوا کہ ذمی اور غیر مسلم رعایا کو ملک میں وہی شہری حقوق اسلام عطا کرتا ہے جو مسلم رعایا کو حاصل ہوتا ہے۔ قصاص کی بحث میں وضاحت سے اس مسئلے پر روشنی ڈالی جائے گی کہ اگر کوئی مسلمان غیر مسلم رعایا میں سے کسی کو قتل کر ڈالے گا، تو جرم کے ثابت ہو جانے کے بعد اسے بھی حکومت قتل ہی کی سزا دے گی، اور وہ بھی اس طرح کہ فیصلے کے بعد اس قاتل کو مقتول کا وارث خود قتل کرے گا یا کسی سے کرائے گا۔

مذہب کے سلسلے میں بحث گزر چکی ہے کہ اسلام آزادی دیتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جن قوموں پر جزیہ لگایا گیا، اور اس سلسلے میں آپ نے ان کو جو حقوق عطا کئے، وہ تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں، ان واقعات سے بڑی آسانی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اسلام نے غیر مسلم رعایا کا کس قدر لحاظ و پاس کیا ہے۔

اہلِ نجران خدمتِ نبوی میں

نجران کے سلسلے میں مذکور ہے کہ نجران اور یمن سے سید و عاقب خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے اور صلح کی درخواست کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قبول فرما لیا اور طے پایا کہ دو ہزار جوڑے ماہِ صفر میں اور ایک ہزار ماہِ رجب میں دیا کریں اور کچھ دوسری معمولی چیزیں، اس کے بعد ان کو ذمہ داری کا پروانہ عطا کیا گیا:

وَجَعَلَ لَهُمْ ذِمَّةَ اللّٰهِ وَعَهْدَهُ، وَاَنْ لَّا يُفْتَنُوا عَنْ دِيْنِهِمْ وَمَرَاتِبِهِمْ فِيْهِ وَلَا يُحْشَرُوا وَلَا يُعْشَرُوا.(1)

ان غیر مسلموں کو اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری اور عہد دیا جاتا ہے کہ ان کو نہ تو ان کے

---

(1) فتوح البلدان : صلح نجران، ص ۷۱

مذہب سے روکا جائے گا، نہ ان کے مرتبے گھٹائے جائیں گے، نہ ان سے فوجی خدمت لی جائے گی، اور نہ عشر لیا جائے گا۔

اس میں بالکل صراحت موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دین و مرتبے کی طرف سے ان کو بالکل مطمئن کردیا، صاحبِ اَیلہ کے صلح نامے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محافظت کی وضاحت کی ہے:

وكتب لهم كتابا بأن يحفظوا ويمنعوا۔[1]

ان کو پروانہ لکھ دیا گیا ہے کہ ان کی حفاظت کی جائے گی اور ان کی طرف سے مدافعت کی جائے گی۔

امن کا پروانہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے

اہلِ نجران کے سلسلے میں جو مفصل صلح نامہ ''فتوح البلدان'' اور ''کتاب الخراج لأبی یوسف'' میں ہے، اسے بھی ملاحظہ فرمائیں:

ولنجران وحاشيتها جوار الله وذمة مُحَمَّد النَّبِيّ رَسُول اللهِ عَلَى أنفسهم، وملتهم، وأرضهم، وأموالهم .وغائبهم وشاهدهم وعيرهم وبعثهم .وأمثلتهم لا يغير ما كانوا عليه ولا يغير حق من حقوقهم. وامثلتهم لا يفتن أسقف من أسقفيته .ولا راهب من رهبانيته .ولا واقه من وقاهيته عَلَى ما تحت أيديهم من قليل أو كثير، وليس عليهم رهق ولا دم جاهلية، ولا يحشرون ولا يعشرون ولا يطأ أرضهم جيش .من سأل منهم حقا فبينهم النصف .غير ظالمين ولا مظلومين بنجران .ومن أكل منهم ربا من ذي قبل فذمتي منه بريئة ولا يؤخذ منهم رجل بظلم آخر ولهم عَلَى ما في هَذِهِ

---

(۱) فتوح البلدان : غزوة تبوك وأيلة و ذرح و مقناو الجرباء، ص٦٧

الصحيفة جوار الله .وذمة مُحَمّد النّبِيّ ابدا حَتّى يأتي أمر الله ما نصحوا واصلحوا فيما عليهم غير مكلفين شيئا بظلم شهد أبُو سُفْيَان بن حرب وغيلان بن عَمرو ومالك ابن عوف من بني نَصْر، والأقرع بن حابس الحنظلي، والمغيرة.(1)

نجران کے غیر مسلم باشندوں اور ان کے دوسرے ہمسایوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی پناہ ہے، اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذِمہ، یہ پناہ اور ذمہ ان کی جان کے لئے ہے، ان کے مذہب کے لئے ہے، ان کی زمین اور مال کے لئے ہے، ان کے حاضر و غائب، قافلے، قاصد اور مذہبی شعار تمام چیزوں کے لئے ہے، جس میں وہ اس وقت قائم ہیں، اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی جائے گی، ان کے حقوق وشعائر علیٰ حالہا باقی رہیں گے، تغیر وتبدیلی نہیں ہوگی، ان کے سارے مذہبی عہدے باقی رکھے جائیں گے، نہ کسی اسقف کو اس کی جگہ سے ہٹایا جائے گا، اور نہ راہب کو رہبانیت سے الگ کیا جائے گا، اور نہ کسی خادمِ کلیسا کو اس کی جگہ سے محروم کیا جائے گا، خواہ اس کے قبضے میں تھوڑا ہو یا بہت، ان پر جاہلیت کے زمانے کے کسی خون یا عہد کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے، ان کو نہ فوجی خدمت میں مجبور کیا جائے گا، نہ عشر پر، اور نہ ان کی زمین کو کوئی لشکر پامال کرے گا۔ اگر ان سے کسی حق کا کوئی مطالبہ کرے گا تو پورا پورا انصاف ہوگا۔ اہلِ نجران میں نہ یہ ظالم بنیں گے اور نہ مظلوم، ان میں جو پہلے سود کھا چکا ہے اس سے میں پاک ہوں، ان میں سے کوئی دوسرے کے ظلم کی وجہ سے پکڑا نہ جائے گا، اس امان نامے میں جو کچھ ہے اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی پناہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذِمہ ہے، اس وقت تک کے لئے اللہ تعالیٰ کا حکم آئے اور وہ سب خیر خواہی برتیں اور ان حقوق کو ادا کرتے رہیں جن کا عہد کیا ہے،

---

(1) فتوح البلدان: صلح نجران، ص72، 73، الخراج لأبي يوسف: فصل: قصة نجران واهلها وكتاب رسول الله صلى الله عليه وسلم، ص84

ان پر کوئی ظلم وزیادتی نہ ہوگی۔ گواہ ابوسفیان بن حرب، غیلان بن عمرو، مالک بن عوف، اقرع بن حابس حنظلی اور مغیرہ۔

اس صلح نامے کی عبارت بغور پڑھیں اور سوچیں کہ اس سے زیادہ کوئی حکومت کسی قوم کو اور کس چیز کی ضمانت دے سکتی ہے؟ اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد وذمہ سے بڑھ کر اور کس کا عہد وذِمہ قابلِ اعتماد ہوسکتا ہے...؟

ذِمی کی حیثیت

یہی نہیں کہ بلکہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلان ہے:

اَلَا مَنْ ظَلَمَ مُعَاهَدًا، اَوِ انْتَقَصَهُ، اَوْ كَلَّفَهُ فَوْقَ طَاقَتِهِ، اَوْ اَخَذَ مِنْهُ شَيْئًا بِغَيْرِ طِيبِ نَفْسٍ، فَاَنَا حَجِيجُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.(۱)

سنو! جو کسی معاہد (غیر مسلم) پر ظلم کرے گا، یا اس کے حقوق میں کمی کرے گا، یا طاقت سے زیادہ تکلیف دے گا، یا اس کی کوئی چیز اس کی مرضی کے بغیر لے گا تو میں قیامت کے دن اس کی طرف سے مستغیث بنوں گا۔

ظلم وزیادتی کا کوئی ایسا دروازہ نہیں ہے جس پر اِسلام نے پہرہ نہ بٹھا دیا ہو، اور کسی قوم کے حقوق بتلانے کی مؤثر سے مؤثر جو تدبیر ہوسکتی ہے، اسے پیغمبرِ اسلام نے اختیار نہ کیا ہو، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لب ولہجہ اور اندازِ بیان جتنا زوردار ہے، وہ بھی آپ سے پوشیدہ نہیں، اس کے بعد بھی اگر کسی کو اطمینان نہ ہو تو اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔

خلفائے راشدین کا سلوک غیر مسلموں سے

خلفائے راشدین نے اپنے زمانے میں جو فتوحات کی ہیں، ان کی تاریخ کا مطالعہ کیجیے! وہاں آپ پڑھیں گے کہ انہوں نے بھی غیر مسلم رعایا کے ساتھ جس قدر رعایتیں ممکن

---

(۱) سنن أبی داود: کتاب الخراج والإمارة والفئی، باب فی تعشیر أهل الذمة إذا اختلفوا بالتجارات، ج۳ ص ۱۶۹، رقم الحدیث: ۳۰۵۲

ہو سکتی ہیں، کیں۔ سنہ ۱۴ھ میں فتحِ دمشق کا واقعہ پیش آیا ہے، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر جو اَمان نامہ عطا کیا ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ: هَذَا ما أعطى خَالِد بن الوليد أهل دمشق إذا دخلها أعطاهم أمانا على أنفسهم وأموالهم وكنائسهم وسور مدينتهم لا يهدم ولا يسكن شيء من دورهم، لهم بذلك عهد اللّٰه وذمة رَسُول اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ والخلفاء والْمُؤْمِنِين لا يعرض لهم إلا بخير إذا أعطوا الجزية. (۱)

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے، یہ وہ پروانہ ہے جو خالد بن ولید نے اہلِ دمشق کو وہاں داخل ہوتے وقت عطا کیا، آپ نے ان تمام کو جان و مال اور عبادت خانوں اور شہر پناہ کی طرف سے امن بخشا، ان کے شہر پناہ نہ ڈھائے جائیں گے اور نہ ان کے گھروں میں کوئی سکونت اختیار کرے گا۔ اس لئے کہ ان کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء اور تمام مؤمنین کی طرف سے ان چیزوں کا عہد ہے، جب تک یہ جزیہ دیتے رہیں گے سوائے بھلائی کے اور کوئی چھیڑ چھاڑ نہ ہوگی۔

اس امان نامے کا آپ ایک ایک جملہ غور و فکر سے پڑھیں اور ناقدانہ نگاہ ڈالیں، آپ کو ماننا پڑے گا کہ غیر مسلم رعایا کے ساتھ کوئی ایسی رعایت نہیں جس کا پاس ولحاظ نہ رکھا گیا ہو، جان، مال وگرجے، شہر اور ان کے گھر سب چیزوں کے لئے امن وامان کا اقرار کیا گیا ہے۔

حسنِ سلوک کے اثرات

مسلمانوں نے اپنے ان عہد و پیمان کی وفاداری کا جیسا ثبوت دیا ہے، اس کی مثال تاریخ نہیں پیش کر سکتی ہے۔ خود غیر مسلم رعایا نے اس سلسلے میں اعترافِ احسان کیا ہے،

---

(۱) فتوح البلدان: فتح مدينة دمشق وارضها، ص ۱۲۴

اور اپنے ہم مذہبوں کے مقابلے میں مسلمان حکمرانوں کو ترجیح دی ہے۔ شام میں حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے مسلمان حکام نے غیر مسلموں کے ساتھ عدل وانصاف کا ایسا ثبوت دیا کہ وہاں کی رعایا مسلمانوں کی گرویدہ اور ممد ومعاون بن گئی:

فَلَمَّا رَأَى أَهْلُ الذِّمَّةِ وَفَاءَ الْمُسْلِمِينَ لَهُمْ وَحُسْنَ السِّيرَةِ فِيهِمْ صَارُوا أَشِدَّاءَ عَلَى عَدُوِّ الْمُسْلِمِينَ وَعَوْنًا لِلْمُسْلِمِينَ عَلَى أَعْدَائِهِمْ؛ فَبَعَثَ أَهْلُ كُلِّ مَدِينَةٍ مِمَّنْ جَرَى الصُّلْحُ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْمُسْلِمِينَ رِجَالاً مِنْ قِبَلِهِمْ يَتَجَسَّسُونَ الأَخْبَارَ عَنِ الرُّومِ وَعَنْ مُلْكِهِمْ وَمَا يُرِيدُونَ أَنْ يَصْنَعُوا۔ (۱)

ذمیوں (یعنی غیر مسلم رعایا) نے جب اپنے ساتھ مسلمانوں کی وفاداری اور حسنِ سلوک اور خوش اخلاقی کا مظاہرہ دیکھا تو یہ ان کے ایسے گرویدہ ہوگئے کہ ان کے حامی ومددگار بن گئے، اوران کے دشمنوں کے سخت ترین مخالف اوران تمام شہروں کے باشندوں نے جن سے صلح ہو چکی تھی اپنی طرف سے کچھ لوگوں کو بطورسی آئی ڈی، روم کی طرف بھیجا کہ وہ ان کے ملک اوران کے ارادے کی رپورٹ حاصل کر کے مسلمانوں کو پہنچائیں۔

وصول شدہ رقموں کی واپسی

جب حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ دشمن کا سخت مقابلہ ہے، اس وقت ان کا مقابلہ اور ذمیوں کی حفاظت دونوں کا ساتھ ناممکن ہے، تو آپ نے حکم نافذ کردیا کہ ان سے جو جزیہ اور ٹیکس وصول کیا گیا ہے واپس کر دیا جائے، اوران کے سامنے حکومت کی مجبوری پیش کردی جائے:

فَكَتَبَ أَبُو عُبَيْدَةَ إِلَى كُلِّ وَالٍ مِمَّنْ خَلَّفَهُ فِي الْمُدُنِ الَّتِي صَالَحَ

(۱) کتاب الخراج: فصل : فی الكنائس والبيع والصلبان، ص ۱۵۲، ۱۵۳

اَهْلَهَا يَأْمُرُهُمْ اَنْ يَرُدُّوا عَلَيْهِم مَا جبى مِنْهُمْ مِنَ الْجِزْيَةِ وَالْخَرَاجِ، وَكَتَبَ إِلَيْهِمْ اَنْ يَقُولُوا لَهُمْ: إِنَّمَا رَدَدْنَا عَلَيْكُمْ اَمْوَالَكُمْ، لاَنَّهُ قَدْ بَلَغَنَا مَا جُمِعَ لَنَا مِنَ الجموعِ، وَاَنَّكُمْ اشْتَرَطْتُمْ عَلَيْنَا اَنْ نَمْنَعَكُمْ، وَإِنَّا لَا نَقْدِرُ عَلَى ذٰلِكَ، وَقَدْ رَدَدْنَا عَلَيْكُمْ مَا اَخَذْنَا مِنْكُمْ وَنَحْنُ لَكُمْ عَلَى الشَّرْطِ وَمَا كَتَبْنَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ إِنْ نَصَرَنَا اللّٰهُ عَلَيْهِمْ۔ (۱)

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے ان تمام شہروں کے گورنروں کو لکھا جن سے صلح ہو چکی تھی کہ وہ اپنے اپنے شہروں میں ذمیوں کو خراج و جزیہ کی رقم جو وصول کر چکے ہیں واپس کر دیں، اور ان سے یہ کہہ دیں کہ ہم تمہاری یہ رقم اس لئے واپس کر رہے ہیں کہ دشمنوں کے ایک بڑے لشکر کی اطلاع ملی ہے جو ہم سے برسر پیکار ہونے والا ہے، اس نازک موقع پر ہم شاید اس شرط کو نہ نباہ سکیں گے جس کا تم سے وعدہ کیا تھا کہ تمہاری حفاظت ہمارے ذمہ ہے، اور جو صورت حال سامنے ہے اس کے پیش نظر اس کی قدرت باقی نہیں رہی۔ لہٰذا جو رقم وصول کی تھی وہ واپس کی جا رہی ہے، اور اگر اللہ تعالیٰ نے ہماری مدد کی تو پھر ہم اسی شرط پر رہیں گے جو ہم دونوں کے درمیان طے پا چکی ہے۔

غیر مسلم رعایا کے تاثرات

حسب الحکم ہر شہر کے ذمہ دار مسلمان حکمرانوں نے جزیے اور خراج کی ساری رقم انہیں واپس کر دی اور اپنے امیر العسکر کا فرمان ان تک پہنچا دیا، اس واقعہ سے غیر مسلم رعایا بے حد متأثر اور ان کے واپس جانے سے ملول خاطر ہوئے اور دعائیں کرنے لگے کہ اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں کی مدد فرمائے، اور خدا وہ دن لائے کہ یہ پھر ہمارے اوپر حکمران بن کر واپس آئیں، اس لئے کہ اگر ان کے بجائے ہمارے ہم مذہب ظالم و جابر حکمرانوں کو

---

(۱) كتاب الخراج : فصل : فى الكنائس والبيع والصلبان، ص ۱۵۳

اقتدار حاصل ہو گیا تو پھر وہ ہمیں پہلے کی طرح تباہ و برباد کر ڈالیں گے، یہ تو انہیں مسلمان حکمرانوں کا عدل ہے کہ لی ہوئی رقم واپس کر دی، غیر مسلم ہوتے تو ہرگز واپس نہ کرتے بلکہ بچی ہوئی پونجی بھی وصول کر لیتے:

قَالُوا ذٰلِكَ لَهُمْ، وَرَدُّوا عَلَيْهِمُ الْاَمْوَالَ الَّتِي جَبَوْهَا مِنْهُمْ، قَالُوا :رَدَّكُمُ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَنَصَرَكُمْ عَلَيْهِمْ.فَلَوْ كَانُوا هُمْ لَمْ يَرُدُّوا عَلَيْنَا شَيْئًا وَاَخَذُوا كُلَّ شَيْءٍ بَقِيَ لَنَا حَتّٰى لَا يَدَعُوا لَنَا شَيْئًا.(۱)

غیر مسلم رعایا کہنے لگی، اللہ تعالیٰ تم کو پھر ہمارے شہروں پر واپس لائیں، اور تمہاری تمہارے دشمنوں کے مقابلہ میں مدد کرے، اگر ہمارے ہم مذہب حکمران ہوتے تو کچھ بھی واپس نہیں کرتے، اور ہمارا بچا کھچا اثاثہ بھی ہڑپ کر لیتے کچھ بھی باقی نہ چھوڑتے۔

اہلِ حیرہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی خدمت میں

اسی طرح حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت ۱۲ھ میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے حیرہ والوں کا محاصرہ کر لیا، اور آپ کے پاس والی حیرہ ایاس بن قبیصہ الطائی روساء کے ساتھ آئے، تو آپ نے ان پر اسلام، جزیہ اور لڑائی تین چیزیں علی الترتیب پیش کیں، یا تو وہ اسلام قبول کر لیں، یا نہ کر سکیں تو جزیہ دینا تسلیم کر لیں، اور سب سے آخر میں جنگ ہے۔

ابن بقیلہ کے ہاتھ میں زہر تھا، اس نے کہا یا تو آپ ہماری بات مان لیں، ورنہ یہ زہر ہے میں خودکشی کر لوں گا، اپنی قوم میں ایسی چیز کے ساتھ واپس نہیں جا سکتا جو ان کو پسند نہیں، حضرت خالد بن الولید نے اس کے ہاتھ سے زہر لے لیا اور ''بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهِ ...... الخ'' پڑھ کر پی گئے، وہ سب یہ دیکھ کر حیرت زدہ ہو گئے کہ زہر نے

(۱) کتاب الخراج : فصل : في الكنائس والبيع والصلبان، ص ۱۵۳

ان پر کوئی اثر نہیں کیا، مختصر یہ کہ جزیہ پر صلح کی بات طے ہوگئی، صلح نامہ کے مخصوص جملے یہ ہیں:

۱...... یہ مسلمانوں کے خلاف کسی کافر کی اعانت نہ کریں گے۔

۲...... مسلمانوں کے راز کسی پر فاش نہ کریں گے۔

۳...... جزیہ کی رقم برابر ادا کرتے رہیں گے۔

۴...... اگر انہوں نے ان چیزوں کی جو عہد نامہ میں ہے مخالفت کی تو پھر ان کے لئے نہ کوئی امان ہے نہ کوئی ذمہ داری، اور اگر انہوں نے ان چیزوں کی رعایت کی اور ان پر قائم رہے تو ہمارے ذمہ ان کی حفاظت ونگرانی کا فریضہ رہے گا، اور ان کو وہ سارے حقوق حاصل ہوں گے جو معاہد کے ہوتے ہیں۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی طرف سے امن کا پروانہ اور امداد کا وعدہ

اس صلح نامہ میں آپ نے ان غیر مسلم رعایا کے لئے اس کا بھی اعلان کیا کہ ان میں جو لوگ معذور ہیں ان سے جزیہ نہیں لیا جائے گا، اور اسی طرح بعد میں جو معذور ہو جائیں گے اس وقت ان کا بھی جزیہ معاف کر دیا جائے گا، اور یہی نہیں بلکہ اگر وہ وفادار رعایا کی حیثیت سے ملک میں رہے تو حکومت کی طرف سے ان کی اور ان کے بال بچوں کی کفالت بھی کی جائے گی۔ الفاظ یہ ہیں:

اَیُّمَا شَیْخٍ ضَعُفَ عَنِ الْعَمَلِ اَوْ اَصَابَتْہُ آفَۃٌ مِنَ الْآفَاتِ اَوْ کَانَ غَنِیاً فَافْتَقَرَ وَصَارَ اَھْلُ دِینِہٖ یَتَصَدَّقُونَ عَلَیْہِ طَرَحْتُ جِزْیَتَہٗ وَعِیلَ مِنْ بَیْتِ مَالِ الْمُسْلِمِینَ وَعِیَالُہٗ مَا اَقَامَ بِدَارِ الْھِجْرَۃِ وَدَارِ الْاِسْلَامِ۔[1]

جو بھی ضعیف العمر ناکارہ ہو جائے، یا اسے کوئی آفت پہنچ جائے، یا جو مالدار تھا وہ ایسا محتاج ہو جائے کہ اس کے ہم قوم اسے صدقہ دینے لگیں تو ان سے جزیہ معاف کر دیا جائے گا، اور مسلمانوں کے بیت المال سے اس کی اور اس کے بال

(۱) کتاب الخراج: ص۱۵۷، ۱۵۸

بچوں کی مدد کی جائے گی جب تک وہ دار السلام میں اقامت پذیر رہیں گے۔

آخر میں اس کی بھی صراحت کی گئی کہ ان غیر مسلم رعایا میں سے جو بھی مسلمانوں سے امداد کی درخواست کرے گا اس کی درخواست منظور کی جائے گی، اور اس سلسلہ کے اخراجات کی ذمہ داری بیت المال پر ہوگی:

فَإِنْ طَلَبُوا عَوْنًا مِنَ الْمُسْلِمِينَ أُعِينُوا بِهِ وَمَئُونَةُ الْعَوْنِ مِنْ بَيْتِ مَالِ الْمُسْلِمِينَ. (۱)

اگر یہ لوگ مسلمانوں سے مدد کے طالب ہوں گے تو ان کی مدد کی جائے گی، اور اس مدد کا بار بیت المال پر ہوگا۔

مسلمان حکمرانوں کی رواداری

مسلمانوں نے کبھی بھی کسی امان نامہ اور صلح نامے کی خلاف ورزی نہیں کی، بلکہ انہوں نے اپنی حکومت میں دوسرے مذاہب کی عبادت گاہوں کا ذمہ لیا اور ان کے مذہبی مراسم کو پوری وسعت قلبی سے باقی رکھا ہے جو صرف انہی کا حصہ ہے۔ شہروں کے نام لکھے گئے صلح نامہ میں اس کی صراحت موجود ہے:

فَصَالَحَهُ وَأَعْطَاهُ مَا أَرَادَ عَلَى أَنْ لَا يَهْدِمَ لَهُمْ بِيعَةٍ وَلَا كَنِيسَةٍ وَعَلَى أَنْ يَضْرِبُوا نَوَاقِيسَهُمْ فِي أَيِّ سَاعَةٍ شَاءُوْا مِنْ لَيْلٍ أَوْ نَهَارٍ إِلَّا فِي أَوْقَاتِ الصَّلَوَاتِ، وَعَلَى أَنْ يُخْرِجُوا الصُّلْبَاتِ فِي أَيَّامِ عِيدِهِمْ. (۲)

ان سے صلح کی اور جو وہ چاہتے تھے اس کے لئے امان نامہ عطا کیا، نہ ان کے گرجے اور عبادت خانے ڈھائے جائیں گے اور نہ ناقوس بجانے پر کوئی پابندی ہوگی، اوقاتِ نماز کے علاوہ دن رات کے جس حصہ میں چاہیں گے سنکھ پھونک سکیں گے، اور اسی طرح اپنے ایامِ عید میں صلیب نکالیں گے۔

---

(۱) کتاب الخراج: ص ۱۵۸ (۲) کتاب الخراج: ص ۱۶۰

مسلمانوں کا برابر اس پر عمل رہا، کسی نے بھی اس کی خلاف ورزی نہیں کی۔

فَأَدَّوْا إِلَيْهِ الْجِزْيَةَ وَتُرِكَتِ الْبِيَعُ وَالْكَنَائِسُ لَمْ تُهْدَمْ لِمَا جَرَى مِنَ الصُّلْحِ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ وَأَهْلِ الذِّمَّةِ. وَلَمْ يَرُدَّ ذَلِكَ الصُّلْحَ عَلَى خَالِدٍ أَبُو بَكْرٍ وَلَا رَدَّهُ بَعْدَ أَبِي بَكْرٍ عُمَرُ وَلَا عُثْمَانَ وَلَا عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمْ أَجْمَعِينَ. (۱)

ذمیوں نے مسلمانوں کو جزیہ ادا کیا اور گرجے اور ان کے عبادت خانے چھوڑ دیئے، ڈھائے نہیں گئے، اور مسلمانوں اور ذمیوں کے درمیان جن چیزوں پر صلح ہوئی تھی وہ برابر باقی رہیں، نہ حضرت خالد کے اس صلح نامے کو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے رد کیا، اور نہ آپ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے، اور نہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے۔

خلاف ورزی کی ممانعت

حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے اپنے زمانہ میں اسی پر عمل باقی رکھا اور اس کی خلاف ورزی سے سختی کے ساتھ منع کیا، اور ہر زمانہ کے علماء نے صلح ناموں کے احترام پر حکومتِ وقت کو مجبور کیا، چنانچہ مسلمان حکومت نے کبھی خلاف ورزی کی جرأت نہیں کی، البتہ وہ شہر جن کو مسلمانوں نے بسایا ان میں ذمیوں کو اس کی اجازت نہیں ہے کہ اپنے ان دینی شعار کو نئے سرے سے قائم کریں جو اسلام کے خلاف ہیں۔

صلح نامے اور ان میں جو چیزیں طے پا چکی ہیں ان پر عمل کے متعلق امام ابو یوسف رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قَالَ أَبُو يُوسُفَ: وَلَسْتُ أَرَى أَنْ يُهْدَمَ شَيْءٌ مِمَّا جَرَى عَلَيْهِ الصُّلْحُ وَلَا يُحَوَّلَ. (۲)

---

(۱) کتاب الخراج: ص ۱۶۰ (۲) کتاب الخراج: ص ۱۶۰

جن امور پر صلح ہو چکی ہے ان کی خلاف ورزی میں جائز نہیں سمجھتا۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے ہے لکھا کہ جب کسی وقت مسلمان حکمرانوں میں سے کسی نے اس کے خلاف کرنے کی جرأت کی، تو ذمیوں نے وہ کاغذات پیش کئے جو صلح نامے اور امان نامے کی شکل میں ان کے پاس موجود تھے، چنانچہ فقہائے وقت نے ذمیوں کی حمایت کی، اور حکمرانوں کے اس ارادہ کو ناجائز اور غلط قرار دیا، اور سختی کے ساتھ مخالفت کی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنے اس ارادہ سے باز آ گئے۔

فَكَفُّوا عَمَّا اَرَادُوا مِنْ ذَلِكَ. (۱)

چنانچہ وہ سب اپنے ارادے سے باز آ گئے۔

مسلمان شہروں میں ذمیوں پر پابندی کی وجہ

البتہ ان شہروں میں گرجے اور کنیسے، کی ممانعت ہے جو مسلمانوں نے بعد میں بسائے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں یہ پہلے سے آباد نہیں تھے:

عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ :اَنَّهُ سُئِلَ عَنِ الْعَجَمِ اَلَهُمْ اَنْ يُحْدِثُوا بَيْعَةً اَوْ كَنِيسَةً فِي اَمْصَارِ الْمُسْلِمِينَ؟ فَقَالَ :اَمَّا مِصْرٌ مَصَّرَتْهُ الْعَرَبُ فَلَيْسَ لَهُمْ اَنْ يُحْدِثُوا فِيهِ بِنَاءَ بَيْعَةٍ وَلَا كَنِيسَةٍ وَلَا يَضْرِبُوا فِيهِ بِنَاقُوسٍ وَلَا يُظْهِرُوا فِيهِ خَمْرًا وَلَا يَتَّخِذُوا بِهِ خِنْزِيرًا .وَكُلُّ مِصْرٍ كَانَتِ الْعَجَمُ مَصَّرَتْهُ فَفَتَحَهُ اللّٰهُ عَلَى الْعَرَبِ فَنَزَلُوا عَلَى حُكْمِهِمْ فَلِلْعَجَمِ مَا فِي عَهْدِهِمْ وَعَلَى الْعَرَبِ اَنْ يُوفُوا لَهُم بِذَلِكَ. (۲)

حضرت عکرمہ حضرت ابن عباس سے راوی ہیں کہ ان سے عجمیوں کے متعلق سوال کیا گیا کہ کیا ذمیوں کو مسلمان شہروں میں نئے گرجے اور عبادت خانے بنانے کا حق حاصل ہوگا؟ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا

---

(۱) کتاب الخراج: ص ۱۶۰ (۲) کتاب الخراج: ص ۱۶۲

کہ وہ شہر جسے مسلمانوں نے آباد کیا ہے، ان میں ان ذمیوں کو نئے گرجے
اور کنیسے بنانے کا حق حاصل نہ ہوگا، اور نہ ان شہروں میں ناقوس بجانے کا، نہ
علی الاعلان شراب کی خرید و فروخت کریں گے اور نہ خنزیر داخل کریں گے۔
البتہ جو شہر عجمیوں کے بسائے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس پر
تسلط بخش دیا ہے لیکن انہوں نے ان کو باقی رکھا ہے، اور جو کچھ باہم معاہدہ ہے
اس کا عجمیوں کو حق ہے اور مسلمانوں پر ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے عہد کو ان کے
حق میں پورا کر دکھائیں اور اسی پر جمے رہیں۔

شہروں کی قسمیں

اصل میں شہروں کی تین قسمیں ہیں، ایک وہ جسے مسلمانوں نے از سر نو آباد کیا اور بسایا جیسے کوفہ، بغداد اور اسی طرح کے دوسرے شہر، ان میں ذمیوں کے لئے کنیسہ بنانا جائز نہیں۔ دوسرا وہ شہر جسے مسلمانوں نے طاقت سے حاصل کیا، اس کا حکم یہ ہے کہ یہاں نیا گرجا بنانا جائز نہیں ہے اور تیسرا وہ شہر جو صلح سے حاصل ہوا، اور وہاں کے باشندے زمین سے بے دخل نہیں کئے گئے تو اس شہر میں اپنی زمین پر نیا گرجا بنانا ان کے لئے جائز ہے، اور اگر زمین ان کے قبضہ میں نہیں رکھی گئی ہے مگر شرائط میں اس کی اجازت موجود ہے، تو اس صورت میں بھی ان کو اجازت ہوگی:

اَلْاَمْصَارُ ثَلَاثَۃٌ مَا مَصَّرَہُ الْمُسْلِمُونَ، کَالْکُوفَۃِ وَالْبَصْرَۃِ وَبَغْدَادَ وَوَاسِطٍ، وَلَا یَجُوزُ فِیہِ إِحْدَاثُ ذٰلِکَ إِجْمَاعًا. وَمَا فَتَحَہُ الْمُسْلِمُونَ عَنْوَۃً فَھُوَ کَذٰلِکَ، وَمَا فَتَحُوہُ صُلْحًا فَإِنْ وَقَعَ عَلَی اَنَّ الْاَرْضَ لَھُمْ جَازَ الْإِحْدَاثُ وَإِلَّا فَلَا إِلَّا إِذَا شَرَطُوا الْإِحْدَاثَ۔ (۱)

---

(۱) رد المحتار علی الدر المختار : کتاب الجهاد، باب العشر والخراج، مطلب فی بیان ان الأمصار ثلاثة، ج۴ ص۲۰۳

اس تفصیل کے بعد مسئلہ میں کوئی پوشیدگی باقی نہیں رہ جاتی، مگر یہ جو کچھ ہے اجازت ہے اس کا یہ منشاء ہرگز نہیں ہے کہ مسلمان حکمران بنانے کا حکم دیں یا مجبور کریں۔

اَنَّ مَعْنَى قَوْلِهِمْ لَا نَمْنَعُهُمْ مِنَ التَّرْمِيمِ لَيْسَ الْمُرَادُ اَنَّهٗ جَائِزٌ نَاْمُرُهُمْ بِهٖ بَلْ بِمَعْنَى نَتْرُكُهُمْ وَمَا يَدِيْنُوْنَ۔ (۱)

اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو ہم مرمت سے منع نہ کریں گے، یہ منشاء نہیں ہے کہ ہمارے لئے ان کو اس کام کے لئے حکم دینا جائز ہے، بلکہ ہم ان کو ان کے مذہب و معتقدات پر چھوڑ دیں گے۔

بعض علماء کی رائے

اسی طرح جن مسلمان شہروں میں غیر مسلم کو کفر کے آثار کو قائم کرنے کی اجازت نہیں اس کا مفہوم بھی بعض علماء نے یہی سمجھا ہے کہ ذمیوں کو قانونی طور پر ان میں گرجے، بت خانے اور اس طرح کے دوسرے کاموں کا شہری حق حاصل نہیں ہے، لیکن مسلمان حکمرانوں کی اجازت سے وہ بنا سکتے ہیں اور تاریخ کی شہادت ہے کہ انہوں نے بنایا بھی ہے، اور ان کو اجازت بھی ملی ہے۔ علامہ شبلی نعمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ فتویٰ اس لحاظ سے تھا کہ اسوقت تک مسلمان اور دوسری قومیں اچھی طرح ملے جلے نہیں تھے، لیکن جب یہ حالت نہیں رہی تو وہ فیصلہ بھی نہیں رہا۔ چنانچہ خاص اسلامی شہروں میں اس کثرت سے گرجے، بت خانے، آتش کدے بنے کہ ان کا شمار نہیں ہوسکتا، بغداد خاص مسلمانوں کا آباد کیا ہوا شہر ہے، وہاں کے گرجوں کے نام معجم البلدان میں کثرت سے ملتے ہیں، قاہرہ میں جو گرجے بنے وہ مسلمانوں ہی کے عہد میں بنے۔ (۲)

---

(۱) رد المحتار: ص ۴ ص ۲۰۴

(۲) رسائل شبلی: ص ۲۷

مسلمان حکمرانوں کی رواداری اور انصاف کے سینکڑوں واقعات تاریخ میں محفوظ ہیں، جو رہتی دنیا تک ان جھوٹے، فتنہ انگیز عیسائی اور غیر مسلم مصنفوں کی تردید کرتے رہیں گے، جو اسلامی نظامِ حکومت اور مسلمان حکمرانوں کے خلاف زہر اگلتے رہتے ہیں، اور ان کو تنگ دل اور نا انصاف لکھنے میں بے حیائی سے کام لیتے ہیں۔

گورنروں کو ہدایت

جب کوئی ملک فتح ہوتا اور اس کی خبر امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ملتی، تو آپ اپنی پہلی فرصت میں مناسب ہدایات جاری فرماتے جن میں ذمیوں کے متعلق خصوصی ہدایات ہوتیں:

> مسلمانوں کو ظلم سے دور رکھو، اور ذمیوں کے معاملہ میں خدا سے ڈرو، ایسا نہ ہو کہ تمہاری طرف سے کوئی زیادتی ہو اور اس کی وجہ سے اہلِ ذمہ زیادتی کر بیٹھیں، تمہیں جو کچھ اللہ نے دیا ہے وفائے عہد کی وجہ سے دیا ہے، لہٰذا وفائے عہد کا ہمیشہ خیال رکھو، اور اہلِ ذمہ کے ساتھ حسنِ سلوک میں خدا کے حکموں پر چلو، اگر تم نے ایسا کیا تو خدا تمہارا مددگار و ناصر ہوگا۔ (۱)

آپ نے ایک دفعہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو ایک لمبا خط لکھا، اس میں اور باتوں کے ساتھ آپ نے یہ بھی ہدایت کی:

> ونحّ منازلهم عن قرى أهل الصلح والذمة، فلا يدخلها من أصحابك إلا من تثق بدينه .ولا يرزأ أحدا من أهلها شيئا :فإن لهم حرمة وذمة ابتليتم بالوفاء بها كما ابتلوا بالصبر عليها، فما صبروا لكم فتولّوهم خيرا، ولا تستبصروا على أهل الحرب بظلم أهل الصلح. (۲)

---

(۱) تاریخ الطبری: ج۴ ص۷۸، تاریخ ملت: عہد عمر فاروق رضی اللہ عنہ، ذمیوں سے حسنِ سلوک، ج۱ ص۱۴۹

(۲) العقد الفريد: وصايا امراء الجيوش، من عمر إلى ابن ابی وقاص، ج۱ ص۱۱۷، ۱۱۸

جن لوگوں سے صلح ہو چکی ہے، یا جنہوں نے جزیہ دے کر تمہاری حکومت تسلیم کر لی ہے ان کی آبادیوں سے الگ تھلگ پڑاؤ ڈالو، ان کی بستیوں میں تمہارے آدمیوں میں سے اس شخص کے سوا کوئی نہ جانے پائے کہ جس کی دین داری پر تم کو پورا بھروسہ ہو، کوئی سپاہی بستی والوں کی کسی چیز پر ناجائز قبضہ نہ کرے، اس لئے کہ تم پر ان کی حفاظت کی ذمہ داری ہے، اس آزمائش میں تم ڈالے گئے ہو، اس پر پورے اترنے کی کوشش کرو، جس طرح وہ آزمائش میں مبتلا ہوئے اور اپنے وعدے پر قائم رہے، پس جب تک وہ اپنے عہد پر قائم ہیں، تم ان سے بہتری کے ساتھ پیش آؤ، جو لوگ صلح کر چکے ہیں ان پر ظلم و تعدی کر کے دشمن پر فتح پانے کی امید نہ رکھو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ان احکام وفرامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کو غیر مسلم رعایا کا کس قدر لحاظ و پاس تھا، اور ان کی راحت و آسائش اور بے فکری کے سامان کی کیسی معقول تدبیریں کیا کرتے تھے

ذمیوں کے ساتھ انصاف

اپنا عمل بھی آپ کا محتاط تھا، ایک مرتبہ بیت المقدس جانا ہوا تو عیسائیوں کے مشہور گرجا "قمامہ" کی سیر کی، ابھی سیر ہی کر رہے تھے کہ نماز کا وقت آ گیا، عیسائی پوپ نے کہا کہ یہیں نماز ادا کر لیں، آپ نے انکار فرمایا اور باہر نکل کر نماز ادا کی۔ اس نے پوچھا آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ نے جواب میں فرمایا:

اگر میں یہاں نماز پڑھ لیتا تو میرے بعد مسلمان تم سے اس کلیسا کو چھین لیتے کہ یہاں ہمارے خلیفہ نے نماز پڑھی ہے۔

پھر آپ نے مضمون کی تحریر لکھ دی:

گرجا کی سیڑھیوں پر بھی جماعت کے ساتھ نماز ادا نہ کی جائے اور نہ اذان دی

جائے۔[1]

ذمیوں کے حقوق کے سلسلہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے بہت سے واقعات تاریخ کی کتابوں میں محفوظ ہیں۔ خلفاء بنوامیہ میں آپ کا درجہ بہت بلند تھا، آپ نے ہر ایک حق دار کو اس کا پورا پورا حق دیا، ایک دفعہ ربیعہ شعوذی نامی شخص نے ایک نبطی کا گھوڑا پکڑ لیا اور اسے سواری میں استعمال کیا، جب آپ کو اس کی اطلاع پہنچی تو آپ نے اسے بلوا کر چالیس کوڑے لگوائے۔[2]

یہ اپنی جگہ آ چکا ہے کہ ذمی کی جان کی قیمت اسلامی حکومت میں وہی ہے جو ایک مسلمان کی ہے، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دورِ حکومت میں کسی نے حیرہ کے ایک ذمی کو قتل کر ڈالا۔ آپ نے خبر ملنے کے ساتھ ہی وہاں کے گورنر کو لکھا کہ قاتل کو مقتول کے وارثوں کے سپرد کر دو، ان وارثوں کی مرضی ہے کہ اسے قتل کریں یا معاف کر دیں۔ گورنر نے ایسا ہی کیا، چنانچہ وارثانِ مقتول نے قبضہ پا کر اُسے قتل کر ڈالا:

أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونِ بْنِ مِهْرَانَ، قَالَ :شَهِدْتُ كِتَابَ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ قَدِمَ إِلَى أَمِيرِ الْحِيرَةِ، أَوْ قَالَ أَمِيرِ الْجَزِيرَةِ فِي رَجُلٍ مُسْلِمٍ قَتَلَ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ الذِّمَّةِ :أَنْ ادْفَعْهُ إِلَى وَلِيِّهِ، فَإِنْ شَاءَ قَتَلَهُ، وَإِنْ شَاءَ عَفَا عَنْهُ، قَالَ :فَدَفَعَهُ إِلَيْهِ، فَضَرَبَ عُنُقَهُ، وَأَنَا أَنْظُرُ.[3]

ایک دو نہیں بیسیوں واقعات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ خلفائے اسلام نے ذمیوں کے ساتھ مساوات سلوک کیا، بلکہ ان کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت پر خصوصی نگاہ رکھی، تاکہ حکومت سے نہ کسی کو شکوہ کا موقع مل سکے اور نہ وہ اسلامی قانون میں خود مجرم ہو۔

---

(۱) تاریخ ملت: عہد عمر فاروق، فتح بیت المقدس، ج۱ ص ۱۶۲

(۲) الطبقات الکبری : الطبقة الثالثة، ترجمة : عمر بن عبدالعزیز، ج۵ ص ۲۹۱

(۳) نصب الراية: كتاب الجنايات، باب مايوجب القصاص، ج۴ ص ۳۳۷

خلفائے اسلام قوانین کا نفاذ کرتے تھے، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے خلافت کا بار اٹھاتے ہی جو خطبہ دیا تھا اس میں یہ بھی فرمایا تھا:

لوگو! قرآن کے بعد کوئی اور کتاب نہیں نازل ہوگی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی اور نبی مبعوث نہ ہوگا، میں مقنن نہیں ہوں، صرف قوانین کا نافذ کرنے والا ہوں، میں کسی نئی بات کو رواج نہیں دوں گا، میں تم سے کسی فرد سے بہتر نہیں ہوں، یاد رکھو! خدا کی نافرمانی میں بندے کی کوئی بھلائی نہیں ہے۔ (۱)

مورخین لکھتے ہیں:

حکومتِ عثمانیہ کی طرح عباسیوں کے یہاں بھی حکومت کے تمام چھوٹے بڑے عہدے مسلمانوں، یہودیوں اور عیسائیوں کو بلا تفریق و امتیاز دیئے جاتے تھے۔ (۲)

اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا یہ واقعہ تو بہت مشہور ہے اور اپنی جگہ بالکل درست بھی، کہ انہوں نے اپنے عہد حکومت میں عیسائیوں کی درخواست پر جامع مسجد دمشق کے اس حصہ کو ڈھانے اور عیسائیوں کے حوالے کر دینے کا حکم کر دیا تھا جسے ولید بن عبدالملک نے غصہ میں زبردستی عیسائیوں کی مرضی کی خلاف جامع مسجد میں شامل کر لیا تھا، بالآخر مسلمانوں نے غوطہ نامی شہر کے تمام گرجے دے کر عیسائیوں کو راضی کیا، اور عیسائیوں کی درخواست پر حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے یہ تبادلہ منظور کیا اور انہوں نے جامع مسجد کا حکم واپس لیا۔ (۳)

علمائے وقت کا فتویٰ

اسی طرح مصر میں ہادی کے دورِ حکومت میں اس وقت کے گورنر علی بن سلیمان نے

(۱) مسلمانوں کا نظامِ مملکت: ص ۶۳ (۲) مسلمانوں کا نظامِ مملکت: ص ۲۰۴

(۳) فتوح البلدان: فتح مدينة دمشق وارضها: ص ۱۲۸

کچھ گرجوں کو منہدم کرا دیا تھا، مگر ہادی کی جب سال بھر بعد وفات ہوگئی اور زمامِ اختیار ہارون رشید کے ہاتھ میں آیا تو انہوں نے مصر کی گورنری موسیٰ بن عیسیٰ کے سپرد کی، موسیٰ نے گرجوں کا مسئلہ اپنے زمانے میں اُٹھایا اور علماء وقت سے اس مسئلہ میں استفتاء کیا، چنانچہ اس وقت کے علماء نے عیسائیوں کے حق میں فتویٰ دیا اور زبردستی گرجے منہدم کرنے کو ناجائز بتایا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت نے اپنے خرچ سے دوبارہ ان منہدم گرجوں کی تعمیر کرائی اور عیسائیوں کے حوالہ کیا۔ (۱)

مفتوحہ ملکوں کی زمین و جائیداد

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں ممالک جب بکثرت فتح ہونے لگے تو اس وقت یہ مسئلہ زیر بحث آیا کہ مفتوحین کی زمین ان ذمیوں کے ہی قبضہ میں چھوڑ دی جائے یا مجاہدین میں تقسیم کردی جائے، بعض صحابہ کی رائے تھی کہ زمین کا خمس نکالنے کے بعد مجاہدین میں تقسیم کردی جائے، اور بعض دوسرے صحابہ کی رائے تھی کہ ذمیوں کے ہی قبضہ میں چھوڑ دی جائے تا کہ حکومت کو خراج کی آمدنی برابر ملتی رہے، اور ذمی زمین میں محنت کر کے اس کی پیداوار سے آرام کی زندگی گزاریں۔ یہ مسئلہ باہمی اختلاف کی وجہ سے صحابہ میں اہم بن گیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جلیل القدر صحابہ کرام کے ایک ایسے مجمع کے سامنے یہ مسئلہ رکھا جس میں انصار و مہاجرین دونوں بڑی تعداد میں شریک تھے، اور خود ہی اپنی ذاتی رائے ظاہر کی کہ زمین ذمیوں ہی کے پاس چھوڑ دی جائے۔ چنانچہ بحث و مباحثہ کے بعد متفقہ طور پر یہ بات طے پائی کہ ذمی اپنی زمین سے بے دخل نہیں کئے جائیں، امام ابو یوسف رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَقَدْ سَأَلَ بِلَالٌ وَأَصْحَابُهُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قِسْمَةَ مَا

---

(۱) النجوم الزاهرة في ملوك مصر والقاهرة: ما وقع من الحوادث سنة مائة و سبعين، ذكر ولاية موسى بن عيسى على مصر، ج۲ ص۲۶

أَفَاءَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ الْعِرَاقِ وَالشَّامِ، وَقَالُوا: اِقْسِمِ الْأَرَضِينَ بَيْنَ الَّذِينَ افْتَتَحُوهَا كَمَا تُقَسِّمُ غَنِيمَةَ الْعَسْكَرِ؛ فَأَبَى عُمَرُ ذٰلِكَ عَلَيْهِمْ، تَلَا عَلَيْهِمْ هٰذِهِ الْآيَاتِ.(۱)

حضرت بلال اور آپ کے ساتھیوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے درخواست کی، شام اور عراق سے جو کچھ فیٔ میں ملا ہے اسے تقسیم کر دیں، اور مفتوحہ زمین مجاہدین میں بانٹ دیں جیسا کہ غنیمت لشکروں میں تقسیم کی جاتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس مطالبہ کو منظور کرنے سے انکار کر دیا، اور دلیل میں فیٔ سے متعلق آیتیں تلاوت کیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تقریر صحابہ کرام کے مجمع میں

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کا شروع میں جب تقسیم پر اصرار بڑھا تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مہاجرین وانصار کے جلیل القدر اصحاب کو اس سلسلہ میں بلایا، جس میں ہر قبیلہ کے معزز اور ذی رائے حضرات شریک تھے، پھر آپ نے اپنی رائے اس مسئلہ کے سلسلہ میں واضح طور پر بیان کی، آپ نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

إِنِّي لَمْ أُزْعِجْكُمْ إِلَّا لِأَنْ تَشْتَرِكُوا فِي أَمَانَتِي فِيمَا حُمِّلْتُ مِنْ أُمُورِكُمْ؛ فَإِنِّي وَاحِدٌ كَأَحَدِكُمْ وَأَنْتُمُ الْيَوْمَ تُقِرُّونَ بِالْحَقِّ، خَالَفَنِي مَنْ خَالَفَنِي وَوَافَقَنِي مَنْ وَافَقَنِي، وَلَيْسَ أُرِيدُ أَنْ تَتَّبِعُوا هٰذَا الَّذِي هَوَايَ، مَعَكُمْ مِنَ اللّٰهِ كِتَابٌ يَنْطِقُ بِالْحَقِّ؛ فَوَاللّٰهِ لَئِنْ كُنْتُ نَطَقْتُ بِأَمْرٍ أُرِيدُهُ مَا أُرِيدُ بِهِ إِلَّا الْحَقَّ.(۲)

---

(۱) كتاب الخراج: فصل في الفئى والخراج، ص ۳۴

(۲) كتاب الخراج: فصل في الفئى والخراج، ص ۳۵، ۳۶

میں نے آپ حضرات کو اس لئے تکلیف دی ہے کہ میں نے آپ حضرات کا بوجھ اٹھا رکھا ہے، اس بارِ امانت میں میرے شریک رہیں اس لئے کہ میں آپ میں آپ ہی کی طرح کا ایک شخص ہوں، اور آج آپ تمام حضرات حق پر ثابت قدم ہیں، جس نے چاہا میری مخالفت کی اور جس نے چاہا موافقت کی، اور میری یہ خواہش بھی نہیں ہے کہ آپ میری یہ رائے خواہ مخواہ مان ہی لیں، آپ حضرات کے پاس اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جو حق کا اعلان کرتی ہے، بخدا میں اگر کوئی بات کہتا تھا تو وہ میری رائے اور خواہش تھی، باقی میرا منشاء صرف حق کا اظہار ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں۔

تقریر کی وضاحت اور فیصلہ

اس تقریر کے بعد جب قوم نے اظہار رائے کی اجازت دی تو آپ نے فرمایا کہ میں ظالم بننا نہیں چاہتا، لیکن مسلمانوں کا مستقبل البتہ پیش نظر ہے اور فتوحات کا سلسلہ زیادہ دنوں چلنے والا نہیں ہے، قابلِ ذکر علاقے فتح ہو چکے ہیں، اس لئے اگر مستقبل سے چشم پوشی کی گئی تو یہ دور اندیشی کے خلاف ہوگا۔ اور پھر ان الفاظ میں اپنی ذاتی رائے پیش کی:

وَقَدْ رَأَيْتُ أَنْ أَحْبِسَ الْأَرَضِينَ بِعُلُوجِهَا وَأَضَعَ عَلَيْهِمْ فِيهَا الْخَرَاجَ وَفِي رِقَابِهِمُ الْجِزْيَةَ يُؤَدُّونَهَا فَتَكُونُ فَيْئًا لِلْمُسْلِمِينَ: اَلْمُقَاتِلَةِ وَالذُّرِّيَّةِ وَلِمَنْ يَأْتِي مِن بَعْدِهِمْ. أَرَأَيْتُمْ هَذِهِ الثُّغُورَ لَا بُدَّ لَهَا مِنْ رِجَالٍ يَلْزَمُونَهَا، أَرَأَيْتُمْ هَذِهِ الْمُدُنَ الْعِظَامَ كَالشَّامِ وَالْجَزِيرَةِ وَالْكُوفَةِ وَالْبَصْرَةِ وَمِصْرَ لَا بُدَّ لَهَا مِنْ أَنْ تُشْحَنَ بِالْجُيُوشِ، وَإِدْرَارِ الْعَطَاءِ عَلَيْهِمْ؛ فَمِنْ أَيْنَ يُعْطَى هَؤُلَاءِ إِذَا قُسِّمَتِ الْأَرَضُونَ وَالْعُلُوجِ. (۱)

---

(۱) کتاب الخراج: فصل فی الفئی والخراج، ص ۳٦

میں نے مناسب یہ سمجھا کہ زمین کو ان کے باشندوں سمیت باقی رکھوں اور ان پر خراج و جزیہ مقرر کر دوں جسے وہ سب برابر ادا کرتے رہیں تا کہ یہ چیز مسلمانوں کے لئے ذریعہ آمدنی بن جائے، لڑنے والوں کے لئے بھی اور ان کے بال بچوں اور ان لوگوں کے لئے بھی جو بعد میں آئیں گے۔ کیا تم سرحدوں کے لئے ایسے لوگوں کو ضروری نہیں سمجھتے جو ان سے کسی حال میں جدا نہ ہوں۔ اسی طرح کیا شام، جزیرہ، کوفہ، بصرہ اور مصر جیسے بڑے بڑے شہروں کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ ان کو لشکروں سے بھر دیا جائے اور ان پر بے دریغ خرچ کیا جائے، پھر بتاؤ اگر اس وقت یہ ساری چیزیں اور ان کے باشندے تقسیم کر دیئے گئے تو یہ خرچ کہاں سے پورا ہوگا۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی اس تقریر سے مسئلہ کھل کر سامنے آ گیا اور سب نے یک زبان ہو کر کہا:

فَقَالُوا جَمِيعًا :الرَّأىُ رَأيُكَ، فَنِعْمَ مَا قُلْتَ وَمَا رَأيْتَ.[1]

سب نے ایک زبان ہو کر کہا رائے وہی درست ہے جو آپ کی ہے، اور جو کچھ آپ نے فرمایا اور سمجھا وہی بہتر ہے۔

خراج میں رعایت

اس کے بعد زمین کی پیمائش اور خراج پر دو تجربہ کار صحابہ مقرر کئے گئے، ایک حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ دوسرے حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ۔ جب یہ دونوں حضرات اپنے فرائض انجام دے کر واپس ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کہیں ایسا تو نہیں کیا کہ ان کی طاقت سے زیادہ خراج مقرر کر دیا ہو، ان حضرات نے اطمینان دلایا کہ ایسی بات نہیں ہوئی ہے بلکہ اتنی گنجائش باقی رکھی ہے کہ آمدنی دوگنی ہو سکتی

(۱) کتاب الخراج: فصل فی الفئی والخراج، ص ۳۶

ہے، یعنی کم سے کم خراج مقرر کیا گیا ہے جو ان پر بار نہیں ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا:

اَمَا وَاللّٰهِ لَئِنْ بَقِيتُ لَادَعَنَّ اَرَامِلِ اَهْلِ الْعِرَاقِ لَا يَفْتَقِرُونَ إِلَى اَمِيرٍ بَعْدِي. (۱)

سنو! بخدا اگر میں زندہ رہا تو عراق کی بیواؤں کا ایسا انتظام کر دوں گا کہ میرے بعد ان کو کسی امیر کی احتیاج باقی نہ رہے۔

ذمیوں کے باب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وصیت کر رکھی تھی:

اَنْ يُوَفَّى لَهُمْ بَعْدَهُمْ وَلَا يُكَلَّفُوا فَوْقَ طَاقَتِهِمْ وَاَنْ يُقَاتَلَ مِنْ وَرَائِهِمْ. (۲)

ان سے جو وعدے کئے گئے ہیں وہ پورے کئے جائیں یعنی ان کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے اور ان کے دشمنوں سے جنگ کی جائے۔

عجمی حکومتیں جس قدر خراج لیا کرتی تھیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو بہت کم مقرر کیا۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا فتویٰ

ہارون رشید نے جب امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے دریافت کیا کہ مشرکین کی زمین کے سلسلہ میں کیا کیا جائے، تو آپ نے لکھا کہ جو مسلمان ہو چکے ہیں ان پر عشر ہے اور وہ زمین ہمیشہ نسلاً بعد نسلٍ ان کے قبضہ اور خاندان میں رہے گی اور وہ جیسے چاہیں گے تصرف کریں گے، اور مشرکین میں جو اپنے سابق مذہب پر باقی ہیں، یعنی یا تو مصالحت ان سے ہوئی ہے، یا قوت سے فتح کرنے کے بعد زمین ان کے قبضہ میں چھوڑ دی گئی ہے، ان سے صرف اس قدر خراج لیا جائے جتنا ان سے طے ہوا ہے:

---

(۱) كتاب الخراج: ما عمل به في السواد، ص۴۷

(۲) كتاب الخراج: ما عمل به في السواد، ص۴۸

وَأَيُّمَا قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الشِّرْكِ صَالَحَهُمُ الْإِمَامُ أَنْ يَنْزِلُوا عَلَى الْحُكْمِ وَالْقَسْمِ، وَأَنْ يُؤَدُّوا الْخَرَاجَ فَهُمْ أَهْلُ ذِمَّةٍ وَأَرْضُهُمْ أَرْضُ خَرَاجٍ وَيُؤْخَذُ مِنْهُمْ مَا صُولِحُوا عَلَيْهِ وَيُوَفَّى لَهُمْ وَلَا يُزَادُ عَلَيْهِمْ.(۱)

مشرک کی جس قوم سے امام نے صلح کرلی ہے، اور ان کو ان کے شہروں میں اس شرط پر باقی رکھا ہے کہ وہ خراج ادا کرتے ہیں، وہ ذمی ہیں اور ان کی زمین خراجی ہے، جن چیزوں پر صلح کی گئی ہے وہ ان سے لی جائے گی، اور ان سے ایفائے عہد کیا جائے گا، کچھ اور اضافہ نہیں کیا جائے گا۔

مفتوحہ علاقوں کی ملکیت

طاقت سے جو خطہ حاصل ہوا اس میں اصل تو یہی ہے کہ وہ زمین مجاہدین پر تقسیم کردی جائے لیکن اگر مشورہ سے یہ بات طے پائی ہے کہ ذمیوں کے تسلط و قبضہ میں چھوڑ دی جائے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشورے سے طے کیا تھا، تو پھر وہ زمین برابر ان کے ہی قبضہ میں رہے گی اور ان کے بعد ان کا خاندان یکے بعد دیگرے اس پر قابض رہے گا:

وَهِيَ أَرْضُ خَرَاجٍ وَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَأْخُذَهَا بَعْدَ ذَلِكَ مِنْهُمْ، وَهِيَ مِلْكٌ لَهُمْ يَتَوَارَثُونَهَا وَيَتَبَايَعُونَهَا وَيَضَعُ عَلَيْهِمُ الْخَرَاجَ، وَلَا يُكَلَّفُوا مِنْ ذَلِكَ مَا لَا يُطِيقُونَ.(۲)

وہ خراجی زمین ہے اور امام کے لئے جائز نہیں ہے کہ ان سے بعد میں وہ لے لے، بلکہ وہ ان ذمیوں کی ملکیت ہے وہ ان کے وارث ہوں گے اور بیچ سکیں گے، البتہ ان سے خراج وصول کیا جائے گا، مگر جس کی وہ طاقت نہیں رکھتے ہیں اس کی تکلیف ان کو نہیں دی جائے گی۔

---

(۱) کتاب الخراج : فصل : فی إسلام من أهل الحرب وأهل البادیة علی أرضهم و أموالهم، ص۷۵

(۲) کتاب الخراج : فصل : فی إسلام قوم من أهل الحرب وأهل البادیة علی أرضهم و أموالهم، ص۷۵

ذمیوں کا زمین پر قبضہ اور اس کے اثرات

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ذمی زمین و جائیداد کے مالک بن گئے اور پھر وہ زمین برابر ان کے خاندان میں رہی، جیسے انہوں نے چاہا تصرف کیا، حکومت کبھی مانع نہیں بنی، اور نہ کبھی ان سے چھین کر کسی مصرف میں لانے کی جرأت کی۔ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ذمیوں کی مملوکہ زمینوں میں کوئی تصرف نہیں کیا۔ اگر کسی کو کوئی جاگیر عطا کرنا چاہی تو اس کو وہ زمین دی جو ذمیوں کے تسلط و قبضہ میں نہیں تھی۔

ہر دور میں اس کا پورا پاس ولحاظ رکھا گیا، وہ زمین نہ تو کسی کو جاگیر میں دی گئی اور نہ کسی نے خود اس کا لینا پسند کیا جو ذمیوں کے قبضہ میں تھی، جب کسی کو زمین کی ضرورت پڑی تو اسے وہ زمین دی گئی جو ذمیوں کے قبضہ میں نہیں تھی اور جس میں حکومتِ وقت کو تصرف کا جائز حق تھا۔ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی تھے، اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مصر کے گورنر، ان کو مصر کے ایک گاؤں میں جب سکونت کے لئے زمین کی ضرورت ہوئی تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں ایک ہزار گز زمین عطا کی، لیکن انہوں نے ایک افتادہ زمین پسند کی، اور جب ان کے نوکر نے اچھی زمین کا مشورہ دیا تو یہ کہہ کر رد فرما دیا کہ معاہدہ کی خلاف ورزی نہیں کی جا سکتی، اس لئے کہ معاہدہ میں یہ بھی داخل ہے کہ ذمیوں کی زمین ان کے قبضہ سے نہیں نکالی جائے گی۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایک شخص نے دجلہ کے کنارے رمنہ بنانا چاہا، تاکہ وہاں گھوڑوں کی پرورش کا سامان مہیا کیا جا سکے۔ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس یہ درخواست پہنچی تو آپ نے بصرہ کے گورنر حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا کہ اگر وہ زمین ذمیوں کے قبضہ میں نہ ہو اور نہ اس کے دینے سے ذمیوں کا نقصان نہ ہو تو درخواست کنندہ کو دے دی جائے۔ (۱)

(۱) رسائل شبلی: ص ٦٦

بغداد کی آبادی اور مسلمان حکمرانوں کا انصاف

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے بہت دنوں کے بعد خلافت عباسیہ کے زمانہ میں خلیفہ منصور عباسی نے جب بغداد کو دارالخلافت بنانے کا ارادہ کیا تو اس کے آس پاس کی زمین وہاں کی آباد قوموں سے قیمت دے کر یوں زبردستی نہیں لی۔ مختصر یہ کہ ہر دور میں ذمیوں کا پورا پورا پاس ولحاظ رکھا گیا، اور کبھی نہ ان کو تکلیف پہنچائی گئی اور نہ انہیں ان کی کسی ملک سے بے دخل کیا گیا، خواہ وہ ملک کسی کی ذاتی رہی ہو یا قومی اور مذہبی۔

بیت المقدس کا نامہ امن

جیسا کہ عرض کیا گیا خلفائے راشدین کے یہاں ذمیوں کا بڑا اہتمام تھا، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے الفاظ میں جو امان نامہ بیت المقدس کے موقع پر عطا کیا تھا اس میں جان و مال، عزت و آبرو اور مذہب کی حفاظت اور آزادی کی صراحت ہے، امام ابو جعفر طبری رحمہ اللہ نے بیت المقدس کا یہ پورا امان نامہ نقل کیا ہے، اس کا بعض حصہ یہاں نقل کیا جاتا ہے:

هذا ما أعطى عبد الله عمر أمير المؤمنين أهل إيلياء من الأمان، أعطاهم أمانا لأنفسهم وأموالهم، ولكنائسهم وصلبانهم، وسقيمها وبريئها وسائر ملتها، أنه لا تسكن كنائسهم ولا تهدم، ولا ينتقص منها ولا من حيزها، ولا من صليبهم، ولا من شيء من أموالهم، ولا يكرهون على دينهم، ولا يضار أحد منهم.(۱)

یہ وہ امان نامہ ہے جو اللہ کے بندے عمر خلیفۃ المسلمین نے ایلیا والوں کو عطا کیا، میں نے ان کی جان، مال، عبادت خانے، صلیب، بیمار، صحت منداور ان کی ساری ملت کو امن بخشا، نہ کوئی ان کے گرجوں میں سکونت اختیار کرے گا اور

---

(۱) تاريخ الطبری: سنة خمس عشرة، ذكر فتح بيت المقدس، ج۳ ص۶۰۹

نہ ان گرجوں کو ڈھایا جائے گا۔ اور نہ ان میں اور نہ ان کے احاطہ میں کوئی کمی کی جائے گی، نہ ان کے صلیب اور ان کے اموال کے کسی حصہ کو نقصان پہنچایا جائے گا، اور نہ دین کے معاملہ میں ان پر کوئی جبر کیا جائے گا، اور نہ ان میں سے کسی کو کوئی ضرر پہنچایا جائے گا۔

اسے بار بار پڑھئے اور غور کیجیے کوئی فاتح اپنی رعایا کو اس سے زیادہ آزادی اور کیا عطا کر سکتا ہے، جو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے غیر مسلم رعایا کو عطا فرمائی۔

خراج کے سلسلہ میں دیکھ بھال

خراج کے سلسلہ میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ عاملین کی جس طرح نگرانی فرماتے تھے اور ظلم وزیادتی پر جس طرح نظر رکھتے تھے اس کی مثال تاریخ پیش نہیں کر سکتی۔ ذمیوں کے متعلق جب کوئی بات ہوتی تھی تو ان سے مشورہ کر لیا کرتے تھے۔

حضرت ہشام بن عروہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ حدیث کی کتابوں میں مشہور ہے کہ شام کے علاقہ میں انہوں نے دیکھا کہ کچھ لوگوں کو دھوپ میں کھڑا کر دیا گیا ہے اور ان کے سروں پر سزاءً تیل ڈالا جا رہا ہے، یہ دیکھ کر انہوں نے دریافت کیا کہ یہ کیا معاملہ ہے، ان کو بتایا گیا کہ چونکہ ان لوگوں نے خراج ادا نہیں کیا ہے اس لئے ان کو یہ سزا دی جا رہی ہے۔

حضرت ہشام رضی اللہ عنہ یہ سن کر ششدر رہ گئے اور فرمایا:

أَشْهَدُ لَسَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: إِنَّ اللهَ يُعَذِّبُ الَّذِينَ يُعَذِّبُونَ النَّاسَ فِي الدُّنْيَا. (۱)

میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ یقیناً ان کے لوگوں کو عذاب دے گا جو لوگوں کو دنیا میں ستاتے ہیں۔

---

(۱) صحیح مسلم: كتاب البر والصلة، باب الوعيد الشديد لمن عذب الناس بغير حق، ج۴ ص۲۰۱۷، رقم الحديث: ۲۶۱۳

ہندوستان میں ہندوؤں کا عقیدہ مسلمانوں کے بارے میں

آپ جانتے ہیں کہ راجہ داہر کے زمانہ میں محمد بن قاسم نے اس ملک ہندوستان میں قدم رکھا۔ چنانچہ ببے رائے نے جو داہر کا بھتیجا اور سیوستان کا حکمران تھا مقابلہ کا ارادہ کیا تو اس وقت سندھ کے باشندوں اور علماء بدھ نے جلسہ کیا اور راجہ کے سامنے اپنی یہ تجویز رکھی:

> مسلمانوں کا مقابلہ نہ کیجیے اور صلح وآشتی سے کام لیجیے، مسلمان درخواست صلح کو رد نہیں کرتے اور کسی کے مذہب میں دخل نہیں دیتے، لہٰذا کشت وخون کا ہنگامہ برپا کرنا فضول ہے۔ (۱)

تیرہ سو برس پہلے مسلمانوں کی رواداری اور امن پروری کا اتنا شہرہ تھا کہ ہندوستان جیسے دور دراز ملک کے غیر مسلم باشندے بھی اس سے نا آشنا نہ تھے، اور حد یہ ہے کہ انہیں بھی مسلمانوں کے اس نظامِ حکومت پر پورا اعتماد تھا، اور الحمد للہ مسلمانوں نے بھی اپنے مفتوحہ علاقہ کی غیر مسلم پبلک کے ساتھ وہی سلوک کیا جس کی ان کو مسلمانوں سے توقع تھی۔

امن وامان کا اعلان

جس دن راجہ داہر مسلمانوں کے ہاتھ مارا گیا اور مسلمانوں کو کامیابی حاصل ہوئی بہت سے غیر مسلموں نے بخوشی اسلام قبول کرنے کی درخواست پیش کی۔ چنانچہ ان کو مسلمان بنایا گیا، مگر دوسرے ہی روز یہ اعلان کر دیا گیا:

> جو شخص چاہے اسلام قبول کرے اور جو چاہے اپنے آبائی مذہب پر قائم رہے، ہماری طرف سے کوئی تعرض نہ ہوگا۔ (۲)

یہ اعلان کر کے دلوں سے خوف وہراس ختم کر دیا گیا، اور پوری آزادی کے ساتھ سانس لینے کی اجازت دے دی گئی، اور اس کا عملاً یقین دلایا گیا کہ اسلام میں مذہب کے سلسلہ میں کوئی جبر اور کسی طرح کی زبردستی نہیں ہے، اور مسلمان ایسی ناگوار چیز ایک لمحہ کے لئے بھی برداشت نہیں کرتا کہ کوئی انسان جبراً، قہراً اپنا مذہب اور دھرم بدل دے۔

---

(۱) آئینہ حقیقت نما: ص ۸۱ (۲) آئینہ حقیقت نما: ص ۸۵

برہمن آباد کی فتح اور محمد بن قاسم رحمہ اللہ کا اعلان

برہمن آباد جس دن فتح ہوا وہاں کے غیر مسلم باشندے مارے ڈر کے بھاگے جا رہے تھے، اس وقت حکومت کی طرف سے فوراً اعلان کرایا گیا:

جو شخص اپنی جان بچانے کے لئے بھاگتا ہے بھاگ جانے دو، باشندگانِ شہر سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا، سوداگر، دوکاندار اور اہل حرفہ بدستور اپنے مشاغل میں مصروف رہے، اور امن وامان کا اعلان کر دیا گیا۔ جنگی قیدی جب محمد بن قاسم کے سامنے پیش ہوئے تو اس نے ان کو رہا کر دیا، اور جو اپنے باپ دادا کے مذہب پر چلے اس سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔ (۱)

ہندوؤں کی مذہبی عبادت گاہوں کا احترام

ساتھ ہی ان کی مذہبی عبادت گاہوں کے سلسلہ میں محمد بن قاسم رحمہ اللہ نے اعلان کر دیا:

نہ ان کے مندروں اور عبادت خانوں میں کسی قسم کی مداخلت کی جائے گی، نہ زمینیں چھینی جائیں گی، اور نہ جان واموال میں کسی قسم کا نقصان پہنچایا جائے گا۔ (۲)

ملتان کے سلسلہ میں مورخین رقم طراز ہیں:

مسلمانوں نے بزور شمشیر ملتان پر قبضہ کیا اور اہلِ شہر کو کسی قسم کا نقصان پہنچائے بغیر امن وامان اور معافی کا اعلان کیا...... مندروں کی مورتیوں کو جو جواہرات سے مرصع اور سونے چاندی کی بنی ہوئی تھیں کسی نے ہاتھ نہیں لگایا۔ (۳)

پجاری محمد بن قاسم رحمہ اللہ کی خدمت میں

برہمن آباد کی فتح کے بعد پجاری برہمنوں کا ایک وفد محمد بن قاسم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور انہوں نے شکوہ کیا کہ مسلمان سپاہیوں کے خوف سے عام ہندو مندروں میں آنے

(۱) آئینہ حقیقت نما: ص ۸۸ (۲) آئینہ حقیقت نما: ۹۰ (۳) آئینہ حقیقت نما: ص ۹۱

سے گھبراتے ہیں جس کی وجہ سے ہماری آمدنی بہت کم ہوگئی ہے۔ پھر ایام محاصرہ میں بعض مندروں کو نقصان بھی پہنچا ہے جس کی مرمت اب تک نہیں ہوسکی ہے۔ لہٰذا آپ پہلے اپنے اہتمام میں ان مندروں کی مرمت کرائیں، پھر ہندوؤں کو مجبور کریں کہ مندروں میں آئیں اور پہلے کی طرح پوجا پاٹ انجام دیں، محمد بن قاسم رحمہ اللہ نے یہ حالات حجاج بن یوسف کو لکھ بھیجے، وہاں سے ہدایت آئی:

> تمہارے خط سے معلوم ہوا کہ برہمن آباد کے ہندو اپنے ہندوؤں کی عمارت درست کرنا چاہتے ہیں، چونکہ انہوں نے اطاعت قبول کر لی ہے لہٰذا ان کو اپنے معبودوں کی عبادت میں آزادی حاصل ہونی چاہیے، اور کسی قسم کا جبر کسی پر مناسب نہیں ہے۔ (۱)

ہندو پجاریوں کے ساتھ شاہی سلوک

جس وقت یہ ہدایت نامہ پہنچا محمد بن قاسم رحمہ اللہ برہمن آباد سے نکل کر ایک منزل طے کر چکا تھا، جوں ہی یہ ہدایت نامہ ملا الٹے پاؤں واپس آیا اور:

> وہاں کے تمام اکابر و علماء کو بلایا اور برہمنوں یعنی پجاریوں کے حقوق و مراسم کی تحقیق کی، اور راجہ داہر کے زمانہ میں سلطنت کی طرف سے کیا کیا رعایتیں برہمنوں کو حاصل تھیں سب کو معلوم کیا، اس کے بعد اس نے شہر میں اعلان کر دیا کہ جو لوگ اپنے باپ دادا کے مراسم کے پابند ہیں ان کو ہر قسم کی آزادی ان مراسم کے بجالانے میں حاصل ہے، کوئی شخص معترض نہ ہو سکے گا برہمنوں کو دان، پن، دکشنا، بھینٹ جس طرح پہلے دیتے تھے اب بھی دیں، اپنے مندروں میں آزادانہ پوجا پاٹ کریں، محاصل ملکی یعنی سرکاری خزانے میں سے تین فیصد برہمنوں کے لئے الگ خزانہ میں جمع کیا جائے گا، اس روپیہ کو

---

(۱) آئینہ حقیقت نما: ص ۹۵

برہمن جس وقت چاہیں اپنے مندروں کی مرمت اور ضروری سامان کے لئے خزانہ سے برآمد کرسکتے ہیں۔ (۱)

اندازہ لگائیں کہ مسلمان حکمرانوں نے اپنی غیر مسلم رعایا کے ساتھ رواداری کی وہ کونسی قسم ہے جسے نہیں برتا اور امن وامان اور سکون واطمینان حاصل کرنے کا وہ کونسا طریقہ ہے جو اپنی غیر مسلم رعایا کے لئے مہیا نہیں کیا۔ غور کیجیے ابھی جو لوگ مقابلہ میں سینہ سپر اور خون کے پیاسے تھے، ان پر فتح حاصل کی ہے مگر بجائے اس کے کہ اپنے ان خونی دشمنوں سے انتقام لیتے۔ حسنِ سلوک، رعایا پروری اور اخلاقِ حسنہ کا ثبوت فراہم کیا، ان کی مذہبی عبادت گاہوں کی حفاظت کا اعلان کیا، ان کے دھرم اور مذہب کے مراسم کو بحال رکھا اور ملکی محاصل کا تین فی صدی حصہ مندروں کے لئے عطا کردیا۔

کون نہیں جانتا کہ مسلمان مورتیوں اور مصنوعی خداؤں کا نام سن کر غضب ناک ہوتا ہے، مگر جب یہی بتوں کو پوجا کرنے والے رعایا بن جاتے ہیں تو مسلم حکمران ان کے محافظ ونگران بن جاتے ہیں، اور ایک منٹ کے لئے یہ جائز نہیں رکھتے کہ مسلم حکومت میں رہتے ہوئے کوئی ان کا بال بھیگا کرسکے۔ غیر مسلم رعایا کی حفاظت کے لئے اپنی پوری طاقت صرف کردینا گوارا کرتے ہیں۔ مسلمانوں کی جان و مال کی قربانی برداشت کرلیتے ہیں، لیکن ان کی جان و مال اور عزت وآبرو پر آنچ آنے کو پسند نہیں کرتے۔

ایک غیر مسلم مجرم عورت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی نظر میں

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر بہت ہی جچا تلا جواب دیا تھا، جب آپ کے عہد خلافت میں ایک غیر مسلم عورت کا ہاتھ ایک مسلمان افسر نے صرف اس جرم میں کٹوا دیا تھا کہ وہ مسلمانوں کی ہجو میں اشعار گاتی پھرتی تھی، آپ نے اس افسر کو خط لکھا:

اگر وہ عورت مسلمان تھی تو کوئی معمولی سزا دینی چاہیے تھی، اور اگر ذمی تھی تو جب

(۱) آئینہ حقیقت نما: ص ۹۷

ہم نے اس کے شرک وکفر سے درگزر کی تو بجوشرک سے بہر حال کم ہے۔ (۱)

اوپر آپ نے محمد بن قاسم رحمہ اللہ کے اس حسنِ سلوک کا ایک حصہ پڑھا جو انہوں نے ہندوستان کے ہندوؤں اور بودھوں کے ساتھ کیا اور وہ بھی جنگ کے فوراً بعد، جب کہ جنگ کے گردوغبار سے ابھی ان کا چہرہ خاک آلودہ ہی تھا، اور ابھی اس کی تکان بھی ختم نہیں ہوئی تھی۔

اسلامی قوانین کے اثرات

ممکن ہے کہ آپ اسے صرف محمد بن قاسم رحمہ اللہ کے ذاتی اوصاف پر محمول کریں، بلاشبہ یہ بہت سی خوبیوں کا مالک تھا، لیکن یقین کیجیے کہ اس سیرت کے بنانے میں سب سے بڑا حصہ ان اسلامی قوانین کا ہے جن کی پیروی کو وہ اپنے لئے باعث نجات سمجھتا تھا، اور اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ مسلم حکمران کے جس فرد کو دیکھئے ان معاملات میں آپ کو خوش اخلاق اور نرم خو ہی ملے گا۔ حجاج بن یوسف کتنا بدنام ہے، مگر اسی سندھ اور ہندوؤں کے سلسلہ میں اس کا رویہ کس قدر قابل تحسین ہے اس کا تھوڑا سا اندازہ اس کے ان خطوط سے ہوگا جو اس نے اس زمانہ میں اپنے سپہ سالار محمد بن قاسم رحمہ اللہ کو لکھے:

حجاج بن یوسف کی طرف سے ہدایات

فتح دیبل کی خوش خبری پاکر حجاج نے لکھا:

> جب تم ملک پر قابض ہو جاؤ تو قلعوں کی استواری اور لشکر کی رفع احتیاج کے بعد تمام اموال وخزائن کو "بہبود رعایا اور رفاہِ خلق" میں خرچ کرو۔ رعایا کے ساتھ ہمیشہ رعایت کرو، تا کہ وہ تمہاری طرف محبت کے ساتھ راغب ہوں۔ (۲)

حجاج اچھی طرح جانتا تھا کہ سندھ کی ساری رعایا غیر مسلم ہے، اور ساری ہدایتیں اسی کی دلدہی کے سلسلہ میں دی جا رہی تھیں، اور اس کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید ہو رہی تھی۔

---

(۱) تاریخ الطبری: سنة إحدى عشرة، ذکر خبر حضرموت فی ردتھم، ج۳ ص ۳۴۲
(۲) آئینہ حقیقت نما: ص ۹۵

حسنِ سلوک کی تاکید

محمد بن قاسم رحمہ اللہ جس زمانہ میں نیرون میں مقیم تھا، حجاج کا ہدایت نامہ وصول ہوا:

> اہل نیرون کے ساتھ نہایت نرمی اور دلدہی کا سلوک کرو، ان کی بہبود کے لئے کوشش کرو لڑنے والوں میں سے جو تم سے امان طلب کرے اُسے ضرور امان دو، کسی مقام کے اکابر و سردار تمہاری ملاقات کو آئیں تو ان کو قیمتی خلعت اور انعام و اکرام سے نوازا کرو، جو وعدہ کسی سے کرو ضرور پورا کرو، تمہارے قول وفعل پر سندھ والوں کو پورا پورا اعتماد واطمینان ہو۔ (۱)

یہ سب کچھ اس رعایا کے سلسلہ میں لکھا جا رہا ہے جو ذمی اور غیر مسلم ہے، کیا مذہب کے اختلاف کی وجہ سے لب ولہجہ میں ذرہ برابر کوئی فرق محسوس ہوتا ہے؟ اس سے زیادہ ماتحت نوازی اور کیا ہو سکتی ہے؟

رعایتوں اور عطیات کی تاکید۔

سیوستان کی فتح کی مسرت انگیز خبر جب پہنچتی ہے تو محمد بن قاسم رحمہ اللہ کو ہدایت بھیجی جاتی ہے، اور کن لوگوں کے بارے میں؟ غیر مسلم ہندو رعایا کے سلسلہ میں یہ خیر خواہانہ ہدایت دی جاتی ہے:

> جو کوئی تم سے جاگیر و ریاست طلب کرے تم اس کو ناامید نہ کرو، التجاؤں کو قبول کرو، امان وعفو سے رعایا کو مطمئن کرو، تم راجاؤں سے جو عہد کرو اس پر قائم رہو، جب وہ خراج دینے کا اقرار کرلیں تو ہر طرح ان کی امداد و اعانت کرو۔ (۲)

کوئی اس سے زیادہ اپنی رعایا کے لئے خیر خواہی اور کیا کر سکتا ہے، خیر خواہی کی کونسی صورت ہے جس کے لئے حاکم اعلیٰ کی ہدایت نہ پہنچی ہو، اور سپہ سالار نے اس پر عمل نہ کیا ہو۔

---

(۱) آئینہ حقیقت نما: ص ۹۵ (۲) آئینہ حقیقت نما: ص ۹۶

شریعت کا فیضان

یہ ہرگز وہم نہ ہو کہ محمد بن قاسم رحمہ اللہ کو حسنِ سلوک اور رعایا پروری کی جو ہدایتیں مل رہی ہیں یہ اسلامی قانون سے الگ کوئی چیز ہے، ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ یہ ساری ہدایتیں وہی ہیں جن کی اسلام نے تعلیم دی ہے، چنانچہ اسی زمانہ میں یہ بھی ہدایت موصول ہوئی:

تمہارا انتظام واہتمام اور ہر ایک کام شرع کے مطابق ہو، جو لوگ بزرگ اور ذی وقعت ہوں ان کو ضرور امان دو، لیکن شریروں اور بدمعاشوں کو دیکھ بھال کر آزاد کیا کرو۔ اپنے عہد و پیمان کا ہمیشہ لحاظ رکھو اور امن پسند رعایا کا خیال رکھو۔ (۱)

غیر مسلم رعایا کے ساتھ حسن سلوک

ایک خط میں لکھا:

جو مطیع ہوں ان کو امان دو، صناع وتاجر پر کوئی محصول یا ٹیکس عائد نہ کرو، جو شخص زراعت میں زیادہ توجہ اور جانفشانی سے کام لیتا ہے اس کی مدد کرو، اور اس کو ترقی دو۔ جو لوگ اسلام سے مشرف ہوں ان سے زمین کی پیداوار کا عشر یعنی دسواں حصہ وصول کرو، اور جو لوگ اپنے مذہب پر قائم رہیں ان سے وہی خراج وصول کرو جو اپنے راجاؤں کو دیا کرتے تھے۔ (۲)

جو کچھ پیش کیا جا رہا ہے اسے ناقدانہ نظر سے ملاحظہ فرمائیں اور بتائیں کہ ایک مسلم حکومت اپنی غیر مسلم رعایا کے ساتھ کیسا برتاؤ کر رہی ہے؟ یہ مظالم اور خوف و ہراس کے انداز میں یا شفقت ومحبت وانس واخلاص کے یہ فیاضانہ سلوک کیا جا رہا ہے، یا جابرانہ اور تنگ دلی کا؟

---

(۱) آئینہ حقیقت نما: ص ۹۶ (۲) آئینہ حقیقت نما: ص ۹۷

رواداری پر تحسین

ہندوستان کے ہندوؤں کے ساتھ محمد بن قاسم رحمہ اللہ نے شریعت کے مطابق جس فیاضی اور رواداری کا سلوک کیا، اس خدمت پر اسے دادِ تحسین سے نوازا گیا۔ اور حجاج بن یوسف نے لکھا:

> اے ابن عم محمد بن قاسم! تم نے رعیت نوازی اور افادہ عام میں جو کوشش کی ہے وہ نہایت تعریف کے لائق ہے۔ (۱)

ان سارے واقعات سے اندازہ لگائیں کہ اسلامی حکومت میں غیر مسلم کا کیا مقام ہے، اور ان کی دلجوئی اور راحت رسانی مسلم حکومت کی نگاہ میں کس قدر ضروری ہے۔

مندروں کے لئے جاگیریں

مؤرخین نے لکھا ہے:

> محمد بن قاسم اور اس کے عہد کے مسلمان گورنروں نے ملک سندھ میں ہندوؤں کے مندروں کے لئے بڑی بڑی جاگیریں وقف کیں۔ (۲)

یہ تھا اپنی غیر مسلم رعایا کے مذہب کی حفاظت کا جذبہ، ایک مسلم حکومت کے ذمہ داروں کے دلوں میں، درحقیقت یہ سب بازگشت تھی اس صدائے نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی جس میں ذمیوں پر مظالم ڈھانے سے روکا اور ان کے حقوق بیان کئے۔

برہمنوں کو معزز عہدے

محمد بن قاسم رحمہ اللہ نے حکومت کی طرف سے سندھ کے غیر مسلم پیشہ وروں کی زیادہ سے

---

(۱) آئینہ حقیقت نما: ص ۹۸

(۲) آئینہ حقیقت نما: ص ۹۹۔ مسلمانوں کے اس عدل و رواداری کا اعتراف صاف دماغ ہندو مورخین نے بھی اپنی کتابوں میں کیا ہے۔ اس سلسلہ میں آپ ڈاکٹر تاراچند، ڈاکٹر ایشوری پرشاد، ڈاکٹر پرماتماسرن اور گاندھی جی وغیرہ کی کتابیں اور مضامین کا مطالعہ کریں۔ مولانا احمد ایم اے نے اپنی کتاب ''مسلم حکومتوں کی رواداری'' میں ان مصنفین اور دوسرے ہندو عیسائی مصنفین کی کتابوں کے حوالے یکجا کر دیئے ہیں۔

زیادہ مدد کی، کاروبار پھیلانے کا موقع بہم پہنچایا اور برہمنوں کو حکومت کے معزز عہدوں سے نوازا، اور اس طرح ان سب کی عزت افزائی کی، مورخین کا بیان ہے:

محمد بن قاسم نے یہ تحقیق کرنے کے بعد برہمن واقعی ایک معزز اور اُمورِ سلطنت سے واقف قوم ہے، حکم دیا کہ برہمنوں کو سلطنتِ اسلامیہ کے ''معزز عہدوں'' پر مامور کیا جائے، چنانچہ محکمہ مال کا تمام انتظام برہمنوں کے سپرد کر دیا گیا...... خراج کا وصول کرنا، اس کا حساب رکھنا، خزانہ کی حفاظت کرنا، سب برہمنوں کے سپرد کر دیا گیا۔ (۱)

اور اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ:

محمد بن قاسم کے زمانہ سے لے کر آئندہ ہر زمانہ میں ملک سندھ کا مالی محکمہ برہمنوں ہی کے ہاتھ میں رہا، برہمن محمد بن قاسم سے جس شخص کی سفارش کرتے وہ اس کے مرتبہ کو بلند کر دیتا تھا۔ (۲)

پبلک کی بھلائی پر نظر

اس کا یہ مطلب ہرگز نہ سمجھا جائے کہ اس نے برہمنوں کو من مانی کرنے کی چھوٹ دے رکھی تھی بلکہ اس کی نگاہ عدل اور انصاف پر برابر رہتی تھی۔ اور ساری پبلک اس کی نظر میں برابر تھی۔ چنانچہ محمد بن قاسم رحمہ اللہ نے برہمنوں کو تاکید کر دی تھی:

کاشتکاروں سے محصول یا بٹائی وصول کرنے میں ہرگز کوئی سختی نہ کی جائے، اور جہاں تک ممکن ہو کاشتکاروں کو سہولتیں دی جائیں، جس کاشتکار کے یہاں پیداوار کم ہو اس کو سرکاری ٹیکس معاف کر دیا جائے۔ (۳)

محمد بن قاسم رحمہ اللہ کے اثرات غیر مسلموں پر

مسلم حکومت کی یہی برکتیں تھیں کہ جس قدر ان مسلم حکمرانوں اور ان کے طرزِ حکمرانی

(۱) آئینہ حقیقت نما: ص ۱۰۰ (۲) آئینہ حقیقت نما: ص ۱۰۰ (۳) آئینہ حقیقت نما: ص ۱۰۱

سے غیر مسلم رعایا خوش تھی اپنے ہم مذہب حکمرانوں کی حکومت سے خوش نہیں تھی، اسلامی حکومت ان کے لئے رحمت تھی۔ جس میں ان کی جان، ان کا مال اور ان کی عزت وآبرو محفوظ تھی، ظلم وجور اور بے جا تشدد سے امن تھا، مورخین ہی کا بیان ہے کہ سندھ سے جس وقت محمد بن قاسم رحمہ اللہ روانہ ہوا ہے تو یہاں کے باشندوں نے اپنی محبت کا اظہار اس طرح کیا:

> وہ ملک سندھ سے روانہ ہوا ہے تو عام طور پر ملک میں رنج والم کا اظہار کیا گیا:
> شہر کیرج کے ہندوؤں اور بودھوں نے اپنے شہر میں محمد بن قاسم کا ایک بت بنا کر رکھا اور اس کی پرستش شروع کردی۔ (۱)

راجہ جے پال کے ساتھ رواداری

محمد بن قاسم رحمہ اللہ کے بعد دوسرے مسلمان حکمرانوں نے بھی ہمیشہ اس ملک کے رہنے والوں کے ساتھ رواداری اور حسنِ سلوک سے کام لیا۔ راجہ جے پال نے سبکتگین کو بار بار پریشان کیا اور بار بار کوشش کی کہ غزنی حکومت تباہ وبرباد ہو جائے، مگر سبکتگین نے ہر بار جے پال پر رحم وکرم کیا، اور جب بھی صلح کی درخواست پیش کی اس نے شرفِ قبول بخشا، کبھی بھی اس نے صلح کی درخواست رد نہ کی، سرداروں اور مشیر کاروں نے بارہا سمجھایا کہ ایسے دشمن کے ساتھ کیوں بار بار رحم کرتے ہیں جو اپنے وعدے کا جھوٹا اور منافق ہے، مگر بایں ہمہ سبکتگین نے وہی کیا جو ایک مسلمان کو کرنا چاہئے، جے پال اس وقت بھی اپنی مکاری سے باز نہ آیا جب سبکتگین انتقال کر چکا تھا، بلکہ یہ سمجھ کر اب بادشاہ باقی نہیں رہا اس کے بیٹے محمود کو بآسانی شکست دی جا سکتی ہے، غزنی پر تیسرا حملہ کیا اور ڈیڑھ لاکھ مسلح فوج سے پوری قوت کے ساتھ کیا، مگر خدا کی قدرت کہ محمود غزنوی کی دس ہزار فوج جے پال کی ڈیڑھ لاکھ فوج پر غالب آئی اور جے پال گرفتار ہوا، غزنی لا کر اس سے پوچھا گیا کہ تو نے یہ کیا طریقہ اختیار کر رکھا ہے، تمہارے ساتھ کیا کیا جائے؟ تو جے پال نے پھر کہا:

---

(۱) آئینہ حقیقت نما: ص ۱۰۲

اس مرتبہ میری خطا معاف کی جائے اور مجھ کو چھوڑ دیا جائے، میں اب تازیست انحراف نہ کروں گا اور پنجاب کو غزنی کا ایک صوبہ سمجھ کر حکومت کروں گا، اور سالانہ خراج بلا عذر وحیلہ بھیجتا رہوں گا، محمود نے انتہائی شرافت کو کام میں لاکر راجہ کی استدعا کو قبول کیا اور غزنی سے لاہور کی جانب روانہ کر دیا۔ (۱)

ایک انگریز مصنف کی گواہی

مگر آپ کو سن کر حیرت ہوگی اس کے بعد بھی وہ اپنی اس بری حرکت سے باز نہیں آیا الفنسٹن صاحب کی محمود غزنوی کے بارے میں گواہی ہے کہ:

یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس (سلطان محمود) نے ایک ہندو کو بھی مسلمان بنایا ہو۔ سوائے لڑائی کے کسی ہندو کو اس نے قتل بھی کیا۔ (۲)

اس وقت صرف سرسری نظر ڈالنی ہے، احتوا اور احاطہ مقصد نہیں ورنہ ایک ایک مسلمان بادشاہ کے متعلق تاریخی شہادت پیش کرتا کہ اس نے اپنی غیر مسلم رعایا کے ساتھ کیا برتاؤ کیا، اور عدل ومساواتِ انسانی کو انہوں نے کس طرح قائم رکھا۔

شخصی حکومت کے ایک سربراہ کا رویہ غیر مسلم رعایا کے ساتھ

ہندوستانی مسلمان حکمرانوں کی رواداری کا تذکرہ ختم کرتے ہوئے ابن بطوطہ کا بیان پیش کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے جو اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، یہ اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے کہ یہ شخصی حکومت کے سربراہ کا واقعہ ہے۔ ابن بطوطہ لکھتا ہے:

میں نے سلطان محمد بن تغلق سے زیادہ منصف اور عدل گستر کوئی نہیں دیکھا، ایک مرتبہ ایک ہندو امیر نے دعویٰ کیا کہ بادشاہ نے اس کے بھائی کو بلاوجہ مار ڈالا ہے، قاضی کی عدالت میں مقدمہ پیش ہوا تو بادشاہ بغیر کسی ہتھیار کے قاضی کے سامنے عام ملزموں کی طرح حاضر ہوا، اور قاضی کو سلام کیا اور تعظیم بجالایا۔

---

(۱) آئینہ حقیقت نما: ص ۱۴۶ (۲) آئینہ حقیقت نما: ص ۱۸۷

پہلے سے حکم تھا کہ بادشاہ عدالت میں حاضر ہو تو قاضی اس کی تعظیم کے لئے کھڑا نہ ہو، مقدمہ سنایا گیا، آخر قاضی نے فیصلہ کیا بادشاہ پر جرم ثابت ہے۔ اسے چاہئے ہندو امیر کو راضی کرے ورنہ اس سے قصاص لیا جائے گا، چنانچہ مسلمان نے امیر کو رضامند کرلیا اور قاضی نے اسے بری کردیا۔[1]

غور کیجیے ایک شخصی حکومت کا مسلمان حاکم جب عدل ومساوات انسانی کے سلسلہ میں ایسا کرسکتا ہے تو جو حکومت اسلامی خلفائے راشدین کے طرز پر قائم ہوگی، اور جو منہاجِ شریعت سے ایک انچ ہٹنے کو گناہ عظیم سمجھے گی، کیا ایسی اسلامی حکومت میں غیر مسلم رعایا کے ساتھ کسی زیادتی کا وہم بھی جائز ہوسکتا ہے۔

ایک مسلم حکمران کی وصیت

شہنشاہ بابر نے شاہزادہ ہمایوں کو جو وصیت کی تھی وہ بھی اس لائق ہے کہ اسے یہاں درج کیا جائے تاکہ اندازہ ہو کہ مسلمان حکمرانوں کو اپنی غیر مسلم رعایا کا کس قدر لحاظ تھا۔ اصل وصیت فارسی میں ہے، اس کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

اے پسر! سلطنتِ ہندوستان مختلف مذہب سے پُر ہے، الحمدللہ! اس کی بادشاہت تمہیں عطا فرمائی، تمہیں لازم ہے کہ تمام تعصباتِ مذہبی لوحِ دل سے دھو ڈالو، اور عدل وانصاف کرنے میں ہر مذہب وملت کے طریقِ کار کا لحاظ رکھو، جس کے بغیر ہندوستان کے لوگوں کے دلوں پر قبضہ نہیں کرسکتے، اس ملک کی رعایا مراحِم خسروانہ اور الطافِ شاہانہ ہی کی مرہونِ منت ہوتی ہے، جو قوم یا ملت حکومت کی مطیع اور فرمانبردار ہے اس کے مندر اور مزار برباد نہ کیے جائیں، عدل وانصاف ایسا کرو کہ رعایا بادشاہ سے خوش ہو، ظلم وستم کی نسبت احسان اور لطف کی تلوار سے اسلام زیادہ ترقی پاتا ہے۔ شیعہ اور سنی کے

---

(۱) مسلمانوں کا عروج اور زوال: ص ۱۷۷

جھگڑوں سے چشم پوشی کرو، ورنہ اسلام کمزور ہو جائے گا، جس طرح انسان کے
جسم میں چار عناصر مل جل کر اتحاد و اتفاق سے کام کر رہے ہیں، اسی طرح
مختلف مذاہب کی رعایا کو ملا جلا کر رکھو اور ان میں اتحادِ عمل پیدا کرو، تا کہ جسمِ
سلطنت مختلف امراض سے محفوظ و مامون رہے۔ سرگزشت تیمور پر جو اتحاد و
اتفاق کا مالک تھا اپنی نظر رکھو، تا کہ نظم ونسق کے معاملات میں پورا تجربہ ہو۔ (۱)

یہ پوری وصیت بغور پڑھ کر بتایا جائے کہ کیا غیر مسلموں کے لئے اس میں رواداری، عدل و انصاف اور ان کے مذہب کے احترام کی تاکید نہیں ہے؟ اور کیا عام رعایا کے ساتھ ظلم ستم کا برتاؤ کرنے سے روکا نہیں گیا ہے؟ اس طرح کی تاریخی تحریریں شاہد ہیں کہ مسلمان حکمرانوں نے ہر دور میں اپنی غیر مسلم رعایا کو وہ تمام حقوق دیئے ہیں جو ان کو ملنے چاہئے تھے۔

عالمگیر کا مکتوب حاکم بنارس کے نام

شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر رحمہ اللہ جن کو بدنام کرنے کے لئے انگریزوں نے غلط باتیں مشہور کیں، اور دنیا کو یقین دلایا کہ وہ ظالم ہندو کش تھے، ان کے متعلق تاریخ کی شہادت ہے کہ ان کے برابر روادار اور منصف یورپ کا کوئی بادشاہ نہیں گزرا۔ اسی عالمگیر نے حاکم بنارس ابوالحسن کے نام اپنے خط مورخہ ۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۰۶۵ھ میں تحریر فرمایا:

ہماری پاک شریعت اور سچے مذہب کی رو سے یہ ناجائز ہے کہ بعض حاکمِ بنارس
اس کے گردونواح کے ہندوؤں پر ظلم وستم کرتے ہیں، اور مذہبی معاملات میں
دخل دیتے ہیں، اور ان برہمنوں کو جن کا تعلق پرانے مندروں سے ہے ان کو
ان کے حقوق سے محروم کیا جاتا ہے، لہٰذا حکم دیا جاتا ہے کہ آئندہ کوئی شخص
ہندوؤں اور برہمنوں کو کسی وجہ سے بھی تنگ نہ کرے اور نہ ان پر کسی قسم کا ظلم
کرے۔ (۲)

(۱) روزنامہ خلافت شمارہ نمبر ۱۶۱، ۱۸ اگست ۱۹۲۶ء پرنسپل راجہ رام کالج ڈاکٹر بالکشن
(۲) روزنامہ خلافت شمارہ نمبر ۱۶۱، ۱۸ اگست ۱۹۲۶ء پرنسپل راجہ رام کالج ڈاکٹر بالکشن

کپتان ہملٹن کی گواہی

کپتان الیگزنڈر ہملٹن ایک یورپی سیاح جو اورنگ زیب عالمگیر رحمہ اللہ کے زمانہ میں ہندوستان آکر پچیس برس مقیم رہا، وہ اپنے سفرنامہ ص ۱۲۷ میں شہر ٹھٹھہ سندھ کے متعلق لکھتا ہے:

ریاست کا مذہب اسلام ہے لیکن تعداد میں اگر دس ہندو ہیں تو ایک مسلمان ہے، ہندوؤں کے ساتھ رواداری پورے طور پر برتی جاتی ہے، وہ اپنے بت رکھتے ہیں، اور تہواروں کو اسی طرح مناتے ہیں جیسے کہ اگلے زمانوں میں کرتے تھے جب کہ بادشاہت خود ہندوؤں کی تھی، وہ اپنے مردوں کو جلاتے ہیں، لیکن ان کی بیویوں کو اجازت نہیں کہ وہ شوہروں کے ساتھ تکلیف میں ہوں۔

ہندوستان میں مذہبی آزادی

دوسری جگہ ص ۱۵۹ میں ہندوستان کی مسلم حکومت کے بارے میں لکھتا ہے:

یہاں پارسی بھی اپنے رسوم مذہب زرتشت کے بموجب ادا کرتے ہیں، عیسائیوں کو پوری اجازت ہے کہ اپنے گرجے بنائیں اور اپنے مذہب کی تبلیغ کریں، اور بعض مرتبہ وہ اس میں کامیاب بھی ہو جاتے ہیں، لیکن جو عیسائی ہو جاتے ہیں ان کے اخلاق اس شہر کے تمام لوگوں سے بدتر ہو جاتے ہیں۔

ص ۱۶۱ میں شہر سورت کے متعلق رقم طراز ہے:

اس شہر میں تخمیناً سو مختلف مذاہب کے لوگ رہتے ہیں لیکن ان میں بھی کوئی سخت جھگڑے ان کے اعتقادات اور طریقہ عبادات کے متعلق نہیں ہوتے، ہر ایک کو پورا اختیار ہے جس طرح چاہے اپنے معبود کی پرستش کرے، صرف اختلاف مذہب کی بنیاد پر کسی کو تکلیف دینا اور اذیت پہنچانا ان لوگوں میں مفقود ہے۔

ان تمام حوالوں سے یہ بات منقح ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ جن مسلمان حکمرانوں نے اسلام کے احکام کی پابندی کی ہے ان میں سے کسی نے قطعاً کبھی غیر مسلموں کو نہیں ستایا، مسلمانوں میں ایسے احکام و امراء کی کثرت رہی ہے، اور باتوں میں وہ اسلام کے احکام کی خلاف ورزی کر لیا کرتے تھے، مگر غیر مسلم رعایا کے بارے میں بڑے محتاط رہتے تھے اور انہیں برابر کا درجہ دیتے تھے، اور اگر کبھی ایذا رسانی کی کوئی خبر پہنچی تو فوراً اسی وقت خود سے تہدید نامہ لکھ کر حکام سے باز پرس کی اور سزا بھی دی، غرض جس حد تک ممکن ہوا راحت و عافیت پہنچانے کی سعی کی۔

غیر مسلم بحیثیت افسر اعلیٰ

غیر مسلموں کو مسلمان حکومت کے اہم صیغوں میں افسران کی حیثیت سے جگہ دی جاتی تھی، اور انہیں بڑے بڑے عہدوں پر فائز کیا جاتا تھا، چنانچہ لکھا ہے:

> جہانگیر کے توپ خانے کا افسر اعلیٰ راجہ بکرماجیت تھا، جو کہ پچاس ہزار خواتین کا افسر تھا، اور تین ہزار توپیں اس کے زیر کمان تھیں، یہ راجہ بکرماجیت کھتری تھا۔ اکبر کے زمانہ میں ترقی کرتا ہوا جیل خانہ کا داروغہ مشرقی سے خدمتِ دیوانی اور مرتبہ اُمرائی کو پہنچا تھا۔ فنِ سپہ گری اور تدابیر جنگ خوب جانتا تھا۔ (۱)

سرسی، پی رائے صدر بنگال فیڈریشن لکھتے ہیں:

> اورنگ زیب کے عہد میں ہندوؤں کو منصب داری اور بڑی بڑی جاگیریں عطا کی گئیں، اور وہ بڑے بڑے زمیندار بنا دیئے گئے۔ اورنگ زیب نے ہندوؤں کو گورنر بنایا، گورنر جنرل (وائسرائے) بنایا، یہاں تک اس نے خاص اسلامی صوبہ افغانستان پر بھی جو نائب السلطنت مقرر کیا تھا وہ ہندو راجپوت ہی تھا۔ (۲)

---

(۱) دیکھئے: ترجمہ تزک جہانگیری: ص ۲۱ (۲) روشن مستقبل: ص ۲۸

کیا ان تاریخی حقائق کے باوجود بھی کہا جائے گا کہ مسلمان حکمران متعصب تھے؟ حق یہ ہے کہ حکومت کے معاملہ میں مسلمانوں نے کبھی بھی تنگ نظری اور تنگ دلی سے کام نہیں لیا، اور کیسے لیتی جب کہ اسلام تعصب و تنگ نظری کو برداشت نہیں کرتا۔

یہ ساری رواداری صدقہ ہے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ان تعلیمات کا جن میں ذمیوں کے ان حقوق کی نشاندہی اور ان کے سلسلہ میں تاکید کی گئی ہے، اس لئے یقین کرنا چاہیے کہ اسلامی حکومت سارے انسانوں کے لئے سراپا رحمت ہے۔

اسلام چاہتا ہے کہ دنیا میں امن و امان قائم رہے، اور ظلم و فساد ختم ہو جائے اس کا یہ منشاء ہرگز نہیں ہے کہ سارے کافر خواہ مخواہ تہ تیغ کر دیے جائیں، یا ان کے ساتھ ظلم و جور روا رکھا جائے، البتہ ان لوگوں کو اسلام برداشت نہیں کرتا جو امن و امان کے قیام میں حارج بنتے اور دنیا میں فساد پھیلانا چاہتے ہیں، خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم اور یہی وجہ ہے کہ زمانہ جنگ میں بھی اسلام انہی لوگوں کے قتل کی اجازت دیتا ہے جو اہلِ قتال ہیں یعنی جو لڑتے یا کسی حیثیت سے جنگ میں شریک ہوتے ہیں، باقی جو کفار لڑائی میں کسی طرح کا حصہ نہیں لیتے ان کے قتل کی اسلام میں گنجائش نہیں ہے، جیسے بچے، عورتیں، اپاہج، شیخ فانی اور وہ رہبان جو دنیا سے الگ تھلگ زندگی گزارتے ہیں۔

اسلامی حکومت کا کفر سے صرفِ نظر

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کفر و شرک جرم نہیں ہے، ہے اور ضرور ہے، مگر یہ اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان ہے جس کی سزا آخرت میں رکھی گئی ہے۔ صاحب ''شرح السیر الکبیر'' نے بالکل درست لکھا ہے:

وَلِاَنَّ الْكُفْرَ وَاِنْ كَانَ مِنْ اَعْظَمِ الْجِنَايَاتِ فَهُوَ بَيْنَ الْعَبْدِ وَبَيْنَ رَبِّهٖ، جَلَّ وَعَلَا، وَجَزَاءُ مِثْلِ هٰذِهِ الْجِنَايَةِ يُؤَخَّرُ اِلٰى دَارِ الْجَزَاءِ، فَاَمَّا مَا عُجِّلَ فِي الدُّنْيَا فَهُوَ مَشْرُوْعٌ لِمَنْفَعَةٍ تَعُوْدُ اِلَى الْعِبَادِ، وَذٰلِكَ دَفْعُ

فِتْنَةِ الْقِتَالِ، وَيَنْعَدِمُ ذَلِكَ فِي حَقِّ مَنْ لَا يُقَاتِلُ. (۱)

کوئی شبہ نہیں ہے کہ کفر اگر چہ گناہوں اور جرائم میں سب سے بڑھا ہوا ہے لیکن وہ بندے اور اس کے پروردگار کے درمیان ہے، اور اس طرح کے جرم کی سزا آخرت کے لئے اٹھا رکھی ہے، بہر حال وہ جرائم جن میں سزائیں دنیا میں دی جانی جائز ہیں ان کی وجہ وہ منفعت ہے جو بندوں کو حاصل ہوتی ہے، اور یہ نفع عاجل فتنۂ قتل وقتال کا دفعیہ ہے جو ان لوگوں میں نہیں پایا جاتا جو جنگ میں کوئی حصہ نہیں لیتے ہیں۔

جزیہ قبول کرنے کی وجہ

کون نہیں جانتا کہ اسلام پہلے اپنے مخالفوں کو کلمہ حق کے قبول کرنے کی دعوت دیتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ اس کلمہ اسلام کے قبول کرنے کے بعد تم میں اور پہلے مسلمانوں میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا، تم کو بھی وہی حیثیت حاصل ہوگی جو پہلے مسلمانوں کو ہے۔ اگر منظور نہیں ہیں تو پھر اپنے آبائی دین (کفر وشرک) پر باقی رہتے ہوئے اسلامی حکومت کے زیر سایہ زندگی گزارنی قبول کرلو تا کہ تمہاری حفاظت حکومت کے ذمہ واجب ہو جائے، اور اسلامی قانون کو تسلیم کرلو کہ تمہاری طرف سے ظلم وجور اور فتنہ وفساد نہ ہوگا۔ اس سے حکومت تمہاری طرف سے مطمئن ہو جائے گی اور تم انسانی مساوات کے مستحق قرار پاؤ گے۔ اگر کوئی قوم یہ اصول تسلیم کرلیتی ہے تو پھر اس کی گنجائش باقی نہیں رہتی ہے کہ قتل وخون ریزی کا موقع تلاش کیا جائے، کیونکہ اسلامی حکم میں ہے کہ کوئی حربی قوم ذمی بننے کی درخواست کرے تو خلیفہ اسلام کا فرض ہے کہ وہ اس پیش کش کو قبول کرلے، اس لئے کہ اس سے بھی ظاہری فتنہ وفساد کا دروازہ اسی طرح بند ہو جاتا ہے جس طرح اسلام قبول کر لینے سے، البتہ اس پر غور ضروری ہوگا کہ یہ دھوکا تو نہیں ہے:

---

(۱) شرح السير الكبير : باب من يكره قتله من أهل الحرب من النساء وغيرهم، ج ۱ ص ۱۴۱۵

فَإِنْ طَلَبَ قَوْمٌ مِنْ اَهْلِ الْحَرْبِ اَنْ يَصِيرُوا ذِمَّةً لِلْمُسْلِمِينَ، يُجْرَى عَلَيْهِمْ اَحْكَامُ الْإِسْلَامِ، عَلَى اَنْ يُؤَدُّوا عَنْ رِقَابِهِمْ وَاَرَاضِيهِمْ شَيْئًا مَعْلُومًا، فَإِنَّهُ يَجِبُ عَلَى الْإِمَامِ اَنْ يُجِيبَهُمْ إِلَى ذَلِكَ.لِاَنَّ عَقْدَ الذِّمَّةِ يَنْتَهِي بِهِ الْقِتَالُ كَالْإِسْلَامِ، فَكَمَا اَنَّهُمْ لَوْ طَلَبُوا عَرْضَ الْإِسْلَامِ عَلَيْهِمْ يَجِبُ إِجَابَتُهُمْ إِلَى ذَلِكَ، فَكَذَلِكَ إِذَا طَلَبُوا عَقْدَ الذِّمَّةِ، وَهَذَا لِاَنَّهُمْ يَلْتَزِمُونَ اَحْكَامَ الْإِسْلَامِ بِهَذَا الطَّرِيقِ فِيمَا يَرْجِعُ إِلَى الْمُعَامَلَاتِ، ثُمَّ رُبَّمَا يَرَوْنَ مَحَاسِنَ الشَّرِيعَةِ وَيُسْلِمُونَ، فَكَانَ هَذَا فِي مَعْنَى الدُّعَاءِ إِلَى الدِّينِ بِاَرْفَقِ الطَّرِيقَيْنِ .وَقَدْ اَجَابَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ اَهْلَ نَجْرَانَ إِلَى هَذَا حِينَ طَلَبُوا مِنْهُ، فَصَالَحَهُمْ.(۱)

حربی میں اگر کوئی قوم ذمی بننے کی درخواست کرے تو ان پر احکام اسلامی جاری کئے جائیں گے، مگر شرط یہ ہے کہ وہ اپنی جان اور زمین کی حفاظت کے لئے ایک مخصوص رقم ادا کریں۔ صورتِ مذکورہ میں خلیفہ پر واجب ہے کہ ان کی اس درخواست کو قبول کرلے، اس لئے کہ عقد ذمہ سے بھی قتال اسی طرح رُک جاتا ہے جیسے اسلام قبول کرنے سے، ان کے اسلام پیش کرنے کی درخواست پر جس طرح اس کی منظوری واجب ہے، اسی طرح عقد ذمہ (ذمی بن جانے) کی درخواست کی منظوری بھی واجب وضروری ہے۔ اور یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے اس طرح احکامِ اسلام کی زیرِ نگرانی زندگی گزارنے کا ارادہ کیا ہے جن کا تعلق معاملات سے ہے، پھر ہوسکتا ہے کہ اسلام کے محاسن کا بار بار مشاہدہ کرنے کے بعد وہ دولتِ اسلام سے مالا مال ہوجائیں، گویا یہ بھی دعوت دین کا

(۱) شرح السير الكبير : باب من لا يكون لأهل الحرب من إحداث الكنائس والبيع وبيع الخمور، ج۱ ص۱۵۲۹

ایک عمدہ طریقہ ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ جب اہلِ نجران نے مصالحت کی درخواست کی تو آپ نے ان سے مصالحت کر لی۔

قتال سے پہلے دعوتِ جزیہ

جس طرح یہ ضروری ہے کہ قتال سے پہلے دعوت اسلام دی جائے تا کہ ان کو معلوم ہو جائے کہ منشاء فتنہ وفساد کا ختم کرنا ہے اور امن و امان اور صلح و آشتی کا بحال کرنا ہے، مال و دولت اور کسی کو غلام بنانا نہیں، اسی طرح یہ بھی واجب ہے کہ جو قوم نہیں جانتی کہ اسلام جزیہ پر بھی مصالحت قبول کر لیتا ہے، اسے بتا دیا جائے کہ وہ جزیہ دے کر صلح کر سکتی ہے:

فَإِنْ كَانَ قَدْ بَلَغَهُمْ الْإِسْلَامُ وَلَكِنْ لَا يَدْرُونَ أَنَّا نَقْبَلُ مِنْهُمْ الْجِزْيَةَ فَيَنْبَغِي أَنْ لَا نُقَاتِلَهُمْ حَتَّى نَدْعُوَهُمْ إِلَى إِعْطَاءِ الْجِزْيَةِ، بِهِ أَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمَرَاءَ الْجُيُوشِ، وَهُوَ آخِرُ مَا يَنْتَهِي بِهِ الْقِتَالُ .قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ وَفِيهِ الْتِزَامُ بَعْضِ أَحْكَامِ الْمُسْلِمِينَ وَالِانْقِيَادُ لَهُمْ فِي الْمُعَامَلَاتِ فَيَجِبُ عَرْضُهُ عَلَيْهِمْ إِذَا لَمْ يَعْلَمُوا بِهِ.(1)

اور اگر کفار کو دعوتِ اسلام پہنچ چکی ہو مگر ان کو یہ معلوم نہیں کہ ہم مسلمان جزیہ قبول کر کے بھی خون ریزی ختم کر دیتے ہیں تو ایسی صورت میں ہمارے لئے قتال اس وقت تک درست نہیں ہے جب تک جزیہ کے قبول کرنے کی ان کو دعوت نہ پہنچا دیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لشکروں کے قائدین کو اس کا حکم فرمایا کرتے تھے، اور یہ بھی قتال کے ختم کرنے کا ایک طریقہ ہے۔ خود اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ ......الخ" اور ذمی کی طرف سے معاملات سے متعلق تمام احکام کے التزام اور انقیاد کا وعدہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر وہ نہیں جانتے ہیں تو ان کو بتا دینا مسلمانوں پر واجب ہے۔

---

(۱) شرح السیر الکبیر : باب الدعاء عند القتال، ج ۱ ص ۷۶

ذمیوں کے لئے شہری حقوق

جب کوئی قوم ذمی بن گئی تو پھر اسے سارے شہری حقوق جو اسلام نے فیاضی سے اس کو دیئے ہیں حاصل ہو جائیں گے جس کی کچھ تفصیل اوپر گزر چکی۔ فقہاء نے صراحت کی ہے:

اَحْکَامُ الذِّمِّيِّ حُکْمُهُ حُکْمُ الْمُسْلِمِينَ :إِلَّا اَنَّهُ لَا يُؤْمَرُ بِالْعِبَادَاتِ، وَلَا تَصِحُّ مِنْهُ ...وَلَا يُمْنَعُ مِنْ دُخُولِ الْمَسْجِدِ.(١)

(ذمی غیر مسلم رعایا) کے وہی احکام ہیں جو عام مسلمانوں کے، سوائے اس کے کہ ان کو عبادت کا حکم نہیں دیا جائے گا، اور نہ وہ ان کی طرف سے بلا ایمان درست ہے، اور ان کو مسجد کے داخلہ سے بھی روکا نہیں جائے گا۔

یہ ان شہری حقوق میں سے کسی حق کے بھی محروم نہیں کئے جائیں گے جو مسلمانوں کو حاصل ہیں، وہاں مذہبی طور پر جو عبادتیں مسلمانوں کے ذمہ ضروری ہیں وہ ان ذمیوں پر عائد نہ ہوں گی، بلکہ یہ اپنی تہذیب پر باقی رکھے جائیں گے، حد یہ ہے کہ مسلمانوں کی خالص دینی عبادت گاہ مسجدوں میں بھی ان کو داخلہ کی اجازت حاصل ہوگی، ہمارے ملک میں برہمن، شودروں کے ساتھ جو سلوک کرتے ہیں وہ سلوک ان کے ساتھ نہیں کیا جائے گا، بلکہ جو چیزیں مسلمانوں کے لئے حرام ہیں، لیکن ان کے مذہب میں جائز ہے ان کی بھی انہیں آزادی حاصل ہوگی:

وَلَا يُحَدُّ بِشُرْبِ الْخَمْرِ وَلَا تُرَاقُ عَلَيْهِ، بَلْ تُرَدُّ عَلَيْهِ إِذَا غُصِبَتْ مِنْهُ وَيَضْمَنُ مُتْلِفُهَا لَهُ.(٢)

شراب پینے سے ذمی (غیر مسلم رعایا) پر نہ حد جاری ہوگی اور نہ ان کی شراب ضائع کی جائے گی، بلکہ جو شراب ان سے زبردستی لے لی گئی ہے واپس کر دی جائے گی، اور جو شخص ان کی شراب ضائع کرے گا اس پر ضمان ہوگا۔

---

(١) الأشباه والنظائر لابن نجيم : الفن الثالث : أحكام الذمي، ص ٢٨٠

(٢) الأشباه والنظائر لابن نجيم : الفن الثالث : أحكام الذمي، ص ٢٨٠

خلافِ مذہب امور کی ممانعت

البتہ ایسی چیزیں جو ان کے مذہب میں بھی نا جائز وحرام ہیں، ان سے ان کو منع کیا جائے گا:

أَنَّهُ يُمْنَعُ مِمَّا يُمْنَعُ مِنْهُ الْمُسْلِمُ مِثْلُ الزِّنَا وَالْفَوَاحِشِ وَالْمَزَامِيرِ وَالْغِنَاءِ وَاللَّهْوِ وَالْمِزَاحِ وَاللَّعِبِ بِالْحَمَامِ كَمَا يُمْنَعُ مِنْهُ الْمُسْلِمُ.(۱)

البتہ ان چیزوں سے ان کو مسلمانوں کی طرح روکا جائے گا جیسے بے حیائی کے کام، مزامیر، گانے بجانے اور غلط مذاق، غسل خانے میں لہو ولعب (کہ یہ فتنہ کا ذریعہ بنتے ہیں)

باقی جن چیزوں کی ان کے مذہب نے انہیں اجازت دی ہے حکومت کی طرف سے ان کو ان چیزوں کی اجازت وآزادی ہوگی:

وَلَا يُمْنَعُ مِنْ لُبْسِ الْحَرِيرِ وَالذَّهَبِ، وَلَا يُعْتَرَضُ لَهُمْ لَوْ تَنَاكَحُوا فَاسِدًا أَوْ تَبَايَعُوا كَذَلِكَ.(۲)

ذمیوں (غیر مسلم رعایا) کو ریشم اور سونے کے استعمال سے روکا نہیں جائے گا، اسی طرح وہ نکاح فاسد یا بیع فاسد کے باہم مرتکب ہوں تو ان کو منع نہیں کیا جائے گا۔

ذمیوں کو خمر وخنزیر کی اجازت

اسی طرح خمر وخنزیر کے استعمال کی بھی ذمیوں کو اجازت ہوگی:

كُلُّ شَيْءٍ اِمْتَنَعَ مِنْهُ الْمُسْلِمُ اِمْتَنَعَ مِنْهُ الذِّمِّيُّ إِلَّا الْخَمْرَ وَالْخِنْزِيرَ.(۳)

ان تمام چیزوں کو ذمی بھی ترک کردیں گے جنہیں مسلمان ترک کر دیتے ہیں، سوائے شراب اور خنزیر کے کہ ان دونوں کی ذمی کو اجازت ہے۔

---

(۱) غمز عيون البصائر في شرح الأشباه والنظائر: الفن الثالث، أحكام الذمي: ج۳ ص۳۹۵

(۲) الأشباه والنظائر: ص۲۸۰ (۳) الأشباه والنظائر: ص۲۸۰

ذمیوں کو مکان بنانے کی اجازت

اسی طرح یہ جو مشہور ہے کہ وہ مسلمانوں سے اونچا گھر نہ بنا سکیں گے غلط ہے، البتہ اگر اس سے دوسرے پڑوسیوں کی بے پردگی ہوتی ہے یا ان کو کوئی اور نقصان ہوتا ہے تو ان کو اس سے روک دیا جائے گا جس طرح مسلمانوں کو روکا جاتا ہے:

وَسُئِلَ قَارِئُ الْهِدَايَةِ عَنِ الذِّمِّيِّ إِذَا بَنَى دَارًا عَالِيَةً عَنْ دُورِ الْمُسْلِمِينَ وَجَعَلَ لَهَا طَاقَاتٍ وَشَبَابِيكَ تُشْرِفُ عَلَى جِيرَانِهِ هَلْ يُمَكَّنُ مِنْ ذٰلِكَ، اَجَابَ اَهْلُ الذِّمَّةِ فِي الْمُعَامَلَاتِ كَالْمُسْلِمِينَ مَا جَازَ لِلْمُسْلِمِ اَنْ يَفْعَلَهُ فِي مِلْكِهِ جَازَ لَهُ وَمَا لَمْ يَجُزْ لِلْمُسْلِمِ لَمْ يَجُزْ لَهُ وَإِنَّمَا يُمْنَعُ مِنْ تَعْلِيَةِ بِنَائِهِ إِذَا حَصَلَ ضَرَرٌ لِجَارِهِ.(۱)

ذمی کے متعلق قاری الہدایہ سے پوچھا گیا کہ جب وہ مسلمانوں کے گھروں سے اونچا گھر بنائے اور اس میں دریچے اور کھڑکیاں کھولے، جن سے اپنے پڑوسیوں کو جھانک کر دیکھ سکتا ہے تو کیا ایسی حالت میں اس کی اسے اجازت ہوگی؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ذمی (غیر مسلم رعایا) معاملات میں مسلمانوں کے برابر ہیں، جو کچھ مسلمانوں کے لئے اپنی ملک میں کرنا درست ہے، ذمیوں کے لئے بھی درست ہے، اور جن چیزوں کا کرنا مسلمانوں کے لئے جائز نہیں ذمیوں کے لئے بھی جائز نہ ہوگا، اونچا مکان بنانے سے صرف اس وقت ذمی کو روکا جائے گا جب اس کی وجہ سے اس کے پڑوسی کو نقصان پہنچے۔

ذمی کو گالی دینے والے کی سزا

چنانچہ جس طرح مسلمانوں کو کوئی گالی دے اس کی تعزیز و سزا ہوگی، اسی طرح اگر کوئی شخص ذمی کو برا بھلا کہے گا تو اس کی بھی سزا عمل میں آئے گی:

---

(۱) غمز عیون البصائر: ج۳ ص۳۹۹

اَنَّ الْمُسْلِمَ إِذَا سَبَّ الذِّمِّيَّ يُعَزَّرُ وَبِهِ صَرَّحَ فِي الْبَحْرِ ۔ (۱)

مسلمان جب ذمی کو برا بھلا کہے گا تو اسے سزا دی جائے گی۔

طنز کی ممانعت

ذمی کے کافر ہونے میں کیا شبہ ہے لیکن اگر کوئی مسلمان اسے طنزاً کافر کہے اور اس طرح سے جو اس کے لئے باعث اذیت ہو تو یہ چیز بھی اسلام میں پسند نہیں ہے بلکہ فقہاء نے ایسے مسلمان کو گنہگار قرار دیا ہے:

وَلَوْ قَالَ لِذِمِّيٍّ يَا كَافِرُ يَأْثَمُ إِنْ شَقَّ عَلَيْهِ. (۲)

اگر ذمی سے کہا: اے کافر! تو اگر یہ اس پر شاق گزرا تو کہنے والا گنہگار ہوگا۔

اس صورت میں کہنے والے کی تعزیر ہوگی، اس لئے کہ اس سے ایک گناہ کا ارتکاب ہوا:

اَنَّهُ يُعَزَّرُ لِارْتِكَابِهِ الْإِثْمَ. (۳)

اس کا مطلب یہ ہے کہ گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے اسے سزا ہوگی۔

جزیہ سے مستثنیٰ افراد

رہ گیا جزیہ (ٹیکس) کا مسئلہ تو کوئی شبہ نہیں کہ اسلام نے اس پر جزیہ مقرر کیا ہے مگر سب پر نہیں بلکہ ان لوگوں پر جن میں مندرجہ ذیل شرائط پائی جاتی ہیں۔ عقل، بلوغ، ذکور، صحت اور حریت اس کا مطلب یہ ہوا کہ جن میں یہ شرطیں نہیں پائی جاتی ہیں ان سے جزیہ (ٹیکس) وصول نہیں کیا جائے گا، چنانچہ نابالغ بچے، عورتیں، پاگل، بیمار، اندھے، لنجے، غلام اور بڈھے، ان سب سے جزیہ (ٹیکس) معاف ہے، فقہاء نے صراحت کی ہے:

---

(۱) غمز عیون البصائر : ج۳ ص۳۹۵

(۲) الاشباہ والنظائر : کتاب الحدود والتعزیر، ص۱۵۷

(۳) الدرالمختار : کتاب الحدود، باب التعزیر، ج۴ ص۷۶

فَلَا تَجِبُ عَلَى الصِّبْيَانِ وَالنِّسَاءِ وَالْمَجَانِينِ.(۱)

(بچوں یعنی نابالغ) اور عورتوں اور پاگلوں پر جزیہ واجب نہیں ہے۔

مریض پر جزیہ نہیں ہے

مریض کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:

فَلَا تَجِبُ عَلَى الْمَرِيضِ إِذَا مَرِضَ السَّنَةَ كُلَّهَا، وَكَذَلِكَ إِنْ مَرِضَ أَكْثَرَ السَّنَةِ.(۲)

لہٰذا اس بیمار پر جزیہ واجب نہیں ہے جو پورے سال بیمار رہتا ہو یا سال کے اکثر حصے میں۔

اپاہج اور معذور جزیہ سے بری ہے

آگے شرائط کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا:

وَمِنْهَا السَّلَامَةُ عَنِ الزَّمَانَةِ وَالْعَمَى وَالْكِبَرِ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ، فَلَا تَجِبُ عَلَى الزَّمِنِ وَالْأَعْمَى وَالشَّيْخِ الْكَبِيرِ.(۳)

جزیہ کے وجوب کی شرطوں میں لنجا پن، اندھا پن اور کبر سنی سے سلامتی بھی شرط ہے، لہٰذا اپاہج، اندھے اور بڑھے کن رسید پر جزیہ واجب نہیں ہے۔

محتاج و تنگ دست پر جزیہ معاف

اسی طرح اس محتاج پر بھی جزیہ نہیں ہے جو کام کرنے پر قادر نہیں ہے:

---

(۱) بدائع الصنائع : كتاب السير، فصل في بيان من يسع تركه في دارالحرب ممن لا يحل قتله و من لا يسع، ج۷ ص ۱۱۱

(۲) بدائع الصنائع : كتاب السير، فصل في بيان من يسع تركه في دارالحرب ممن لا يحل قتله و من لا يسع، ج۷ ص ۱۱۱

(۳) بدائع الصنائع : كتاب السير، فصل في بيان من يسع تركه في دارالحرب ممن لا يحل قتله و من لا يسع، ج۷ ص ۱۱۱

وَكَذَا الْفَقِيرُ الَّذِي لَا يَعْتَمِلُ لَا قُدْرَةَ لَهُ.(۱)

ایسا ہی اس محتاج پر بھی جزیہ واجب نہیں جو نہ کام کرتا ہے اور نہ اس کی اسے قدرت ہے۔

غلام پر بھی جزیہ نہیں ہے

وَمِنْهَا الْحُرِّيَّةُ، فَلَا تَجِبُ عَلَى الْعَبْدِ، لِاَنَّ الْعَبْدَ لَيْسَ مِنْ اَهْلِ مِلْكِ الْمَالِ.(۲)

شرائط میں حریت بھی ہے، لہٰذا غلام پر واجب نہ ہوگا اس لئے کہ وہ اہلِ مال سے نہیں ہے۔

وہ غریب جس کا صدقہ پر گزارہ ہو، اس پر بھی جزیہ نہیں ہے:

وَلَا تُؤْخَذُ الْجِزْيَةُ مِنَ الْمِسْكِينِ الَّذِي يُتَصَدَّقُ عَلَيْهِ.(۳)

اس مسکین سے جزیہ نہیں لیا جائے گا جسے صدقہ دیا جاتا ہو۔

پنڈت اور راہب سے جزیہ کی معافی

ایسے راہب و پنڈت اور مذہبی پیشوا جو صاحب جائیداد اور مال دار نہیں، بلکہ ان کا گزارہ دوسروں کے ہدایا اور عطیے پر ہے، ان سے بھی جزیہ معاف ہے:

وَكَذَلِكَ الْمُتَرَهِّبُونَ الَّذِينَ فِي الدِّيَارَاتِ ...وَإِنْ كَانَ إِنَّمَا هُمْ

---

(۱) بدائع الصنائع : کتاب السير، فصل في بيان من يسع تركه في دارالحرب ممن لا يحل قتله و من لا يسع، ج۷ ص ۱۱۱

(۲) بدائع الصنائع : کتاب السير، فصل في بيان من يسع تركه في دارالحرب ممن لا يحل قتله و من لا يسع، ج۷ ص ۱۱۱

(۳) كتاب الخراج : باب في الزيادة والنقصان، فصل : فيمن تجب عليه الجزية و قدرها و مما تجوز، ص:۱۵۳

مَسَاكِينُ يَتَصَدَّقُ عَلَيْهِمْ أَهْلُ الْيَسَارِ مِنْهُمْ لَمْ يُؤْخَذْ مِنْهُمْ. (۱)

ایسا ہی گرجوں میں رہنے والے ان راہبوں پر جزیہ نہیں ہے جو محتاج ہیں، مال داروں کا صدقہ وخیرات قبول کرتے ہیں۔

اسی طرح جو لوگ گوشہ نشین اور عبادت گزار ہیں اور کوئی ذاتی پونجی نہیں رکھتے وہ بھی اس جزیہ سے بری ہیں۔

مردہ کا باقی جزیہ معاف

جس شخص پر ٹیکس واجب تھا مگر وہ انتقال کر گیا اور ادا نہ کر سکا تو اس سے بقیہ رقم معاف ہو جائے گی، یعنی اس کے ترکہ یا وارث سے وہ رقم وصول نہیں کی جائے گی:

وَإِنْ وَجَبَتْ عَلَيْهِ الْجِزْيَةُ فَمَاتَ قَبْلَ أَنْ تُؤْخَذَ مِنْهُ أَوْ أُخِذَ بَعْضُهَا، وَبَقِيَ الْبَعْضُ لَمْ يُؤْخَذْ بِذَلِكَ وَرَثَتُهُ وَلَمْ تُؤْخَذْ مِنْ تَرِكَتِهِ؛ لأَنَّ ذَلِكَ لَيْسَ بِدَيْنٍ عَلَيْهِ. (۲)

جزیہ واجب ہو چکا تھا، مگر وہ ادائیگی سے پہلے مر گیا، یا کچھ وصول کیا جا چکا تھا اور کچھ باقی تھا، ان دونوں حالتوں میں باقی جزیہ نہ اس کے ورثہ سے وصول کیا جائے گا اور نہ اس کے ترکہ سے، اس لئے کہ جزیہ دین نہیں ہوا کرتا ہے۔

گویا ٹیکس ایسے درجہ میں نہیں ہے جو پبلک پر دین کی شکل اختیار کرلے اور مرنے اور محتاج ہونے کے بعد بھی زبردستی اس کی جائیداد یا وارثین سے وصول کیا جانا ضروری ہو۔

ذمی کے چوپائے

پھر ذمی کے چوپائے پر کوئی ٹیکس نہیں ہے خواہ وہ کتنی ہی تعداد میں رکھتا ہو:

---

(۱) كتاب الخراج : باب في الزديادة والنقصان، فصل : فيمن تجب عليه الجزية و قدرها و مما تجوز، ص:۱۳۵

(۲) كتاب الخراج ص:۱۳٦

وَلَيْسَ فِي مَوَاشِي اَهْلِ الذِّمَّةِ مِنَ الْإِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ زَكَاةٌ، وَالرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ فِي ذَلِكَ سَوَاءٌ. (۱)

ذمیوں کے چوپایوں میں زکوۃ نہیں ہے، جیسے اونٹ، گائے، بھینس اور بکری، مرد، عورت اس میں برابر ہیں۔

نقد آمدنی اور سونا وغیرہ

ان کی نقد آمدنی سونا، چاندی اور زیورات پر بھی کوئی جزیہ نہیں ہے۔ اسی طرح اگر سال گزر گیا اور دوسرا سال آ گیا، تو گزرے ہوئے سال کا جزیہ معاف ہو جائے گا، صرف سال رواں کا دینا ہوگا:

وَمِنْهَا مُضِيُّ سَنَةٍ تَامَّةٍ، وَدُخُولُ سَنَةٍ أُخْرَى عِنْدَ اَبِي حَنِيفَةَ .... تُؤْخَذُ مِنْهُ لِلسَّنَةِ الْمُسْتَقْبَلَةِ، وَلَا تُؤْخَذُ لِلسَّنَةِ الْمَاضِيَةِ. (۲)

جزیہ اس شکل میں بھی ختم ہو جاتا ہے کہ ایک پورا سال گزر گیا اور دوسرا سال آ گیا، اور گذشتہ سال کا ادا نہیں کیا تھا، ایسی صورت میں صرف آئندہ سال کا لیا جائے گا سال گزشتہ کا نہیں۔

جزیہ کی متعین مقدار

یہ ٹیکس جسے شریعت جزیہ کا نام دیتی ہے اس کی مقدار کچھ زیادہ نہیں ہے، سب سے بڑی رقم جو لی جاتی ہے وہ سالانہ اڑتالیس درہم ہے، اور یہ اس مال دار کے لئے ہے جو دس ہزار یا اس سے زیادہ کا مالک ہو، خواہ وہ کروڑ پتی ہو یا کھرب کا مالک۔ مختصر یہ کہ عرفِ عام میں جو لوگ سرمایہ دار کہے جاتے ہیں ان کے ذمہ یہ ۴۸ درہم سالانہ ہے، جس کا اندازہ کم از کم دس ہزار کی مالیت سے فقہاء نے لگایا ہے، لیکن اگر کسی شہر میں دس ہزار کے مالک سرمایہ

---

(۱) کتاب الخراج ص: ۱۳۶

(۲) بدائع الصنائع: کتاب السیر فصل فی بیان ما یعترض من الأسباب المحرمة للقتال ج۷ ص ۱۱۲

دار نہیں کہا جاتا بلکہ پچاس ہزار کا مالک کہا جاتا ہے تو اس پچاس ہزار روپے پر اڑتالیس درہم جزیہ ہوگا۔ اس سے نیچے صرف ۲۴ درہم، اس لئے کہ قانون یہ ہے:

فیضع علی الغنی للظاهر الغنی فی کل سنة ثمانیة واربعین درهما یأخذ منهم فی کل شهر اربعة دراهم وعلی وسط الحال أربعة وعشرین درهما فی کل شهر درهمین وعلی الفقیر المعتمل اثنی عشر درهما فی کل شهر درهما۔ (۱)

سرمایہ دار پر سالانہ جزیہ اڑتالیس درہم ہے، ماہانہ چار درہم وصول کئے جائیں گے اور متوسط طبقہ پر چوبیس درہم ہیں، اور اس سے ہر ماہ دو درہم وصول کئے جائیں گے اور ادنیٰ طبقہ پر جو کما تا کھاتا ہے سالانہ صرف بارہ درہم ہیں، اور ہر مہینہ ایک درہم وصول کیا جائے گا۔

سرمایہ دار

کھلا ہوا غنی (سرمایہ دار) کسے کہتے ہیں، اس میں فقہاء کے اقوال مختلف ہیں:

وَمَنْ مَلَكَ عَشَرَةَ آلَافِ دِرْهَمٍ فَصَاعِدًا غَنِيٌّ وَمَنْ مَلَكَ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ فَصَاعِدًا مُتَوَسِّطٌ وَمَنْ مَلَكَ مَا دُونَ الْمِائَتَيْنِ أَوْ لَا يَمْلِكُ شَيْئًا فَقِيرٌ۔ (۲)

جو شخص دس ہزار یا اس سے زیادہ کا مالک ہو وہ سرمایہ دار ہے، اور جو دو سو درہم یا اس سے زیادہ کا مالک ہو مگر دس ہزار سے کم کا تو وہ متوسط طبقہ ہے، اور جو دو سو درہم سے کم کا مالک ہو یا کچھ نہ رکھتا ہو وہ ادنیٰ درجہ ہے۔

امام ابو جعفر رحمہ اللہ نے عرف کا اعتبار کیا ہے، یعنی عرف عام میں جو غنی کہا جاتا ہے تو وہی غنی کے حکم میں ہوگا دوسرا نہیں:

---

(۱) الهدایة: کتاب السیر، باب الجزیة، ج۲ ص ۴۰۱

(۲) الدر المختار: کتاب الجهاد، باب العشر والخراج والجزیة، فصل فی الجزیة، ج۴ ص ۱۹۶، ۱۹۷

وَاعْتَبَرَ اَبُو جَعْفَرٍ الْعُرْفَ حَيْثُ قَالَ يُنْظَرُ إِلَى عَادَةِ كُلِّ بَلَدٍ فِي ذٰلِكَ. أَلَا تَرَى أَنَّ صَاحِبَ خَمْسِينَ أَلْفًا بِبَلْخٍ يُعَدُّ مِنَ الْمُكْثِرِينَ، وَفِي الْبَصْرَةِ وَبَغْدَادَ لَا يُعَدُّ مُكْثِرًا۔ (۱)

امام ابوجعفر رحمہ اللہ نے عرفِ عام کا اعتبار کیا ہے، اس طرح کہ اس سلسلہ میں اس شہر کے عرف کو دیکھا جائے گا کیا ایسا نہیں ہے کہ پچاس ہزار کا مالک بلخ میں تو سرمایہ دار شمار کیا جائے گا مگر بصرہ، بغداد میں اسے کوئی سرمایہ دار نہیں کہتا۔

اس تفصیل کو پیش نظر رکھتے ہوئے فیصلہ کیا جائے کہ جزیہ کے لئے جو رقم مقرر کی گئی ہے اس کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے، پھر جب کہ وہ ماہانہ قسط کر کے وصول کی جائے۔

جزیہ کی رقم آج سے کچھ سال پہلے

آج سے کچھ سال پہلے ایک درہم زیادہ سے زیادہ چار آنے کے برابر ہوا کرتا تھا، جس کا مطلب ہوا سرمایہ دار ایک روپے ماہانہ ٹیکس ادا کرے اور متوسط آٹھ آنے اور غریب کارگزار، کھاتا پیتا صرف چار آنے۔

جب ہر ملک میں بیسیوں ٹیکس عائد ہیں اس کے مقابلہ میں یہ صرف ایک معمولی ٹیکس کیا حیثیت رکھتا ہے، کونسا ایسا ملک ہے جو اپنی رعیت سے ٹیکس وصول نہیں کرتا، انصاف کی بات یہ ہے کہ انکم ٹیکس اور دوسرے بیسیوں ٹیکس کے مقابلہ میں اس جزیہ کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

جزیہ ٹیکس کا دوسرا نام ہے

یہ اچھی طرح ذہن نشین رہنا چاہئے کہ جزیہ ٹیکس ہی کا دوسرا نام ہے مورخین نے اس کی صراحت کی ہے، امام ابوجعفر طبری رحمہ اللہ، علامہ ابن اثیر اور دوسرے مورخین نے لکھا ہے کہ یہ ''گزیت'' کا معرب ہے جو پہلے بھی وصول کیا جاتا تھا۔

اتنی بات مسلم ہے کہ اگر ان کی آمدنی ضرورت سے زیادہ نہیں ہے تو ذمیوں کو ٹیکس

---

(۱) ردالمحتار: فصل في الجزية، ج۴ ص۱۹۷

کے سلسلہ میں پریشان نہیں کیا جائے گا:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ :لَيْسَ فِي اَمْوَالِ اَهْلِ الذِّمَّةِ اِلَّا الْعَفو. (۱)

حضرت عبداللہ بن عباس کا بیان ہے کہ ذمیوں کے صرف اس مال میں جزیہ ہے جو ضرورت سے زیادہ ہو۔

وصول میں سختی کی ممانعت

پھر جزیہ کی وصولی میں ذمیوں (غیر مسلم رعایا) کو نہ تنگ کیا جائے گا نہ انہیں مارا اور پیٹا جائے گا، نہ دھوپ میں کھڑا ہونے کی سزا دی جائے گی، اور نہ کوئی دوسری اس طرح کی ذلت آمیز سزا دی جائے گی:

وَلَا يُضْرَبُ اَحَدٌ مِنْ اَهْلِ الذِّمَّةِ فِي اِسْتِيدَائِهِمُ الْجِزْيَةَ؛ وَلَا يُقَامُوا فِي الشَّمْسِ وَلَا غَيْرِهَا، وَلَا يُجْعَلُ عَلَيْهِمْ فِي اَبْدَانِهِمْ شَيْءٌ مِنَ الْمَكَارِهِ؛ وَلٰكِنْ يُرْفَقُ بِهِمْ. (۲)

جزیہ کی وصولی کے سلسلہ میں نہ کسی ذمی کو پیٹا جائے گا، نہ دھوپ میں کھڑا ہونے کی سزا دی جائے گی اور نہ کوئی دوسری سزا، اسی طرح اس کے بدن کو تکلیف نہیں پہنچائی جائے گی، البتہ ذمی سے وصول کرنے کی سعی کی جائے گی۔

نہ دینے والوں کے ساتھ سلوک

اگر نرمی کا کوئی طریقہ کارگر نہ ہو اور باوجود استعداد کے کوئی جزیہ ادا نہ کرے تو اسے باعزت طور پر جیل میں بند کر دیا جائے گا، اور جب تک واجب الادا ٹیکس ادا نہ کرے اس کو بند رکھا جائے گا:

---

(۱) كتاب الخراج : باب في الزيادة والنقصان، فصل : فيمن تجب عليه الجزية و قدرها، ص۱۳۶

(۲) كتاب الخراج : باب في الزيادة والنقصان، فصل : فيمن تجب عليه الجزية و قدرها، ص۱۳۶

وَيُحْبَسُونَ حَتَّى يُؤَدُّوا مَا عَلَيْهِمْ وَلَا يَخْرُجُونَ مِنَ الْحَبْسِ حَتَّى تُسْتَوْفَى مِنْهُمُ الْجِزْيَةُ.(۱)

ان کو اس وقت تک قید میں بند رکھا جائے گا جب تک وہ اپنا واجب الادا ادا نہ کر دیں، اور جب تک ان سے جزیہ کی رقم وصول نہ ہو جائے قید خانہ سے نکالے نہیں جائیں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات کے وقت ذمیوں کے سلسلہ میں وصیت کی تھی کہ ان کے ذمہ کا احترام کیا جائے

اَنْ يُوَفِّيَ لَهُمْ بِعَهْدِهِمْ وَاَنْ يُقَاتِلَ مِنْ وَرَائِهِمْ وَلَا يُكَلَّفُوا فَوْقَ طَاقَتِهِمْ.(۲)

ان ذمیوں سے جو معاہدہ ہوا ہے اسے پورا کیا جائے، اور جو ان کے درپے ہوں ان سے جنگ کی جائے، اور طاقت سے زیادہ ان پر بوجھ نہ ڈالا جائے۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی تحریر

اسی طرح امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے ہارون رشید کو لکھا تھا:

اَنْ تَتَقَدَّمَ فِي الرِّفْقِ بِاَهْلِ ذِمَّةِ نَبِيِّكَ وَابْنِ عَمِّكَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالتَّفَقُّدِ لَهُمْ حَتَّى لَا يُظْلَمُوا وَلَا يُؤْذَوْا وَلَا يُكَلَّفُوا فَوْقَ طَاقَتِهِمْ وَلَا يُؤْخَذُ شَيْءٌ مِنْ اَمْوَالِهِمْ إِلَّا بِحَقٍّ يَجِبُ عَلَيْهِمْ؛ فَقَدْ رُوِيَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ قَالَ: مَنْ ظَلَمَ مُعَاهَدًا اَوْ كَلَّفَهُ فَوْقَ طَاقَتِهِ فَاَنَا حَجِيجُهُ.(۳)

---

(۱) کتاب الخراج: باب في الزيادة والنقصان، فصل: فيمن تجب عليه الجزية و قدرها، ص۱۳۶

(۲) کتاب الخراج: ص۱۳۸ (۳) کتاب الخراج: ص۱۳۸

ذمہ دار کا پاس ولحاظ رکھیں اور ان ذمیوں سے رفق وملاطفت کا برتاؤ کریں، اور ان کی دیکھ بھال رکھیں تاکہ ان پر نہ کوئی ظلم کر سکے نہ کوئی اذیت دے اور نہ طاقت سے زیادہ تکلیف پہنچائے، اور نہ کوئی ناجائز طور پر ان کا مال لے سوائے اس کے جو اس کے ذمہ ہو، اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو کوئی معاہد پر ظلم کرے گا یا طاقت سے زیادہ تکلیف دے گا میں اس کے لئے فریادی بنوں گا۔

مسلمانوں کی تاریخ گواہ ہے کہ انہوں نے ہر زمانہ میں ذمیوں کی حتی الامکان دیکھ بھال کی، اگر کسی سخت مزاج عامل نے ان پر کوئی سختی کی تو دیکھنے والوں نے فوراً ٹوکا اور سختی کے ساتھ منع کیا، اس سلسلہ میں ہشام بن عروہ کا واقعہ گزر چکا ہے کہ انہوں نے کس غضب ناک لب ولہجہ میں سخت مزاج حامل کو منع کیا۔ ہشام بن حکیم بن حرام کا واقعہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ عیاض بن غنم نے کچھ ذمیوں کو ٹیکس نہ دینے کی وجہ سے دھوپ میں کھڑا ہونے کی سزا دے رکھی تھی، ان کی نگاہ پڑی تو غصہ سے کانپ اٹھے اور عیاض سے مخاطب ہو کہا:

يَا عِيَاضُ مَا هٰذَا؟ فَإِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ الَّذِينَ يُعَذِّبُونَ النَّاسَ فِي الدُّنْيَا يُعَذَّبُونَ فِي الْآخِرَةِ.(۱)

اے عیاض! یہ کیا ظلم ہے (کیا تمہیں معلوم نہیں کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو لوگ دنیا میں لوگوں کو ستاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو آخرت میں عذاب میں مبتلا کرے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تأثر

خود فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ انہوں نے شام جاتے ہوئے دیکھا کہ

---

(۱) کتاب الخراج: ص ۳۸۔

ٹیکس نہ دینے کی وجہ سے کچھ ذمیوں کو سزا دی جا رہی ہے، آپ نے پوچھا کہ یہ لوگ عدم ادائیگی کی کیا وجہ بیان کرتے ہیں، آپ سے کہا گیا کہ یہ سب کہتے ہیں کہ ٹیکس کے ادا کرنے کے لئے ہمارے پاس رقم نہیں بچتی ہے، اس لئے ہم مجبور ہیں، یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

فَدَعُوهُمْ، لَا تُكَلِّفُوهُمْ مَا لَا يَطِيقُونَ؛ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: لَا تُعَذِّبُوا النَّاسَ فَإِنَّ الَّذِينَ يُعَذِّبُونَ النَّاسَ فِي الدُّنْيَا يُعَذِّبُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (۱)

ان کو جانے دو اور طاقت سے زیادہ تکلیف نہ پہنچاؤ، کیونکہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ لوگوں کو نہ ستاؤ اس لئے کہ جو شخص لوگوں کو دنیا میں ستاتا ہے اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن عذاب میں گرفتار کرے گا۔

پھر حکم فرمایا کہ ان کو چھوڑ دو، چنانچہ ان کو معاف کر دیا گیا:

وَأَمَرَ بِهِمْ فَخَلَّى سَبِيلَهُمْ. (۲)

آپ نے معافی کا حکم دیا، پس ان کو چھوڑ دیا گیا۔

خلیفہ راشد کے عمل کا اثر

یہ امیر المومنین کا استدلال ہے، کیا اس کے بعد کسی کے لئے یہ جائز ہے کہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ کسی ذمی کے پاس ادا کرنے کے لئے رقم نہیں بچتی پھر بھی اس سے وصول کیا جائے، آپ یقین کیجیے کہ اسلام رعایا کے ساتھ ایسی سختی ایک لمحہ کے لئے پسند نہیں کرتا۔ البتہ ایک شخص ایسا ہے کہ اس کے پاس ہے اور نہیں دیتا ہے، تو البتہ اسے قانون کے مطابق قید کر دیا جائے گا، لیکن اگر کوئی یہ عذر پیش کرتا ہے کہ میرے پاس رقم نہیں ہے تو اسے شریعت کے

(۱) کتاب الخراج: ص ۱۳۸

(۲) کتاب الخراج: ص ۱۳۸

قانون کے مطابق معاف کردیا جائے گا کسی زیادتی کی ہرگز اجازت نہیں ہے۔

ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ایک بوڑھا اندھا کسی دروازہ پر صدا لگا کر بھیک مانگ رہا ہے، یہ منظر آپ سے برداشت نہ ہوسکا، فوراً اس کے پاس پہنچے اور پوچھا تم کون سے اہلِ کتاب ہو، اس بڈھے نے کہا کہ یہودی ہوں، دریافت کیا اس ذلت کے کام پر کیوں مجبور ہوئے، اس نے کہا اپنی ضروریات اور ٹیکس نے مجبور کیا، اس عمر میں اس کے سوا کیا کرسکتا ہوں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے اپنے گھر لے آئے، اس کی آؤ بھگت کی، گھر سے لاکر اسے کچھ پیش کیا، پھر اسے بیت المال کے خزانچی کے پاس بھجوایا اور لکھا:

اُنْظُرْ هٰذَا وَضُرَبَاءَهٗ؛ فَوَاللّٰهِ مَا اَنْصَفْنَاهُ اَنْ اَكَلْنَا شَبِيْبَتَهٗ ثُمَّ نَخْذُلُهٗ عِنْدَ الْهَرَمِ "اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ" وَالْفُقَرَاءُ هُمُ الْمُسْلِمُوْنَ وَهٰذَا مِنَ الْمَسَاكِيْنِ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ۔ (۱)

ان پر اور ان جیسے دوسرے لوگوں پر نظر رکھو، خدا کی قسم! یہ انصاف نہیں ہے کہ ہم ان کی جوانی سے فائدہ اٹھائیں اور بڑھاپے میں رسوا ہوتے ہوئے دیکھیں، حکم خداوندی ہے کہ صدقات فقراء اور مساکین کے لئے ہیں، فقراء مسلمان ہیں اور یہ اہلِ کتاب کے مساکین میں سے ہے۔

چنانچہ اس سے جزیہ معاف فرمادیا۔ اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کو دین کے فہم کی دولت بخشی ہے ان کو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے لب ولہجہ اور اس تاثر پر رک کر غور کرنا چاہئے اور ان متعصبین غیر مسلم کو بھی جو بے سوچے سمجھے اسلامی نظام کے منہ آتے ہیں۔

جزیہ کے اثرات

اس ٹیکس کی ادائیگی کے بعد اسلامی حکومت کا یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ ذمیوں کی جان کی

(۱) کتاب الخراج: ص ۱۳۹

حفاظت کرے اور ان کے مال اور عزت وآبرو پر کوئی حرف نہ آنے دے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

إِنَّمَا قَبِلُوا عَقْدَ الذِّمَّةِ لِتَكُونَ دِمَاؤُهُمْ كَدِمَائِنَا، وَأَمْوَالُهُمْ كَأَمْوَالِنَا.(۱)

ان سے عقد ذمہ تو بس اسی وجہ سے قبول کیا گیا ہے کہ ان کا مال ہمارے مال کے برابر اور ان کا خون ہمارے خون کے مساوی ہو جائے۔

پھر یہ عقد ذمہ خواہ صلح سے ہوا ہو یا دباؤ کے، یعنی اس طرح کہ مسلمان غالب آئے ہوں اور ان کو ان کے املاک واموال پر حسبِ سابق باقی رکھا گیا ہو، ہر حال میں مسلمانوں پر ذمہ داری لازم ہے۔

وَأَمَّا صِفَةُ الْعَقْدِ فَهُوَ أَنَّهُ لَازِمٌ فِي حَقِّنَا حَتَّى لَا يَمْلِكَ الْمُسْلِمُونَ نَقْضَهُ بِحَالٍ مِنَ الْأَحْوَالِ. وَأَمَّا فِي حَقِّهِمْ فَغَيْرُ لَازِمٍ.(۲)

عقد ذمہ یہ ہمارے حق میں لازم ہے، یہاں تک کہ مسلمان کسی حال میں بھی اسے توڑ نہیں سکتا، اور ہاں ان ذمیوں کے حق میں تو یہ ان پر لازم نہیں ہے۔

عقد ذمہ کا درجہ

حد یہ ہے کہ ذمی اگر جزیہ دینا بند کر دیں تو بھی ذمہ ختم نہ ہوگا، اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اگر ان میں سے کوئی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہے تو بھی اس کا عقد ذمہ باقی ہی رہے گا:

وَلَوِ امْتَنَعَ الذِّمِّيُّ مِنْ إِعْطَاءِ الْجِزْيَةِ لَا يُنْتَقَضُ عَهْدُهُ؛ لِأَنَّ الِامْتِنَاعَ يَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ لِعُذْرِ الْعَدَمِ... وَكَذَلِكَ لَوْ سَبَّ النَّبِيَّ

---

(۱) بدائع الصنائع : كتاب الشهادة، فصل: في شرائط ركن الشهادة، ج۴ ص ۲۸۱

(۲) بدائع الصنائع : كتاب السير، فصل : في ما يعترض من الأسباب المحرمة للقتال، ج۷ ص ۱۱۲

عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَا يُنْتَقَضُ عَهْدُهُ، لِأَنَّ هَذَا زِيَادَةُ كُفْرٍ عَلَى كُفْرٍ. (۱)

ذمی اگر جزیہ دینا بند کردیں تو اس سے ان کا عہد ختم نہ ہوگا، اس لئے کہ ممکن ہے یہ نہ دینا ناداری کی وجہ سے ہو، ایسا ہی اگر یہ ذمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ناروا کلمات بکیں تو اس سے بھی ان کا عقدِ ذمہ نہیں ٹوٹے گا، کیونکہ یہ کفر پر کفر کی زیادتی ہے۔

بات وہی ہے کہ جب ان کا کفر ان کو پناہ میں لینے سے نہیں روکتا تو اس نے اگر کچھ کفر میں اور شدت کر دی، تو اس کی وجہ سے بھی نکالا نہ جائے گا۔ مسلمان کو قتل کرنے یا مسلمان عورت سے زنا کے ارتکاب سے بھی ذمی کا عقد ختم نہیں ہوتا:

وَكَذَلِكَ لَوْ قَتَلَ مُسْلِمًا أَوْ زَنَى بِمُسْلِمَةٍ؛ لِأَنَّ هَذِهِ مَعَاصٍ ارْتَكَبُوهَا وَهِيَ دُونَ الْكُفْرِ فِي الْقُبْحِ. (۲)

ایسا ہی اگر کوئی ذمی کسی مسلمان کو قتل کر ڈالے، یا کس مسلمان عورت سے زنا کر بیٹھے تو اس سے بھی ذمہ ختم نہ ہوگا، کیونکہ یہ گناہ کے کام ہیں جن کا انہوں نے ارتکاب کیا ہے، جو قباحت میں کفر سے کم ہی ہیں (البتہ وہ مجرم ہوں گے اور اس کی ان کو قانونی سزا دی جائے گی)

گرجاؤں کو آزادی

ان کو اپنے گرجاؤں، مندروں اور مذہبی عبادت گاہوں میں سارے مذہبی مراسم کی پوری آزادی حاصل ہوگی:

وَكَذَا لَوْ ضَرَبُوا النَّاقُوسَ فِي جَوْفِ كَنَائِسِهِمُ الْقَدِيمَةِ لَمْ يُتَعَرَّضْ لِذَلِكَ. (۳)

---

(۱) بدائع الصنائع : كتاب السير، فصل : في ما يعترض من الأسباب المحرمة للقتال، ج۷ ص۱۱۲

(۲) بدائع الصنائع : كتاب السير، فصل : في ما يعترض من الأسباب المحرمة للقتال، ج۷ ص۱۱۲

(۳) بدائع الصنائع : ج۷ ص۱۰۲

اگر ذمی اپنی مذہب عبادت گاہوں میں ایسے مذہبی مراسم ادا کریں تو ان کو روکا نہیں جائے گا، اور اسی طرح اس وقت بھی ان کو چھیڑا نہ جائے گا جب یہ اپنی مذہبی عبادت گاہوں میں ناقوس پھونکیں۔

یہ حکم ان شہروں میں ہے جو مسلمانوں کے شہر کہلاتے ہیں، باقی جو خود ان کے شہر کہلاتے ہیں اور اسلامی شعار سے ٹکراؤ نہیں ہوتا تو خواہ وہاں مسلمان بھی کیوں نہ بستے ہوں انہیں اپنے مذہبی شعار کے علی الاعلان بجالانے کی آزادی ہوگی:

وَلَا يُمْنَعُونَ مِنْ إِظْهَارِ شَيْءٍ مِمَّا ذَكَرْنَا مِنْ بَيْعِ الْخَمْرِ وَالْخِنْزِيرِ، وَالصَّلِيبِ، وَضَرْبِ النَّاقُوسِ فِي قَرْيَةٍ، أَوْ مَوْضِعٍ لَيْسَ مِنْ أَمْصَارِ الْمُسْلِمِينَ، وَلَوْ كَانَ فِيهِ عَدَدٌ كَثِيرٌ مِنْ أَهْلِ الْإِسْلَامِ۔ (۱)

ان کی آبادی میں ان مذکور چیزوں کے اظہار سے ان کو روکا نہیں جائے گا، جیسے خمر وخنزیر اور ناقوس بجانا، اور ایسا ہی اس شہر میں بھی منع نہیں کیا جائے گا جو مسلمانوں کے شہر نہیں ہیں گو ایک بڑی تعداد مسلمانوں کی اس آبادی میں رہتی ہو۔

البتہ جو آبادی یا جگہ شعارِ اسلام کے لئے مخصوص ہو، وہاں ان ذمیوں کو ممانعت ہوگی:

فَيَخْتَصُّ الْمَنْعُ بِالْمَكَانِ الْمُعَدِّ لِإِظْهَارِ الشَّعَائِرِ وَهُوَ الْمِصْرُ الْجَامِعُ۔ (۲)

ان چیزوں سے رکاوٹ وہاں ہوگی جو جگہیں شعارِ اسلام کے لئے ہیں اور وہ مصر جامع ہے۔

جزیہ کی قسمیں

جزیہ کے سلسلہ میں یہ واضح رہنا چاہیے کہ جزیہ کی دو قسمیں ہیں، ایک بذریعہ صلح، اس کی مقدار وہی ہوگی جو صلح نامہ میں طے پائی ہے:

جِزْيَةٌ تُوضَعُ بِالتَّرَاضِي، وَهُوَ الصُّلْحُ، وَذَلِكَ يَتَقَدَّرُ بِقَدْرِ مَا وَقَعَ

---

(۱) بدائع الصنائع: ج۷ص۱۱۳ (۲) بدائع الصنائع: ج۷ص۱۱۳

عَلَيْهِ الصُّلْحُ، كَمَا صَالَحَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَهْلَ نَجْرَانَ. (۱)

ایک قسم جزیہ کی باہمی رضامندی سے مقرر کی جاتی ہےاوروہ اتنی ہی ہوگی جس پر صلح ہوئی ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ نجران سے مصالحت کی۔

دوسری قسم جزیہ کی یہ ہے کہ خلیفۃ المسلمین کسی ملک کے کفار پر غالب آجائے اوران کو بدستور سابق اپنی ملک واموال پر قابض چھوڑ دے اوران کو ذمی بنالے، اس کی مقدار اوپر گزرچکی یعنی سرمایہ دار پر ۴۸ درہم، متوسط پر ۲۴ درہم، اوراد نی پر ۱۲ درہم۔

کچھ لوگوں کو شکوہ ہے کہ یہ جزیہ صرف غیر مسلم پر ہی کیوں ہے، مسلمان پر کیوں نہیں اورمزہ کی بات یہ ہے کہ یہ شکوہ بارہویں صدی عیسوی میں پیدا ہوا، اس سے پہلے کبھی یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوا۔

اسلامی نظام سے دنیا کو برگشتہ کرنے کے لئے یہ سوال سب سے پہلے عیسائیوں نے اٹھایا، لیکن اس سوال میں کوئی جان نہ تھی، اس لئے یہ اپنی موت آپ مرگیا اوردنیا نے اعتراف کیا کہ اسلام نے جونظام قائم کیا ہےاس میں مسلمانوں پر جورقم متعین کی گئی ہے وہ جزیہ کی نسبت بہت زیادہ ہےاوراس کی ادائیگی صرف مسلمانوں ہی کا کام ہے۔ اس لئے کہ اس کا تعلق ان کے عقائد سے ہے، ایک مذہبی چیز کا غیر مذہب والوں پر عائد کرنا انصاف کے خلاف ہوتا۔

زکوۃ وجزیہ میں فرق

زکوۃ کی رقم مال کے اضافہ کے ساتھ بڑھتی جاتی ہے، پھر جس طرح نقد میں زکوۃ فرض ہے، سونا، چاندی اورمختلف جانوروں میں بھی فرض ہے۔ حد یہ ہے کہ احناف کے نزدیک زیورات بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں، جزیہ سے عورتیں اوردوسرے بہت سے لوگ مستثنیٰ ہیں

---

(۱) بدائع الصنائع : ج۷ ص ۱۱۱، ۱۱۲

مگر زکوۃ ہر مال والے پر ضروری ہے خواہ عورت ہو یا اندھا وغیرہ۔ ایک ذمی پچاس ہزار، یا دس لاکھ کا مالک ہے تو اسے ہر حال میں صرف ۴۸ درہم یعنی بارہ روپے جزیہ میں ادا کرنے پڑیں گے، لیکن اگر ایک مسلمان کے پاس اتنی رقم ہے تو اسے ڈھائی فی صد کے حساب سے پچاس ہزار پر پندرہ سو، اور دس لاکھ پر پندرہ ہزار زکوۃ کے ادا کرنے ہوں گے، دیکھا جائے تو یہ کتنا بڑا فرق ہے اور کتنے گنا زیادہ، اس لئے یہ کہنا کہ مسلمانوں پر جزیہ کیوں نہیں لگایا گیا، یا ذمیوں پر زکوۃ کیوں نہیں عائد کی گئی تاکہ دونوں میں مساوات ہوتی سرے سے غلط ہے۔

ذمی جزیہ ادا کر کے فوجی خدمات سے بھی بری ہو جاتا ہے، لیکن مسلمان زکوۃ ادا کرنے کے باوجود فوجی خدمات انجام دینے پر مجبور ہیں۔

بات اصل میں یہ ہے کہ اسلام دولت کو چند لوگوں میں سمٹا ہوا دیکھنا نہیں چاہتا، بلکہ ایسا نظام قائم کرتا ہے جس سے وہ تقسیم ہوتی رہے تاکہ سرمایہ دارانہ ذہنیت پیدا نہ ہو، مگر کسی غیر مسلم پر اس عقیدے کے لئے وہ جبر نہیں کر سکتا جس طرح دین کے سلسلہ میں ان پر زبردستی کی اجازت نہیں ہے۔

مسئلہ لباس پر ایک نظر

باقی رہا لباس کا مسئلہ جس میں اسلام کا حکم یہ ہے کہ مسلمان نہ دوسرے غیر مسلموں کی مشابہت اختیار کریں، اور نہ غیر مسلم مسلمانوں کی مشابہت اختیار کریں، بلکہ دونوں اپنے اپنے امتیازی لباس استعمال کریں تاکہ ہر ایک اپنے خاص قومی ممتاز لباس میں نظر آئیں اور لباس سے پہچان لئے جائیں، درحقیقت یہ مسئلہ قابلِ داد و تحسین ہے کہ اسلام نے دونوں فریق کو اپنے قومی لباس پر برقرار رکھنے کی سعی کی، تاکہ کسی میں احساس کمتری کا جذبہ پرورش نہ پائے اور کوئی اپنے لباس کو غیروں کے مقابلہ میں حقیر نہ جانے۔

ہنر عیب بن گیا

مگر حیرت انگیز بات یہ ہے کہ دشمنانِ اسلام نے اسے بھی اعتراض کا نشانہ بنالیا اور

اس کا پروپیگنڈہ کیا کہ غیر مسلموں کو مسلمانوں کا لباس اختیار کرنے سے روکنا بنظر تحقیر ہے جن لوگوں کی نگاہ اسلامی نظام حیات پر ہے وہ اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ یہ سمجھنا ان کا کس قدر غلط اور بدعقلی ہے، اسلام انسانوں کو اونچا کرنے آیا ہے خواہ وہ کوئی مذہب بھی رکھتا ہو۔

سوچنا چاہئے کہ جس مذہب نے اہلِ کتاب کی عورتوں سے شادی جائز قرار دی ہو اور وہ بھی اس طرح کہ وہ اپنے مذہب پر باقی رہے اور اپنے مذہبی مراسم آزادی سے ادا کرے، جو گھر کی ملکہ اور وزیر داخلہ کی حیثیت رکھتی ہے اور اس کے بچوں کی ماں بنتی ہے، اس مقدس دین میں انسانوں کے ذلیل سمجھے جانے کا تصور کیوں کر ممکن ہے، اور اس کی کہاں سے گنجائش نکل سکتی ہے۔

مختلف شعبہ جات کے یونیفارم

کیا ایسا نہیں ہے کہ حکومتیں اپنے مختلف شعبہ جات سے الگ الگ یونیفارم (مخصوص لباس) مقرر کرتی ہیں، تاکہ دیکھنے والے آسانی سے سمجھ لیں کہ اس شخص کا تعلق حکومت کے فلاں شعبہ سے ہے، مگر کوئی بھی ان مختلف یونیفارم کو برا نہیں کہتا، پھر اگر کوئی حکومت ایک قوم جو فوجی خدمات انجام دیتی ہے اور دوسری قوم جو فوجی خدمات انجام نہیں دیتی، ان کا الگ الگ مخصوص لباس متعین کردے تو اسے کیسے بُرا کہا جائے گا۔

ذمیوں کا لباس

ذمیوں کے مخصوص لباس میں اس زمانہ میں زنار، لمبی ٹوپی وغیرہ داخل تھی اور یہی ان کا قومی لباس تھا، ان کے لئے یہی مخصوص چیزیں متعین کردی گئی ہیں۔ اگر کسی زمانہ میں ان کا قومی لباس کوئی دوسرا ہوگا، وہی ان کے لئے مقرر کیا جائے گا۔ مقصد امتیاز ہے تاکہ دونوں ظاہری طور پر ایک دوسرے میں ضم نہ ہو جائیں:

إِنَّ أَهْلَ الذِّمَّةِ يُؤْخَذُونَ بِإِظْهَارِ عَلَامَاتٍ يُعْرَفُونَ بِهَا، وَلَا يُتْرَكُونَ يَتَشَبَّهُونَ بِالْمُسْلِمِينَ فِي لِبَاسِهِمْ وَمَرْكَبِهِمْ وَهَيْئَتِهِمْ. (۱)

(۱) بدائع الصنائع: ج۷ ص۱۱۳

ذمیوں سے ان علامات کے سلسلہ میں مواخذہ ہوگا جن سے وہ نمایاں طور پر پہچانے جائیں، ان کو اس کی کھلی آزادی نہ ہوگی کہ لباس وسواری اور وضع قطع میں مسلمانوں کی مشابہت اختیار کریں۔

ہمارے ملک ہندوستان میں ہندوؤں کی ایک خاص قومی وضع ہے جسے وہ کسی قیمت پر ترک کرنا پسند نہیں کرتے، جو ہندو اس وضع کو ترک کر کے دوسری وضع اپناتے ہیں ان کے پنڈت انہیں اچھی نظر سے نہیں دیکھتے، جیسے سر پر ٹوپی، گردن سے کمر تک زنار اور دھوتی۔ اگر کوئی حکومت یہی چیز ان کے لئے لازم کر دے تو یہ قابل ستائش کارنامہ ہوگا یا لائقِ شکوہ وشکایت، رہا عزت اور ذلت کا مسئلہ تو اس کے ماننے میں کس کو اشکال ہو سکتا ہے کہ جو اسلام کی نظر میں اعانت ہے وہی غیر مسلم کی نظر میں عین عزت ہے، ایک چیز اسلامی نقطہ نظر سے رسوا کن ہوتی ہے اور وہی غیر مذہب کے نقطہ نگاہ سے قابل فخر سمجھی جاتی ہے۔ مذہبی نقطہ نظر سے کفر واسلام میں جس قدر بعد ہے وہ ظاہر ہے، دینی اصول واحکام کے اندر بھی مسلم اور غیر مسلم میں اتنا ہی بعد باقی رہے گا، البتہ انسانی مساوات میں دونوں برابر ہیں۔

***

عالمگیر اخوت ومحبت اسلام میں

تاریخ شاہد ہے کہ اسلام جو سماج اور معاشرہ پیدا کرنا چاہتا ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جملہ ''کُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰہِ اِخْوَانًا'' میں بیان فرمادیا ہے، اللہ کی بندگی کے بعد جو ہدایت ہے اس کا بنیادی پتھر اخوت ومحبت اور رواداری وفیاضی ہے، یہ کسی درجہ پر بغض وحسد اور پراگندگی کی اجازت نہیں دیتا، خواہ یہ ایک گھر کے باہمی تعلق ہوں، جیسے میاں بیوی، باپ بیٹا، ماں بیٹی اور بہن بھائی، یا ایک خاندان کا مسئلہ ہو، جیسے چچا، تایا، چچازاد بھائی اور اسی طرح کے دوسرے رشتہ دار، یا ایک بستی کا معاملہ ہو، جیسے پڑوسی، بیوہ، بے کس، یتیم یا ایک ملک کا انتظام ہو، جیسے سلطان و وزیر، رعایا اور حکام اور یا پوری دنیا اور پوری انسانی برادری کی بات ہو، جیسے مشرق ومغرب کے باشندے اور جنوب وشمال دور کے گوشوں میں زندگی بسر کرنے والے۔

باہمی تعاون

اسلام کی ہر جگہ اور ہر موقع پر تعلیم یہ ہے کہ انسانوں میں باہمی اخوت ومحبت اور باہمی تعاون وباہمی امداد کا جذبہ کارفرما ہو اور باہم صلح وسلامتی کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی صحیح اسپرٹ ہو، اگر ماں باپ ماں ہیں تو اپنی اولاد سے محبت کریں اور ان کی پرورش میں ہر قسم کی تکالیف برداشت کریں۔ اگر آپ کسی کی اولاد ہیں تو والدین کا احترام واکرام اور ان کی اطاعت وفرماں برداری اپنے لئے باعث سعادت یقین کریں۔ اگر آپ بھائی ہیں تو دوسرے بھائی کی مصیبت میں کام آئیں، اگر آپ اپنے کو دوست کہتے ہیں تو دوسرے دوست کی دست گیری کا فرض ادا کریں۔ اسی طرح اگر آپ پڑوسی ہیں تو اپنے دوسرے

پڑوسیوں کی دیکھ بھال، بیوہ بے کس کی امداد کی خبر گیری اور دوسرے اہل حق کے حقوق ادا کریں۔ اگر آپ سلطان ہیں تو رعایا کی راحت و آسائش کا نظم کریں، انہیں ہر طرح کے مصائب و آلام اور مظالم سے بچانے کی تدبیر اختیار کریں اور ان میں جنگ وجدال کی نوبت نہ آنے دیں۔ رعایا کا فریضہ ہے کہ ان کا ایک ایک فرد امام وخلیفہ کی عزت کرے اور شریعت کا جو قانون ہے وہ نافذ کرے اس کی خلاف ورزی نہ کرے، بلکہ اچھے اور نیک کاموں میں ہر طرح سے تعاون کرے اور اس کا ہاتھ بٹائے۔ اور اگر کوئی حاکم ہے تو وہ مسلم اور غیر مسلم رعایا کی جان ومال اور ان کی عزت و آبرو کی حفاظت کرے، اور اگر غیر مسلم رعایا کی حیثیت سے ہے تو مسلمانوں کا دینی فرض ہے کہ ان پر ظلم وتعدی کریں اور نہ ان کو کسی پر ظلم وتعدی کرنے کا موقع دیں، اور عالمگیر عدل ومساوات اور عالم گیر اخوت ومحبت کا برتاؤ کریں۔ مختصر یہ ہے کہ ہر شعبہ زندگی میں ایسا پرسکون ماحول ہو کہ کسی انسان کی حریت فکر مجروح نہ ہونے پائے، مذہبی آزادی کا گلا نہ گھٹے، پھر قتل وعصمت دری، لوٹ مار، فتنہ وفساد اور مردم آزاری کا نام ونشان تک باقی نہ ہو، بلکہ ہر جگہ اور ہر شعبہ حیات میں امن وسلامتی ہو اور صلح وآشتی کا جذبہ کارفرما ہو۔

اسلام نے اس سلسلہ میں جو کوششیں کیں ہیں ان کا سرسری خاکہ ان تعلیمات پر نظر ڈالنے سے سامنے آجائے گا جو اس سلسلہ میں پیغمبر اسلام نے امت کو دی ہیں۔

رشتہ داروں سے سلوک

یہ بحث تفصیل سے پہلے گزر چکی ہے کہ اسلام ساری کائناتِ انسانی کو ایک باپ کی اولاد قرار دیتا ہے، اسی کے ساتھ اسلام کی یہ بھی تعلیم ہے کہ بڑوں کی عزت کی جائے اور چھوٹوں سے شفقت ومحبت کا برتاؤ کیا جائے، جو اس اصول پر عمل نہیں کرتا اسلام اسے اپنی جماعت سے خارج قرار دیتا ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا وَيَعْرِفْ شَرَفَ كَبِيرِنَا.(۱)

---

(۱) سنن الترمذی: ابواب البر والصلة، باب ماجاء فی رحمة الصبیان، ج۴ ص ۳۲۱، رقم الحدیث: ۱۹۲۰

جو شخص ہمارے چھوٹوں پر مہربانی نہ کرے اور نہ ہمارے بڑوں کی بزرگی کا لحاظ و پاس کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

والدین جو اس دنیا میں انسان کو جنم دینے کے ذریعہ اور اس کے مربی ہیں، ان کے ادب واحترام کا سبق دیتے ہوئے ارشاد ربانی ہے:

وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۚ إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ﴿۲۳﴾ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا ﴿۲۴﴾ (الإسراء)

اور تم والدین کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آؤ، اور اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو اس وقت بھی کبھی ان کو ''اُف'' تک نہ کہو اور نہ ان کو جھڑکو، اور انتہائی نرمی اور ادب کے ساتھ ان سے بات کرو، اور ان کے سامنے تواضع کے بازو شفقت و مہربانی سے جھکائے رکھو، اور ان کے حق میں یوں دعا کرو: اے میرے رب! جس طرح انہوں نے بچپن میں میری پرورش کی ہے اسی طرح تو بھی ان دونوں پر رحم فرما۔

اولاد کے سلسلہ میں والدین کو ہدایت کی گئی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ (التحریم:۶)

اے ایمان والو! تم اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِذَا أَعْطَى اللّٰهُ أَحَدَكُمْ خَيْرًا فَلْيَبْدَأْ بِنَفْسِهِ وَأَهْلِ بَيْتِهِ۔[1]

(۱) صحیح مسلم: کتاب الإمارة، باب: الناس تبع لقريش والخلافة في قريش، ج۳ ص۴۵۳ ارقم الحديث: ۱۸۲۲

جب اللہ تم میں سے کسی کو مال و دولت سے نوازے تو اس کو چاہیے کہ اس کا خرچ اپنی ذات اور اپنے بال بچوں سے شروع کرے۔

عام لوگوں کو تنبیہ کی گئی کہ وہ کسی کے گھر میں فتنہ پیدا کر کے لعنتی نہ بنیں:

لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الْوَالِدَةِ وَوَلَدِهَا، وَبَيْنَ الْأَخِ وَبَيْنَ أَخِيهِ. (۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر لعنت کی ہے جو اولاد اور والدین کے درمیان، یا بھائی بھائی کے درمیان پھوٹ ڈالنے کی سعی کرتے ہیں۔

زیردستوں سے حسن سلوک

غلاموں کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید فرمائی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَنْ لَاءَمَكُمْ مِنْ خَدَمِكُمْ، فَأَطْعِمُوهُمْ مِمَّا تَأْكُلُونَ، وَاكْسُوهُمْ مِمَّا تَلْبَسُونَ. (۲)

تمہارے مملوک میں سے جن کی تم سے موافقت ہو، ان کو تم وہی کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو، اور وہی کپڑے پہناؤ جو تم پہنتے ہو۔

خادم کے سلسلہ میں کسی نے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اس کے کس قدر قصور قابلِ درگزر ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اعْفُوا عَنْهُ فِي كُلِّ يَوْمٍ سَبْعِينَ مَرَّةً. (۳)

روزانہ ستر مرتبہ اس سے درگزر کیا کرو۔

یتیموں کی دیکھ بھال

نابالغی کی حالت میں جس کے والد کا انتقال ہو گیا، اور بظاہر وہ بے سہارا رہ گیا اس کی

---

(۱) سنن ابن ماجه : كتاب التجارات، باب النهى عن التفريق بين السبى، ج۲ ص۷۵٦، رقم الحديث: ۲۲۵۰

(۲) مسند احمد : مسند الأنصار، حديث ابى ذر الغفارى، ج۳۵ ص۳۸۲، رقم الحديث: ۲۱۴۸۳

(۳) سنن ابى داود : كتاب الأدب، باب ما جاء فى حق المملوك، ج۴ ص۳۴۱، رقم الحديث: ۵۱۶۴

دیکھ بھال کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا (النساء)

بلاشبہ جو لوگ بغیر کسی حقِ شرعی کے یتیموں کا مال کھاتے ہیں تو اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں، اور وہ عنقریب دہکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے۔

دوسری جگہ ارشاد ہوا:

وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (الانعام: ۱۵۲)

اور یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ، مگر ہاں ایسے طریقہ سے جو بہترین ہو۔

یتیم و مساکین کے قساوتِ قلبی سے پیش آنے اور اظہار بے تعلقی کو "تکذیبِ دین" سے تعبیر کیا گیا ہے، اور اس طرح اس شرم ناک طرزِ عمل سے روکا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

أَرَأَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالدِّينِ ﴿١﴾ فَذَٰلِكَ الَّذِي يَدُعُّ الْيَتِيمَ ﴿٢﴾ وَلَا يَحُضُّ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ﴿٣﴾ (الماعون)

کیا آپ نے اس شخص کو نہیں دیکھا جو روزِ جزاء کو جھٹلاتا ہے، یہ وہ شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے، اور محتاج کو کھانا دینے کی ترغیب نہیں دیتا۔

مملوک اور یتیم کے ساتھ حسنِ سلوک کے سلسلہ میں ایک مرتبہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فَأَكْرِمُوهُمْ كَكَرَامَةِ أَوْلَادِكُمْ، وَأَطْعِمُوهُمْ مِمَّا تَأْكُلُونَ. (۱)

ان کے لئے اسی طرح عزت کا ذریعہ بنو جس طرح تم اپنی اولاد کے لئے بنتے ہو، اور جو تم خود کھاتے ہو ان کو بھی وہی کھلایا کرو۔

---

(۱) سنن ابن ماجه: كتاب الأدب، باب ما في الإحسان إلى المماليك، ج۲ ص۱۲۱۷، رقم الحديث: ۳۶۹۱

ماتحتوں کا خیال

نوکر چاکر اور خدمت گزار کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت ہے:

إِخْوَانُكُمْ جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَحْتَ أَيْدِيكُمْ، فَمَنْ جَعَلَ اللّٰهُ أَخَاهُ تَحْتَ يَدِهِ، فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ، وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ، وَلَا يُكَلِّفْهُ مِنَ الْعَمَلِ مَا يَغْلِبُهُ. (۱)

وہ تمہارے بھائی ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو تمہارے ماتحت کر رکھا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ جس کے ماتحت اس کے بھائی کو کردیں، اس کا فرض یہ ہے کہ وہ جو خود کھائے وہی اس کو بھی کھلائے، اور جو خود پہنے اس کو بھی وہی پہنائے اور ایسے کام کا مکلّف نہ کرے جس سے وہ مغلوب ہو جائے۔

نسلِ انسانی

عام انسانی برادری کے ساتھ رحم وکرم کی تاکید کی گئی، اور رَواداری وفیاضی کی تعلیم دی گئی:

لَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مَنْ لَا يَرْحَمُ النَّاسَ. (۲)

جو لوگوں پر مہربانی نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پر ترس نہیں کھاتا۔

بیواؤں کے ساتھ ہمدردی اور حسنِ سلوک کی تاکید کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلسَّاعِي عَلَى الْأَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِينِ كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَأَحْسِبُهُ قَالَ: كَالْقَائِمِ لَا يَفْتُرُ، وَكَالصَّائِمِ لَا يُفْطِرُ. (۳)

---

(۱) صحیح البخاری: کتاب الأدب، باب ما ینهی من السباب واللعن، ج۸ ص۱۵، رقم الحدیث: ۶۰۵۰

(۲) صحیح البخاری: کتاب التوحید، باب قول اللہ تبارک و تعالیٰ: قل ادعوا اللہ او ادعوا الرحمٰن، ج۹ ص۱۱۵، رقم الحدیث: ۷۳۷۶

(۳) صحیح البخاری: کتاب الأدب، باب الساعی علی المسکین، ج۸ ص۹، رقم الحدیث: ۶۰۰۷

بیواؤں اور غریبوں کی مدد کرنے والا ایسا ہے جیسا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا، راوی کا خیال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ بیواؤں اور بے کسوں کی مدد کرنے والا ایسا ہے جیسا وہ شب بیدار جو تھکتا نہ ہو، اور اس روزہ دار کی طرح جو برابر روزہ رکھے۔

مسلمانوں کے ساتھ برتاؤ

عام مومنین کی باہم الفت ومحبت اور اخوت وہمدردی کی مثال دی گئی:

كَمَثَلِ الْجَسَدِ، إِذَا اشْتَكَى عُضْوًا تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ جَسَدِهِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمَّى. (۱)

سارے مسلمان ایک جسم جیسے ہیں، جب اس جسم کا کوئی حصہ تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے تو اس کی وجہ سے سارا جسم بیداری اور بخار کی مصیبت جھیلتا ہے۔

مسلمانوں کے باہمی حقوق کی نشاندہی کی گئی اور ان کو بتلایا گیا کہ ایک دوسرے کے ساتھ خیر خواہی کا برتاؤ کریں:

اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يُسْلِمُهُ، وَمَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ اَخِيهِ كَانَ اللّٰهُ فِي حَاجَتِهِ، وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً، فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرُبَاتِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ. (۲)

ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، وہ اس پر ظلم نہ کرے اور نہ اس سے کنارہ کش ہو، اور جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت کی تکمیل کی سعی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی کرتا ہے، اور جو کسی مسلمان کی ایک مصیبت دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کی مصیبتوں میں سے ایک بڑی مصیبت سے اس کو

(۱) صحيح البخاري : كتاب الأدب، باب رحمة الناس والبهائم، ج۸ ص۱۰، رقم الحديث: ۶۰۱۱

(۲) صحيح البخاري : كتاب المظالم والغصب، باب لا يظلم المسلم المسلم ولا يسلمه، ج۳ ص۱۲۸، رقم الحديث: ۲۴۴۲

نجات دے گا، اور جو کسی مسلمان کی عیب پوشی کرتا ہے اللہ تعالی قیامت میں اس کی عیب پوشی فرمائے گا۔

حکمران

بادشاہ اور حکمران طبقہ کے لئے ارشادِ نبوی ہے:

وَاَهْلُ الْجَنَّةِ ثَلَاثَةٌ ذُو سُلْطَانٍ مُقْسِطٌ مُتَصَدِّقٌ مُوَفَّقٌ، وَرَجُلٌ رَحِيمٌ رَقِيقُ الْقَلْبِ لِكُلِّ ذِي قُرْبَى وَمُسْلِمٍ. (۱)

جنتی تین ہیں، عدل وانصاف کرنے والا حکمران، اور وہ شخص جس کو صدقے کی توفیق دی گئی، اور وہ مہربان شخص جو اپنے تمام رشتہ داروں اور ہر مسلمان کے لئے نرم دل ہو۔

مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی کے سلسلہ میں پیغمبر اسلام نے فرمایا:

وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ، لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لِاَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ. (۲)

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے! کہ کوئی بندہ مومن کامل ہو نہیں سکتا جب تک وہ اپنے دوسرے بھائی کے لئے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

پڑوسی کا حق

پڑوسی کے ساتھ حسنِ سلوک کے سلسلہ میں ارشادِ نبوی ہے:

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ لَا يَاْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ. (۳)

---

(۱) صحیح مسلم : كتاب الجنة وصفحة نعيمها، باب الصفات التي يعرف بها في الدنيا أهل الجنة و أهل النار، ج۴ ص۲۱۹۷، رقم الحديث: ۲۸۶۵

(۲) سنن النسائي : كتاب الإيمان وشرائعه، علامة الإيمان، ج ۸ ص۱۱۵، رقم الحديث: ۵۰۱۷

(۳) صحیح مسلم : كتاب الإيمان، باب بيان تحريم إيذاء الجار، ج ۱ ص۶۸، رقم الحديث: ۴۶

وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کی اذیتوں سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ رہ سکے۔

پڑوسی کے حقوق کی اہمیت بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

مَا زَالَ جِبْرِيلُ يُوصِينِي بِالْجَارِ حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُوَرِّثُه.(۱)

حضرت جبرئیل نے پڑوسی کے سلسلہ میں اتنی دفعہ تاکید کی کہ مجھے گمان ہو گیا کہ اسے وارث قرار دے دیا جائے گا۔

انسانی رواداری

انسانی دلدہی کے لحاظ وخیال پر روشنی ڈالی اور فرمایا:

إِذَا كُنْتُمْ ثَلَاثَةً فَلَا يَتَنَاجَى اِثْنَانِ دُونَ الْآخَرِ، حَتَّى تَخْتَلِطُوا بِالنَّاسِ مِنْ أَجْلِ أَنْ يُحْزِنَهُ.(۲)

جس وقت تم تین ہو اس وقت دو مل کر بات مت کرو کہ ایک تنہا رہ جائے جب تک تم لوگوں میں غلط ملط نہ ہو جاؤ، اس لئے کہ دو کے باہم گفتگو کرنے اور تیسرے کے تنہا رہ جانے کی صورت میں اسے رنج ہوگا۔

انسانیت اور کائناتِ انسانی کے ساتھ رواداری ومحبت کے سلسلہ میں فرمایا:

الرَّاحِمُونَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ اِرْحَمُوا أَهْلَ الْأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ.(۳)

مہربان اور ترس کھانے والوں پر اللہ تعالیٰ رحم کرتا ہے، لہٰذا تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا (یعنی خدا) تم پر رحم فرمائے گا۔

(۱) صحیح البخاری : کتاب الأدب، باب الوصاة بالجار، ج۸ ص۱۰، رقم الحدیث: ٦٠١٥

(۲) صحیح مسلم : کتاب الآداب، باب تحریم مناجاة الإثنین دون الثالث بغیر رضاه، ج۴ ص۱۷۱۸، رقم الحدیث: ۲۱۸۴

(۳) سنن ابی داود : کتاب الأدب، باب فی الرحمة، ج۴ ص۲۸۵، رقم الحدیث: ۴۹۴۱

سلطان اور بڑوں کی تکریم کے باب میں ارشاد نبوی ہے:

إِنَّ مِنْ إِجْلَالِ اللَّهِ إِكْرَامَ ذِي الشَّيْبَةِ الْمُسْلِمِ، وَحَامِلِ الْقُرْآنِ غَيْرِ الْغَالِي فِيهِ وَالْجَافِي عَنْهُ، وَإِكْرَامَ ذِي السُّلْطَانِ الْمُقْسِطِ. (۱)

بوڑھے مسلمان کی تعظیم وتکریم اور اسی طرح حامل قرآن کی تعظیم وتکریم جو غلو سے پاک ہے، اور منصف بادشاہ کی تکریم اللہ تعالیٰ کی تعظیم وتکریم ہے۔

پیٹھ پیچھے جو کسی دوسرے کی غیبت سے روکتا ہے اس کے اجر کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ ذَبَّ عَنْ لَحْمِ أَخِيهِ بِالْمَغِيبَةِ، كَانَ حَقًّا عَلَى اللَّهِ أَنْ يُعْتِقَهُ مِنَ النَّارِ. (۲)

جو شخص پیٹھ پیچھے اپنے بھائی کی غیبت سے روکتا ہے اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ وہ اسے جہنم کی آگ سے آزاد کر دے۔

ہر ایک کے مرتبہ کے لائق مدارت کے سلسلہ میں آپ کا ارشاد ہے:

أَنْزِلُوا النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ. (۳)

لوگوں کو ان کے مرتبہ کے مطابق اتارو۔

عالمگیر ہمدردی کو ابھارتے ہوئے آپ نے فرمایا:

لَيْسَ الْمُؤْمِنُ الَّذِي يَشْبَعُ وَجَارُهُ جَائِعٌ. (۴)

وہ شخص مومن کامل نہیں ہے جو خود پیٹ بھر کر کھائے اور اس کے پہلو میں اس کا پڑوسی بھوکا رہے۔

---

(۱) سنن ابی داود: کتاب الأدب، باب فی تنزیل الناس منازلھم، ج۴ ص۲۶۱، رقم الحدیث: ۴۸۴۳

(۲) مسند ابی داود الطیالسی: مسند عائشة ام المؤمنین، ج۳ ص۲۰۱، رقم الحدیث: ۱۷۳۷

(۳) سنن أبی داود: کتاب الأدب، باب تنزیل الناس منازلھم، ج۴ ص۲۶۱، رقم الحدیث: ۴۸۴۲

(۴) الأدب المفرد: باب لا یشبع دون جارہ، ص۵۲، رقم الحدیث: ۱۱۲

بغض وحسد اور بدظنی کی ممانعت

تحاسد وتباغض اور باہمی نفرت وعداوت کی بیخ کنی کرتے ہوئے فرمایا:

لَا يَحِلُّ لِرَجُلٍ اَنْ يَهْجُرَ اَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ ...وَخَيْرُهُمَا الَّذِي يَبْدَأُ بِالسَّلَامِ. (۱)

کسی کے لئے یہ درست نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی سے تین دن رات سے زیادہ الگ تھلگ رہے، اور ان میں بہتر وہ ہے جو سلام میں پہل کرے۔

باہمی بدظنی اور بے اعتمادی سے روکا گیا اور فرمایا گیا:

إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ، فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ، وَلَا تَحَسَّسُوا، وَلَا تَجَسَّسُوا، وَلَا تَنَاجَشُوا، وَلَا تَحَاسَدُوا، وَلَا تَبَاغَضُوا، وَلَا تَدَابَرُوا، وَكُونُوا عِبَادَ اللَّهِ إِخْوَانًا. (۲)

بدگمانی سے بچو اس لئے کہ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے، نہ ٹوہ میں رہو اور نہ جاسوسی میں پڑو، نہ بغیر ارادہ خریداری اور صرف بھاؤ بڑھانے کے لئے بولی بولو، نہ باہم حسد کرو، نہ بغض وکینہ رکھو، اور نہ غیبت کرو، اور اے بندگانِ خدا! باہم بھائی بھائی ہو جاؤ۔

حسنِ ظن کی ترغیب

حسنِ ظن کی ترغیب کے سلسلہ میں ارشادِ نبوی ہے:

حُسْنُ الظَّنِّ مِنْ حُسْنِ الْعِبَادَةِ. (۳)

حسن ظن بہترین عبادت ہے۔

---

(۱) صحیح البخاری: کتاب الهجرة، ج۸ ص ۲۱، رقم الحدیث: ۶۰۷۷

(۲) صحیح البخاری: کتاب الأدب، باب: یا ایها الذین امنوا اجتنبوا کثیرا من الظن--- الخ، ج۸ ص ۱۹، رقم الحدیث: ۶۰۶۶

(۳) سنن أبی داود: کتاب الأدب، باب حسن الظن، ج۴ ص ۲۹۸، رقم الحدیث: ۴۹۹۳

باہمی خوش گوار تعلقات کے سلسلہ میں بہت سی حدیثیں ہیں جن میں مختلف انداز سے مل جل کر رہنے اور باہم محبت وشفقت اور خیر خواہی کی تعلیم ہے، مسلمانوں کے ساتھ بھی اور عام انسانوں کے ساتھ بھی، آپ نے اب تک جو پڑھا ہے وہ سمندر میں سے صرف چند قطرے ہیں۔

اس کتاب میں ہمارا موضوع امن وامان ہے، اس لئے اسی حد تک باہمی سلوک اور خیر خواہی کی حدیثیں پیش کی گئی ہیں جن سے امن وامان اور سکون واطمینان کے حصول میں مدد ملتی ہے، اور وہ بھی صرف چند ارشادات پر اکتفاء کیا گیا ہے، بدامنی صرف اس لئے ہوتی ہے کہ زندگی گزارنے کا لائحہ عمل جو پیغمبر اسلام نے پیش کیا ہے اس پر ہمارا عمل نہیں، اس نظام العمل کو دنیا اپنا لے تو فتنوں کے دروازوں پر ایک زبردست آہنی دیوار کھچ جائے گی، اور غلط جذبات جو انسانوں کو جنگ وجدل پر ابھارتے ہیں وہ باقی نہ رہ سکیں گے۔

اسلام نے اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ باہمی زندگی میں جہاں جہاں جھگڑے اور فساد کے چشمے اُبل سکتے تھے ان تمام پر بھاری پتھر ڈال دیئے ہیں۔

منازعت کی روک تھام

خرید وفروخت کے مسائل جس سے رات دن، چوبیس گھنٹے ہمیں واسطہ رہتا ہے اس سلسلہ میں کچھ ایسے ضابطے بنا دیئے گئے ہیں کہ ان پر عمل سے اس لائن کی ساری کی کوتاہیاں ختم ہوتی ہیں۔ فقہاء نے بیع کی ان تمام صورتوں کو ناجائز قرار دیا ہے جن سے باہمی منازعت پیدا ہوسکتی ہے، یا جن میں ذرہ برابر اندیشہ وفساد کی گنجائش ہے، اور ان صورتوں پر عمل کی تاکید ہے جن میں کوئی شر وفتنہ نہیں ہے، جیسے:

(۱) متعاقدین کا ایجاب وقبول۔

(۲) بیع پر قبضہ۔

(۳) مبیع ایسی چیز ہو جس کو مال کہا جائے۔

(۴) جس کو ثمن بنایا جائے اس میں ثمن بننے کی صلاحیت ہو۔

(۵) خیارِ رُؤیت۔

(۶) خیارِ عیب۔

(۷) خیارِ شرط وغیرہ وغیرہ۔ پھر سود کی ممانعت، کم ناپ تول کی حرمت، احتکار، تناجش کی روک تھام۔

نیز حکم دیا کہ مزدور کی اجرت پسینہ خشک ہونے سے پہلے دی جائے، جو بات طے ہو جائے اس کی خلاف ورزی کسی طرف سے نہ ہو، گویا ایک ایک فرد کے حقوق وفرائض متعین کر دیئے ہیں، خواہ یہ کسی ایک فرد کا معاملہ کسی دوسرے فرد سے ہو، یا ایک فرد کا معاملہ ایک جماعت کے ساتھ ہو، یا کسی جماعت کے کسی فرد کے ساتھ ہر پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے کوئی پہلو تشنہ نہیں چھوڑا گیا، اور جہاں سے بھی امن وامان پر زد پڑ سکتی تھی اس کا سرے سے دروازہ بند کر دیا گیا ہے تاکہ وہاں کوئی نہ پہنچ پائے۔

حرام کمائی اور ناجائز کاروبار کی آمدنی باعث ہلاکت وبربادی قرار دی گئی اور فرمایا گیا:

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ لَحْمٌ نَبَتَ مِنْ سُحْتٍ، وَكُلُّ لَحْمٍ نَبَتَ مِنْ سُحْتٍ فَالنَّارُ أَوْلَى بِهِ. (۱)

وہ گوشت جنت میں داخل نہ ہوگا جس کی پرورش حرام مال سے ہوئی ہے، بلکہ ہر وہ گوشت جس نے حرام کی کمائی سے پرورش پائی ہے دوزخ کے لائق ہے۔

شراب جو فساد کی جڑ ہے اس کے سلسلہ میں ارشاد ہے:

لَعَنَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْخَمْرِ عَشَرَةً: عَاصِرَهَا، وَمُعْتَصِرَهَا، وَشَارِبَهَا، وَحَامِلَهَا، وَالْمَحْمُولَةُ إِلَيْهِ، وَسَاقِيَهَا، وَبَائِعَهَا، وَآكِلَ ثَمَنِهَا، وَالْمُشْتَرِي لَهَا، وَالْمُشْتَرَاةُ لَهُ. (۲)

---

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی: باب الکاف، عاصم العدوی عن کعب بن عجرۃ، ج۱۹ ص۱۳۵، رقم الحدیث: ۲۹۸

(۲) سنن الترمذی: أبواب البیوع، باب النھی أن یتخذ الخمر خلًا، ج۳ ص۵۸۱، رقم الحدیث: ۱۲۹۵

شراب کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس آدمیوں پر لعنت بھیجی ہے، نچوڑنے والے پر، پینے والے پر، اٹھانے والے پر، جس کے لئے لایا جائے اس پر، اس کا دور چلانے والے پر، اس کے بیچنے والے پر، اس کی قیمت کے کھانے والے، پر اور جس شخص کے لئے خریدی جائے اس پر۔

ناجائز آمدنی کی قباحت وشناعت ذہن نشین کرنے اور اس کے روکنے کے لئے فرمایا گیا:

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ جَسَدٌ غُذِّيَ بِحَرَامٍ. (۱)

وہ جسم جنت میں داخل نہ ہوگا جس کی غذا مالِ حرام رہی ہے۔

بیع وشرا کے لئے ضابطہ مقرر کیا اور فرمایا:

الْمُتَبَايِعَانِ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِالْخِيَارِ عَلَى صَاحِبِهِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا. (۲)

بیچنے اور خریدنے والے جب تک معاملہ طے نہ کر چکیں ہر ایک کو دوسرے کے ساتھ معاملہ کرنے میں اختیار ہے۔

سود کی حرمت اور دوسرے ناجائز کاروبار

سود کی حرمت کے سلسلہ میں اعلان ہوا:

لَعَنَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آكِلَ الرِّبَا، وَمُؤْكِلَهُ، وَكَاتِبَهُ، وَشَاهِدَيْهِ، وَقَالَ: هُمْ سَوَاءٌ. (۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے، کھلانے والے، اس کے لکھنے والے، اور گواہوں پر لعنت کی اور فرمایا: یہ سب برابر ہیں۔

جہاں جھگڑے اور دھوکے کا اندیشہ ہو اس سے روکتے ہوئے فرمایا:

(۱) مسند أبي يعلى: مسند أبي بكر الصديق، ج۱ ص۸۴، رقم الحديث: ۸۳

(۲) صحيح البخاري: كتاب البيوع، باب البيعان بالخيار مالم يتفرقا، ج۳ ص۶۴، رقم الحديث: ۲۱۱۱

(۳) صحيح مسلم: كتاب المساقاة، باب لعن آكل الربا و موكله، ج۳ ص۱۲۱۸، رقم الحديث: ۱۵۹۸

نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الصُّبْرَةِ مِنَ التَّمْرِ، لَا يُعْلَمُ مَكِيلَتُهَا بِالْكَيْلِ الْمُسَمَّى مِنَ التَّمْرِ. (۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کے ایسے ڈھیر کے بیچنے سے منع فرمایا جس کا متعین پیمانہ سے وزن معلوم نہیں۔

ناجائز اور ناجائز منافع کی بندش اس حد تک کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جب کوئی شخص کسی کو قرض دے تو وہ اس قرض خواہ کا ہدیہ قبول نہ کرے۔

بیع کے ناجائز طریقے جو اسلام سے پہلے رائج تھے اور جن کی ہولناکیاں آج بھی مسلم ہیں ان سے منع کیا گیا:

اَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الْمُحَاقَلَةِ، وَالْمُزَابَنَةِ، وَالْمُخَابَرَةِ، وَالثُّنْيَا. (۲)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے محاقلہ، مزابنہ، مخابرہ، معاومہ اور استثناء سے روکا۔

صحیح ناپ تول کی تاکید کی، ارشاد ربانی ہے:

وَ اَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝ (الإسراء)

اور جب ناپ تول کرو تو پورا ناپو، اور صحیح ترازو سے تول کردو، یہ اچھی بات ہے اور انجام بھی اس کا اچھا ہے۔

نقصان دہ خرید و فروخت

جس خرید و فروخت سے عوام کو نقصان پہنچ سکتا ہے، یا جس میں فساد کا اندیشہ ہے اس

---

(۱) صحيح مسلم: كتاب البيوع، باب تحريم بيع صبرة التمر المجهولة القدر بتمر، ج۳ ص۱۱۶۲، رقم الحديث: ۱۵۳۰

(۲) سنن الترمذی: أبواب البيوع، باب ما جا في النهي عن الثنيا، ج۳ ص۵۷۷، رقم الحديث: ۱۲۹۰

کے متعلق رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَلَقَّوُا الرُّكْبَانَ لِلْبَيْعِ، وَلَا يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَيْعِ بَعْضٍ، وَلَا تُصَرُّوا الْإِبِلَ وَالْغَنَمَ، فَمَنِ ابْتَاعَهَا بَعْدَ ذَلِكَ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ. (۱)

تم سستا خریدنے کے لئے قافلہ سے آگے جا کر نہ ملو۔ اور نہ تم میں کوئی کسی کے معاملہ پر معاملہ کرے، اور نہ تم دھوکہ کی آواز لگاؤ، اور نہ کوئی شہری کسی دیہاتی کا مال گراں بیچنے کے لئے لے، اور نہ اونٹ اور بکری کی تھنوں میں تم دودھ جمع کرو۔ ایسے جانور کو دوہنے کے لئے بعد خریدار کو واپس کرنے اور رکھنے کا اختیار ہے۔

دھوکہ دہی کی قباحت بیان کی اور فرمایا:

مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنِّي. (۲)

جو شخص دھوکہ دہی کا معاملہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

زور زبردستی کی بیع سے روکا اور اعلان ہوا:

نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الْمُضْطَرِّ، وَبَيْعِ الْغَرَرِ. (۳)

کسی عیب دار چیز کو عیب بتائے بغیر بیچنا سراسر باعثِ فتنہ ہے، اسلام نے اس سے روکا ہے۔

مَنْ بَاعَ عَيْبًا لَمْ يُبَيِّنْهُ لَمْ يَزَلْ فِي مَقْتِ اللهِ، وَلَمْ تَزَلِ الْمَلَائِكَةُ تَلْعَنُهُ. (۴)

---

(۱) سنن أبي داود : كتاب البيوع، باب من اشترى مصراة فكرهها، ج۳ ص۲۷۰، رقم الحديث: ۳۴۴۳

(۲) صحيح مسلم : كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم : من غش فليس منا، ج۱ ص۹۹، رقم الحديث: ۱۰۲

(۳) سنن أبي داود : كتاب البيوع، باب في بيع المضطر، ج۳ ص۲۵۵، رقم الحديث: ۳۳۸۲

(۴) سنن ابن ماجه: كتاب التجارات، باب من باع عيبا فليبينه، ج۲ ص۷۵۵، رقم الحديث: ۲۲۴۷

جو شخص کوئی عیب دار شے بیچے اور خریدار کو خبر نہ کرے وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے غضب میں ہوتا ہے، اور فرشتے ہمیشہ اس پر لعنت بھیجتے ہیں۔

اسی طرح کسی کی زمین دبا لینے سے اسے روکا اور اس کی سزا کے سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ اَخَذَ شِبْرًا مِنَ الْاَرْضِ ظُلْمًا، فَاِنَّهُ يُطَوَّقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ اَرَضِيْنَ.(۱)

جو شخص کسی دوسرے کی بالشت بھر زمین بھی زبردستی سے لے گا، اللہ تعالیٰ اس زمین کے ساتوں طبقات قیامت کے دن اس کی گردن میں طوق بنا کر ڈال دیں گے۔

کون نہیں جانتا کہ مقدمات کی زیادہ تر بنیاد اسی قسم کے معاملات ہوتے ہیں، ایک بالشت زمین کے لئے مقدمہ بازی ہوتی ہے، لاٹھیاں چلتی ہیں، سر ٹوٹتے ہیں، جان جانے کی نوبت آجاتی ہے، اس طرح ایک فتنہ سے ہزاروں فتنے جنم لیتے ہیں۔

لوٹ مار اور غارت گری کی حرمت

لوٹ مار اور غارت گری کی ممانعت کی اور اعلان کیا:

نَهَى عَنِ النُّهْبَةِ وَالْمُثْلَةِ.(۲)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوٹ مار اور مثلہ یعنی کوئی عضو کاٹ کر صورت بگاڑنے سے روکا۔

وَمَنْ انْتَهَبَ نُهْبَةً فَلَيْسَ مِنَّا.(۳)

---

(۱) صحیح البخاری: کتاب بدء الخلق، باب ما جاء فی سبع أرضین، ج۴ ص۱۰۷، رقم الحدیث: ۳۱۹۸

(۲) صحیح البخاری: کتاب الذبائح و الصید، باب مایکرہ من المثلۃ، ج۷ ص۹۴، رقم الحدیث: ۵۵۱۶

(۳) سنن الترمذی، أبواب النکاح، باب ما جاء فی النھی عن نکاح الشغار، ج۳ ص۴۲۳، رقم الحدیث: ۱۱۲۳

جو شخص لوٹ مار کرے وہ ہم میں داخل نہیں ہے۔

بنجر زمین کے سلسلہ میں فرمایا:

مَنْ اَحْيَا اَرْضًا مَيْتَةً فَهِيَ لَهٗ، وَلَيْسَ لِعِرْقٍ ظَالِمٍ حَقٌّ. (۱)

جو شخص بنجر زمین کو قابلِ کاشت بنائے پس وہ اسی کی ہے، اور ظالم کا کوئی حق نہیں ہے۔

ظلم و جور اور دباؤ سے مال ہڑپ کرنا ایک بُرا فعل ہے اور بسا اوقات باعثِ قتل و خون ریزی بھی، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلَا لَا تَظْلِمُوا، اِنَّهٗ لَا يَحِلُّ مَالُ امْرِءٍ اِلَّا بِطِيبِ نَفْسٍ مِنْهُ۔ (۲)

خبردار ظلم نہ کرو، سنو کسی شخص کا مال اس وقت تک حلال نہیں ہے جب تک وہ بخوشی نہ دے۔

مردم آزاری

دل آزاری اور توہین سے منع کیا گیا، اس لئے کہ اگر ایک طرف اس سے دوسروں کی ذات ذلیل ہوتی ہے تو دوسری طرف یہی چیز لڑائی کا پیش خیمہ بھی بنتی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَ لَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ (الحجرات: ۱۱)

اے ایمان والو! نہ تو مردوں کو مردوں پر ہنسنا چاہئے کہ کیا عجب ہے جن پر ہنستے ہیں وہ ان سے بہتر ہوں، اور نہ عورتوں کو عورتوں پر ہنسنا چاہئے کیا عجب ہے کہ

---

(۱) سنن أبی داود: کتاب الخراج والإمارة والفئی، باب فی إحیاء الأموات، ج۳ ص۱۷۸، رقم الحدیث: ۳۰۷۳

(۲) مسند أحمد: مسند البصریین، حدیث عم أبی حرة الرقاشی، ج۳۴، ص۲۹۹، رقم الحدیث: ۲۰۶۹۵

وہ ان سے بہتر ہوں، اور نہ ایک دوسرے کو طعنہ دو، اور نہ ایک دوسرے کو برے لقب سے پکارو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا يَأْخُذْ أَحَدُكُمْ عَصَا أَخِيهِ لَاعِبًا أَوْ جَادًّا، فَمَنْ أَخَذَ عَصَا أَخِيهِ فَلْيَرُدَّهَا إِلَيْهِ. (۱)

تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی لاٹھی مذاق وسنجیدگی سے نہ اٹھائے، پس جس نے اٹھائی ہو تو اس کو چاہئے کہ اسے واپس کرے۔

جانوروں سے متعلق قوانین

مویشی جو کھیتوں کا نقصان کرتے ہیں اور آئے دن اسی لڑائی اور دنگے فساد کا باعث بنتے ہیں ان کے سلسلہ میں فرمایا:

أَنَّ عَلَى أَهْلِ الْحَوَائِطِ حِفْظَهَا بِالنَّهَارِ، وَأَنَّ مَا أَفْسَدَتِ الْمَوَاشِي بِاللَّيْلِ ضَامِنٌ عَلَى أَهْلِهَا. (۲)

کھیت والوں کے ذمہ دن کی نگرانی ہے اور رات میں چوپائے جتنا نقصان کریں گے اس کی ضمانت جانوروں پر ہے۔

جانوروں کے پاؤں کے نقصان کے سلسلہ میں ارشادِ نبوی ہے:

الرِّجْلُ جُبَارٌ. (۳)

جانوروں کے پاؤں کا نقصان معاف ہے۔

---

(۱) سنن الترمذی: أبواب الفتن، باب ما جاء لا یحل لمسلم أن یروع مسلما، ج۴ ص۴۶۲، رقم الحدیث: ۲۱۶۰

(۲) موطا مالک، کتاب الأقضیة، باب القضاء فی الضواری والحریسة، ج۲ ص ۷۴۷، رقم الحدیث: ۲۷۶۶

(۳) سنن أبی داود: کتاب الدیات، باب فی الدابة تنفح برجلها، ج۴ ص۱۹۶، رقم الحدیث: ۴۵۹۲

دوسروں کے جانوروں سے بغیر اجازت فائدہ اٹھانے کو منع کیا گیا کہ یہ بھی موجبِ فساد ہے، ارشاد نبوی ہے:

لَا يَحْلُبَنَّ اَحَدٌ مَاشِيَةَ امْرِءٍ بِغَيْرِ إِذْنِهِ. (۱)

کوئی کسی کے جانور کا بغیر اجازت دودھ نہ نکالے۔

عاریت

اگر کسی سے کوئی چیز عاریت لی ہو تو اسے واپس کر دینا چاہیے:

اَلْعَارِيَةُ مُؤَدَّاةٌ، وَالمِنْحَةُ مَرْدُودَةٌ، وَالدَّيْنُ مَقْضِيٌّ. (۲)

عاریت والی چیز کی واپسی ضروری ہے، اور دودھ کا جانور جو بطورِ اعانت دیا گیا تھا اس کی واپسی اور قرض کا ادا کرنا ضروری ہے۔

ناجائز قبضہ

دوسرے کی زمین پر ناجائز قبضہ سے سینکڑوں جانیں ضائع ہوتی رہتی ہیں اور بڑی تباہی آتی ہے، اسے اسلام نے سرے سے حرام قرار دیا ہے، اور پیغمبر اسلام نے شدید وعید سنائی ہے، ارشادِ نبوی ہے:

مَنْ اَخَذَ مِنَ الْاَرْضِ شَيْئًا بِغَيْرِ حَقِّهِ خُسِفَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَى سَبْعِ اَرَضِينَ. (۳)

زمین کا کوئی حصہ بلاحق جو شخص لے گا اس کی وجہ سے اسے قیامت کے دن ساتویں طبق تک دھنسایا جائے گا۔

---

(۱) صحيح البخاري : كتاب في اللقطة، باب لا تحتطب ماشية أحد بغير اذنه، ج۳ ص۱۲۶، رقم الحديث: ۲۴۳۵

(۲) سنن الترمذي : أبواب الوصايا، باب ما جاء لا وصية لوارث، ج۴ ص۴۳۳، رقم الحديث: ۲۱۲۰

(۳) صحيح البخاري : كتاب المظالم والغصب، باب إثم من ظلم شيئًا من الأرض، ج۳ ص۱۳۰، رقم الحديث: ۲۴۵۴

دوسری حدیث میں ہے:

مَنْ اَخَذَ اَرْضًا بِغَيْرِ حَقِّهَا، كُلِّفَ اَنْ يَحْمِلَ تُرَابَهَا إِلَى الْمَحْشَرِ. (۱)

بغیر حق کے جو شخص کسی کی کوئی زمین دبالے گا اسے محشر میں اس کی مٹی اُٹھائے پھرنے پر مجبور کیا جائے گا۔

مزدور کی مزدوری

مزدور کی مزدوری کے سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں قیامت میں تین آدمیوں کا خصم بنوں گا، ان میں سے وہ شخص بھی ہوگا جو مزدور سے کام لے کر اس کی مزدوری نہ دے:

وَرَجُلٌ اسْتَأْجَرَ اَجِيرًا فَاسْتَوْفَى مِنْهُ وَلَمْ يُعْطِ اَجْرَهُ. (۲)

ایک وہ شخص جو کسی مزدور سے پوری خدمت لے اور اس کی مزدوری نہ دے۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدور کی مزدوری کے سلسلہ میں ہدایت فرمائی:

اَعْطُوا الْاَجِيرَ اَجْرَهُ قَبْلَ اَنْ يَجِفَّ عَرَقُهُ. (۳)

مزدور کو اس کی مزدوری اُس کے پسینے خشک ہونے سے پہلے دو۔

عام لوگوں سے تعلقات خوش گوار رکھے جائیں اور بات چیت میں حسنِ ادب کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا (البقرۃ:۸۳)

اور عام لوگوں سے بات اچھی طرح خوش خلقی سے کہو۔

فتنہ وفساد کی روک تھام

غصہ کے وقت اپنے کو قابو میں رکھنے کی جدوجہد ہونی چاہیے کہ یہ بھی سراپا فتنہ اور

---

(۱) مسند احمد: مسند الشامیین، حدیث یعلی بن مرۃ الثقفی، ج۲۹ ص۱۱۰، رقم الحدیث: ۱۷۵۶۹

(۲) صحیح البخاری: کتاب البیوع، باب إثم من باع حرا، ج۳ ص۸۲، رقم الحدیث: ۲۲۲۷

(۳) سنن ابن ماجه: کتاب الرهون، باب أجر الأجراء، ج۲ ص۸۱۶، رقم الحدیث: ۲۴۴۳

خرمن امن واماں کو خاکستر کر دینے والا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس موقع کے لئے ارشاد فرمایا:

وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۚ (آل عمران)

اور وہ غصہ ضبط کرنے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں، اور اللہ ایسے نیکوکاروں کو محبوب رکھتا ہے۔

اگر کہیں آپس میں نا چاقی اور پھوٹ کا اندیشہ ہو تو وہاں میل ملاپ کی سعی کرنی چاہیے، تا کہ یہ امن وامان کے لئے مہلک ثابت نہ ہو سکے۔

ارشادِ ربانی ہے:

لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۭ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا (النساء)

سرگوشیوں میں عموماً بہتری نہیں ہوتی، ہاں مگر وہ لوگ کہ خیرات کی یا کسی کے ساتھ نیک سلوک کیا، یا لوگوں کے درمیان مصالحت کی کوشش کے لئے سرگوشی کی، اور جو کوئی یہ کام حق تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے کرے گا ہم اسے اجرِ عظیم دیں گے۔

کچھ لوگ طبعاً شرارت پسند، بدطینت اور فسادی ہوتے ہیں، ان کی چھیڑ چھاڑ پر توجہ نہیں دینی چاہیے، بلکہ درگزر سے کام لینا چاہیے۔ ورنہ دبی ہوئی آگ مشتعل ہو سکتی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نیک لوگوں کے اوصاف میں یہ بھی داخل ہے۔

وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا (الفرقان)

اور رحمٰن کے خاص بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں، اور جب ان سے نادان لوگ گفتگو کرتے ہیں تو (وہ دفعِ شر کے لئے) کہتے ہیں کہ سلام ہے۔

رفتار اور آواز میں اعتدال

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی ذرا سی بات میں بھڑک اٹھتا ہے، رفتار میں غضب کی تیزی اور آواز میں کرختگی پیدا ہو جاتی ہے، اور بسا اوقات یہ چیزیں بھی فتنہ کا ذریعہ ثابت ہوتی ہیں، جس سے امن و امان خطرہ میں پڑ جاتا ہے، اسلام اس طرح کی چیزوں کو ناپسند نہیں کرتا، اور اس بات کی ہدایت کرتا ہے:

وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ۭ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ۝۱۹ (لقمان)

اور اپنی رفتار میں اعتدال اختیار کرو، اور اپنی آواز پست کرو، بے شک آوازوں میں سے بری آواز گدھوں کی آواز ہے۔

عہد و پیمان کی اہمیت

عہد و پیمان کی خلاف ورزی بھی جنگ و فساد کی بنیاد بن جاتی ہے جس سے امن و سکون جاتا رہتا ہے، اسلام کا حکم ہے کہ وعدہ خلافی عہد و پیمان شکنی نہیں ہونی چاہیے، بلکہ جو طے کیا جائے اور جس کی طرف سے تکمیل کا وعدہ کیا جائے اُسے پورا کیا جائے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ڛ (المائدہ: ۱)

اے ایمان والو! عہدوں کو پورا کرو۔

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔــوْلًا ۝۳۴ (الاسراء)

اور جائز عہد کو پورا کرو، بے شک ایسے عہد کی باز پرس ہونے والی ہے۔

اختصار سے جس حد تک لکھ دیا گیا ہے سمجھنے کے لئے وہی بہت کافی ہے، منشاء ان خطرات سے آگاہ کرنا ہے جس سے امن و امان برباد ہوتا ہے اور ہمیں احساس تک نہیں ہوتا۔ ضرورت ہے کہ ان پر نگاہ رکھی جائے، ساتھ ہی سوچا جائے کہ اسلام کی نگاہ کہاں پہنچتی ہے اور کتنی توجہ کے ساتھ یہ امن و امان اور سکون و اطمینان کو قائم رکھتا ہے۔

غیظ وغضب

امن وامان اور سکون واطمینان کو جو چیزیں برباد کرتی ہیں ان میں بے موقع غصہ اور بے جا غرور بھی ہے، اسلام نے ان سے بھی سختی کے ساتھ روکا ہے، اس لئے کہ امن وامان کے لئے غصہ بارود کی حیثیت رکھتا ہے، برسوں کی محنت آن کی آن میں خاکسر ہو جاتی ہے۔

دراصل یہ ایک شیطانی تصرف ہے جو انسان کو حد اعتدال پر قائم رہنے نہیں دیتا، صورت کے اعتبار سے بھی اور حقیقت کے لحاظ سے بھی، دل میں برسوں کا دبا دبایا کینہ ابھر آتا ہے اور زبان پر وہ ساری باتیں آنے لگتی ہیں جن کو نہیں آنا چاہیے، پھر اس کا نتیجہ جنگ وجدال ہے، یہی وجہ ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص دربار نبوی میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ وصیت فرمائیں، آپ نے فرمایا کہ غصہ نہ کرو، اس نے بار بار اپنا سوال دہرایا، مگر آپ نے یہی جواب دیا کہ غصہ نہ کرو:

اَنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :اَوْصِنِي، قَالَ:لَا تَغْضَبْ فَرَدَّدَ مِرَارًا، قَالَ :لَا تَغْضَبْ.(۱)

ایک بار آپ نے فرمایا کہ پہلوان وہ نہیں ہے جو اکھاڑے پر کسی کو پچھاڑ دے، بلکہ صحیح معنی میں پہلوان وہ ہے جو غصہ میں اپنے آپ پر قابو رکھے۔(۲) غصہ کے ختم ہونے کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی تدبیریں بھی بتائی ہیں، مثلاً یہ کہ وضو کرے، اگر کھڑا ہو تو بیٹھ جائے، اگر بیٹھا ہو تو لیٹ جائے۔(۳)

کبر وغرور کی مذمت

اسی طرح غرور بھی خرمنِ امن وامان اور اخلاق پر برق بن کر گرتا ہے اور اسے خاکستر کر دیتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلہ میں بھی فرمایا:

---

(۱) صحیح البخاری: کتاب الأدب، باب الحذر من الغضب، ج۸ ص۲۸، رقم الحدیث: ۶۱۱۶

(۲) صحیح البخاری: کتاب الأدب، باب الحذر من الغضب، ج۸ ص۲۸، رقم الحدیث: ۶۱۱۴

(۳) سنن ابی داود: کتاب الأدب، باب ما یقال عند الغضب، ج۴ ص۲۴۹، رقم الحدیث: ۴۷۸۲، ۴۷۸۴

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ كِبْرٍ. (١)

کوئی ایسا شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی کبر ہوگا۔

اس کی جگہ اسلام نے تعلیم دی کہ تواضع، انکساری اختیار کی جائے، اس لئے کہ اس سے دنیا و آخرت دونوں میں بلندی حاصل ہوتی ہے اور بہت سارے فتنوں سے آدمی بچتا ہے۔ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو خطاب کر کے فرمایا: اے لوگو! تواضع وخاکساری اختیار کرو، اور پھر اس کی دلیل میں فرمایا:

قَالَ عُمَرُ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ: أَيُّهَا النَّاسُ، تَوَاضَعُوا فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ، فَهُوَ فِي نَفْسِهِ صَغِيرٌ، وَفِي أَعْيُنِ النَّاسِ عَظِيمٌ، وَمَنْ تَكَبَّرَ وَضَعَهُ اللّٰهُ، فَهُوَ فِي أَعْيُنِ النَّاسِ صَغِيرٌ، وَفِي نَفْسِهِ كَبِيرٌ، حَتَّى لَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِمْ مِنْ كَلْبٍ أَوْ خِنْزِيرٍ. (٢)

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے لئے عاجزی اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بلند کرتا ہے، چنانچہ وہ خود تو اپنی نظر میں چھوٹا ہوتا ہے مگر لوگوں کی نظر میں باوقعت ہو جاتا ہے، اور جو شخص کبر وغرور اختیار کرتا ہے اللہ اسے ذلیل کرتا ہے، چنانچہ یہ لوگوں کی نگاہ میں ذلیل وخوار ہوتا ہے اور اپنی نظر میں بڑا، بلکہ وہ ان لوگوں کی نظر میں کتے اور سور سے بھی گیا گزرا ہوتا ہے۔

رفق وملاطفت

غیظ وغضب اور کبر وغرور کی جگہ اسلام نے رفق وملاطفت اور لینت وحسنِ خلق کی تعلیم

---

(١) سنن أبي داود: كتاب اللباس، باب ما جاء في الكبر، ج٤ ص٥٩، رقم الحديث: ٤٠٩١

(٢) شعب الإيمان: حسن الخلق، فصل في التواضع، ج١٠ ص٤٥٥، رقم الحديث: ٧٧٩٠

دی ہے، جہاں اس کے دوسرے فائدے ہیں وہاں سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس سے امن وامان اور اخلاق کے قوانین کو قوت حاصل ہوتی ہے، اور ملک وقوم وفتنہ وفساد سے بڑی حدتک محفوظ رہتے ہیں، ایک فریق سخت ہو اور دوسرا اس کے مقابلہ میں نرمی کی پالیسی اختیار کرلے تو یقیناً مشتعل جذبات ٹھنڈے پڑجائیں گے۔

پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ترغیب کے پہلو کو اختیار کرکے فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ رَفِيقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ، وَيُعْطِي عَلَى الرِّفْقِ مَا لَا يُعْطِي عَلَى الْعُنْفِ، وَمَا لَا يُعْطِي عَلَى مَا سِوَاهُ. (۱)

اللہ تعالیٰ نرم خو ہے اور نرمی کو پسند کرتا ہے، اور جو نرمی پر عطا کرتا ہے سختی اور دوسری چیزوں پر نہیں بخشتا۔

حسنِ اخلاق

دوسری طرف حسنِ اخلاق کی تعلیم دی اور فرمایا:

إِنَّ مِنْ أَحَبِّكُمْ إِلَيَّ أَحْسَنَكُمْ أَخْلَاقًا. (۲)

تم میں سے مجھے سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو تم میں حسن خلق میں بڑھا ہوا ہے۔

دوسری حدیث میں آپ کے الفاظ یہ ہیں:

إِنَّ مِنْ خِيَارِكُمْ أَحْسَنَكُمْ أَخْلَاقًا. (۳)

بلاشبہ تم میں بہتر شخص وہ ہے جو تم میں سب سے عمدہ اخلاق رکھتا ہے۔

کون نہیں جانتا کہ اگر مکارمِ اخلاق کی اشاعت نہ ہوتو دنیا فتنوں سے چیخ اُٹھے اور

(۱) صحیح مسلم: کتاب البر والصلة، باب فضل الرفق، ج۴ ص۲۰۰۳، رقم الحدیث: ۲۵۹۳

(۲) صحیح البخاری: کتاب المناقب، باب مناقب عبداللہ بن مسعود، ج۵ ص۲۸، رقم الحدیث: ۳۷۵۹

(۳) صحیح البخاری: کتاب المناقب، باب صفة النبی صلی اللہ علیه وسلم، ج۴ ص۱۸۹، رقم الحدیث: ۳۵۵۹

اطمینان وسکون کا نام ونشان مٹ جائے۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ برائی کا جواب بھلائی سے دو، جو تم سے بد خلقی کا سلوک کرے تم اس کے ساتھ اخلاقِ حسنہ کے ساتھ پیش آؤ۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ سے سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِتَّقِ اللّٰهَ حَيْثُمَا كُنْتَ، وَاَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا، وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ.(۱)

تم جہاں کہیں رہو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، اور برائی کا جواب نیکی سے دو کہ وہ برائی کو مٹانے والا ہے اور لوگوں کے ساتھ حسنِ اخلاق کا برتاؤ کرو۔

تعلقات میں بسا اوقات اپنے ملنے والوں سے اذیت بھی پہنچتی ہے، ایسے وقت میں اسلام کی تعلیم ہے کہ صبر وتحمل سے کام لے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْمُسْلِمُ اِذَا كَانَ يُخَالِطُ النَّاسَ وَيَصْبِرُ عَلَى اَذَاهُمْ خَيْرٌ مِّنَ الْمُسْلِمِ الَّذِى لَا يُخَالِطُ النَّاسَ وَلَا يَصْبِرُ عَلَى اَذَاهُمْ.(۲)

وہ مسلمان جو لوگوں سے اختلاط رکھتا ہے اور ان کی اذیت برداشت کرتا ہے، وہ مرتبہ میں اس سے بڑھ کر ہے جو نہ تو لوگوں سے راہ ورسم رکھتا ہے اور نہ ان کی اذیت پر تحمل سے کام لیتا ہے۔

یہ اور اس طرح کی دوسری حدیثیں جن میں انسانیت اور شرافت کی تعلیم دی گئی ہے غور سے پڑھیں اور دیکھیں کہ اسلام نے کس انداز میں باہم شیر وشکر رہنے پر پھر اخوت و

---

(۱) سنن الترمذی : أبواب البر والصلة، باب ما جاء فی معاشرة الناس، ج۴ ص۳۵۵، رقم الحدیث: ۱۹۸۷

(۲) سنن الترمذی : أبواب صفة القيامة والرقائق والورع، باب ماجاء فی صفة أوانی الحوض، باب منه، ج۴ ص۶۶۲، رقم الحدیث: ۲۵۰۷

محبت، رفق و ملاطفت، و خیر خواہی اور خلوص و للّٰہیت کی تعلیم دی ہے اور وہ انسان کو کہاں کھڑا دیکھنا چاہتا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی غور کریں کہ جہاں اسلامی اور دینی ماحول پیدا ہو جائے گا کیا وہاں سے بڑھ کر امن و امان کہیں اور نصیب ہو سکتا ہے۔ یہ غیر ممکن ہے کہ کسی ملک اور خطہ میں اسلامی قانون اعمال و اخلاق پر عمل بھی ہو، اور پھر وہاں بدامنی اور فتنہ و فساد کا کوئی اندیشہ بھی پیدا ہو۔

اسلام ایک طرف اخلاقی تعلیم دیتا ہے اور انسان میں انسانیت پیدا کرنے کی مسلسل جدوجہد کرتا ہے، اور دوسری طرف حدود قائم کرتا ہے اور اس میں کسی کی کوئی رعایت نہیں رکھتا، تاکہ خدا کی مخلوق اطمینان و سکون کی زندگی بسر کرے، اور روئے زمین پر انسانوں کی بستی ظلم و جور اور عصیان و طغیان سے محفوظ رہ سکے۔

حفاظتِ جان اور اس کی قدر و قیمت اسلام میں

امن و سلامتی کے بنیادی اجزاء یہ ہیں:

۱...... جان محفوظ ہو۔

۲...... عزت و آبرو پر کوئی ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہ کرے۔

۳...... جائیداد و ملکیت اور دولت میں کوئی بلا اجازت تصرف نہ کرے۔

۴...... عقل درست رہے اور اخلاق پاکیزہ ہوں۔

جن لوگوں نے اسلام کا مطالعہ گہری نظر سے کیا ہے، وہ جانتے ہیں کہ اسلام نے ان تمام چیزوں کی پوری رعایت کی ہے۔ دنیا میں سب سے زیادہ قابلِ حفاظت اور لائق اہمیت انسانی جان ہے، غریب ہو یا امیر، سلطان ہو یا گدا، بچہ ہو یا جوان، مرد ہو یا عورت، شہر کا رہنے والا یا دیہات کا باشندہ، تعلیم یافتہ ہو یا جاہل، پھر وہ اونچے خاندان کا چشم و چراغ ہو، یا محتاج دست نگر گھرانے کا، مسلم یا غیر مسلم، تندرست ہو یا بیمار، ہر ایک کو ایک وفادار شہری کی حیثیت سے حق حاصل ہے کہ وہ ملک میں آزادی کے ساتھ رہے، آسودہ زندگی گزارے۔ اپنے خیال و عقیدے میں اس کو آزادی ہو، کوئی پابندی نہ ہو اور ہر خطرہ و اندیشہ سے اس کا

دل مطمئن ہو۔

اسلام سے قبل قتل وخون ریزی عام تھی، اس سے بھی بہت زیادہ جو حالت آج آزاد بھارت اور پاکستان میں ہے، ہمارے ان ملکوں میں مذہب اور ردِّ عمل کے نام پر قتل وخون ریزی کا بازار گرم ہے، اور وہاں خاندان اور وطن کے نام پر سب کچھ ہو رہا تھا۔ اسلام سے پہلے دنیا کے جو حالات تھے وہ شروع کتاب میں لکھے جا چکے ہیں، اس باب کی مناسبت سے انسانی جانوں کے سلسلہ میں عرب کا جو حال تھا یہاں اس کا تذکرہ ضروری ہے۔

قتل وخون کی روک تھام

عرب میں بچیاں زندہ درگور کردی جاتی تھیں، بچے فاقہ کے خطرہ سے قتل کردیے جاتے تھے، اور یہی نہیں بلکہ ذرا سی بات پر خاندان کا خاندان کٹ مرتا تھا۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری قوت سے ان کے ان جذبات کی روک تھام کی۔

انسانوں میں قتل وخون ریزی بڑی کثرت سے ہوتی رہی ہے، اور قرآن سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فتنہ وفساد اور خون ریزی شاید انسان کا محبوب مشغلہ ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی خلافتِ اراضی کے اعلان کے وقت فرشتوں نے عرض کیا تھا:

اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ (البقرۃ: ۳۰)

کیا آپ پیدا کریں گے زمین پر ایسے لوگوں کو جو فساد کریں گے اور خون ریزیاں کریں گے۔

پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی درمیانی مدت پونے چھ سو برس انبیاء کرام سے محروم رہی، جو انسانوں کے جذبات کو صحیح رخ پر لگاتے اور ان میں اعتدال پیدا کرتے ہیں، اس لئے انسانوں میں اور بھی بہت زیادہ بے اعتدالی آگئی۔

اسلام سے پہلے کی حالت

اگر اختصار کے ساتھ ہم ان حالات کی طرف اشارہ بھی کریں تو کہنا پڑے گا کہ پوری

دنیا شر وفتن کی آماج گاہ بنی ہوئی تھی، امن وامان ناپید تھا، صلح وآشتی کا نام ونشان مٹ چکا تھا، یکجہتی ویگانگت کو لوگ بھول چکے تھے، اوران کی جگہ فتنہ وفساد کی گرم بازاری تھی، قتل وخون ریزی کا عام چرچا تھا اور رہزنی ووحشت نے امن وسکون کو خاکستر کر رکھا تھا، جو قوی تھے کمزوروں کو قتل کر ڈالتے تھے، اور ناممکن تھا کہ کوئی سرمایہ لے کر تنہا ایک جگہ سے دوسری جگہ بے خطر چلا جائے۔

عداوت وسنگ دلی

خود غرضی ونفس پرستی کا یہ حال تھا نہ باپ اپنے معصوم بچوں پر ترس کھاتا اور نہ مائیں اپنی ننھی منی بچیوں سے محبت اور پیار کرتی تھیں، نہ ایک پڑوسی دوسرے پڑوسی کا احترام کرتا تھا، بلکہ ایک انسان دوسرے انسان سے محبت واخوت کا سلوک فراموش کر چکا تھا۔ قرآنِ کریم نے ان کے ان عیوب کی طرف بڑا بلیغ اشارہ کیا ہے اور ساتھ ہی امن وامان کے بنیادی پتھر کی نشاندہی کی ہے:

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا (آل عمران:۱۰۳)

اور تم پر جو اللہ کا انعام ہے اس کو یاد کرو، جب کہ تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے، اس نے تمہارے درمیان الفت ومحبت پیدا کردی، تم خدا کے انعام سے آپس میں بھائی بھائی ہوگئے۔

سنگ دل ماں اور بے رحم باپ کے ظلم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اعلان کیا:

وَ اِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۝۸ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۝۹ (التکویر)

اور اس وقت کو یاد کرو جب زندہ درگور کی ہوئی بچی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس جرم کی پاداش میں قتل کی گئی تھی۔

بچوں کا قتل

جہاں بچوں کے قتل سے رب العالمین نے منع فرمایا ہے، وہیں سے یہ بات بھی ثابت

ہوئی ہے کہ اہلِ مکہ فقر وفاقہ کو حیلہ بنا کر قتلِ ناحق کا خون اپنی گردن پر اٹھاتے تھے۔ قرآن میں مشرکین کی اس رسمِ قبیح کا صراحتاً بیان ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیاطین نے ان کی عقلوں پر قبضہ کر رکھا تھا۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَ كَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ (الأنعام:۱۳۷)

اور اسی طرح اکثر مشرکوں کی نگاہ میں ان کے مقرر کردہ معبودوں نے ان کی اولاد کا قتل کرنا بھلا کر رکھ دیا تاکہ وہ ان مشرکوں کو ہلاک کریں اور ان کے دین کو ان پر مشتبہ کر دیں۔

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

كَذٰلِكَ زَيَّنُوا لَهُمْ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ خَشْيَةَ الْإِمْلَاقِ وَوَأْدَ الْبَنَاتِ خَشْيَةَ الْعَارِ. (۱)

ایسا ہی شیاطین نے ان مشرکوں کی نگاہ میں فقر وفاقہ کے اندیشہ سے اولاد کا قتل اور ننگ وعار کے (موہوم) خطرے سے بچیوں کا زندہ درگور کرنا محبوب مشغلہ بنا رکھا تھا۔

نسل کشی کا رواج

شیطان نے انسانوں کی عقل پر پردہ ڈال رکھا تھا جس کا نتیجہ یہ تھا کہ یہ بیوقوفی اور حماقت میں مبتلا تھے، اور اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو تباہ کر رہے تھے، سوچئے انسان اپنی نسل کو ترقی دیتا ہے، ساری مصیبتیں جھیل کر بال بچوں کو پرورش کرتا ہے مگر ان کا حال یہ تھا کہ یہ خود اپنے ہاتھوں اپنی نسل کشی کے فرائض انجام دے رہے تھے، قرآن نے ان کی اس حماقت کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ ارشاد ہے:

(۱) تفسیر ابن کثیر: سورۃ الأنعام آیت نمبر ۱۳۷ کے تحت، ج ۳ ص ۳۰۹

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ۭ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۝ (الأنعام)

بے شک وہ لوگ گھاٹے میں ہیں جنھوں نے ناسمجھی سے بغیر جانے بوجھے اپنی اولاد کو قتل کیا، اور اللہ پر جھوٹ باندھ کر ان چیزوں کو حرام ٹھہرایا جو اللہ نے ان کو روزی دی تھی، بے شک وہ بہک گئے اور راہ پر نہ آئے۔

بچیوں کا قتل تو عام تھا کہ یہ غریب باعثِ ننگ و عار سمجھی جاتی تھیں، لیکن حد یہ ہے کہ بچوں کے قتل پر بھی جری تھے، جس میں ننگ و عار کی کوئی بات نہ تھی محض فقر کا خطرہ تھا، اور خطرہ بھی کیا بلکہ یوں کہیے صرف شیطانی وسوسہ:

اَنَّهُمْ كَانُوا يَقْتُلُونَ اَوْلَادَهُمْ كَمَا سَوَّلَتْ لَهُمُ الشَّيَاطِينُ ذٰلِكَ، فَكَانُوا يَئِدُونَ الْبَنَاتَ خَشْيَةَ الْعَارِ، وَرُبَّمَا قَتَلُوا بَعْضَ الذُّكُورِ خَشْيَةَ الْاِفْتِقَارِ (۱)

یہ مشرکین اپنی اولاد کو قتل کر دیا کرتے تھے جس کا شیاطین نے ان کو سبق پڑھا رکھا تھا، بچیوں کو زندہ در گور کر دینے کا رواج تو تھا ہی، حد یہ ہے کہ بسا اوقات محتاجی کے اندیشہ سے بعض اپنے لڑکوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا کرتے تھے۔

اسلام کا اصلاحی قانون

اسلام نے ان لوگوں کو سختی کے ساتھ بچوں کے قتل سے روکا اور فقر و فاقہ کا جو شیطانی وسوسہ ان پر مسلط تھا اسے دور کیا، ان کو یقین دلایا کہ ساری مخلوق کا رزق رب العالمین کے ذمہ ہے اور ہر ایک کا سامان وہی کرتا ہے:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا (هود:٦)

اور زمین پر کوئی ذی روح چلنے پھرنیوالا ایسا نہیں جس کی روزی اللہ کے ذمہ نہ ہو۔

---

(۱) تفسیر ابن کثیر: سورۃ الأنعام آیت نمبر ۱۵۱ کے تحت ج ۳ ص ۳۲۵

بچوں کے قتل کی ممانعت

رب العالمین نے قتلِ اولاد سے صراحت کے ساتھ منع کیا، اور بتایا کہ وہ خدشہ غلط ہے جس کی وجہ سے ماں باپ اپنی اولاد پر ستم ڈھاتے اور جان سے مار دیتے ہیں۔

ارشادِ ربانی ہے:

وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَ اِيَّاهُمْ ۚ (الأنعام: ۱۵۱)

اور تنگ دستی کے سبب سے اپنی اولاد کو قتل نہ کیا کرو، ہم ہی تم کو بھی روزی دیتے ہیں اور ان کو بھی۔

انسان کی خام عقلی ملاحظہ کیجیے کہ اس نے اپنے آپ کو رزاق سمجھ رکھا تھا، حالانکہ وہ خود بھی اس سلسلہ میں ہمیشہ محتاجِ محض رہا ہے، آخر ایک دن وہ بھی بچہ تھا اور دوسروں کی پرورش میں، پھر کیوں نہیں سوچتا کہ وہ کس طرح اپنے پاؤں پر کھڑا ہوا، پروردگارِ عالم کا احسان ہے کہ اس نے انسانوں کو اپنے خاص انداز میں جھنجھوڑا اور یقین دلایا کہ جس طرح ہم نے تم کو روزی دی اور اس درجہ تک پہنچایا، اسی طرح تمہارے بچوں کی پرورش اور رزق کا بھی سامان ہوگا، تم اس فکر میں اپنے کو نہ ڈالو اور امن وامان کے خلاف جس فتنہ وفساد میں تم مبتلا ہو اِسے فوراً بند کر دو۔ پھر سوچو تو سہی کہ محض ایک شبہ کی وجہ سے جو شیطانی پیداوار ہے بچوں کا قتل کونسی دانش مندی ہے۔ چنانچہ دوسری جگہ اسی مسئلہ کو اس طرح بیان فرمایا:

وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَ اِيَّاكُمْ ؕ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ۝ (الإسراء)

اور اپنی اولاد کو محتاجی کے خوف سے قتل نہ کیا کرو، ہم ہی ان کو بھی روزی دیتے ہیں اور تم کو بھی، بے شک اولاد کا قتل کرنا بڑا بھاری گناہ ہے۔

عرب میں قتلِ اولاد کی بنیادی وجہیں دو تھیں، ایک افلاس یعنی جو کوئی مفلس ہوتا وہ بچہ کو قتل کر دیتا کہ ہم تو خود پریشاں حالی سے زندگی گزارتے ہیں اس کی پرورش کس طرح ہو پائے گی۔ دوسرے اِفلاس کا خطرہ یعنی وہ شخص بھی بچوں کو قتل کر دیا کرتا تھا جو خود کھاتا پیتا ہوتا

مگر اس کو محض یہ اندیشہ ہوتا کہ کہیں بچوں کے بڑھ جانے سے فقر و فاقہ کی نوبت نہ آجائے، جیسا کہ ہمارے اس زمانہ میں بھی عام طور پر روشن خیال حضرات سوچنے لگے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان دونوں وسوسوں سے سختی کے ساتھ منع کیا۔

قتل اور اسلامی تعلیمات

اسلام نے قتل اور خون ریزی کو اولاً ترغیب کے ذریعہ بند کرنے کی کوشش کی اور لوگوں کے دلوں میں خونِ ناحق کی برائی بٹھائی، پھر ان مفاسد پر روشنی ڈالی جو خونِ ناحق سے پیدا ہوتے ہیں، ساتھ ہی امن و امان سے اس کا گہرہ رشتہ ہے اُسے اجاگر کیا تاکہ انسان گناہ سے اپنے آپ کو بچائے، قتل کی حرمت کے سلسلہ میں ارشادِ ربانی ہے:

وَ لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ (الإسراء: ۳۳)

جس شخص کے قتل کرنے کو اللہ نے حرام کیا ہے اس کو قتل نہ کرو، مگر ہاں حقِ شرعی کے ساتھ۔

آگے اس کا بیان ہے کہ مقتول کے وارث شرعاً قصاص کا اختیار رکھتے ہیں، مگر چونکہ بعثتِ نبوی سے پہلے ردِّ عمل کے نام پر بدلہ سود در سود لیا جاتا تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے مقتول کے وارث کو اس طرح کی زیادتی سے روکا، کیونکہ اگر یہ اعتدال نہ ہو تو قصاص کا منشاء ہی فوت ہو جائے گا، مقتول کے وارث غم و غصہ میں عموماً اعتدال سے تجاوز کر کے قاتل کے علاوہ دوسروں کو بھی پھنسانے کی کوشش کرتے ہیں۔ کبھی ایک کی جگہ کئی کے قتل کا منصوبہ بنانے اور کبھی قاتل کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالتے تھے، اس لئے ان پر قید و بند لگانی ضروری تھی، چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

وَ مَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِیِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا یُسْرِفْ فِّی الْقَتْلِ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ﴿۳۳﴾ (الإسراء)

اور جو شخص ظلم سے مارا جائے ہم نے اس کے وارث کو غلبہ دیا ہے تو اس کو

چاہیے کہ وہ قتل میں (یعنی بدلہ لینے میں) زیادتی نہ کرے، بلاشبہ اس کی مدد کی گئی ہے۔

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

اور جس شخص کے قتل کرنے کو اللہ تعالیٰ نے قواعد شرعیہ کی رو سے حرام فرمایا ہے اس کو قتل مت کرو، ہاں مگر حق پر قتل کرنا درست ہے، یعنی جب وجوب یا اباحتِ قتل کا کوئی سببِ شرعی پایا جائے اور اس وقت وہ ''حرم اللہ'' میں داخل نہیں، اور جو شخص ناحق قتل کیا جائے تو ہم نے اس کے وارث حقیقی یا حکمی کو قصاص لینے کا شرعاً اختیار دیا ہے، سو اس کو قتل کے بارے میں حد شرع سے تجاوز نہ کرنا چاہیے، یعنی قاتل کے علاوہ کسی اور کو قتل نہ کرے، کیونکہ وہ شخص زیادتی نہ کرنے کی صورت میں تو شرعاً طرف داری کے قابل ہے، اور زیادتی کرنے سے فریقِ ثانی طرف داری کے قابل ہو جائے گا، اس لئے زیادتی کر کے منصوریت سے خارج نہ ہونا چاہیے۔ (۱)

قتلِ شرعی کی تین وجوہ

تین صورتیں ہیں جن میں قتل جائز ہے، ایک یہ کہ کسی کو کوئی ناحق قتل کر دے، دوسرے یہ کہ کوئی شادی شدہ زنا کرے اور اس کا زنا ثابت ہو جائے، تیسرے ارتداد یعنی کوئی دین برحق سے پھر جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِءٍ مُسْلِمٍ، يَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّي رَسُوْلُ اللّٰهِ، اِلَّا بِاِحْدَى ثَلَاثٍ :الثَّيِّبُ الزَّانِي، وَالنَّفْسُ بِالنَّفْسِ، وَالتَّارِكُ لِدِيْنِهِ الْمُفَارِقُ لِلْجَمَاعَةِ. (۲)

(۱) بیان القرآن: سورہ اسراء آیت نمبر ۳۳ کے تحت، ج ۲ ص ۳۷۳

(۲) صحیح مسلم : کتاب القسامۃ والمحاربین، باب ما یباح به دم المسلم، ج ۳ ص ۱۳۰۲، رقم الحدیث ۱۶۷۶

کسی مسلمان کا خون حلال نہیں ہے جو خدا کی وحدانیت اور رسول کی رسالت کی شہادت دے، مگر تین مجرم ہیں کہ ان کا قتل کرنا البتہ جائز ہے، شادی شدہ زانی، قاتلِ نفس اور تیسرا وہ شخص جو دین سے پھر جائے اور جماعت سے کٹ جائے۔

نیک بندوں کے اوصاف

اللہ تعالیٰ نے جہاں اپنے نیک بندے کے اوصاف گنائے ہیں وہاں ان کے اوصاف میں یہ بھی شمار کیا ہے کہ وہ قتلِ ناحق سے بچتے ہیں:

وَ الَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَ لَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ لَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ﴿۶۸﴾ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ يَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ﴿۶۹﴾ (الفرقان)

اور جو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی پرستش نہیں کرتے، اور جس شخص کے قتل کرنے کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے اس کو قتل نہیں کرتے مگر حقِ شرعی کے ساتھ، اور وہ زنا نہیں کرتے، اور جو شخص یہ کام کرے گا وہ گناہ میں پڑے گا (اور) سزا سے سابقہ پڑے گا، قیامت کے دن اس کا عذاب بڑھتا چلا جائے گا، اور اس عذاب میں ہمیشہ ہمیشہ ذلیل وخوار ہوکر رہے گا۔

جس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ کے محبوب بندے جس طرح شرک وکفر سے بے زار ہوتے ہیں قتل ناحق سے بھی الگ تھلگ رہتے ہیں، اور ناحق خون بہانا ایمان کے منافی سمجھتے ہیں۔

قتلِ ناحق کی حرمت

قرآن نے جہاں حرام کاموں کی تفصیل بیان کی ہے وہاں ان حرام کاموں میں قتلِ ناحق کو بھی شمار کیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَ لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ۝ (الأنعام)

اور کسی ایسے شخص کو قتل نہ کرو جس کے قتل کو اللہ نے حرام کیا ہو، مگر ہاں کسی حق شرعی کے ساتھ، یہ وہ باتیں ہیں جن کا اللہ نے تم کو تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم سمجھ سے کام لو۔

خون ریزی کا گناہ

اسلام نے واضح کیا ہے کہ قتلِ ناحق سب سے بڑا جرم ہے، اس سے بڑھ کر کوئی اور جرم نہیں ہے، اس لئے کہ یہ چیز روئے زمین سے امن وامان برباد کرڈالتی ہے اور انسانوں سے اس کا سکونِ قلب چھین لیتی ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ بلیغ جو تعبیر ہوسکتی ہے قرآن نے اسے اختیار کیا ہے تاکہ قتل کی شناعت اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے۔ ہابیل وقابیل کا واقعہ بیان کرنے کے بعد ارشاد ہے:

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۛۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًاۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَ مَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ (المائدۃ: ۳۲)

اور اسی واقعہ کی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ فرمان لکھ دیا کہ جو شخص کسی کو قتل کرے، جبکہ یہ قتل نہ کسی اور جان کا بدلہ لینے کے لئے ہو اور نہ کسی کے زمین میں فساد پھیلانے کی وجہ سے ہو، تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کر ڈالا، اور جو کسی انسانی زندگی کی بقا کا موجب بنا تو گویا اس نے تمام نوعِ انسانی کو زندہ رکھا۔

امن وامان کو برقرار رکھنے کی جو بلیغ تعبیر اللہ تعالیٰ نے یہاں اختیار فرمائی ہے، اس سے بڑھ کر دوسرا پیرایہ بیان ممکن نہیں ہے، اس کے مختلف معنی بیان کئے گئے ہیں کہ ایک جان کے قتل کو تمام کائنات انسانی کے قتل سے کیوں تعبیر کیا گیا۔ جس کی تفصیل کتبِ تفسیر میں دیکھی جاسکتی ہے، یہاں مجھے امام طبری رحمہ اللہ کا یہ بیان پسند آیا:

اَنَّ الْمُرَادَ بِذَلِكَ تَعْظِيمُ الْعُقُوبَةِ وَشِدَّةُ الْوَعِيدِ مِنْ حَيْثُ إِنَّ قَتْلَ الْوَاحِدِ وَقَتْلَ الْجَمِيعِ سَوَاءٌ فِي اسْتِيجَابِ غَضَبِ اللّٰهِ وَعَذَابِهِ.[1]

اس آیت میں عقوبت کی عظمت اور وعید کی شدت مراد ہے، اور بتانا ہے کہ ایک انسان کا ناحق قتل اللہ تعالیٰ کے غضب اور عذاب کو اسی طرح حرکت میں لے آتا ہے جس طرح تمام انسانوں کا قتل۔

یہ جرم ہولناک تو ہے ہی لیکن سوچنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب کسی جرم کا دروازہ ایک دفعہ کھل جاتا ہے تو اس کا بند کرنا مشکل ہو جاتا ہے، اور عام لوگ بتدریج اس جرم پر جری ہو جاتے ہیں اور جو اہمیت عام طور پر پہلے سے ذہنوں میں راسخ ہوتی ہے وہ باقی نہیں رہتی، اس لئے یہ کہنا درست ہے کہ جو کسی ایک بے گناہ کو ناحق قتل کرتا ہے، درحقیقت وہ سینکڑوں انسانوں کے قتل کا سامان فراہم کرتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی اہمیت کے پیش نظر فرمایا:

اَبْغَضُ النَّاسِ إِلَى اللّٰهِ ثَلَاثَةٌ: مُلْحِدٌ فِي الْحَرَمِ، وَمُبْتَغٍ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةَ الجَاهِلِيَّةِ، وَمُطَّلِبُ دَمِ امْرِءٍ بِغَيْرِ حَقٍّ لِيُهَرِيقَ دَمَهُ.[2]

مبغوض ترین تین شخص ہیں، حرم میں الحاد کا مرتکب، اسلام میں مراسمِ جاہلیت کو رواج دینے والا، اور ناحق کسی کے خون کا خواہش مند تا کہ وہ اس کا خون بہائے۔

قتل وقتال خلیفہ راشد کی نظر میں

منشاء یہ ہے کہ گنہگاروں میں مبغوض ترین یہی لوگ ہیں، چنانچہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے اس مسئلہ کو خوب سمجھا تھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جن دنوں

(۱) فتح الباری: کتاب الدیات، باب قول اللہ تعالیٰ: و من یقتل مومنا: ج۱۲ ص۱۹۲

(۲) صحیح البخاری: کتاب الدیات، باب من طلب إمری بغیر حق، ج۹ ص۶، رقم الحدیث: ۶۸۸۲

باغیوں نے خلیفہ اسلام ذی النورین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو اپنے محاصرہ میں لے لیا تھا، میں کسی طرح خدمتِ عثمانی میں پہنچ گیا اور درخواست کی کہ حضرت! میں امداد کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میری باتیں سن کر آپ نے فرمایا:

يَا اَبَا هُرَيْرَةَ، اَيَسُرُّكَ اَنْ تَقْتُلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَاِيَّایَ مَعَهُمْ؟ (۱)

کیا آپ کو یہ بات خوش کرے گی کہ آپ تمام لوگوں کو قتل کر ڈالیں اور ان کے ساتھ مجھے بھی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے جواب دیا، حضرت یہ تو ہرگز پسند نہیں ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے میرا یہ جواب سن کر فرمایا:

فَاِنَّكَ اِنْ قَتَلْتَ رَجُلًا وَاحِدًا فَكَاَنَّمَا قَتَلْتَ النَّاسَ جَمِيعًا. (۲)

پس سن لیجئے گا کہ اگر آپ نے کسی ایک کو قتل کر دیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ نے گویا تمام لوگوں کو قتل کر ڈالا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ سن کر میں واپس چلا آیا، تاریخ شاہد ہے کہ حضرت ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے خود جامِ شہادت نوش فرمانا تو قبول کیا مگر تلوار اٹھانے کی اجازت نہیں دی۔

یہ تھی عملی تفسیر اس قرآنی آیت کی، اور یہ منزلت تھی امیر المؤمنین کی نظر میں امن وامان کے قیام کی جس کا ہمارے اس دور میں تصور بھی ممکن نہیں ہے۔

خون ریزی کی تاریخ

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں قتل کی تاریخ بھی بیان کی ہے تا کہ لوگوں کو اس سے عبرت ہو، اور سنجیدگی سے اس کے نشیب وفراز پر غور کرسکیں، ساتھ ہی اپنے اندازِ بیان میں اشارہ

---

(۱) تفسیر ابن کثیر : سورۃ المائدۃ آیت نمبر ۳۲ کے تحت، ج۳ ص ۸۳

(۲) تفسیر ابن کثیر : سورۃ المائدۃ آیت نمبر ۳۲ کے تحت، ج۳ ص ۸۳

کیا ہے کہ اس کی بنیاد عموماً بغض و حسد پر ہوا کرتی ہے، گویا کام کسی مفاد ہی کے پیش نظر نہیں ہوتا بلکہ عادتاً جذبات حسد کی تسکین کے لئے کیا جاتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَ لَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ۭ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ۭ (المائدۃ:۲۷)

اور اے محمد! آپ ان کو آدم کے دو بیٹوں کا واقعہ پڑھ کر سنا دیجئے جب کہ ان دونوں میں سے ہر ایک نے اللہ کے نام کی ایک ایک نیاز پیش کی اور ان میں سے ایک کی مقبول ہوگئی اور دوسرے کی مقبول نہ ہوئی، اس پر دوسرا کہنے لگا میں تجھ کو ضرور قتل کروں گا۔

یہ پورا واقعہ کئی آیتوں میں پھیلا ہوا ہے، اس کا خلاصہ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کی زبانِ قلم سے سنئے:

اے محمد! آپ ان اہلِ کتاب کو حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا یعنی ہابیل و قابیل کا قصہ صحیح طور پر پڑھ کر سنایئے، اور یہ قصہ اس وقت ہوا تھا جب کہ دونوں نے اللہ تعالیٰ کے نام کی ایک ایک نیاز پیش کی، اور ان میں ایک کی یعنی ہابیل کی تو مقبول ہوگئی اور دوسرے کی یعنی قابیل کی مقبول نہ ہوئی، جب وہ دوسرا اس میں بھی ہارا تو جھلا کر کہنے لگا، میں تجھ کو ضرور قتل کروں گا، اس کا ایک (ہابیل) نے جواب دیا کہ تیرا ہارنا تو ناحق پرستی کی وجہ سے ہے، میری کیا خطا؟ کیونکہ خدا تعالیٰ متقیوں کا ہی عمل قبول کرتے ہیں سو اس میں تیری خطا ہے یا میری، تو ہی انصاف کر، لیکن اگر پھر بھی تیرا ارادہ ہے تو تو جان، میں نے تو پختہ قصد کرلیا ہے کہ اگر تو مجھ پر میرے قتل کرنے کے لئے دست درازی کرے گا تب بھی میں تجھ پر تیرے قتل کرنے کے لئے ہرگز دست درازی کرنے والا نہیں، کیونکہ میں تو پروردگارِ عالم سے ڈرتا ہوں، میں تو یوں چاہتا ہوں کہ مجھ سے کوئی گناہ کا کام سرزد نہ ہو، گو مجھ پر کتنا ہی ظلم کیوں نہ کرے، پھر

تو دوزخیوں میں شامل ہو جائے، اور یہی سزا ہوتی ہے ظلم کرنے والوں کی، یہ جو سنا کہ مدافعت نہ کرے گا، چاہیے تو یہ تھا کہ گداختہ ہو جاتا، مگر اس کے جی نے اس کو اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کر دیا، پھر آخر اس کو قتل ہی کر ڈالا جس سے کمبخت بڑے نقصان اٹھانے والوں میں شامل ہو گیا۔ (۱)

قتل ناحق اور اس کا انجام

اس تاریخی واقعہ سے کتنی ہی باتیں سمجھ میں آتی ہیں، اولاً یہ کہ قتل پر کوئی خداترس آمادہ نہیں ہے، یہ ان لوگوں کا کام ہے جو خدا کا خوف دل میں نہیں رکھتے۔ ثانیاً یہ کہ اس کی عمومی وجہ بغض وحسد ہوتی ہے۔ ثالثاً یہ کہ قاتل خدا کے احکام کا باغی ہے اور سخت گناہگار۔ رابعاً یہ کہ قاتل نفع میں نہیں رہتا بلکہ سخت خسارہ میں ہوتا ہے۔ صحیحین میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تُقْتَلُ نَفْسٌ ظُلْمًا، إِلَّا كَانَ عَلَى ابْنِ آدَمَ الأَوَّلِ كِفْلٌ مِنْ دَمِهَا، لِأَنَّهُ أَوَّلُ مَنْ سَنَّ القَتْلَ. (۲)

جب بھی کوئی جان ظلم کی وجہ سے قتل کی جاتی ہے تو اس کا خون کا ایک حصہ آدم کے اس پہلے فرزند پر آتا ہے جس نے قتل کی بنیاد ڈالی تھی، کیونکہ اس سلسلہ میں پہلا مجرم وہی ہے۔

تجزیہ کیجیے تو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں تفصیل سے آدم علیہ السلام کے بیٹوں کا واقعہ اس لئے بیان کیا تاکہ لوگ اس کی قباحت کو محسوس کریں، اور اس گناہ سے ہمیشہ اپنے آپ کو دور رکھنے کی کوشش کریں۔ جو حدیث نقل کی گئی ہے اس سے بھی یہ معلوم ہوا کہ قتل کا موجد اول جس طرح ان تمام قتل وخون کا بارِ گناہ اٹھانے میں شریک ہوتا ہے جو اس

---

(۱) بیان القرآن: سورہ مائدہ آیت نمبر ۲۷ کے تحت، ج۱ ص ۴۶۴، ۴۶۵

(۲) صحيح البخاري: كتاب احاديث الأنبياء: باب خلق آدم صلوات عليه و ذريته، ج۴ ص ۱۳۳، رقم الحديث: ۳۳۳۵

روئے زمین پر کہیں بھی ہوتا ہے، کم وبیش یہی حال اس شخص کا بھی ہے جو پہلے پہل کسی آبادی میں اس خون کا ناحق مرتکب ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے:

وَمَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً، كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ، مِنْ غَيْرِ اَنْ يَنْقُصَ مِنْ اَوْزَارِهِمْ شَيْءٌ. (۱)

جو شخص اسلام میں کسی بری رسم کو رواج دیتا ہے اس پر اس برائی کا گناہ اور ساتھ ہی قیامت تک جتنے لوگ اس برائی کو کرتے ہیں ان کا گناہ ہوتا ہے۔

انسانی جان کے احترام پر بیعت

انسانی جان کی قدر و قیمت جو اسلام کی نظر میں ہے کہیں اور اس کا تصور بھی مشکل ہے۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب اسلام کے لئے بیعت کر لیا کرتے تھے تو جہاں دوسری ضروری باتوں کا اقرار لیا کرتے تھے وہاں اس کا بھی مسلمان ہونے والے سے اقرار لیتے کہ وہ قتل نہ کریں گے۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ میں ان نقباء میں سے ہوں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جن چیزوں کی بیعت لیا کرتے تھے ان میں اور چیزوں کے ساتھ یہ بات بھی داخل تھی کہ جس شخص کا قتل کرنا حرام ہے اسے قتل نہ کروں گا۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کا خود بیان ہے:

بَايَعْنَاهُ عَلَى اَنْ لَّا نُشْرِكَ بِاللّٰهِ شَيْئًا، وَلَا نَسْرِقَ، وَلَا نَزْنِيَ، وَلَا نَقْتُلَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ، وَلَا نَنْتَهِبَ. (۲)

---

(۱) صحیح مسلم: کتاب الزکاۃ، باب الحث علی الصدقۃ و لو بشق تمرۃ، ج۲ ص۷۰۳ رقم الحدیث: ۱۰۱۷

(۲) صحیح البخاری: کتاب المناقب، باب وفود الأنصار الی النبی صلی اللہ علیہ سلم بمکۃ، ج۵ ص۵۵، رقم الحدیث: ۳۸۹۳

ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات پر بیعت کی ہم نہ تو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں گے، نہ زنا کریں گے، نہ چوری کریں گے، نہ اس شخص کو قتل کریں گے جس کا قتل اللہ نے حرام قرار دیا ہے، اور نہ لوٹ مار کریں گے۔

غور کریں کہ اسلام امن وسلامتی پر کس قدر زور دیتا ہے اور انسانی جان کی قیمت کس طرح لوگوں کے دلوں میں بٹھاتا ہے۔ بنیادی عقائد میں داخل ہے کہ جس طرح آدمی توحید کا اقرار کرے اسی کے ساتھ اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ قتل ناحق، چوری، ڈکیتی اور فتنہ وفساد سے بھی الگ تھلگ رہنے کا اقرار کرے۔

اولاد کے سلسلہ میں عورتوں سے بیعت

قرآنِ پاک میں جہاں عورتوں کی بیعت کا تذکرہ ہے، وہاں یہ بیان بھی موجود ہے کہ وہ عورتیں وعدہ کرتی تھیں کہ:

لَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ۔ (الممتحنة: ۱۲)

کہ وہ سب (عورتیں) اپنے بچوں کو قتل نہ کریں گی۔

اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم لوگ اس بات پر بیعت کرو کہ تم سب شرک سے گریزاں رہو گے، چوری نہ کرو گے، زنا میں مبتلا نہ ہو گے، اور اپنے بچوں کو قتل نہ کرو گے، اور اسی طرح کی اور باتیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ پس ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان چیزوں پر بیعت کی:

تُبَايِعُونِي عَلَى اَنْ لَا تُشْرِكُوا بِاللّٰهِ شَيْئًا، وَلَا تَسْرِقُوا، وَلَا تَزْنُوا، وَلَا تَقْتُلُوا اَوْلَادَكُمْ .... فَبَايَعْنَاهُ عَلَى ذٰلِكَ۔ (۱)

(۱) صحیح البخاری: كتاب الأحكام، باب بيعة النساء، ج۹ ص۷۹، رقم الحديث: ۷۲۱۳

سب سے بڑا گناہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: اَیُّ الذَّنْبِ اَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰہِ (خدا کے یہاں سب سے بڑا گناہ کون سا ہے) فرمایا یہ کہ تم خدا کا کسی کو شریک و ہمسر بناؤ، ان کا بیان ہے کہ پھر میں نے سوال کیا ثُمَّ اَیُّ، (کہ شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ کونسا ہے) آپ نے فرمایا:

ثُمَّ اَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ مَخَافَةَ اَنْ يَّطْعَمَ مَعَكَ.(۱)

پھر یہ کہ تو اپنے بچہ کو اس اندیشہ سے قتل کر ڈالے کہ وہ تیرے ساتھ کھائے گا۔

امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اَنَّ اَكْبَرَ الْمَعَاصِي الشِّرْكُ وَهٰذَا ظَاهِرٌ لَا خَفَاءَ فِيهِ وَاَنَّ الْقَتْلَ بِغَيْرِ حَقٍّ يَلِيهِ وَكَذٰلِكَ قَالَ اَصْحَابُنَا اَكْبَرُ الْكَبَائِرِ بَعْدَ الشِّرْكِ الْقَتْلُ وَكَذَا نَصَّ عَلَيْهِ الشَّافِعِيُّ.(۲)

سب سے بڑا گناہ شرک ہے جو ظاہر ہے اور جس میں کوئی خفا نہیں، اور پھر قتلِ ناحق ہے جو اسی کے لگ بھگ ہے، اور اسی وجہ سے ہمارے اصحاب نے کہا کہ شرک کے بعد اکبر الکبائر قتلِ ناحق ہے، اور امام شافعی رحمہ اللہ نے بھی اس کی صراحت کی ہے۔

قتل اور اس کا گناہ

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سات مہلک چیزوں سے اجتناب کرو، پوچھا گیا وہ کیا ہیں، آپ نے فرمایا:

---

(۱) صحیح البخاری: کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ: یا أیها الرسول بلغ ما انزل الیك --- الخ، ج۹ ص۱۵۵، رقم الحدیث: ۷۵۳۲

(۲) شرح النووی علی مسلم: کتاب الإیمان، باب بیان کون الشرک أقبح الذنوب، ج۲ ص۸۱

الشِّرْكُ بِاللّٰهِ وَالسِّحْرُ وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ. (۱)

اللہ کا شریک بنانا اور اس شخص کو قتل کرنا جس کا قتل کرنا اللہ نے حرام کیا، ہاں حقِ شرعی کے ساتھ۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف انداز میں قتل اور خون ریزی کی شناعت ذہن نشین کرنے کی سعی فرمائی ہے، ایک دفعہ آپ نے خونِ ناحق کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا:

لَنْ يَزَالَ الْمُؤْمِنُ فِي فُسْحَةٍ مِنْ دِينِهِ مَا لَمْ يُصِبْ دَمًا حَرَامًا. (۲)

مؤمن جب تک ناحق خون ریزی میں مبتلا نہیں ہوتا، اپنے دین کے باب میں کشادگی میں رہتا ہے۔

کتنا مؤثر اندازِ بیان ہے کہ آدمی پڑھنے کے ساتھ اس دُعا میں منہمک ہو جاتا ہے کہ پروردگارِ عالم ہمیں اس بڑے گناہ سے محفوظ رکھے۔

خونِ مسلم کا احترام

انسانی جان کی قدر و قیمت کا ہی نتیجہ تھا کہ حدود و تعزیرات کے اکثر قوانین تو ہجرت کے بعد نازل ہوئے، لیکن انسانی جان کی حرمت کا حکم مکہ مکرمہ میں ہی نازل ہو چکا تھا۔

اب تک عموماً ایسی آیتیں اور حدیثیں نقل کی گئی ہیں جن میں نفسِ قتلِ ناحق کی ممانعت و حرمت مذکور تھی، اور جن سے عام انسانی جان کی قدر و قیمت ظاہر ہوئی ہے، لیکن انسان جب دائرہ ایمان میں داخل ہو کر مسلمان و مؤمن بن جاتا ہے تو اس کی قدر و منزلت اور بھی بہت بڑھ جاتی ہے، ایمان کے بعد مؤمن کی قیمت عام انسانی جانوں سے اس لئے بڑھ جاتی ہے کہ اس وقت یہ جان خدا کی امانت اور اس کی ملک ہو جاتی ہے۔ قرآن میں ہے کہ

(۱) صحیح البخاری: کتاب الوصایا، باب قول اللّٰه تعالیٰ: ان الذین یا کلون أموال الیتامی....إلخ، ج۴ ص۱۰، رقم الحدیث: ۲۷۶۶

(۲) صحیح البخاری: کتاب الدیات، باب قول اللّٰه تعالیٰ: و من یقتل مومنا متعمدا، ج۹ ص۲، رقم الحدیث: ۶۸۶۲

اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو جنت کے بدلہ میں خرید لیا ہے، لہٰذا اس وقت قدرتی طور پر اس کی قدر و منزلت دو چند ہونی ہی چاہیے:

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنْفُسَهُمْ وَ أَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (التوبة: ۱۱۱)

قتلِ مومن کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

وَ مَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ لَعَنَهٗ وَ أَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا (النساء)

اور جو کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے اس کی سزا دوزخ ہے، وہ اسی میں رہے گا، اور اللہ کا اس پر غضب ہوگا اور اس کی لعنت، اور اس نے اس کے لئے بڑا بھاری عذاب تیار کیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كُلُّ ذَنْبٍ عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَغْفِرَهٗ إِلَّا مَنْ مَاتَ مُشْرِكًا، أَوْ مُؤْمِنٌ قَتَلَ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا. (۱)

ہر گناہ کے متعلق امید ہے کہ اللہ معاف کر دے سوائے اس شخص کے گناہوں کے جو حالتِ شرک میں مرا، یا جس نے کسی مسلمان کو جان بوجھ کر ناحق قتل کیا۔

یہ منشاء نہیں ہے کہ مؤمن کا قاتل اگر مسلمان ہے تو اس کی کبھی بخشش نہ ہوگی، بلکہ اس آیت کی اہمیت بتانا مقصود ہے کہ مؤمن کی جان اتنی بیش قیمت ہے کہ جو اسے ناحق ضائع کرتا ہے وہ اس قابل نہیں رہتا کہ اس پر رحم کیا جائے۔

مؤمن کا قتل اسلام کی نظر میں

ایک دفعہ مؤمن کی جان کی قدر و قیمت کا اظہار کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ

(۱) سنن أبي داود: كتاب الفتن والملاحم، باب في تعظيم قتل المومن، ج۴ ص۱۰۳، رقم الحديث: ۴۲۷۰

وسلم نے فرمایا:

قَتْلُ الْمُؤْمِنِ اَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ زَوَالِ الدُّنْيَا۔ (۱)

مومن کا قتل اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کے تہ و بالا ہونے سے بڑھ کر ہے۔

ایک دوسرے موقع پر آپ نے مسلمانی جان کی اہمیت اس طرح ظاہر فرمائی:

لَوْ اَنَّ اَهْلَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ اشْتَرَكُوا فِي دَمِ مُؤْمِنٍ لَاَكَبَّهُمُ اللّٰهُ فِي النَّارِ۔ (۲)

اگر تمام زمین و آسمان والے کسی مسلمان کے خون میں شریک ہوں تو اللہ تعالیٰ ان کو جہنم میں اوندھا ڈال دے گا۔

ترمذی کی ایک حدیث ہے کہ رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَزَوَالُ الدُّنْيَا اَهْوَنُ عَلَى اللّٰهِ مِنْ قَتْلِ رَجُلٍ مُسْلِمٍ۔ (۳)

ساری دنیا کی بربادی ایک مسلمان کے قتل کے مقابلہ میں اللہ کے نزدیک بالکل بے قیمت ہے۔

ان احادیثِ نبویہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمان کی جان اللہ تعالیٰ کی نظر میں کیا قیمت رکھتی ہے اور وہ کس طرح ان کی حفاظت فرماتا ہے، اور وہ لوگ اس کی نظر میں کتنے بے قیمت اور ذلیل و رسوا ہیں جو ان کے خون سے اپنے ہاتھ رنگین کرتے ہیں۔

قتل کا وبال

قتل و خون ریزی کے بند کرنے کی سعی جس طرح اسلام نے کی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے، اور اس سلسلہ میں جو مؤثر سے مؤثر اُسلوب بیان ہو سکتا ہے وہ سب اس نے

---

(۱) سنن النسائی: کتاب تحریم الدم، تعظیم الدم، ج۷ ص۸۲، رقم الحدیث: ۳۹۸۸

(۲) سنن الترمذی: ابواب الدیات، باب الحکم فی الدماء، ج۴ ص۱۷، رقم الحدیث: ۱۳۹۸

(۳) سنن الترمذی: ابواب الدیات، باب ماجاء فی تشدید قتل المؤمن، ج۴ ص۱۶، رقم الحدیث: ۱۳۹۵

اختیار کیا ہے۔ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا يَزَالُ الْمُؤْمِنُ مُعْنِقًا صَالِحًا مَا لَمْ يُصِبْ دَمًا حَرَامًا، فَإِذَا أَصَابَ دَمًا حَرَامًا بَلَّحَ۔ (۱)

مؤمن اس وقت تک ہمیشہ نیکیوں کی طرف تیزی کرنے والا اور نیکوکار رہوتا ہے جب تک وہ حرام خون نہیں کرتا، مگر جب وہ اس گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے تو پھر وہ سست پڑ جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ان مہلک امور میں سے جن میں انسان اپنے آپ کو ڈال کر بچا نہیں سکتا اور اس کی ہلاکت ضروری ہے، یہ بھی ہے کہ کوئی ناحق خون بہائے جس کی کوئی شرعی وجہ نہ ہو۔

قتل کی اعانت اسلام کی نظر میں

اسلام ناحق قتل اور خون ریزی کو ایک لحہ کے لئے برداشت نہیں کرتا، ایک طرف وہ طرح طرح کے ان لوگوں کی مشکیں باندھتا ہے جو اس میں آلودہ ہو کر حظ اُٹھانے کے عادی ہوتے ہیں، دوسری طرف عوام کو منع کرتا ہے کہ وہ اپنے کسی عمل سے قاتل کی حوصلہ افزائی کریں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ أَعَانَ عَلَى قَتْلِ مُؤْمِنٍ وَلَوْ بِشَطْرِ كَلِمَةٍ، لَقِيَ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ مَكْتُوبٌ بَيْنَ عَيْنَيْهِ :آيِسٌ مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ. (۲)

---

(۱) سنن ابی داؤد :کتاب الفتن والملاحم، باب فی تعظیم قتل المومن، ج۴ ص۱۰۴، رقم الحدیث:۴۲۷۰

(۲) سنن ابن ماجہ: کتاب الدیات، باب التغلیظ فی قتل مسلم ظلما، ج۲ ص۸۷۴، رقم الحدیث:۲۶۲۰

جو شخص کسی مسلمان کے قتل میں کوئی مدد کرے گا، خواہ وہ ایک کلمہ ہی سے کیوں نہ ہو، تو قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ اس کی پیشانی پر لکھا ہوگا کہ خدا کی رحمت سے مایوس۔

انسانی فریضہ

اگر کوئی انسان قتل کے جرم میں مبتلا ہونا چاہتا ہے تو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایسے موقع پر ایک مسلمان کا فریضہ یہ ہے کہ قاتل کا ہاتھ تھام لے، اور اس کو اس جرمِ عظیم سے جس طرح بن پڑے روک دے، کھڑا رہ کر تماشہ دیکھتا نہ رہے۔ آپ کے الفاظ یہ ہیں:

لَا يَقِفَنَّ اَحَدُكُمْ مَوْقِفًا يُقْتَلُ فِيهِ رَجُلٌ ظُلْمًا، فَإِنَّ اللَّعْنَةَ تَنْزِلُ عَلَى مَنْ حَضَرَ حِينَ لَمْ يَدْفَعُوا عَنْهُ، وَلَا يَقِفَنَّ اَحَدٌ مِنْكُمْ مَوْقِفًا يُضْرَبُ فِيهِ اَحَدٌ ظُلْمًا، فَإِنَّ اللَّعْنَةَ تَنْزِلُ عَلَى مَنْ حَضَرَهُ حِينَ لَمْ يَدْفَعُوا عَنْهُ. (۱)

جہاں ظلم و جور سے ایک انسان قتل کیا جا رہا ہو تو تم میں سے کوئی کھڑا رہ کر منہ تکتا نہ رہے، بلکہ مدافعت کرے اس لئے کہ موجود ہونے کے باوجود اس کی طرف سے جو مدافعت نہیں کرتا وہ قابلِ لعنت ہے، اس پر لعنت برستی رہتی ہے۔ اسی طرح جہاں ظلماً ایک شخص کو زدوکوب کیا جا رہا ہے وہاں تم میں سے کوئی خاموش کھڑا نہ رہے، کیوں موجود ہونے کے باوجود جو اسے نہیں بچاتا وہ مستحق لعنت ہے، اس پر لعنت نازل ہوتی ہے۔

جس طرح ایک مسلمان کا فریضہ یہ ہے کہ وہ ظالم کو ظلم اور قاتل کو قتل کرنے سے روک دے، اسی طرح مظلوم و مقتول کی جان بچانا بھی اس کے فرائض میں داخل ہے۔

---

(۱) المعجم الكبير للطبراني: باب العين، عكرمة عن ابن عباس، ج ۱۱ ص ۲۶۰، رقم الحديث: ۱۱۶۷۵

اشارہ قتل کا گناہ

قتل کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ انسان خود اپنا ہاتھ خون آلود نہ کرے، مگر اپنے اثر ورسوخ سے کام لے کر کسی دوسرے کو اس سلسلہ میں استعمال کرے، اور اس کے ذریعہ کسی بے گناہ کا سر قلم کرنے کی ناپاک کوشش کرے۔ اسلام اس صورت کو بھی برداشت نہیں کرتا، اور اصل مجرم صاحبِ اثر ورسوخ ہی کو قرار دیتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قاتل اور آمر کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

قُسِمَتِ النَّارُ سَبْعِينَ جُزْءًا لِلْآمِرِ تِسْعَةً وَسِتِّينَ، وَلِلْقَاتِلِ جُزْءًا. (۱)

آگ ستر حصوں میں بانٹ دی گئی ہے، ان میں سے انہتر حصے اس کے لئے ہوگی جو قتل کا حکم دیتا ہے، اور ایک حصہ اس قاتل کے لئے جو دوسرے کے کہنے سے قتل کرے۔

حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن قاتل ومقتول رب ذوالجلال کے روبرو لائے جائیں گے، مقتول عرض کرے گا اے رب! قاتل سے پوچھئے کہ اس نے مجھے کس قصور پر قتل کیا؟ قاتل آمر کی طرف اشارہ کرکے جواب دے گا کہ پروردگار عالم! اس نے مجھے حکم دیا تھا، اس کے بعد قاتل وآمر دونوں کے ہاتھ پکڑے جائیں گے، اور دونوں کو ایک ساتھ جہنم میں جھونک دیا جائے گا:

يُؤْتَى بِالْقَاتِلِ وَالْمَقْتُولِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَيَقُولُ :اَيْ رَبِّ، سَلْ هَذَا فِيمَ قَتَلَنِي؟ فَيَقُولُ :اَيْ رَبِّ، اَمَرَنِي هَذَا .فَيُؤْخَذُ بِاَيْدِيهِمَا جَمِيعًا فَيُقْذَفَانِ فِي النَّارِ. (۲)

---

(۱) شعب الإيمان للبيهقي : تحريم النفوس والجنايات عليها، ج۷ ص۲۶۵، رقم الحديث:۴۹۷۵

(۲) مجمع الزوائد: كتاب الفتن، باب فيمن قتل مسلما أو أمر بقتله، ج۷، ص ۲۹۹، رقم الحديث: ۱۲۳۲۲۔ قال الهيثمي: رجاله كلهم ثقات۔

خودکشی

قتل کا ایک طریقہ یہ ہے کہ آدمی خود اپنے کو ہلاک کر ڈالے یعنی خودکشی کرلے، اس صورت میں بھی چوں کہ انسانی جان ضائع کی جاتی ہے اس لئے اسلام نے اس کو بھی پوری قوت کے ساتھ روکا ہے، اور اس جرم سے روکنے کے لئے ترہیب کے وہ تمام ذرائع استعمال کئے ہیں جن سے ڈر کر انسان اس غلط کام سے باز آجائے، بلکہ اس کو ایسے ارادہ کی کبھی جرأت تک نہ ہو۔ خود قرآن میں اعلان ہے:

وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (النساء: ۲۹)

اور تم اپنی جانوں کو قتل نہ کرو۔

آگے اس کی سزا کا بھی تذکرہ ہے، ارشاد ربانی ہے:

وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا (النساء: ۳۰)

اور جو کوئی تعدی اور ظلم سے یہ کام کرے گا، ہم اس کو آگ میں ڈالیں گے۔

"لَا تَقْتُلُوْا" کے کئی معنی بیان کئے گئے ہیں، مگر ظاہر الفاظ سے خودکشی کی ممانعت بھی ثابت ہوتی ہے اور مفسرین نے یہ معنی بھی لکھے ہیں۔[1] حدیثیں اس سلسلہ میں کافی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِشَيْءٍ فِي الدُّنْيَا عُذِّبَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.[2]

جو شخص جس چیز سے دنیا میں خودکشی کرے گا قیامت میں اسی کے ساتھ اُسے عذاب دیا جائے گا۔

ایک حدیث میں یہ الفاظ آئے ہیں:

---

(۱) ولا یقتل الرجل نفسه كما يفعله بعض الجهلة۔ مدارك التنزيل: سورة النساء آیت نمبر ۲۹ کے تحت، ج۱ ص ۳۵۲

(۲) صحیح البخاری: كتاب الادب، باب ما ينهى عن السباب واللعن، ج۸ ص ۱۵، رقم الحديث: ۶۰۴۷

وَمَنْ ذَبَحَ نَفْسَهُ بِشَيْءٍ، ذُبِحَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (۱)

جو جس چیز سے اپنے آپ کو دنیا میں ذبح کرے گا وہ اسی چیز سے قیامت میں ذبح کیا جائے گا۔

خودکشی کی سزا

ایک حدیث میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خودکشی کرنے والے کا انجام بیان کیا ہے۔ خودکشی کا ایک طریقہ یہ ہے کہ آدمی اپنے کو کسی اونچی جگہ سے گرا کر ہلاک کر ڈالے، دوسرا طریقہ یہ ہے کہ زہر پی کر اپنے کو موت کے گھاٹ اتار لے، اور تیسرا طریقہ اپنے کو ذبح کر لینا ہے، ان کے علاوہ بھی طریقے ہیں، مگر کسی صورت میں اُسے معاف نہیں کیا جائے گا۔ آپ نے فرمایا:

مَنْ تَرَدَّى مِنْ جَبَلٍ فَقَتَلَ نَفْسَهُ، فَهُوَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ يَتَرَدَّى فِيهِ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا، وَمَنْ تَحَسَّى سُمًّا فَقَتَلَ نَفْسَهُ، فَسُمُّهُ فِي يَدِهِ يَتَحَسَّاهُ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا، وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِحَدِيدَةٍ، فَحَدِيدَتُهُ فِي يَدِهِ يَجَأُ بِهَا فِي بَطْنِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا. (۲)

جو شخص پہاڑ سے گرا کر اپنے آپ کو مار ڈالتا ہے وہ مرنے کے بعد جہنم کی آگ میں گرتا چلا جائے گا جس میں اسے ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے، اور جو شخص زہر پی کر اپنے آپ کو ہلاک کرتا ہے اس کا زہر اس کے ہاتھ میں ہوگا اور جہنم کی آگ میں وہ اس کو ہمیشہ پیتا رہے گا، اور جو اپنے آپ کو کسی ہتھیار سے مار ڈالتا ہے تو

---

(۱) صحیح مسلم : کتاب الایمان، باب غلظ تحریم قتل الإنسان نفسه، ج۱ ص۱۰۵، رقم الحدیث: ۱۱۰

(۲) صحیح البخاری : کتاب الطب، باب شرب السم والدواء به، ......الخ، ج۷ ص۱۳۹، رقم الحدیث: ۵۷۷۸

اس کا وہ ہتھیار اس کے ہاتھ میں ہوگا اور جہنم کی دہکتی آگ میں اسے ہمیشہ اپنے پیٹ میں گھوپتا رہے گا۔

اپنا گلا گھونٹنے کے متعلق ارشاد نبوی ہے:

الَّذِي يَخْنُقُ نَفْسَهُ يَخْنُقُهَا فِي النَّارِ. (۱)

جو شخص اپنا گلا گھونٹتا ہے جہنم کی آگ میں (اسی طرح) گھونٹتا رہے گا۔

اپنے آپ کو نیزہ اور بندوق کی گولی مار لینا، اس کے متعلق ارشاد نبوی ہے:

وَالَّذِي يَطْعُنُهَا يَطْعُنُهَا فِي النَّارِ. (۲)

اور جو اپنے کو نیزہ مار کر ہلاک کرتا ہے وہ جہنم کی آگ میں اپنے کو نیزہ مارتا رہے گا۔

قتل کا ارادہ اور اس کا حکم

جذبہ قتل (ناحق) کی خواہ وہ کسی بھی موقع پر ہو اسلام مذمت کرتا ہے، چنانچہ ایک دفعہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب دو مسلمان تلوار لے کر باہم مقابلے کے لئے نکلیں اور ان میں سے کوئی مارا جائے تو قاتل و مقتول دونوں ہی جہنم میں جائیں گے، پوچھا گیا کہ قاتل تو اپنے جرم کی سزا میں جائے گا، لیکن مقتول کیوں؟ آپ نے فرمایا:

إِنَّهُ كَانَ حَرِيصًا عَلَى قَتْلِ صَاحِبِهِ. (۳)

اس لئے کہ وہ اپنے ساتھی کے قتل کا خواہش مند تھا۔

ہتھیار پر کنٹرول

قتل تو بہر حال قتل ہے، اسلام یہ بھی پسند نہیں کرتا ہے کہ آدمی ایسی ہیئت اختیار کرے

(۱) صحیح البخاری: كتاب الجنائز، باب ما جاء في قاتل النفس، ج۲ ص۹۶، رقم الحديث: ۱۳۶۵

(۲) صحیح البخاری: كتاب الجنائز، باب ما جاء في قاتل النفس، ج۲ ص۹۶، رقم الحديث: ۱۳۶۵

(۳) صحیح البخاری: كتاب الإيمان، باب: وإن طائفتان من المؤمنين، ۔۔ الخ، ج۱ ص۱۵، رقم الحديث: ۳۱

جس سے کسی کو زخم پہنچنے کا معمولی اندیشہ بھی ہو، یا کسی کے قلب میں اس کی طرف سے شبہ بھی پیدا ہو۔ ارشادِ نبوی ہے:

مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا. (۱)

جو ہم مسلمانوں پر ہتھیار اٹھائے وہ ہم میں سے نہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

الْمُرَادُ مَنْ حَمَلَ عَلَيْهِمُ السِّلَاحَ لِقِتَالِهِمْ لِمَا فِيهِ مِنْ إِدْخَالِ الرُّعْبِ عَلَيْهِمْ لَا مَنْ حَمَلَهُ لِحِرَاسَتِهِمْ. (۲)

مسلمانوں پر ہتھیار اٹھانے کی مراد ان سے جنگ کرنا ہے تاکہ ان کو خوف زدہ کر دیا جائے، لہٰذا وہ شخص اس وعید میں داخل نہیں ہوگا جو مسلمانوں کی حفاظت کے لئے ایسا کرے۔

ننگی تلوار پر پابندی

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ننگی تلوار لے کر چلنے کی ممانعت فرمائی ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی کو دھوکہ سے کوئی خراش آجائے، یا کوئی کمزور دل اپنے آپ کو قلب کی کمزوری کی وجہ سے ننگی تلوار دیکھ کر خطرہ محسوس کرنے لگے، اور اُسے دلی اذیت ہو:

نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُتَعَاطَى السَّيْفُ مَسْلُولًا. (۳)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ننگی تلوار لینے سے منع کیا۔

قتل اور خون ریزی کی برائی ذہن نشین کرنے اور دنیا سے فتنہ وفساد کے مٹانے کے

---

(۱) صحیح البخاری: کتاب الدیات، باب قول اللّٰہ تعالیٰ، و من أحیاها...... الخ، ج۹ ص۴، رقم الحدیث: ۶۸۷۴

(۲) فتح الباری: کتاب الدیات، باب قول اللّٰہ تعالیٰ: و من أحیاها...... الخ، ج۱۲ ص۱۹۷

(۳) سنن الترمذی: أبواب الفتن، باب ما جاء فی النهی عن تعاطی السیف مسلولا، ج۴ ص۴۶۴، رقم الحدیث: ۲۱۶۳

لئے آپ نے ارشاد فرمایا:

لِجَهَنَّمَ سَبْعَةُ اَبْوَابٍ، بَابٌ مِنْهَا لِمَنْ سَلَّ السَّيْفَ عَلَى أُمَّتِي اَوْ قَالَ: عَلَى أُمَّةِ مُحَمَّدٍ. (۱)

دوزخ کے سات دروازے ہیں، ان میں سے ایک دروازہ اس مجرم کے لئے ہے جو میری امت پر تلوار چلائے۔

کوئی ایسا پیرایہ بیان باقی نہیں چھوڑا گیا ہے جس سے امت کا ذہن اس سلسلہ میں راہِ راست پر لگ سکتا ہو، مختلف انداز سے کوشش کی گئی ہے کہ انسان قتل اور خون ریزی کے نقصان کو سمجھ کر اس سے بے زاری کا اعلان کردے اور فتنہ وفساد سے ہاتھ اٹھائے۔ ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ اَشَارَ اِلَى اَخِيهِ بِحَدِيدَةٍ، فَاِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَلْعَنُهُ، حَتَّى يَدَعَهُ وَاِنْ كَانَ اَخَاهُ لِاَبِيهِ وَأُمِّهِ. (۲)

جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ کرتا ہے اس پر فرشتے لعنت کرتے ہیں، یہاں تک کہ وہ اسے رکھ نہ دے، اگرچہ اس کا سگا بھائی ہی کیوں نہ ہو۔

احادیث میں ہر موقع پر ایسا پیرایہ اختیار کیا گیا ہے کہ انسانی ذہن میں انسانی خون، اور امن وامان کی قدر و قیمت مضبوطی سے جم جائے، اور اس سلسلہ میں مزید چوں و چرا کی گنجائش باقی نہ رہے۔

انسانی جان کی حفاظت کا یہ اہتمام اسلام کے سوا اور کہاں مل سکتا ہے، موجودہ دور میں امن وسلامتی کا تصور بھی مشکل ہے، اور اس قوم میں خصوصیت کے ساتھ جو انسان کے مقابلہ

---

(۱) سنن الترمذي: أبواب تفسير القرآن، سورة الحجر، ج۵ ص۲۹۷، رقم الحديث: ۳۱۲۳

(۲) صحيح مسلم: كتاب البر والصلة، باب النهي عن الاشارة بالسلاح إلى مسلم، ج۴ ص۲۰۲۰، رقم الحديث: ۲۶۱۶

میں مذہبی نہج سے جانوروں اور چوپاؤں کو زیادہ اہمیت دیتی ہو، یہ اسلام ہی کو فخر حاصل ہے کہ اس نے پوری قوت سے انسانی احترام کی برتری کا اعلان کیا، اور ساری کائنات کو انسان کا تابع اور خدمت گزار قرار دیا۔

پابندی کی وجہ

کھلے ہتھیار سے اشارہ کرنا بھی کیوں جرم قرار دیا گیا؟ اس سوال کا جواب خود حدیثِ نبوی ہی میں موجود ہے۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں کوئی اپنے بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ نہ کرے، اس وجہ سے کہ:

فَإِنَّهُ لَا يَدْرِي، لَعَلَّ الشَّيْطَانَ يَنْزِعُ فِي يَدِهِ، فَيَقَعُ فِي حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ.(۱)

کیونکہ کیا پتہ کہ شیطان اس کے ہاتھ کو کہاں سے کہاں پہنچا دے اور اس طرح وہ جہنم کے غار میں جا گرے۔

اسلام نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ تیز ہتھیار لے کر کس طرح چلنا چاہیے، اس سلسلہ میں تاکید ہے کہ طریقہ ایسا ہو کہ جس سے نہ کسی کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہو اور نہ کسی کے قلب میں کوئی خطرہ پیدا ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا مَرَّ أَحَدُكُمْ فِي مَسْجِدِنَا، أَوْ فِي سُوقِنَا وَمَعَهُ نَبْلٌ، فَلْيُمْسِكْ عَلَى نِصَالِهَا، أَوْ قَالَ: فَلْيَقْبِضْ بِكَفِّهِ، أَنْ يُصِيبَ أَحَدًا مِنَ الْمُسْلِمِينَ مِنْهَا شَيْءٌ.(۲)

تم میں سے جب کوئی مسجد یا بازار سے گزرے اور اس کے ہاتھ میں تیر ہو، تو

---

(۱) صحیح البخاری: کتاب الفتن، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: من حمل علینا السلاح فلیس منا، ج۹ ص۴۹، رقم الحدیث: ۷۰۷۲

(۲) صحیح البخاری: کتاب الفتن، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: من حمل علینا السلاح، ج۹ ص۴۹، رقم الحدیث: ۷۰۷۵

اُسے چاہیے کہ اس کی دھار تھام لے، تا کہ دھوکہ سے بھی کسی مسلمان کو کوئی تکلیف نہ پہنچنے پائے۔

اس حدیث میں گو الفاظ مسجد اور بازار کے ہیں، لیکن مراد ہر وہ جگہ ہے جہاں آدمیوں کا مجمع ہو خواہ وہ دینی عبادت گاہ ہو یا کوئی اور مقام۔

خون میں مساوات

انسانی جانوں کا یہ احترام ایسا ہے جس میں آزاد و غلام، امیر و غریب، سلطان و گدا کسی کی کوئی تمیز نہیں، سب کے لئے حکم برابر ہے اور سبھوں کی ہی جان لائقِ صد احترام ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْمُسْلِمُونَ تَتَكَافَأُ دِمَاؤُهُمْ. (۱)

مسلمانوں کے خون برابر ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں ''اشعۃ اللمعات'' ج ۳ ص ۲۳۷ میں فرماتے ہیں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمام مسلمان مسئلہ قصاص و دیت میں برابر ہیں، اس باب میں نہ شریف کو کمینہ پر فضیلت ہے، نہ بڑے کو چھوٹے پر، نہ عالم کو جاہل پر، اور نہ مرد کو عورت پر جیسا کہ جاہلیت میں تھا (اسلام مساوات کا قائل ہے)

غلام کے خون کا احترام

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ قَتَلَ عَبْدَهُ قَتَلْنَاهُ، وَمَنْ جَدَعَ عَبْدَهُ جَدَعْنَاهُ. (۲)

---

(۱) سنن ابی داود : کتاب الجهاد، باب في السريه ترد على اهل العسكر، ج۳ ص۸۰، رقم الحديث: ۲۷۵۱

(۲) سنن ابی داود : کتاب الديات، باب من قتل عبده، ج۴ ص۱۷۶، رقم الحديث: ۴۵۱۵

جو شخص اپنے غلام کو قتل کرے گا ہم اُسے قتل کریں گے، جو اپنے غلام کی صورت بگاڑے گا ہم اس کی صورت بگاڑیں گے۔

قتل پر مدد اور اس کی سزا

قتل پر ادنیٰ اعانت بھی جائز نہیں ہے کیونکہ معاون بھی جرم و سزا میں برابر کا شریک ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا أَمْسَكَ الرَّجُلُ الرَّجُلَ وَقَتَلَهُ الْآخَرُ يُقْتَلُ الَّذِي قَتَلَ وَيُحْبَسُ الَّذِي أَمْسَكَ. (۱)

جب کسی شخص کو ایک شخص تھام رکھے اور دوسرا قتل کرے تو جس نے قتل کیا ہے وہ قصاص میں قتل کیا جائے گا اور جس نے پکڑا ہے اسے قید کر دیا جائے گا۔

امن و امن میں خلل کبھی پتھر پھینکنے سے بھی ہوتا ہے کہ دھوکہ سے کہیں کسی کو چوٹ لگ گئی تو پھر وہی بڑھ کر جنگ کا شعلہ بھڑکا دے اور آن کی آن میں انسانوں کا سارا اطمینان وسکون اس کی نذر ہو جائے گا، حفظ ماتقدم کے طور پر اسلام نے اس طرح کی چیزوں سے بھی منع کیا ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خشت باری نہ کیا کرو، چنانچہ عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ انہوں نے کسی کو ڈھیلہ پھینکتے ہوئے دیکھا تو اس کو منع کیا کہ ایسا نہ کرو کیونکہ:

نَهَى عَنِ الخَذْفِ، أَوْ كَانَ يَكْرَهُ الخَذْفَ وَقَالَ: إِنَّهُ لَا يُصَادُ بِهِ صَيْدٌ وَلَا يُنْكَى بِهِ عَدُوٌّ، وَلَكِنَّهَا قَدْ تَكْسِرُ السِّنَّ، وَتَفْقَأُ العَيْنَ. (۲)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنگ باری سے منع فرمایا ہے، اور آپ کا ارشاد ہے کہ اس سے نہ کوئی شکار، شکار کیا جا سکتا ہے اور نہ کوئی دشمن قتل کیا جا سکتا ہے، ہاں یہ البتہ ہوتا ہے کہ کبھی اس سے دانت ٹوٹتے ہیں اور کبھی آنکھیں پھوٹتی ہیں۔

---

(۱) سنن الدارقطني : كتاب الحدود والديات، ج۴ ص ۱۶۵، رقم الحديث: ۳۲۷۰

(۲) صحيح البخاري : كتاب الذبائح والصيد، باب الخذف والبندقة، ج۷ ص ۸۶، رقم الحديث: ۵۴۷۹

امن وامان کی تاکید

ان تمام گوشوں پر اسلام کی نظر ہے جہاں سے امن وامان میں خلل کا اندیشہ پیدا ہوسکتا ہے اور محبت کی جگہ عداوت راہ پاسکتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے اہتمام کے ساتھ اپنی زندگی کے آخری ایام میں امت کو تاکید فرمائی تھی کہ وہ اُنس ومحبت کی جگہ قتل اور خون ریزی کے جذبہ کو نہ آنے دیں:

لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا، يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ.(۱)

میرے بعد کافروں کا سا شعار نہ اختیار کر لینا کہ تم میں سے بعض، بعض کی گردن مارنے لگے۔

جس درد کے ساتھ یہ فرمایا تھا اس کا اندازہ اس وقت ہوسکتا ہے کہ بعثتِ نبوی سے پہلے کی تاریخ سامنے ہو، اور پھر آپ کی جدوجہد کا نظر آنکھوں میں پھر رہا ہو۔

حجۃ الوداع کے موقع پر پیغامِ نبوی

جس انداز میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے امن وامان کی تبلیغ کی، قتل وخون ریزی کا دروازہ بند کیا، اور کائناتِ انسانی میں، انسانی جان کی قدر وقیمت بتائی اس کا اجمالی نقشہ آپ کے سامنے آگیا، آخر میں وہ حدیث بھی سن لیجئے جس کا تعلق حجۃ الوداع سے ہے، جہاں ایک لاکھ کے قریب انسان موجود تھے، آپ نے ارشاد فرمایا:

فَإِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى قَدْ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا، كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا، فِي بَلَدِكُمْ هَذَا، فِي شَهْرِكُمْ هَذَا.(۲)

---

(۱) صحیح البخاری: کتاب العلم، باب الانصات للعلماء، ج۱ ص۳۵، رقم الحدیث: ۱۲۱

(۲) صحیح البخاری: کتاب الحدود، باب ظهر المؤمن حمی إلا فی حد أو حق، ج۸ ص۱۵۹، رقم الحدیث: ۶۷۸۵

اللہ تعالیٰ نے تم پر تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری آبرو حرام کر دی ہیں اور ان چیزوں کو ایسی عزت بخشی ہے جو عزت تمہارے اس شہر میں، اس مہینہ اور اس دن کو حاصل ہے، مگر حق شرعی کے سلسلہ میں یہ بات باقی نہ رہے گی۔

اہمیت کی خاطر پھر آخر میں مسلمانوں کے اس جم غفیر کو مخاطب کر کے آپ نے فرمایا:

اَلَا هَلْ بَلَّغْتُ ثَلَاثًا، كُلُّ ذَلِكَ يُجِيبُونَهُ :اَلَا، نَعَمْ. (۱)

کیا میں نے پیغامِ حق پہنچا نہیں دیا؟ اسے تین مرتبہ فرمایا، سب نے بیک زبان جواب دیا، جی ہاں ضرور۔

اس سے زیادہ انسانی جان کی قدر و منزلت اور کیا بتلائی جا سکتی ہے۔ جس مؤمن کی ان تمام احادیث پر نظر ہوگی، غیر ممکن ہے کہ وہ انسانی جان کا جیسا احترام چاہیے نہ کرے۔

خون کی اہمیت اسلام میں

جماعتی زندگی میں انسانی خون کی قدر و قیمت کا مزید اندازہ اس حدیث سے لگایئے جس میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَوَّلُ مَا يُقْضَى بَيْنَ النَّاسِ بِالدِّمَاءِ. (۲)

قیامت میں جس مسئلہ کا پہلے فیصلہ کیا جائے گا وہ خون کا کیس ہوگا۔

امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فِيهِ تَغْلِيظُ اَمْرِ الدِّمَاءِ. (۳)

اس حدیث میں خون کی اہمیت کا بیان ہے۔

---

(۱) صحيح البخاري : كتاب الحدود، باب ظهر المؤمن حمى إلا فى حد أوحق، ج۸ ص۱۵۹، رقم الحديث: ۶۷۸۵

(۲) صحيح البخاري : كتاب الرقاق، باب القصاص يوم القيامة، ج۸ ص۱۱۱، رقم الحديث: ۶۵۳۳

(۳) شرح النووي على مسلم: كتاب القسامة والمحاربين، باب المجازاة بالدماء فى الآخرة، ج۱۱ ص۱۶۷

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

أَوَّلُ الْقَضَاءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْقَضَاءُ فِي الدِّمَاءِ أَيْ فِي الْأَمْرِ الْمُتَعَلِّقِ بِالدِّمَاءِ وَفِيهِ عِظَمُ أَمْرِ الْقَتْلِ لِأَنَّ الْإِبْتِدَاءَ إِنَّمَا يَقَعُ بِالْأَهَمِّ۔ (۱)

قیامت میں پہلا فیصلہ خون کا ہوگا، یعنی ان مقدمات کا فیصلہ سنایا جائے گا جو خون سے متعلق ہوں گے۔ اس حدیث میں مسئلہ قتل کی اہمیت کا اظہار ہے، اس لئے کہ کاموں میں اہم معاملہ سے ابتداء ہوتی ہے۔

عبادات اور انفرادی چیزوں میں قیامت کے دن پہلے نماز سے متعلق سوال ہوگا، اور اجتماعی امور اور حقوق العباد میں سب سے پہلے خون کا مقدمہ پیش ہوگا، کیونکہ بندوں پر مظالم کے سلسلہ میں سب سے بڑا ظلم یہی ہے۔

امام ابن العربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قَالَ ابْنُ الْعَرَبِيِّ ثَبَتَ النَّهْيُ عَنْ قَتْلِ الْبَهِيمَةِ بِغَيْرِ حَقٍّ وَالْوَعِيدُ فِي ذَلِكَ فَكَيْفَ بِقَتْلِ الْآدَمِيِّ فَكَيْفَ بِالْمُسْلِمِ فَكَيْفَ بِالتَّقِيِّ الصَّالِحِ۔ (۲)

جب چوپایوں کے ناحق مار ڈالنے کی ممانعت ہے اور اس سلسلہ میں وعیدیں ہیں، تو پھر سوچئے کہ انسان کے ناحق قتل کی کتنی اہمیت ہوگی، اور اس سے بڑھ کر مسلمانوں کے قتل کی اور اس سے بڑھ کر خدا ترس اور نیکوکار کے قتل کی۔

اسلام سب سے پہلے دل پر قبضہ کرتا ہے اور ہر چیز کی اہمیت سب سے پہلے دل ہی میں جاگزیں کرنے کی سعی کرتا ہے، چنانچہ اس سلسلہ میں اس نے پہلے اپنا سارا زور اسی پر صرف کیا ہے کہ انسان کے رگ و ریشہ میں یہ بات پیوست ہو جائے کہ انسانی جان کی بڑی قیمت ہے اور اس کی حفاظت ہر شخص کا دینی، اخلاقی اور انسانی فریضہ ہے۔

---

(۱) فتح الباری: کتاب الدیات، باب قوله الله تعالى: ومن يقتل مؤمنا متعمدا، ج:۱۲ ص۱۸۹

(۲) فتح الباری: کتاب الدیات، باب قوله الله تعالى: و من يقتل مؤمنا متعمدا، ج۱۲ ص۱۸۹

دین قیم کے یہ وہ زریں اصول ہیں جن اصول کے قلب میں راسخ ہو جانے کے بعد ساری عداوتوں کے باوجود مسلمان ایک لمحہ کے لئے قتل ناحق کے مسئلہ میں تذبذب کے اندر مبتلا نہیں ہوتا، بلکہ پوری عزت کے ساتھ اس سے اپنی بے زاری کا اعلان کرتا ہے۔

قتل کی سزا اسلام میں

مگر بایں ہمہ انسان، انسان ہے فرشتہ نہیں، کبھی وہ ان تمام حقائق کے باوجود شیطانی وساوس میں گرفتار ہو کر جو نہ کرنا چاہیے وہ کر گزرتا ہے، مختلف محرکات میں جو تھوڑی دیر کے لئے اس کی عقل پر پردہ ڈال دیتے ہیں، اور دین قیم کی روشنی کے باوجود وہ اپنے آپ کو تاریکی میں محسوس کرتا ہے، اور ناجائز قتل وخون ریزی پر اتر آتا ہے، اسلام نے انسان کی ان نفسیاتی بیماریوں کے پیش نظر شہری قانون بھی نافذ کیا ہے کہ اگر وہ خدانخواستہ اپنے ہاتھوں کو خون آلودہ کر لے تو اس کی ایسی سزا ہونی چاہیے جو آئندہ دوسروں کے لئے عبرت ناک ہو۔

قصاص اور اس کی نوعیت

اسلام نے ایسے موقع کے لئے قصاص کی سزا نافذ کی ہے، ارشادِ ربانی ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَ الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ (البقرۃ :۱۷۸)

مسلمانو! مقتولین کا قصاص (خون کا عوض) ان پر فرض کیا گیا ہے، آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام، اور عورت کے عوض عورت۔

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کا تفسیری ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

اے ایمان والو! تم پر قانونِ قصاص فرض کیا جاتا ہے، مقتولینِ عمد کے بارے میں، یعنی ہر آزاد آدمی قتل کیا جائے، ہر دوسرے آزاد آدمی کے عوض میں، اور اسی طرح ہر غلام دوسرے غلام کے عوض میں، اور اسی طرح ہر عورت دوسری

عورت کے عوض میں۔ گویہ قاتلین بڑے درجہ کے اور مقتولین چھوٹے درجوں کے ہوں جب بھی سب کو برابر سمجھ کر قصاص لیا جائے گا، یعنی قاتل سزا میں قتل کیا جائے گا۔(۱)

قصاص میں عدل و مساوات

اس آیت کے سلسلہ میں امام ابو بکر جصاص رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَهَذِهِ الْآيَةُ تَدُلُّ عَلَى قَتْلِ الْحُرِّ بِالْعَبْدِ، وَالْمُسْلِمِ بِالذِّمِّيِّ، وَالرَّجُلِ بِالْمَرْأَةِ لِمَا بَيَّنَّا مِنْ اقْتِضَاءِ أَوَّلِ الْخِطَابِ إِيجَابَ عُمُومِ الْقِصَاصِ فِي سَائِرِ الْقَتْلَى.(۲)

یہ آیت بتاتی ہے کہ غلام کے بدلہ میں آزاد، ذمی کے بدلہ میں مسلمان اور عورت کے بدلہ میں مرد قتل کیا جائے گا، جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ خطاب کے ابتدائی حصہ کا اقتضاء تمام مقتولین میں قصاص کا وجود ہے۔

قصاص میں عدل و مساوات کی صراحت اس آیتِ قرآنی میں موجود ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَ الْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَ الْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَ الْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ؕ (المائدۃ :۴۵)

اور ہم نے اس میں ان پر لکھ دیا کہ جان کے بدلہ جان اور آنکھ کے بدلہ آنکھ اور ناک کے بدلہ ناک اور کان کے بدلہ کان اور دانت کے بدلہ دانت اور اسی طرح خاص زخموں کا بھی بدلہ ہے۔

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

---

(۱) بیان القرآن: سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۷۸ کے تحت، ج ۱ ص ۱۱۲

(۲) احکام القرآن للجصاص: سورۃ البقرہ آیت نمبر ۱۷۸ کے تحت ج ۱، ص ۱۶۴

النفس بالنفس میں آزاد اور غلام، اور مسلمان اور کافر ذمی، اور مرد اور عورت اور کبیر اور صغیر اور شریف اور رذیل اور بادشاہ اور رعیت سب داخل ہیں۔ (۱)

قصاص عہدِ نبوی میں

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک مسلمان عورت کو ایک یہودی نے قتل کر ڈالا، اس کے قصاص میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قاتل یہودی کو قتل کیا:

قَتَلَ يَهُودِيًّا بِجَارِيَةٍ قَتَلَهَا عَلَى أَوْضَاحٍ لَهَا. (۲)

اسی طرح حدیث میں ہے کہ خدمتِ نبوی میں ایک مسلمان پیش کیا گیا جس نے ایک ذمی کافر کو قتل کر دیا تھا، آپ کے حکم سے قصاص میں وہ قاتل مسلمان قتل کیا گیا:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُتِيَ بِرَجُلٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ قَدْ قَتَلَ مُعَاهَدًا مِنْ أَهْلِ الذِّمَّةِ فَأَمَرَ بِهِ فَضُرِبَ عُنُقُهُ وَقَالَ أَنَا أَوْلَى مَنْ وَفَّى بِذِمَّتِهِ. (۳)

قصاص میں یہ شرط نہیں ہے کہ مقتول ذات وصفات میں قاتل کے بالکل برابر ہو، چنانچہ صحیح وسالم اعضاء والا اس شخص کے قصاص میں قتل کیا جائے گا جس کے اعضاء کٹے ہوئے ہوں، یا جس کے اعضاء شل ہوں۔ اسی طرح جاہل کے قصاص میں عالم، کمینے کے قصاص میں شریف، مجنون کے قصاص میں عاقل، بیمار کے قصاص میں تندرست، اور بچے کے قصاص میں بالغ قتل کیا جائے گا:

وَلَا يُشْتَرَطُ أَنْ يَكُونَ الْمَقْتُولُ مِثْلَ الْقَاتِلِ فِي كَمَالِ الذَّاتِ، وَهُوَ سَلَامَةُ الْأَعْضَاءِ، وَلَا أَنْ يَكُونَ مِثْلَهُ فِي الشَّرَفِ وَالْفَضِيلَةِ فَيُقْتَلُ سَلِيمُ الْأَطْرَافِ بِمَقْطُوعِ الْأَطْرَافِ، وَالْأَشَلِّ، وَيُقْتَلُ الْعَالِمُ

(۱) بیان القرآن: سورہ مائدہ آیت نمبر ۴۵ کے تحت، ج ۱ ص ۴۷۹

(۲) صحیح البخاری: کتاب الدیات، باب قتل الرجل بالمرأۃ، ج ۹ ص ۷ رقم الحدیث: ۶۸۸۵

(۳) شرح معانی الآثار: کتاب الجنایات، باب المؤمن یقتل الکافر متعمدا، ج ۳ ص ۱۹۵، رقم الحدیث: ۵۰۴۵

بِالْجَاهِلِ، وَالشَّرِيفُ بِالْوَضِيعِ، وَالْعَاقِلُ بِالْمَجْنُونِ، وَالْبَالِغُ بِالصَّبِيِّ.[1]

اگر ان مذکورہ اوصاف میں مساوات کا لحاظ کیا جائے تو قصاص کا قانون ہی سرے سے نافذ العمل باقی نہیں رہے گا، اسی وجہ سے جان کے معاملہ میں ان اوصاف وکمالات کا لحاظ نہیں کیا گیا، بلکہ جان اور اس کی قیمت کا لحاظ قانوناً تسلیم کیا گیا ہے۔

قصاص کا فائدہ

اسلام نے یہ قانون قصاص اس لئے بنایا ہے کہ قتل اور اس طرح کے دوسرے جرائم کے مرتکب اپنے جرائم کی پوری پاداش پائیں، ان میں جو زندہ ہیں وہ خود ورنہ دوسرے اس سزا کو دیکھ کر عبرت حاصل کریں اور آئندہ ظلم وزیادتی کی ان میں کوئی جرأت پیدا نہ ہوسکے۔ دوسری طرف اس کا فائدہ یہ پہنچے کہ مقتولین کے ورثاء ومعاونین اور مجروحین کا غیظ وغضب اور جذبہ انتقام ٹھنڈا پڑ جائے، اور ان میں ردِّ عمل اور انتقام آگ بھڑک کر خرمنِ امن وامان کو خاکستر نہ بنائے، یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک نے قصاص کو ''حیات'' سے تعبیر کیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يَّاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ (البقرة)

اور اے صاحبانِ عقل! اس حکمِ قصاص میں تمہاری زندگی اور بقا ہے، امید ہے کہ تم لوگ ناحق خون ریزی سے بچو گے۔

قصاص میں حکمت

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَفِي شَرْعِ الْقِصَاصِ لَكُمْ، وَهُوَ قَتْلُ الْقَاتِلِ حِكْمَةٌ عَظِيْمَةٌ وَهِيَ بَقَاءُ الْمُهَجِ وَصَوْنُهَا، لِأَنَّهُ إِذَا عَلِمَ الْقَاتِلُ أَنَّهُ يُقْتَلُ انْكَفَّ عَنْ صَنِيعِهِ، فَكَانَ فِي ذٰلِكَ حَيَاةٌ لِلنُّفُوسِ.[2]

---

(۱) بدائع الصنائع: كتاب الجنايات، وجوب القصاص وشرائطه، ج۷ ص۲۳۷

(۲) تفسير ابن كثير: سورة البقرة آیت نمبر ۱۷۹ کے تحت، ج۱ ص۳۶۰

قصاص کی مشروعیت یعنی قاتل کو قتل کرڈالنے میں عظیم الشان حکمت ہے، اور وہ جان کی حفاظت اور اس کی بقاء ہے، اس طرح سے کہ جب قاتل کو یہ یقین ہو جائے گا کہ وہ بھی قصاص میں قتل کیا جائے گا تو وہ اپنے ارادہ جرم سے رُک جائے گا۔ اور اس طرح ہر چیز لوگوں کے لئے باعثِ حیات بن جائے گی۔

امام ابو العالیہ رحمہ اللہ کا بیان ہے:

قَالَ اَبُو الْعَالِيَةِ :جَعَلَ اللّٰهُ الْقِصَاصَ حَيَاةً، فَكَمْ مِنْ رَجُلٍ يُرِيدُ اَنْ يَقْتُلَ فَتَمْنَعُهُ مَخَافَةَ اَنْ يُقْتَلَ. (۱)

اللہ تعالیٰ نے قصاص میں زندگی رکھی ہے اس لئے کہ کتنے ہی جو قتل کا ارادہ کرتے ہیں مگر یہ خوف ان کو روک دیتا ہے کہ پھر وہ بھی بدلے میں قتل کیا جائے گا۔

ابھی ہندو پاک میں رَدِّعمل کے نام پر لاکھوں ہندو مسلم خاک وخون میں تڑپے، یہ صرف نتیجہ تھا اس جذبہ انتقام کا جو انسان کی رگ رگ میں سرایت ہے۔ اگر دونوں حکومتیں قاتلین کو واجب سزائیں دیتیں تو یہ تعداد سینکڑوں سے آگے نہ بڑھتی، اس لئے کہ مقتولین کے ورثاء اور ہمدردوں کو یہ دیکھ کر تسکین ہوتی کہ حکومت قاتلوں کو ان کے جرم کی سزا خود دے رہی ہے ان کو صبر وتحمل سے کام لینا چاہیے، دوسری طرف شر پسندوں کے حوصلے پست ہوتے اور ان کی ہمتیں ٹوٹ جاتیں۔

ورثاءِ مقتولین کو ہدایت

۱اسلام سے پہلے جیسا کہ پہلے اشارہ کر آیا ہوں، انتقام کے نام پر خون ریزی کا بازار گرم رہا کرتا تھا، اسلام نے قصاص کا عدل پرور قانون نافذ کر کے اس مرض کا خاتمہ کر دیا، قرآن نے جہاں جہاں قصاص کا قانون بیان کیا ہے وہاں پوری قوت سے ورثائے مقتولین کو زیادتی سے منع بھی کیا ہے، چنانچہ آیت ”كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ“ کے آخر میں یہ بھی

---

(۱) تفسیر ابن کثیر: سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۱۷۹ کے تحت، ج ۱ ص ۳۶۰

اعلان فرمایا گیا:

فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (البقرۃ)

پھر جو شخص اس آسانی کے بعد زیادتی کرے گا تو اس کی دردناک عذاب ہوگا۔

مشرکین سے قتال کا جہاں ذکر کیا گیا وہاں بھی صراحت کی گئی ہے کہ زیادتی نہ ہونے پائے بس برابر سرابر ہو:

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ (البقرۃ)

حرمت والا مہینہ بدلا (مقابل) ہے حرمت والے مہینے کا، اور ادب واحترام بدلے کی چیزیں ہیں، جو کوئی تم پر زیادتی کرے تم اس کو اس زیادتی کی سزا دو، جیسی زیادتی اس نے تم پر کی ہے، اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ ڈرنے والوں کے ساتھ ہے۔

وَهٰذِهِ الشُّرُوطُ وَالْآدَابُ لَا تُوجَدُ إِلَّا فِي الْإِسْلَامِ، وَلِذٰلِكَ قَالَ تَعَالٰى بَعْدَ شَرْحِ الْقِصَاصِ وَالْمُمَاثَلَةِ :(وَاتَّقُوا اللّٰهَ) فَلَا تَعْتَدُوا عَلٰى اَحَدٍ وَلَا تَبْغُوا وَلَا تَظْلِمُوا فِي الْقِصَاصِ بِاَنْ تَزِيدُوا فِي الْاِيذَاءِ۔ (۱)

یہ آداب وشرائط اسلام کے سوا اور کہیں نہیں پائے جاتے ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قصاص ومماثلت کا حکم بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اللہ سے ڈرو، کسی پر ظلم اور زیادتی نہ کرو، اسی طرح قصاص میں ظلم وجور پر نہ اتر آؤ کہ تم اذیت دینے میں آگے بڑھ جاؤ۔

---

(۱) تفسیر المنار: سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۱۹۴ کے تحت، ج۲ ص ۱۷۱

ایک غلط فہمی اور اس کا ازالہ

اسلام نے قصاص میں جس عدل و مساوات کا ثبوت دیا یہ بس اس کا حصہ ہے، اور جن آداب و شرائط کا لحاظ رکھا ہے یہ اسلام ہی میں پایا جاتا ہے، کہیں اور ڈھونڈے نہیں مل سکتا، مگر بایں ہمہ کچھ لوگ اپنی کم فہمی سے اسلام کے اس قانون پر کہتے ہیں کہ قاتل کی جان لینا بہت بڑا ظلم ہے، ان کا منشاء یہ ہے کہ قتل کے بجائے اسے جیل کی سزا دی جاتی، اور وہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح ملک کی ایک جان سزا پا کر پھر کار آمد ہو سکتی ہے، یہ نادان نہیں سمجھتے کہ جس نے اتنا بڑا ظلم کیا ہے حکومت اس کے کھلانے پلانے، اس کے رہنے سہنے، اور نگرانی پر برسوں روپیہ خرچ کرتی رہے، اور پھر وہاں سے آکر یہی کارروائی کرتا پھرے، یہ کون سی دانشمندی ہے۔

جن لوگوں کو جماعتی نظام کا تجزیہ ہے وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ملک سے فتنہ و فساد اور قتل و خون ریزی کا بند کیا جانا اگر ضروری ہے تو اس کی صورت اس عدل و مساوات والے قصاص سے بہتر کوئی اور نہیں ہو سکتی، بد بخت افراد اگر یہ سن لیں کہ قتل کے بدلہ میں قتل کی سزا نہیں دی جاتی ہے، بلکہ صرف کچھ دنوں کے لئے جیل میں بھیج دیا جاتا ہے تو دنیا جانتی ہے کہ وہ جرم پر اور جری ہو جائیں گے، اور ملک میں اودھم مچاتے پھریں گے، بلکہ کہتے پھریں گے کہ چلو فلاں کو مار ڈالو، جیل میں جا کر بھی کھانا، کپڑا اور رہنے کا گھر ملے گا، اور کچھ دنوں بعد وہاں کی زندگی کے عادی ہو جائیں گے۔

پھر ادھر مقتولین کے وارث و حامی بھی چین سے نہیں بیٹھیں گے، کیونکہ ان کے جذباتِ انتقام کی تسکین کا کوئی سامان نہیں ہوا۔

یہ موقع پا کر قتل و خون ریزی شروع کر دیں گے، اور سود در سود بدلہ وصول کرنے کی سعی کریں گے، آزادی کے بعد آزاد بھارت میں قتل و خون ریزی کا کئی گنا اضافہ اپنی آنکھوں سے ہم دیکھ رہے ہیں، اس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ فسادیوں نے سمجھ لیا

ہے کہ بدلہ میں قتل تو ہونا نہیں، زیادہ سے زیادہ کچھ سزا ہو جائے گی، گو اس کی نوبت بھی شاید ہی آتی ہے۔

جرائم اور سزائیں

اسلام میں دو طرح کی سزائیں ہیں، ایک کی تعبیر ''حدود'' سے کی جاتی ہے اور دوسرے کی ''تعزیر'' سے، جن جرائم کی سزائیں قرآن واحادیث میں صراحت کے ساتھ متعین ہیں وہ تو حدود میں داخل ہیں، اور جن جرائم کی سزائیں متعین نہیں ہیں بلکہ امام وامیر کی رائے پر ہوں وہ تعزیر ہیں۔

قصاص حدود میں داخل ہے، یعنی یہ سزا رب العزت کی طرف سے متعین ہے کہ قاتل کو جرم کے ثابت ہو جانے یا اقرار کے بعد قتل کر دیا جائے۔ اس سزا میں کسی انسان کے لئے جائز نہیں ہے کہ اپنی طرف سے ردو بدل کرے، خواہ امیر المؤمنین ہو یا اس کا نائب، بلکہ وہ اس کے اجراء پر مجبور ہے، اگر وہ قانونی دائرہ میں رہ کر ایسا نہیں کرتا تو عند اللہ مجرم ہے۔

اس وضاحت کے بعد یہ بات بڑی آسانی سے ذہن نشین ہو جانی چاہیے کہ قاتل کے لئے قصاص کی سزا ہر طرح مناسب اور جرم کے مطابق ہے۔

احسانِ خداوندی

رب العزت کا ہم پر یہ بڑا احسان ہے کہ اس نے خود سزا کی تعیین فرمادی اور ہمیں اس بار سے سبکدوش کر دیا، ہماری عقل کو امتحان میں نہیں ڈالا ورنہ بہت ممکن تھا اس سلسلہ میں ہم سے کوئی لغزش ہو جاتی، یا یہ مسئلہ ہمارے لئے باعث نزاع بن جاتا جیسا کہ اس دور میں اکثر دیکھا جا رہا ہے۔

ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ قاتل اور اس کے حامیوں کے دلوں میں حاکموں کی طرف سے نفرت وانتقام کا جو جذبہ پرورش پا سکتا تھا وہ سرے سے ختم ہو گیا، کیونکہ وہ سب جانتے ہیں کہ انہوں نے قانون بنایا نہیں بلکہ نافذ کیا ہے، اور اس نفاذ پر وہ مجبور ہیں خود مختار نہیں۔

جرائم اور ان کی سزائیں

اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ سزائیں جرائم کے سلسلہ میں اس قدر ٹھوس اور محکم بنیاد پر قائم ہیں کہ کہیں سے ان میں خامی اور کمزوری کا نام ونشان تک نہیں ہے، اور ان کے اجراء کے بعد غیر ممکن ہے کہ جرم کی رفتار وہی باقی رہے جو پہلے تھی، اس لئے کہ رب العلمین نے ہر ایک جرم کی سزا متعین کی ہے، اس سے انسانی دل ودماغ متاثر ہوتا ہے اور جرم کے ارتکاب کی جرأت باقی نہیں رہتی ہے، بلکہ مجرم گھبرانے لگتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ سزا انسانی نفسیات کے مطابق ہے، علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے درست لکھا ہے:

وَرَتَّبَ عَلَى كُلِّ جِنَايَةٍ مَا يُنَاسِبُهَا مِنَ الْعُقُوبَةِ وَيَلِيقُ بِهَا مِنَ النَّكَالِ.[1]

ہر جرم کی سزا بالکل اس کے مناسب تجویز کی گئی ہے، اور اس کو یہی سزا ملنی چاہیے۔

قتل کی شناعت

جرائم کی فہرست سامنے رکھ کر سوچا جائے کہ کسی شخص کا ناحق قتل کرنا کتنا بڑا جرم ہے عقل اگر بتائے کہ یہ جرم سب سے بڑھ کر ہے، قاتل نے واقعی اپنے اس ناجائز فعل سے امن وامان کی دیوار میں شگاف ڈالا ہے، ملک میں خوف وہراس پھیلایا ہے، اور اس کے اس بُرے فعل سے مقتول اور اس کے وارثوں کو نقصان پہنچا ہے جو ناقابلِ تلافی ہے، کیونکہ اس کی وجہ سے اس کے احباب کی بزم سوزگوار ہوئی، اس کے گھر میں ویرانی آئی اور ان سب سے بڑھ کر ملک کی ایک قیمتی جان مفت ضائع گئی، جس سے ممکن تھا قوم وملک کو مستقبل میں بے حد فائدہ پہنچتا، پھر فیصلہ کرنا چاہیے کہ اس کی جو سزا اسلام نے مقرر کی ہے اس میں افراط وتفریط کا کوئی شائبہ ہے یا نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اسلام نے جو سزا متعین کی ہے وہ ہر پہلو سے مناسب ہے اور ذرہ برابر اس میں کوئی افراط وتفریط نہیں ہے، اگر اس جرم عظیم کی یہ سزا نہ ہوتی تو البتہ کمی ہوتی۔

---

(۱) إعلام الموقعين : فصل حكمة قطع يد السارق دون لسان القاذف، ج۲ ص۷۳

اجرائے قصاص کے شرائط

قصاص کا اجراء ہر ایک کے لئے جائز نہیں ہے بلکہ یہ حق صرف اسلامی حکومت کو حاصل ہے، اور حکومت بھی اس وقت یہ سزا دے گی جب معاملہ پوری تحقیق ہو جائے اور ثبوت یا اقرار سے قاتل کا جرم ثابت ہو جائے اور اس میں کوئی اشتباہ باقی نہ رہے۔

مختصر یہ کہ کتاب وسنت کی روشنی میں جب قاتل کا قتل کرنا ثابت ہو جائے اور عدالت اس سلسلہ میں دوٹوک فیصلہ سنا دے تو اس وقت پھر کوئی طاقت قاتل کو قصاص سے نہیں بچا سکتی۔

ولیٔ مقتول کے اختیارات

قاتل کے قتل کا جب فیصلہ سنا دیا جائے گا تو اس وقت مقتول کے ولی کو اختیار دیا جائے گا کہ وہ خود تلوار ہاتھ میں لے اور قاتل کو اپنے ہاتھ سے قتل کر کے تسکین خاطر کرے، یا پھر اگر وہ کسی وجہ سے خود قتل کی جرأت نہیں کر سکتا تو کسی اور کے سپرد کر دے تا کہ وہ اس کی طرف سے قاتل کو قتل کرے:

وَلَهُ اَنْ يَقْتُلَ بِنَفْسِهِ وَبِنَائِبِهِ بِاَنْ يَأْمُرَ غَيْرَهُ بِالْقَتْلِ؛ لِاَنَّ كُلَّ اَحَدٍ لَا يَقْدِرُ عَلَى الِاسْتِيفَاءِ بِنَفْسِهِ اِمَّا لِضَعْفِ بَدَنِهِ اَوْ لِضَعْفِ قَلْبِهِ اَوْ لِقِلَّةِ هِدَايَتِهِ اِلَيْهِ، فَيَحْتَاجُ اِلَى الْاِنَابَةِ، اِلَّا اَنَّهُ لَا بُدَّ مِنْ حُضُورِهِ عِنْدَ الْاِسْتِيفَاءِ[1]

اس (ولی مقتول) کو حق ہے کہ خود قتل کرے یا اپنے نائب کے ذریعہ قتل کرائے، اس طرح کہ وہ اپنے سوا کسی اور کو اپنی طرف سے قتل کرنے کا حکم دے، کیونکہ ہر شخص بذاتِ خود قتل پر قدرت نہیں رکھتا ہے، اس کی کئی وجہیں ہوتی ہیں، کبھی بدن یا قلب کا ضعف ہوتا ہے، اور کبھی اس سلسلہ کی معلومات جیسا چاہیے حاصل نہیں ہوتیں، ایسی حالت میں نائب بنانا ناگزیر ہوتا ہے، لیکن اتنا پھر بھی ضروری ہے کہ وہ قتل کرنے کے وقت خود موجود ہے۔

---

(۱) بدائع الصنائع: کتاب الجنایات، فصل فی بیان مایسقط القصاص بعد وجوبه، ج۷ ص۲۴۶

اِزالۂ شبہات

قصاص کے سلسلہ میں جن لوگوں کا یہ اشکال پیش آیا ہے کہ قاتل کو قتل کرنا، حفاظت جان نہیں ہے بلکہ خون ریزی میں اضافہ ہے۔ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے بڑی عمدہ بات لکھی ہے، وہ فرماتے ہیں:

چونکہ اس مسئلہ کے ہر پہلو پر ان لوگوں نے غور نہیں کیا اس لئے شبہات وشکوک کے دلدل میں پھنس گئے، ورنہ کون نہیں جانتا کہ کسی ملک میں قتل وخون ریزی کا پایا جانا ملک اور قوم دونوں کے لئے مہلک ہے۔

جرم پایا جائے اور سزا نہ دی جائے، یا سزا تو دی جائے مگر وہ جرم کے مطابق نہ ہو، ان دونوں صورتوں میں امن وسکون کا باقی رہنا مشکل ہے۔ پھر نہ حکومت کا وقار باقی رہ سکتا ہے اور نہ پبلک کا احترام۔

جرائم پیشہ دندناتے پھریں گے اور رعایا تمام کاروبار سے کنارہ کش ہو کر گھروں میں روپوش ہو جائے گی، اس کا کسی قوم اور ملک کے حق میں جو نتیجہ ہو سکتا ہے اسے بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ کوئی جرم اس وقت بند ہو سکتا ہے جب اس کی سزا جرم کے اندازے سے ہو، اور وہ لوگوں کے لئے باعث عبرت بن سکے۔ (۱)

ملکی مفاد کی حیثیت

قتل وخون ریزی ایک تو اپنی نوعیت کا سب سے بڑا جرم کہ اس کی وجہ سے انسانی جان برباد نہ ہو، دوسرے ملک میں کوئی آزادی سے چل پھر نہیں سکتا۔ ایسے جرم کو بند کرنے کے لئے قاتل کے قتل کر دینے کو برداشت کرنا ضروری ہے کہ ایک شخصی نقصان ہے، اور قوم و ملک کے سکون کے آگے اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

اس بات پر دنیا کے سارے عقلاء متفق ہیں کہ ملکی مفاد کے لئے شخصی نقصان ناگزیر طور

---

(۱) إعلام الموقّعين: ولكم فى القصاص حياة، ج۲ ص ۱۶۲، ۱۶۳

پر برداشت کیا جائے گا، کسی بھی سر پھرے کو ملک میں قانون شکنی، فساد مچانے اور بغاوت کی اجازت نہیں دی جائے گی، اگر کوئی اس کے خلاف رائے کہتا ہے تو اسے اپنی حماقت پر ماتم کرنا چاہیے۔

سزا کی نوعیت

یہ بھی کوئی بات ہے کہ جرائم متفاوت ہوں اور سزائیں سب کی ایک، یا جرم ایک ہو اور سزائیں متفاوت، عقل کا تقاضا یہ ہے کہ سزا ہمیشہ جرم کے مطابق تجویز کی جائے تا کہ حکمت وانصاف کا تقاضا پورا ہو سکے۔ شریعت کا یہی فیصلہ ہے کہ سزا جرم کے مطابق ہو اور قانون میں امیر وغریب، شاہ وگدا، شریف وکمینہ اور اونچ نیچ کی کوئی تمیز نہیں ہو، بلکہ جو بھی جرم کا ارتکاب کرے اسے واقعی سزا دی جائے۔

قصاص عقل کی روشنی میں

اسلام نے سزائیں جرم کے اندازے سے مقرر کی ہیں جس میں دُرّے سے لے کر قتلِ نفس تک کی سزائیں ہیں۔ چنانچہ جب جرم اپنی انتہاء کو پہنچ جاتا ہے اور اس جرم کی قباحت حد سے بڑھ جاتی ہے تو ایسے موقع پر اسلام اتلافِ جان کی سزا تجویز کرتا ہے، جیسے کوئی کسی کو ناحق قتل کر ڈالے، یا کوئی مسلمان دین حق سے پھر جائے، یا ایسے جرم کا ارتکاب کرے جس کا ضرر غیر محدود نہ ہو، تو ان صورتوں میں مجرم کی سزا یہی اتلافِ جان ہے۔

جن ظاہر بین نگاہوں میں یہ سزا پسندیدہ نہیں ہے ان کو غور کرنا چاہیے کہ سزا تو بہر حال محدود ہے لیکن اس سے متعلق جو مصلحتیں اور فوائد ہیں وہ کس قدر زیادہ ہیں۔ قرآنِ پاک نے اپنے معجزانہ انداز میں اسی کو بیان کیا ہے:

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۝ (البقرة)

اے صاحبانِ عقل! اس حکم قصاص میں تمہاری زندگی اور بقاء ہے، اُمید ہے کہ تم ناحق خون ریزی سے بچتے رہو گے۔

قصاص طہارت ہے

یعنی اگر قصاص کا خدائی قانون نہ ہوتا تو پورا عالم تہس نہس ہو جاتا، اور خود انسانوں میں سے بعض، بعض کو موت کے گھاٹ اتارنے میں ذرہ برابر دریغ نہیں کرتے، کوئی اقدامی حملہ کرتا اور کوئی رَدِّ عمل کے نام پر۔ قصاص کا قانون دراصل انہی اقدامی اور رَدِّ عمل کے نام پر ہونے والی خون ریزی اور اس کے مفاسد کا سدباب ہے۔

انسان کے مفاد کے لئے جانوروں کا ذبیحہ

اتلافِ جان کی یہی ایک صورت نہیں ہے کہ جسے دیکھ کر کچھ لوگ چیخنے لگتے ہیں۔ آخر جانوروں کے اندر بھی جان ہے، مگر کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ بہت سے جانور انسان کی راحت اور اس کی مصلحت کی خاطر بے دردی سے ذبح کر دیئے جاتے ہیں اور کوئی بھی اسے برا نہیں سمجھتا بلکہ وہ اپنا حق سمجھتا ہے، مگر اسلام جب کہتا ہے کہ صالح افراد کی جان اور ملکی امن وامان کی خاطر قاتل کو قتل کر دیا جائے تو کچھ لوگوں کو یہ مسئلہ قابلِ اعتراض نظر آنے لگتا ہے، اور وہ قاتل کو بے گناہ صالح افراد کے برابر منوانے کے لئے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ حالاں کہ یہ سب جانتے ہیں کہ قوم وملک کی خوش گوار زندگی کا دارومدار ملکی امن وامان پر ہی ہے، اگر ایسا نہ کیا جائے تو زمین باوجود وسعت کے اہلِ زمین پر تنگ ہو جائے۔

قاتل کی زیادتی

پھر قاتل نے جس کی جان لی ہے اس کے متعلق کبھی آپ نے غور کیا کہ اس کی قدر وقیمت اللہ تعالیٰ کی نظر میں کیا ہے۔

خود قاتل کو بھی اپنی جگہ سوچنا چاہیے کہ اس کے جرم کی وجہ سے قوم وملک کا اطمینان وسکون جاتا رہا، امن وامان کی مٹی پلید ہوئی اور ملک کا حسین چہرہ داغ دار ہو گیا، تو اس کی حیثیت کیا باقی رہ گئی، کیا اس کے بعد اس شخص کے برابر قرار دیا جا سکتا ہے جو جرم سے پاک ہے؟

تاریخ بتاتی ہیں کہ جن ملکوں میں قصاص کا قانون باقی نہیں رکھا گیا، اس میں نرمی اور

پہلوتہی سے کام لیا گیا، ان سے سکون واطمینان اور امن وامان مٹ کر رہا، اور دیر سویر وہاں کی حکومت برباد ہو کر رہی۔

اجرائے قصاص میں کوتاہی کا گناہ

قانونِ اسلام میں جائز نہیں ہے کہ جرم کے ثابت ہو جانے کے بعد سزا میں کوتاہی کی جائے بلکہ جو ایسا کرتا ہے وہ مجرم ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

وَمَنْ قُتِلَ عَمْدًا فَهُوَ قَوَدٌ ...وَمَنْ حَالَ دُونَهُ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَغَضَبُهُ، لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ. (۱)

جو شخص عمداً قتل کرے اس میں قصاص ہے، اور جو قصاص میں حائل ہو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور اس کا غضب ہے، نہ اس کے اس باب میں فدیہ قبول کیا جائے گا اور نہ کوئی سفارش۔

قصاص کے جاری کرنے میں جو مانع ہے وہ اسلام کی نظر میں سخت مجرم اور قابلِ ملامت ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَمَنْ حَالَتْ شَفَاعَتُهُ دُونَ حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللّٰهِ فَقَدْ ضَادَّ اللّٰهَ فِي حُكْمِهِ. (۲)

جس کی سفارش اللہ کے حدود میں سے کسی حد میں مانع بنے (تو وہ ایسا ہے) کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے فیصلہ میں اس کی مخالفت کی۔

---

(۱) سنن ابی داود : کتاب الدیات، باب من قتل فی عِمِّيَّا بين قوم، ج۴ ص۱۸۳، رقم الحدیث: ۴۵۳۹

(۲) السنن الکبری للبیهقی : کتاب الأشربة، باب ما جاء فی الشفاعة بالحدود، ج۸ ص۵۷۶، رقم الحدیث: ۱۷۶۱۸

حد میں خلل اندازی

حدود کے اجراء میں جو شخص یا جماعت مانع بنے اس کے مجرم ہونے میں شبہ بھی کیا ہو سکتا ہے، جب کہ حدود کے اجراء سے امن و امان قائم اور باقی رہتا ہے، کائناتِ انسانی اطمینان و سکون کا سانس لیتی ہے، اور روئے زمین سے فتنہ و فساد کی بیخ کنی کو مدد پہنچتی ہے، جو کوئی اس میں خلل ڈالتا ہے امن و امان کو تہہ و بالا کرتا ہے اور جنگ و جدال اور شر و فساد کو دعوت دیتا ہے، کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ اگر مجرمین کو سزا نہ دی جائے تو ملک کا نظام درہم برہم اور کمزور و ناتواں کا جینا مشکل ہو جائے گا۔ اجرائے حدود کے انہی بے شمار فوائد کے پیش نظر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِقَامَةُ حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللّٰهِ، خَيْرٌ مِنْ مَطَرِ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً فِي بِلَادِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ.(۱)

اللہ تعالیٰ کی قائم کی ہوئی حدود میں کسی ایک حد کا بھی قائم کرنا شہروں میں چالیس رات بارش سے زیادہ نفع بخش ہے۔

اگر آسمانی بارش شہروں کو زندگی بخشتی ہے، پودے اور زراعت کو غذا عطا کرتی ہے اور مخلوقِ خدا کی راحت و عافیت کا سامان فراہم کرتی ہے، تو اجرائے حدود حیاتِ انسانی کی حفاظت کرتا ہے، لہٰذا انصاف یہ ہے کہ حدود جاری کئے جائیں اور انسانی جان سے کھیلنے والوں کے حوصلے پست کئے جائیں اور انہیں چھوٹ نہ دی جائے۔

قصاص صحابہ کرام کی نظر میں

یہ اور اس طرح کی دوسری حدیثیں بکثرت ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جب جرم ثابت ہو جائے تو پھر اس سلسلہ میں سفارش یا کسی اور ذریعہ سے اجرائے قصاص کو روکنے کی سعی نہیں کرنی چاہیے۔ عہد نبوی اور عہد صحابہ میں اس باب میں کسی طرح کی رعایت جائز نہیں

---

(۱) سنن ابن ماجه : كتاب الحدود : باب إقامة الحدود، ج۲ ص۸۴۸، رقم الحديث: ۲۵۳۷

نہیں تھی۔ حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ صنعاء میں ایک شخص کو کئی آدمیوں نے قتل کرڈالا، تفتیش سے سات آدمی مجرم ثابت ہوئے، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان ساتوں کو قتل کرڈالا، اور فرمایا: اگر تمام اہلِ صنعاء اس خون میں شریک ہوتے تو اس ایک شخص کے بدلے میں تمام کو قتل کرڈالتا۔ (۱)

بخاری کے الفاظ یہ ہیں:

لَوِ اشْتَرَكَ فِيهَا اَهْلُ صَنْعَاءَ لَقَتَلْتُهُمْ. (۲)

اگر اس میں تمام اہلِ صنعاء شریک ہوتے تو بلاشبہ میں ان تمام کو قتل کرڈالتا۔

اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ جان کی حفاظت کے سلسلہ میں حکومت کے کیا فرائض ہیں، غور کیجیے کہ ایک جان کے لئے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جیسے مدبر اور دوراندیش حکمران کا بیان ہے کہ اگر صنعاء کی پوری آبادی اس جرم میں شریک ہوتی تو میں ان تمام کو قتل کرڈالتا۔

عدمِ قصاص کا انجام

ہمارے اس دور میں لاکھوں بے قصور جانیں تہ تیغ ہوتی رہتی ہیں مگر کوئی قاتل سے نہیں پوچھتا کہ تو نے یہ جرأت کیوں کی، اور یہی کا نتیجہ ہے کہ قتل وخون ریزی کی وارداتیں دن بدن بڑھتی جارہی ہیں۔

کون نہیں جانتا کہ کچھ انسانی طبیعتیں ایسی بھی پائی جاتی ہیں جو موقع پا کر ظلم وزیادتی سے نہیں چوکتیں اور غصہ کی تیزی ان کے لئے ناقابلِ برداشت ہوتی ہے، اگر ایسے لوگوں کو ڈھیل دی گئی، یا سزائیں نرمی ہوتی گئی تو ملک کا تباہی سے بچنا مشکل ہے۔

---

(۱) موطا مالك: كتاب العقول، باب ما جاء في الغيلة والسحر، ج۲ ص ۸۷۱

(۲) صحيح البخاري: كتاب الديات، باب إذا أصاب قوم من رجل..... الخ، ج۹ ص۸، رقم الحديث: ۶۸۹۶

قاتل کے لئے رحم وکرم کی گنجائش

اسلام کے قانون قصاص میں رحم وکرم کی گنجائش ہے، مگر یہ مقتول کے ولی کی سوابدید پر موقوف ہے، اگر وہ بخوشی قاتل کو معاف کردے اور قصاص کی جگہ دیت قبول کر لے، یا سرے سے قاتل کو معاف کردے، نہ قصاص لے اور نہ دیت، تو اس صورت میں قاتل کی جان بخشی ہوسکتی ہے، قرآن پاک میں جہاں قصاص کا ذکر ہے، یہ بھی صراحت موجود ہے:

فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ۭ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۭ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۸﴾ (البقرۃ)

پھر جس کو معاف کیا جائے اس کے بھائی کی طرف سے تو کچھ تابعداری کرنی چاہیے دستور کے موافق، اور ادا کرنا چاہیے اس کو خوبی کے ساتھ، یہ آسانی ہے تمہارے رب کی طرف سے اور مہربانی، پھر جو زیادتی کرے اس فیصلہ کے بعد تو اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔

شاہانہ ترحم

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ہاں جس قاتل کو اس کے فریق کی طرف سے کچھ معافی ہو جائے، مگر پوری معافی نہ ہو وہ سزائے قتل سے تو بری ہو گیا لیکن دیت یعنی خون بہا کے طور پر ایک معین مقدار مال کی بذمہ قاتل پر واجب ہوگی۔ اس وقت فریقین کے ذمہ ردامر کی رعایت ضروری ہے، مدعی یعنی وارث مقتول کے ذمہ معقول طور پر اس مال کا مطالبہ کرنا کہ اس کو زیادہ تنگ نہ کرے، اور مدعا علیہ یعنی قاتل کے ذمہ خوبی کے ساتھ اس مال کا مدعی کے پاس پہنچا دینا کہ مقدار میں کمی نہ کرے اور خواہ مخواہ ٹال مٹول نہ کرے، یہ قانونِ دیت اور عفو تمہارے پروردگار کی طرف

سے سزا میں تخفیف ہے اور شاہانہ ترحم ہے، ورنہ بجز سزائے قتل کے کوئی گنجائش ہی نہ ہوتی، پھر جو شخص اس قانون کے مقرر ہونے کے بعد تعدی کا مرتکب ہو، مثلاً کسی پر جھوٹا یا اشتباہ میں دعویٔ قتل کر دے، یا معاف کر کے پھر قتل کی پیروی کرے، تو اس شخص کو آخرت میں بڑا دردناک عذاب ہوگا۔ (۱)

قانون میں رعایت

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ بنی اسرائیل میں صرف قصاص تھا دیت نہ تھی، اللہ تعالیٰ نے اس امت پر رحم فرما کر قصاص کے ساتھ دیت کی بھی گنجائش رکھی، مقتول کے وارث قتلِ عمد مین اگر قصاص کے بدلہ میں دیت قبول کرلیں تو قصاص سے قاتل بچ سکتا ہے۔

بلکہ شریعتِ مطہرہ میں اس کی بھی گنجائش رکھی گئی ہے کہ ولی مقتول سرے سے معاف کر دے، نہ قصاص لے اور نہ دیت، اس طرح قاتل اپنے جرم کی سزا سے بالکل محفوظ ہو جائے گا، سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ أُصِيبَ بِقَتْلٍ أَوْ خَبْلٍ، فَإِنَّهُ يَخْتَارُ إِحْدَى ثَلَاثٍ :إِمَّا أَنْ يَقْتَصَّ، وَإِمَّا أَنْ يَعْفُوَ، وَإِمَّا أَنْ يَأْخُذَ الدِّيَةَ. (۲)

جس کو قتل یا زخم کی مصیبت پہنچائی جائے اُسے تین چیزوں میں سے ایک کا اختیار ہے، یا وہ قصاص لے، یا معاف کر دے اور یا وہ دیت قبول کرے۔

وارثِ مقتول کی زیادتی کی روک تھام

ان تین شکلوں کے سوا چوتھی شکل نہیں ہے، سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

مَنْ أُصِيبَ بِدَمٍ أَوْ خَبْلٍ، وَالْخَبْلُ الْجُرْحُ فَهُوَ بِالْخِيَارِ بَيْنَ إِحْدَى

(۱) بیان القرآن: سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۷۸ کے تحت، ج ۱ ص ۱۱۲، ۱۱۳

(۲) سنن ابی داود: کتاب الدیات، باب الإمام یأمر بالعفو فی الدم، ج ۴ ص ۱۶۹، رقم الحدیث: ۴۴۹۶

ثَلَاثٍ، فَإِنْ أَرَادَ الرَّابِعَةَ، فَخُذُوا عَلَى يَدَيْهِ بَيْنَ أَنْ يَقْتَصَّ، أَوْ يَعْفُوَ، أَوْ يَأْخُذَ الْعَقْلَ، فَإِنْ أَخَذَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا، ثُمَّ عَدَا بَعْدَ ذَلِكَ، فَلَهُ النَّارُ خَالِدًا فِيهَا مُخَلَّدًا. (۱)

جسے خون یا زخم کی تکلیف پہنچائی جائے اُسے تین میں سے ایک کا اختیار ہے، لیکن اگر وہ ان کے سوا کسی چوتھی چیز کا ارادہ کرے تو اس کے ہاتھوں کو پکڑلو، وہ تین یہ ہیں کہ قصاص لے یا معاف کردے، یا قصاص معاف کرو اور دیت وصول کرے، ان میں سے کسی ایک صورت کو قبول کرنے کے بعد زیادتی کا کوئی حق نہیں رہتا، ورنہ اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا، جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔

اس حدیث میں صراحت ہے کہ کوئی کسی کو قتل کردے تو ولی مقتول کو حق ہے کہ وہ ان تین صورتوں میں ایک صورت کو اختیار کرکے اپنا حقِ انتقام حاصل کرلے، اور امن وامان کے سلسلہ میں جو ناگواری اور برہمی پیدا ہوگئی ہے اسے سرے سے ختم کردے تاکہ پبلک میں اس ہونے والے ناخوشگوار واقعہ سے کوئی غلط رجحان پرورش نہ پائے، لیکن اگر کوئی ولی مقتول اختیار کے باوجود ان میں سے کوئی صورت قبول نہ کرے اور اس قتل کو بہانہ بناکر ملک یا شہر کی فضا کو مکدر کرنے کی سعی کرے اور فتنے کو ہوا دینے کی تدبیر کرے تو وہ اسلام کی نظر میں سخت مجرم ہے، اور اس کے لئے جہنم کی وعید شدید ہے، اور دنیا میں بھی خلیفہ وقت اسے مناسب سزا دے گا تاکہ اس کی فتنہ پروری سے دوسرے لوگ محفوظ رہیں۔

دیت کا حق

مگر یہ واضح رہے کہ قصاص کی جگہ دیت لینے کا حق ولی مقتول کو قاتل کی رضا سے حاصل ہوگا، یعنی قاتل اس پر مجبور نہیں ہے کہ ولی مقتول دیت کا مطالبہ کرے تو وہ اس کو خواہ مخواہ مان ہی لے، بلکہ اس کی مرضی ہے چاہے دیت ادا کرکے اپنی جان بچالے، چاہے

---

(۱) سنن الدارمی : کتاب الدیات، باب فی قتل العمد، ج۳ ص۱۵۱۷، رقم الحدیث: ۲۳۹۶

قصاص میں قتل ہونے کے لئے اپنے کو پیش کردے، جس طرح قاتل کی خلاصی ولی مقتول کی رضا پر موقوف ہے کہ وہ دیت قبول کر کے یا معافی دے کر قاتل کو قتل سے بچالے۔ کسی ولی مقتول کو دیت قبول کرنے اور قصاص سے درگزر کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

قتلِ عمد اور اسلام

قصاص اور قتل عمد کے سلسلہ میں اختصار کے ساتھ جو کچھ لکھا گیا اس سے یہ بات خوب اچھی طرح واضح ہو کر سامنے آگئی کہ اسلام کا یہ قانون ہر پہلو سے جامع اور مکمل ہے، امن و امان کا پاس، مقتول کے وارثین اور حامیوں کے جذبات کا لحاظ اور خود قاتل کے ساتھ ترحمِ شاہانہ، کوئی ایسا پہلو نہیں ہے جو تشنہ رہ گیا ہو، اور جس پر اسلام نے پوری باریک بینی سے نگاہ نہ رکھی ہو۔

اس سلسلہ میں اسلام نے پہلے اس طرح کی آہنی دیواریں کھڑی کی ہیں کہ قتل پر اقدام کی جرأت نہ ہو، بلکہ تہدید ووعید ہی اس کے ہاتھوں کو شل کردے، پاؤں میں بیڑی ڈال دے اور دل ودماغ پر کنٹرول کرلے، تاکہ امن وامان کی فضا میں برہمی کی سرے سے نوبت ہی نہ آنے پائے۔ لیکن انسان فطرتاً چوں کہ عجلت پسند اور ظلوم وجہول واقع ہوا ہے، اس لئے بایں ہمہ وہ کر گزرنے پر قادر ہے اور ایسا بھی ہوتا رہتا ہے، اس لئے جرم کے ثابت ہوجانے کے بعد قاتل کے لئے معقول سزا تجویز کی گئی تاکہ آئندہ کے لئے روک تھام ہو سکے، اور مجرمین کے حوصلے پست ہوجائیں اور دوبارہ جرم کے ارتکاب کی ان میں جرأت نہ ہو۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَالتَّحْقِيقُ مَا قَالَ بَعْضُ الْمَشَايِخِ إِنَّهَا مَوَانِعُ قَبْلَ الْفِعْلِ زَوَاجِرُ بَعْدَهُ أَيِ الْعِلْمُ بِشَرْعِيَّتِهَا تَمْنَعُ الْإِقْدَامَ عَلَى الْفِعْلِ وَإِيقَاعُهَا بَعْدَهُ يَمْنَعُ مِنَ الْعَوْدِ إِلَيْهِ۔ (۱)

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح: کتاب الحدود، ج٦ ص ۲۳۲۴

تحقیقی بات وہی ہے جو بعض مشائخ نے کہی ہے کہ حدود فعل سے پہلے موانع کا درجہ رکھتے ہیں اور کر گزرنے کے بعد زجر و توبیخ کا، یعنی اس قانون کا علم جرم کے اقدام سے روکتا ہے اور سزا کا وقوع دوبارہ جرأت کا دروازہ بند کرتا ہے۔

قانونِ قصاص فقہاء کی نظر میں

علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ نے بھی حدود کی ان حکمتوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

مَحَاسِنُ الْحُدُودِ اَظْهَرُ مِنْ اَنْ يَذْكُرَهُ الْبَيَانُ اَوْ يَكْتُبَهُ الْبَنَانُ لِاَنَّ الْفَقِيهَ وَغَيْرَهُ يَسْتَوِي فِي مَعْرِفَةِ اَنَّهَا لِلْاِمْتِنَاعِ عَنِ الْاَفْعَالِ الْمُوجِبَةِ لِلْفَسَادِ وَالْمَقْصُودُ مِنْ شَرْعِيَّةِ الْحَدِّ الْاِنْزِجَارُ عَمَّا يَتَضَرَّرُ بِهِ الْعِبَادُ۔ (۱)

حدود کے محاسن و فوائد اس قدر ظاہر و باہر ہیں کہ زبان سے بیان کرنے اور قلم سے لکھنے کی چنداں ضرورت نہیں، اس لئے کہ فقیہ و غیر فقیہ دونوں اس بات کے جاننے میں برابر ہیں کہ یہ حدود انسانوں کو ان افعال سے باز رکھنے کے لئے ہیں جو موجبِ فساد ہیں، قوانینِ حدود کا مقصد ان چیزوں پر تنبیہ اور ڈانٹ پلانا ہے، جس سے بندوں کو نقصان پہنچتا ہے۔

نیز علامہ سرخسی رحمہ اللہ نے جہاں قانونِ قصاص کی حکمت اور اس کے اسباب کو سامنے رکھتے ہوئے قانونِ قصاص کی ضرورت پر روشنی ڈالی ہے، وہاں بجا طور پر لکھا ہے:

اِلَّا اَنَّهُ لَوْ وَقَعَ الْاِقْتِصَارُ عَلَى الزَّجْرِ بِالْوَعِيدِ فِي الْآخِرَةِ مَا انْزَجَرَ اِلَّا اَقَلَّ الْقَلِيلِ، فَاِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ اِنَّمَا يَنْزَجِرُونَ مَخَافَةَ الْعَاجِلَةِ بِالْعُقُوبَةِ، وَذٰلِكَ بِمَا يَكُونُ مُتْلِفًا لِلْجَانِي اَوْ مُجْحِفًا بِهِ فَشَرَعَ اللّٰهُ الْقِصَاصَ وَالدِّيَةَ لِتَحَقُّقِ مَعْنَى الزَّجْرِ۔ (۲)

---

(۱) مرقاة المفاتيح: كتاب الحدود، ج۶ ص۲۳۲۴

(۲) المبسوط للسرخسي: كتاب الديات، ج۲۶، ص۵۹

لیکن اگر آخرت کی وعید ہی پر اکتفاء کیا جاتا تو جرائم سے باز نہ آتے مگر بہت تھوڑے لوگ، اس لئے کہ زیادہ تر لوگ ایسے ہیں جو فوری سزا سے ڈر کر باز آئے ہیں اور وہ اس وجہ سے اس سزا کو وہ اپنے لئے مہلک اور تلف کن یقین کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قصاص و دیت کا قانون اسی وجہ سے جاری فرمایا کہ زجر و توبیخ کا مقصد پورا ہوتا ہے۔

قصاص کی انہی حکمتوں کا نتیجہ ہے کہ اسلام نے یہ معاملہ حاکم کے ہاتھ میں نہیں دیا ہے کہ اگر وہ چاہے تو قصاص جاری کرے ورنہ نہیں، بلکہ حاکم پر پابندی عائد کی گئی ہے کہ جب جرم ثابت ہو جائے تو وہ اس قانون کو قاتل پر جاری کرے، یہ الگ بات ہے کہ ولی مقتول معاف کردے اور اس طرح قاتل بچ جائے۔

حکومت کے اختیارات

اب سوال یہ ہے کہ اگر ولی مقتول کسی قاتل کو معاف کر دے، لیکن حکومت اس معافی کے باوجود قتل کا فیصلہ باقی رکھنا چاہتی ہے تو کیا حکومت کو یہ حق ہے یا نہیں؟ جواب یہ ہے کہ حکومت وقت کا فریضہ یہ ہے کہ جب ولی مقتول نے معاف کر دیا ہے تو یہ بھی قتل نہ کرے، لیکن اگر وہ قتل اس طرح پیش آیا ہے جس سے عوام میں بغاوت کا اندیشہ ہے، یا کوئی اہم ضرر حکومت کی نظر میں متیقن ہے تو ولی مقتول کے عفو کے باوجود حکومت قاتل کو قتل کر سکتی ہے، مثلاً کسی نے کسی شخص کو مال و دولت کے لالچ میں قتل کر ڈالا، تو علماء کا اتفاق ہے کہ اس صورت میں قاتل قتل کیا جائے گا، ورنہ مقتول کو معاف کرنے کا حق نہیں ہے، ہاں البتہ اگر اس قاتل نے عداوتِ ذاتی کی بنیاد پر قتل کیا ہے یا ایسی ہی کسی اور وجہ سے، تو اس صورت میں اولیاءِ مقتول کے معاف کرنے نہ کرنے کی بنیاد پر قصاص کا فیصلہ ہوگا۔

قصاص میں ہتھیار

اجراءِ قصاص میں کونسا ہتھیار استعمال کیا جائے اس باب میں ائمہ کا اختلاف ہے،

بعض ائمہ فرماتے ہیں کہ مقتول جس طرح کے ہتھیار سے قتل کیا گیا ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ (النحل:۱۲۶)

اور اگر بدلہ لو تو بدلہ لو اسی قدر جس قدر کہ تم کو تکلیف پہنچائی جائے۔

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَنْ حَرَّقَ حَرَّقْنَاهُ، وَمَنْ غَرَّقَ غَرَّقْنَاهُ. (۱)

جو کسی کو جلائے گا اس کو ہم بھی جلائیں گے، اور جو کسی کو غرق کرے گا اس کو ہم بھی غرق کریں گے۔

اور بعض ائمہ کہتے ہی کہ قصاص کے اجراء میں تلوار استعمال کی جائے، اس لئے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحت کے ساتھ فرمایا ہے:

لَا قَوَدَ اِلَّا بِالسَّيْفِ. (۲)

قصاص صرف تلوار ہی سے لیا جائے۔

اور کوئی شبہ نہیں کہ راجح یہی مسلک ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ اسلام نے ہر چیز میں یسر کو پسند کیا ہے، خواہ مخواہ کی سختی کی اس میں گنجائش نہیں ہے، اور یہ مسلّم ہے کہ قصاص کا منشاء قاتل کو قتل کرنا ہے نہ کہ اسے ستانا، پھر کون نہیں جانتا کہ تلوار سے کام نسبتاً جلد انجام پاتا ہے، اور مقصد حاصل ہو جاتا ہے، اس لئے اسی کے استعمال کا عقل فیصلہ کرتی ہے حدیث سے بھی اس نظریہ کی تائید ہوتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ الْاِحْسَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ، فَاِذَا قَتَلْتُمْ فَاَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ، وَاِذَا ذَبَحْتُمْ فَاَحْسِنُوا الذَّبْحَ، وَلْيُحِدَّ اَحَدُكُمْ شَفْرَتَهٗ، فَلْيُرِحْ ذَبِيحَتَهٗ. (۳)

---

(۱) السنن الکبری للبیهقی : کتاب النفقات، بابُ عَمِدِ القتل بالحجر وغیرہ۔۔۔ الخ، ج۸ ص۷۹، رقم الحدیث: ۱۵۹۹۳

(۲) سنن ابن ماجه : کتاب الدیات، باب لا قود إلا بالسیف، ج۲ ص۸۸۹، رقم الحدیث: ۲۶۶۷

(۳) صحیح مسلم : کتاب الصیدو الذبائح، باب الأمر بإحسان الذبح والقتل، ج۳ ص۱۵۴۸، رقم الحدیث: ۱۹۵۵

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو خوبی کے ساتھ انجام دینے کو ضروری قرار دیا ہے، لہٰذا جب تم کسی کو قتل کرو تو اچھی طرح قتل کرو، اور جب ذبح کرنے چلو تو خوب اچھی طرح ذبح کرو، اور چاہیے کہ تم میں سے ہر ایک اپنی چھری تیز کر لے، اور جانور کو آرام پہنچائے۔

یہ اور اس طرح کی دوسری حدیثوں کے پیش نظر فیصلہ ہے کہ دوسرا مسلک ہی راجح ہے، تا کہ قاتل کو تھوڑی سی سہولت رہے۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَإِذَا لَمْ يَكُنْ بُدٌّ مِنْ مَوْتِ الْقَاتِلِ وَمَنْ اسْتَحَقَّ الْقَتْلَ فَمَوْتُهُ بِالسَّيْفِ أَنْفَعُ لَهُ ...وَالْمَوْتُ بِهِ أَسْرَعُ الْمَوْتَاتِ وَأَوْحَاهَا وَأَقَلُّهَا أَلَمًا.(۱)

جب قاتل یا مستحق قتل کو موت کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہو تو اس کی موت تلوار سے اس کے لئے زیادہ نفع بخش ہے کہ اس سے موت جلد واقع ہوتی اور تکلیف کم ہوتی ہے۔

اس اصول کے تحت اگر کوئی ایسا تیز دھار آلہ ایجاد ہو جائے جو تلوار سے بھی زیادہ تیزی سے آدمی کو قتل کر سکے تو قصاص میں اس کا استعمال درست ہونا چاہیے، لیکن اگر یہ آلہ دھاری دار نہیں ہے اور جان لینے میں بجلی کی سی تیزی رکھتا ہے جیسے اس مروجہ بجلی کا کرنٹ، تو کیا اس کا استعمال قصاص کے سلسلہ میں درست ہوگا یا نہیں قابلِ غور ہے۔

قتلِ خطا اور اس کی روک تھام

اب تک قتلِ عمد کے سلسلہ کی تفصیل بقدرِ ضرورت پیش کی گئی، لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی کسی کو غلطی، دھوکے یا شبہ میں مار ڈالتا ہے، قاتل کے قصد وارادہ کا اس صورت میں دخل نہیں ہوتا، البتہ اس کی طرف سے اختیار کا فقدان اور بے پروائی ضرور پائی جاتی ہے، اسلام نے اسی وجہ سے اس کی سزا قتلِ عمد سے مختلف تجویز کی ہے، ایسے قاتل کو شریعت

---

(۱) إعلام الموقّعين، السر في أن العقوبات لم يطرد جعلها من جنس الذنوب، ج۲ ص ۷۹

نے نہ تو یہ کہہ کر بالکل معاف کر دیا کہ اس میں اس کے ارادہ اور نیت کو دخل نہیں، اور نہ قاتل قرار دے کر اس کے قتل کا حکم نافذ کیا۔ بلکہ یہاں بھی وہی اعتدال کی راہ اختیار کی جو اسلام کے خمیر میں داخل ہے۔ سزا اس قدر جچی تلی مقرر کی ہے کہ کہیں سے کسی کو نہ اعتراض کا موقع مل سکے اور نہ کسی کے ساتھ ناانصافی کا گمان پیدا ہو سکے، اور اسی کے ساتھ اس طرح کے واقعات کی آئندہ کے لئے روک تھام بھی ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَ مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّ دِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰۤى اَهْلِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ؕ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ؕ وَ اِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰۤى اَهْلِهٖ وَ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۫ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۹۲﴾ (النساء)

کسی مومن کی شان نہیں کہ وہ کسی مؤمن کو قتل کرے، لیکن غلطی سے ہو جائے تو اور بات ہے، اور جو شخص کسی مؤمن کو غلطی سے قتل کر دے تو اس پر ایک غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے، اور خون بہا بھی جو اس کے خاندان والوں کو دیا جائے، مگر یہ کہ وہ لوگ معاف کر دیں، اور وہ جو خود مؤمن ہے تو ایک غلام یا لونڈی آزاد کرنا پڑے گا، اور اگر وہ ایسی قوم سے ہے کہ تم میں اور ان میں معاہدہ ہے تو خون بہا بھی واجب ہے جو اس کے خاندان والوں کو دیا جائے، اور ایک مسلمان غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا (بھی) پس جو اس کو نہ پائے تو اس پر دو مہینے لگاتار روزہ رکھنا ہے، بطور توبہ اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

قتلِ خطا کی سزا

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اور کسی مؤمن کی شان نہیں کہ وہ کسی مؤمن کو عمداً قتل کرے، لیکن غلطی سے ہو جائے تو اور بات ہے، اور جو شخص کسی مؤمن کو قتل کر دے تو اس پر شرعاً ایک مسلمان غلام یا لونڈی آزاد کرنا واجب ہے، اور خون بہا بھی واجب ہے جو اس مقتول کے خاندان والوں کو یعنی جو ان میں وارث ہیں بقدرِ حصصِ میراث حوالہ کر دی جائے، اور جس کے کوئی وارث نہ ہو بیت المال قائم مقام ورثہ کے ہے۔ مگر یہ کہ وہ لوگ اس خون بہا کو معاف کر دیں، خواہ کل، خواہ بعض، تو اتنی ہی معافی ہو جائے گی، اور اگر وہ مقتول خطاء ایسی قوم سے ہے جو تمہارے مخالف ہیں یعنی حربی ہیں اور انہی میں کسی وجہ سے رہتا تھا، اور وہ شخص مؤمن ہے تو صرف ایک غلام یا لونڈی مسلمان آزاد کرنا پڑے گا۔ اور دیت اس لئے نہیں کہ اگر ورثاء اس مقتول کے مسلمان ہیں تو وہ تحت ولایت مسلم حاکم نہ ہونے کے باعث مستحق نہیں (لا یقضی لھم ولا یقضی علیھم) اور اگر کافر ہیں تو اس صورت میں دیت بیت المال کا حق ہوتی ہے۔ اور دار الحرب سے بیت المال میں ترکہ نہیں جاتا۔ اور اگر وہ مقتولِ خطاء ایسی قوم سے ہو کہ تم میں اور ان میں معاہدہ صلح یا ذمہ کا ہو، یعنی ذمی یا مصالح و مستامن ہو تو خون بہا بھی واجب ہے، جو اس مقتول کے خاندان والوں کو (یعنی ان میں جو وارث ہیں ان کے) حوالہ کر دی جائے، کیونکہ کافر، کافر کا وارث ہوتا ہے، اور ایک غلام یا لونڈی آزاد کرنا پڑے گا، پھر جن صورتوں میں غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا واجب ہے۔ جس شخص کو غلام یا لونڈی نہ ملے، اور نہ اتنے دام ہوں کہ خرید سکے تو اس کے ذمہ بجائے اس آزاد کرنے کے متواتر یعنی لگا تار دو ماہ کے

روزے ہیں یہ آزاد کرنا، اور وہ نہ ہو سکے تو روزہ رکھنا بطریق توبہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہوئی ہے، یعنی اس کا طریقہ مشروع ہوا ہے۔ (۱)

سزا میں اعتدال

غلطی اور خطاء سے قتل کرنے والوں کی یہ سزا جرم کے مطابق مناسب اور افراط اور تفریط سے پاک ہے، سزا میں قصاص اس لئے نہیں تجویز کیا کہ اس قاتل نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا ہے، بلکہ نادانستگی میں اس سے یہ گناہ سرزد ہوا ہے، اس نے گولی چلائی شکار سمجھ کر مگر وہ نکلا آدمی، گولی لگ جانے کے بعد اس کو معلوم ہوا کہ وہ جانور نہیں آدمی ہے، یا وہ نشانہ پر گولی لگا رہا تھا اور اتفاق سے وہ بہک کر کسی آدمی کے لگ گئی اور وہ مر گیا، اور معاف اس وجہ سے نہیں کیا کہ گو غلطی سے ایسا ہوا، مگر انسانی جان اس کے فعل سے ضائع ہوئی جس سے قوم وملک کا بھی نقصان ہوا اور اس کے ورثہ کا بھی۔

قاتل کے ساتھ اہلِ نصرت کی سزا

لہٰذا دونوں پہلوؤں کا لحاظ کر کے سزا یہ مقرر کی گئی کہ وہ قاتلِ خطا غلام یا لونڈی آزاد کرے اور اس کے اہلِ نصرت (یعنی حامی و مددگار) اور وہ خود دونوں مل کر دیت (خون بہا) ادا کریں، اس سزا میں قاتل کی بھی تنبیہ ہے کہ وہ آئندہ سے خوب دیکھ کر، اور پوری احتیاط کے ساتھ اس طرح کے موقعوں پر کوئی قدم اٹھائے، اور اس سے اہلِ نصرت کو بھی ہدایت ملی کہ وہ اپنے آدمیوں کی پوری نگرانی رکھیں تاکہ آئندہ ان پر مالی تاوان عائد نہ ہونے پائے۔

ایسا قتل جس میں قصد وارادہ کو دخل نہیں ہوتا ہے، اس کی اپنے اپنے فہم کے مطابق فقہاء نے کئی قسمیں قرار دی ہیں اور ان قسموں کی باہم تعریف میں تھوڑا تھوڑا فرق بھی بیان

---

(۱) بیان القرآن: سورہ نساء آیت نمبر ۹۲ کے تحت، ج ۱ ص ۳۸۸

کیا ہے مگر سب صورتوں کا حکم سزا کے باب میں ایک ہی ہے، جیسا کہ قرآنِ پاک نے بیان کی، یعنی کفارہ میں غلام یا لونڈی آزاد کرنا اور دیت یعنی خون بہا دینا۔

قتلِ خطا کی صورتیں

یوں تو کتبِ احناف میں مصرح ہے کہ قتل کی پانچ قسمیں ہیں اور ان میں سے ہر ایک کی تفصیل بھی مذکور ہے۔ لیکن امام محمد رحمہ اللہ نے اپنی تصنیف "المبسوط" میں قتل کے تین طریقے نقل کیے ہیں:

قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ الحَسَنْ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ اَلْقَتْلُ عَلَى ثَلَاثَةِ اَوْجُهٍ عَمَدٌ وَخَطَأ وَشِبْهُ الْعَمَدِ. (۱)

امام محمد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ قتل کے تین طریقے ہیں عمد، شبہ عمد اور قتلِ خطاء۔

قتلِ عمد کا مطلب یہ ہے کہ انسان جان بوجھ کر ہتھیار یا ہتھیار جیسی چیز سے اس شخص کو قتل کر ڈالے جس کا قتل شرعاً جائز نہیں ہے، اس کی بحث گزر چکی۔ دوسری اور تیسری قسم جن کا اس باب سے تعلق ہے، اس کی تفصیل ذیل میں درج کی جا رہی ہے، خطا کی مشہور تعریف ہے:

وَالْخَطَأُ عَلَى وَجْهَيْنِ خَطَأٌ فِي الْقَصْدِ وَهُوَ اَنْ يَرْمِيَ شَخْصًا يَظُنُّهُ صَيْدًا فَإِذَا هُوَ آدَمِيٌّ ...وَخَطَأٌ فِي الْفِعْلِ وَهُوَ اَنْ يَرْمِيَ غَرَضًا فَيُصِيبُ آدَمِيًّا. (۲)

قتلِ خطا کے دو طریقے ہیں:

۱...... غلطی ارادہ میں، اور وہ اس طرح کہ ایک چیز کو شکار گمان کر کے نشانہ بنایا لیکن وہ آدمی نکلا۔

---

(۱) المبسوط للشیبانی: کتاب الدیات، ج۴ ص۴۳۷

(۲) الجوھرۃ النیرۃ علی مختصر القدوری: کتاب الجنایات، القتل الخطاء، ج۲ ص۱۲۱

۲...... غلطی فعل میں اور وہ یہ کہ اس نے کسی خاص نشانہ پر تیر چلایا، اور بہک کر وہ کسی آدمی کو جا لگا۔

جس کا ماحصل یہ ہے کہ قتلِ خطا میں قاتل کے قصد و نیت اور عمل میں سے کسی کا کوئی دخل نہیں ہوتا ہے، اس لئے کہ اس نے تو ایک متعین شکار پر حملہ کیا تھا، آدمی کا وہم بھی نہ تھا، البتہ شبہ عمد والی شکل ایسی ہے کہ گو اس میں بھی قصد و نیت کا کوئی دخل نہیں ہوتا، مگر اس کا عمل شبہ سے خالی نہیں ہے، اس لئے کہ اس صورت میں وہ آدمی پر قصداً کوئی نہ کوئی آلہ خواہ تادیب کی غرض سے ہو استعمال ضرور کرتا ہے مگر اس کی نیت جان سے مار ڈالنے کی نہیں ہوتی ہے، اور نہ وہ ایسا آلہ استعمال کرتا ہے جس سے عام طور سے آدمی مر جایا کرتے ہیں، فقہاء شبہ عمد کی تعریف کرتے ہیں:

شبه العمد عند أبي حنيفة رحمه الله :أن يتعمده بكل آلة لم توضع للقتل ...يشترط عند أبي حنيفة رحمه الله أن يقصد التأديب دون الإتلاف.(۱)

شبہ عمد امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک یہ ہے کہ ارادہ کر کے ایسے آلہ سے مارے جو قتل کے لئے نہیں بنایا گیا ہے، اور امام صاحب کے نزدیک یہ بھی شرط ہے کہ مارنے والے کا ارادہ تادیب ہو نہ کہ جان ضائع کرنا۔

آلے پر حکم لگانے کی وجہ

قتل کی نیت تھی یا نہیں اس کا تعلق دل سے ہے جو معلوم نہیں کیا جا سکتا، اس وجہ سے شریعت نے آلے کا اعتبار کیا ہے، اگر ایسے آلے سے مارا ہے جو قتل کے لئے وضع ہوا ہے تو وہ اُسے قصد کہتی ہے، اور اگر ایسا آلہ استعمال کیا ہے جو قتل کے لئے نہیں بنایا گیا ہے بلکہ تادیب و تنبیہ کے لئے مستعمل ہے تو اُسے ''عدمِ قصد'' سے تعبیر کرتی ہے۔

---

(۱) البناية شرح الهداية، كتاب الجنايات، شبه العمد، ج۱۳ ص ۸۷۰

یہ درست ہے کہ انسانی جان و مال میں کوئی مماثلت نہیں ہے، اور یہ بھی صحیح ہے کہ اس جان کے نقصان بھی قاتل کا قصد قتل تھا یا نہیں اس کو ہم نہیں بتا سکتے لیکن انسانی جان کے احترام کا تقاضا یہ ہے کہ اس کا خون رائیگاں نہ ہونے دیا جائے، اس لئے قاتل پر مال واجب کیا گیا تا کہ انسانی جان کی قدر و قیمت نظروں سے گرنے نہ پائے۔

غیر مسلم رعایا کے ساتھ مساویانہ سلوک

اوپر اشارتاً گزر چکا ہے کہ یہ سزا جو قتل خطاء کی بیان کی گئی ہے دونوں حالتوں میں ہے خواہ کوئی مسلمان مارا جائے یا کوئی ذمی کافر، فقہاء نے صراحت کی ہے:

وَمُوجَبُ ذَلِكَ الْكَفَّارَةُ، وَالدِّيَةُ عَلَى الْعَاقِلَةِ وَيُحْرَمُ الْمِيرَاثَ وَتَجِبُ الدِّيَةُ فِي ثَلَاثِ سِنِينَ وَسَوَاءٌ قَتَلَ مُسْلِمًا اَوْ ذِمِّيًا فِي وُجُوبِ الدِّيَةِ، وَالْكَفَّارَةِ۔ (۱)

اس قتل کا موجب کفارہ اور دیت ہے، اور دیت اہلِ خاندان پر ہے جس کا تین سال کے اندر ادا کرنا ان پر واجب ہے، اور وجوبِ دیت و کفارہ میں مسلمان اور ذمی دونوں برابر ہیں، خواہ ان میں سے کوئی بھی قتل کیا جائے۔

مملکتِ اسلامیہ کے بسنے والوں کے اندر جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت میں مذہب کی بنیاد پر کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اسلام ہر ایک باشندے کی حفاظت یکساں طور پر ضروری قرار دیتا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ اس قانون میں ذمی کافروں کو بھی اس باب میں وہی حیثیت حاصل ہے جو ایک مسلم کو ہے۔

سزا کا فائدہ

اس قانون کے نافذ ہوتے ہوئے کوئی بے پروا نہیں بن سکتا ہے، بلکہ قدم قدم پر وہ انسانی جان کی قدر و قیمت محسوس کرنے پر مجبور ہے، اس لئے کہ ایک غلام کا آزاد کرنا اور

---

(۱) الجوهرة النيرة، ج۲ ص ۱۲۱

ساتھ ہی دیت کا ادا کرنا ایسی سزا ہے جو اسے احتیاط پر ضرور مجبور کرے گی، غلام کی قیمت ایک معقول رقم ہوگی، رہی دیت تو اگر نقد سے ادا کرے گا تو ایک ہزار اشرفی، یا دس ہزار درہم ادا کرنے ہوں گے۔ پھر یہ کہ دیت جب اہلِ نصرت کے ذمہ ہوگی جس میں قاتل بھی شامل ہوگا، یقیناً قاتل کے ان حامیوں میں بہت سے لوگ ایسے ہوں گے جو اسے بار محسوس کریں گے، اور قاتلِ خطا کو احتیاط کی تاکید کریں گے۔

معاونین پر دِیت کی وجہ

رہا یہ سوال کہ جرم کسی کا اور جرمانہ اس کے ساتھ دوسرے بھی ادا کریں تو اس پر حیرت نہیں ہونی چاہیے، کیونکہ یہ سب جانتے ہیں کہ آدمی میں بے احتیاطی عموماً خصوصی معاون مددگاری کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، لیکن جب جرمانہ ان معاونین پر بھی عائد ہوگا تو یہ سب قدرتی طور پر اخلاقی دباؤ ڈالنے میں حق بجانب ہوں گے جس کے آگے اسے جھکنا پڑے گا۔

بار بار بے احتیاطی پر سیاستاً قتل

اسلام نے ہر حالت میں مالی جرمانہ ہی پر اکتفاء کیا ہو، ایسی بات نہیں ہے بلکہ اگر کوئی شخص بار بار اس طرح کا جرم کرتا ہے، یعنی اس کی طرف سے اس طرح کی بے احتیاطی آئے دن ہوتی رہتی ہے تو اسلام اجازت دیتا ہے کہ حکومتِ وقت اس بد احتیاطی کو روکنے کے لئے ایسے لوگوں کو قتل کر ڈالے، بغیر قصد وارادہ قتل کرنے کی سزا فقہاء نے جہاں بیان کی ہے وہاں یہ صراحت بھی موجود ہے:

اَنْ یَتَکَرَّرَ مِنْهُ فَلِلْاِمَامِ قَتْلُهُ سِیَاسَةً. (۱)

لیکن اگر قاتلِ خطا بار بار ایسی غلطی کا ارتکاب کرے تو اِمام کے لئے جائز ہے کہ اسے سیاستاً قتل کر ڈالے۔

---

(۱) الدر المختار، کتاب الجنایات، ج۶ ص ۵۳۰

سزا میں جذباتِ مقتول کا لحاظ

غلطی اور خطا سے قتل کرنے کی سزا پر ہر پہلو سے غور کریں کہ اس میں کتنی لچک اور وہ کتنی مکمل ہے، اس میں اس کی بھی گنجائش ہے کہ قتلِ خطا کے ورثاء خون بہا یا معاف کر سکتے ہیں، اور معافی کے بعد اس کا مطالبہ قاتلِ خطا سے نہیں ہوگا، مختصر یہ کہ اس سزا میں قاتلِ خطا کا بھی لحاظ ہے اور انسانی جان کا بھی، اور ساتھ ہی مقتولِ خطا کے ورثاء کے جوشِ انتقام کا علاج بھی ہے، تاکہ امن وامان میں کوئی خلل واقع نہ ہونے پائے اور ملک شورش و ہنگامہ سے پاک رہ سکے۔

مجبوری کا پاس

پھر یہ بھی رعایت ہے کہ اگر غلام یا لونڈی نہ ملے، یا اس کے پاس نہ اتنے دام ہوں کہ وہ خرید سکے تو اس کے ذمہ اس آزاد کرنے کے بجائے سزا میں دو مہینے کے لگا تار روزے ہیں، جیسے ہمارا ملک ہندوستان ہے، اگر یہاں اسلامی حکومت قائم ہو جائے اور غلام اور لونڈی میسر نہ ہوں تو وہ دو ماہ مسلسل روزے رکھنا واجب ہوگا۔ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

> ہندوستان میں رقبہ (غلام زرخرید یا لونڈی) نہیں ملتا، ظاہر یہ ہے کہ "لم یجد" صادق آئے گا، عرب میں دام بھیجنا واجب نہیں ہے "ما فیه من الحرج و مثله کفارات أخری من الیمین والظهار" پس یہاں ہندوستان میں صیام جائز ہے، صیام (روزے) میں اگر مرض وغیرہ کی وجہ سے تتابع نہیں رہا تو از سر نو رکھنے پڑیں گے، البتہ عورت کا حیض قاطع تتابع یعنی لگا تار سلسلہ کو کاٹنے والا نہیں۔ (۱)

قاتلِ خطا کے قتل کی ممانعت

قاتلِ خطا کو قتل نہیں کیا جائے گا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی کے ساتھ اس

(۱) بیان القرآن: سورہ نساء آیت نمبر ۹۲ کے تحت، ج ۱ ص ۳۹۰

سے روکا ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک شخص اپنے جرم قتل کی وجہ سے مقتول کے حوالہ کر دیا گیا، قاتل نے اپنی بے گناہی کا یقین دلاتے ہوئے کہا:

فَقَالَ الْقَاتِلُ :يَا رَسُولَ اللّٰهِ، وَاللّٰهِ مَا اَرَدْتُ قَتْلَهٗ. (۱)

اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! میرا ارادہ اس کے قتل کا نہ تھا۔

منشا یہ تھا کہ خطا سے یہ بات ہوگئی، یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَمَا اِنَّهٗ اِنْ كَانَ صَادِقًا، ثُمَّ قَتَلْتَهٗ، دَخَلْتَ النَّارَ. (۲)

سنو! اگر یہ سچا ہے اور پھر تم نے اسے قتل کیا تو تمہارا ٹھکانا جہنم ہے۔

راوی کا بیان ہے کہ اس کے مونڈھے کھجور کی چھال سے باندھے جا چکے تھے، مگر ارشادِ نبوی سنتے ہی اسے چھوڑ دیا گیا، جوں ہی اسے آزادی ملی وہ اسے گھسیٹتے ہوئے بھاگا، چنانچہ اسی وجہ سے اس کا نام ذالنسعہ پڑ گیا۔

قتلِ خطا کی ایک اور قسم

قتل کی ایک قسم یہ ہے کہ سونے والا نیند کی حالت میں کسی پر گر جائے اور وہ مر جائے جس پر گرا تھا، اسے فقہاء اپنی اصطلاح میں قائم مقام خطاء کہتے ہیں، اس قسم کا بھی وہی حکم ہے جو قتلِ خطا کا ہے:

وَمَا اُجْرِيَ مَجْرَى الْخَطَأِ مِثْلُ النَّائِمِ يَنْقَلِبُ عَلَى رَجُلٍ فَيَقْتُلُهٗ فَحُكْمُهٗ حُكْمُ الْخَطَأِ. (۳)

اور جو خطا کا قائم مقام ہے جیسے سونے والا کسی آدمی پر گر جائے اور اس کو مار ڈالے تو اس کا حکم خطا جیسا ہے۔

---

(۱) سنن أبی داود : كتاب الديات، باب الإمام يأمر بالعفو في الدم، ج۴ ص۱۶۹، رقم الحديث: ۴۴۹۸

(۲) سنن أبی داود : كتاب الديات، باب الإمام يأمر بالعفو في الدم، ج۴ ص۱۶۹، رقم الحديث: ۴۴۹۸

(۳) الجوهرة النيرة: كتاب الجنايات، القتل الخطاء، ج۲ ص ۱۲۱

ایک دوسری صورت

قتل کی ایک قسم ہے "قتل بسبب"، یعنی کوئی شخص کسی کے قتل کا غیر ارادی طور پر ذریعہ ثابت ہو، جیسے کوئی شخص غیر کی ملکیت میں کنواں کھدوا دے یا پتھر کی چٹان ڈال دے اور کوئی انسان ایسے کنوئیں میں گر کر یا اس پتھر سے ٹکرا کر مر جائے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ دیت واجب ہوگی جو اس کے اہلِ نصرت کو ادا کرنا ہوگی، کیونکہ گو کنواں کھودنے والا یا پتھر کا رکھنے والا بذاتِ خود قتل کا مرتکب نہیں ہوا ہے، لیکن بہر حال وہ اتلافِ جان کا ذریعہ ہوا ہے:

وَاَمَّا الْقَتْلُ بِسَبَبٍ كَحَافِرِ الْبِئْرِ وَوَاضِعِ الْحَجَرِ فِي غَيْرِ مِلْكِهِ .... وَمُوجِبُ ذَلِكَ إِذَا تَلِفَ فِيهِ آدَمِيٌّ الدِّيَةُ عَلَى الْعَاقِلَةِ لِاَنَّهُ سَبَبُ التَّلَفِ. وَلَا كَفَّارَةَ فِيهِ لِاَنَّهُ لَمْ يُبَاشِرِ الْقَتْلَ بِنَفْسِهِ وَلَا وَقَعَ بِثِقْلِهِ۔ (۱)

اور قتل بسبب جیسے غیر کی ملک میں کنوئیں کا کھودنے والا اور پتھر کا رکھنے والا، اور اس کا حکم یہ ہے کہ جب آدمی اس میں تلف ہو جائے تو اس کے اہل خاندان پر دیت واجب ہے، اس لئے کہ وہی تلف کا سبب بنا ہے اور اس صورت میں کفارہ نہیں ہے اس لئے کہ اس نے بذاتِ خود نہ تو قتل کیا ہے اور نہ اپنا بوجھ ڈالا ہے۔

ہاں اگر کوئی گھوڑے پر سوار ہو کر جا رہا ہے اور وہ کسی آدمی کو کچل ڈالے تو کفارہ واجب ہوگا، اس لئے کہ اس قتل میں سوار کے روندنے اور بوجھ کو دخل ہے۔

گویا اسلام نے ان تمام دروازوں پر پہرہ بٹھا دیا ہے جو انسانی جان کے لئے باعث خطرہ ہو سکتے ہیں اور ہر اس بے احتیاطی پر معقول سزا مقرر کر دی ہے جو کسی وقت بھی انسانی جان کے لئے مہلک بن سکتی ہے، ان معقول سزاؤں کے بعد کسی آزاد سے آزاد کی بھی مجال نہیں ہے کہ احتیاط کی باگ ہاتھ سے چھوڑ دے۔

کسی ملک یا قوم میں عموماً انہی راستوں سے بے امنی پھیلتی ہے جن کی نشاندہی کی گئی،

---

(۱) الجوهرة النيرة : كتاب الجنايات، القتل الخطاء، ج۲ ص۱۲۴

اسلام نے ان تمام کی روک تھام کر کے امن وامان قائم رکھنے کی سعی کی ہے، یہ کسی حال میں ایسی رعایت نہیں کرتا جس سے کسی میں بے جا حرکت کی پیدا ہو، اس سے ملک میں فتنہ وفساد کو ہوا ملے۔

زخم جو موت کا سبب بن جائے

اگر کوئی کسی کو قصداً زخمی کر ڈالے، اور وہ اس زخم کی وجہ سے برابر صاحبِ فراش رہ کر مر جائے، صحت یاب ہو تو ایسے شخص پر قصاص واجب ہے، یعنی یہ بھی قصاص میں مار ڈالا جائے گا:

وَمَنْ جَرَحَ رَجُلًا عَمْدًا فَلَمْ يَزَلْ صَاحِبَ فِرَاشٍ حَتّٰى مَاتَ فَعَلَيْهِ الْقِصَاصُ. (۱)

اور جو شخص کسی آدمی کو قصداً زخمی کر ڈالے اور یہ مسلسل صاحبِ فراش رہ کر مر جائے تو اس پر قصاص لازم ہے۔

زخم لگانے پر پابندی

اسلام میں انسانی جان کی بڑی قدر و قیمت ہے اور اس کی حفاظت کے لئے اسلام نے جو قوانین مرتب کئے ہیں وہ قتل، خون ریزی کا دروازہ اس مضبوطی سے بند کرتے ہیں کہ کوئی بڑی سے بڑی طاقت اس سے ٹکرانے کی جرأت نہیں کر سکتی، اور نہ یہ آہنی دروازہ کسی کے مٹانے سے اپنی جگہ سے کھسک سکتا ہے۔ اب مختصر طور پر بتا دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کسی کے معمولی زخم لگانے کو بھی برداشت نہیں کرتا، اس سلسلہ کے قوانین بھی بہت اہم اور امن وامان کی جان کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ؕ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ (المائدة)

(۱) الجوهرة النيرة: ج۲ ص۱۲۲

اور ہم نے ان پر اس میں یہ بات فرض قرار دی تھی کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلہ دانت، اور اسی طرح دوسرے خاص زخموں کا بھی بدلہ ہے، پھر جو شخص اس قصاص کو معاف کردے تو وہ اس کے لئے کفارہ ہو جائے گا۔ اور جو لوگ اللہ کے نازل کئے ہونے پر فیصلہ نہ کریں پس وہ لوگ ظالم ہیں۔

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح کوئی کسی کو قتل کرڈالے تو اس قاتل کی سزا یہ ہے کہ وہ بھی قتل کرڈالا جائے، اسی طرح اسلام کا قانون ہے کہ اگر کوئی کسی کی آنکھ پھوڑ ڈالے تو اس کی سزا یہ ہے کہ اس کے بدلہ میں اس کی بھی آنکھ پھوڑ ڈالی جائے، اگر کوئی کسی کی ناک کاٹ لے تو اس کے بدلے میں اس کی ناک کاٹ ڈالی جائے گی، اگر کوئی کسی کا کان کاٹ لے تو بدلہ میں اس کا کان کاٹ لیا جائے، اگر کوئی کسی کا دانت توڑ ڈالے تو اس کے بدلہ میں اس توڑنے والے کا دانت توڑ دیا جائے، اور ہر شخص سے زخم لگانے کا ممکن حد تک قصاص لیا جائے، اور جس زخم میں قصاص ممکن نہ ہو اس میں انصاف سے جو سزا عائد ہو وہ عمل میں لائی جائے، اور اگر قصاص معاف کردے تو اس صورت میں کفارہ عائد ہوگا، جس طرح جان کی قیمت مقرر ہے اسی طرح ہر ہر عضو کی بھی قیمت مقرر ہے۔

ایک ضمنی بحث

یہاں سے اسے واضح کر دینا ضروری ہے کہ اگر چہ یہ احکام قرآن نے تورات سے نقل کر کے بیان کئے ہیں، مگر جب ہماری شریعت میں اس کی تردید موجود نہیں ہے بلکہ اس کو برقرار رکھا گیا ہے تو ہماری شریعت میں بھی یہی حکم باقی رہے گا، جیسا کہ اس آیت کے ضمن میں علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اشارہ کر دیا ہے:

وَهَذَا الْحُكْم وَإِنْ كُتِبَ عَلَيْهِمْ فَهُوَ مُقَرَّرٌ فِي شَرْعِنَا. (۱)

(۱) تفسیر الجلالین: سورۃ المائدۃ آیت نمبر ۴۵ کے تحت، ص ۱۴۵

اور یہ حکم اگرچہ ان یہود پر فرض کیا گیا تھا مگر وہی حکم ہماری شریعت میں بھی ثابت ہے۔

ضابطہ یہ ہے کہ جب پہلی شریعت کا کوئی واقعہ یا قانون اللہ تعالیٰ یا اللہ کے رسول بیان کریں، اور اس پر انکار نہ پایا جائے تو وہ ہم پر لازم ہو جاتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جب یہ بیان کر دیا جائے کہ تم سے پہلی اُمت کی شریعت ان صفات کے ساتھ متصف تھی اور اسی پر سکوت ہو، اس کے ترک کا ہمیں حکم نہ ہو تو یہ اَحکامِ شریعت ہمارے لئے لازم ہوں گے اور علمِ اصول میں بھی یہی قاعدہ کلیہ طے ہے اور یہاں بھی ایسا ہی ہے۔

سزا میں برابری

ہر وہ زخم جس میں مماثلت کی رعایت ہو سکتی ہے، اس میں قصاص واجب ہے اور اگر مماثلت کا امکان نہیں ہے تو پھر قصاص کے اجراء کی کوئی شکل نہیں ہے مجبوری ہے، چنانچہ فقہاء صراحت کرتے ہیں:

ومن قطع يد غيره عمدا من المفصل قطعت يده وإن كانت يده أكبر من اليد المقطوعة لقوله تعالى: وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ وهو ينبئ عن المماثلة، فكل ما أمكن رعايتها فيه يجب فيه القصاص وما لا فلا. [1]

اور جو شخص کسی غیر کا ہاتھ جوڑ سے قصداً کاٹ ڈالے تو اس کے قصاص میں اس کاٹنے والے کا ہاتھ کاٹا جائے گا، اگرچہ اس کا ہاتھ کٹے ہوئے ہاتھ سے بڑا ہی کیوں نہ ہو، اس لئے کہ ارشادِ ربانی ہے "والجروح قصاص" اور خاص زخموں کا بدلہ ہے، اور یہ مماثلت کو بتاتا ہے، لہٰذا جس حد تک اس کی رعایت ممکن ہے اس میں قصاص واجب ہوگا اور جس میں اس کی رعایت ممکن نہ ہو

(۱) الهداية : كتاب الجنايات، باب القصاص فيم دون النفس، ج۴ ص ۵۶۴

قصاص واجب نہ ہوگا۔

ہاتھ کی بڑائی چھوٹی کا لحاظ اس لئے نہیں ہے کہ ہاتھ کی جو منفعت ہے اس میں اس کی وجہ کوئی خاص فرق نہیں پڑتا ہے، اسی طرح فقہاء نے اس کی بھی صراحت ہے کہ جس کا ہاتھ کاٹا گیا ہے اس کا ہاتھ درست اور صحیح سالم تھا، اور کاٹنے والے کا ہاتھ شل ہے، یا اس کی انگلیوں میں نقص ہے تو مقطوع الیہ کو اختیار ہے کہ وہ اگر چاہے تو بدلہ میں اسی عیب دار ہاتھ کو کاٹ ڈالے، یا پھر اسے چھوڑ کر تاوان لے۔

بدلہ میں مماثلت کی رعایت

اور یہ قصاص صرف ہاتھ میں ہی نہیں ہے کہ بلکہ ہر اس عضو میں ہے جس میں مماثلت ہے، البتہ جہاں مماثلت کی شکل نہ پیدا ہو سکے وہاں قصاص نہ ہوگا، فقہاء نے اس کی بہت سی صورتیں لکھی ہیں:

> ومن ضرب عين رجل فقلعها لا قصاص عليه لامتناع المماثلة في القلع،
> وإن كانت قائمة فذهب ضوءها فعليه القصاص لإمكان المماثلة.(۱)
>
> جس نے کسی کی آنکھ پر مارا پس اس کو باہر نکال دیا تو اس پر قصاص نہ ہوگا، باہر نکالنے میں مماثلت کے ممتنع ہونے کی وجہ سے، اور اگر آنکھ اپنی جگہ قائم ہے صرف اس کی بینائی ختم ہوگئی ہے، تو اس پر قصاص آئے گا اس لئے کہ اس میں مماثلت ہو سکتی ہے۔

پھر جانی نقصان ہی عمد و خطاء کے درمیان ایک تیسری قسم شبہ عمد کی نکلتی تھی، اطراف کے نقصان میں ''شبہ عمد'' کا کوئی اعتبار نہیں ہے، یا تو عمد ہوگا یا خطا اس لئے کہ شبہ عمد کا تعلق آلہ سے ہے اور آلہ کے اثر کا اعتبار جان کے ماسوا دوسرے اعضاء میں نہیں، اس لئے کہ نقصان میں آلہ کے اختلاف سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا ہے۔

---

(۱) الهداية : كتاب الجنايات، باب القصاص فيم دون النفس، ج۴ ص ۵۶۴

سزا میں مساوات

جس طرح ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے اعضاء کے نقصان کے سلسلہ میں قصاص لے گا، اسی طرح جو غیر مسلم مسلمان حکومت میں بستے ہیں، ان کے نقصانِ اطراف کا قصاص بھی لیا جائے گا اس لئے کہ کافر و مسلم کے درمیان اعضاء میں قصاص واجب ہے، اس میں کوئی امتیاز نہیں ہے:

ویجب القصاص فی الأطراف بین المسلم والکافر للتساوی بینھما فی الأرش.(۱)

اور اعضاء کے اندر مسلم اور غیر مسلم کے درمیان قصاص واجب ہے اس لئے کہ دیت میں دونوں برابر ہیں۔

جو لوگ یہ باور کرانے کی ناپاک سعی کرتے ہیں کہ اسلام غیر مسلموں کی رعایت نہیں کرتا، ان کو چاہیے کہ اس طرح کے مسائل بغور پڑھیں۔

احادیث میں سزا کا تذکرہ

اعضاء انسانی کو تکلیف پہنچانے کے سلسلہ میں قصاص کا تذکرہ حدیث میں بھی بکثرت ہے، اور ہر عضو کی دیت بیان کی گئی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ان کی پھوپھی ربیع بنت نضر رضی اللہ عنہا نے ایک نوجوان انصاری عورت کے دانت توڑ ڈالے، ربیع کے قرابت داروں نے اس عورت سے التجاء کی کہ وہ اس جرم کو معاف کر دے، اس نے انکار کر دیا، وہ لوگ دربارِ نبوی میں حاضر ہوئے کہ کسی طرح وہ دیت پر راضی ہو جائے، مگر یہاں بھی اس نے انکار ہی کیا اور کہا کہ قصاص ہی لوں گی۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے قصاص کا حکم فرما دیا۔ انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! ربیع کے دانت توڑے جائیں؟ بخدا ایسا نہیں ہو سکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) الھدایۃ : کتاب الجنایات، باب القصاص فیما دون النفس، ج۴ ص۵۶۵

یَا اَنَسُ، کِتَابُ اللّٰہِ القِصَاصُ. (۱)

اے انس! اللہ کی کتاب میں قصاص ہی ہے۔

پھر حضرت انس رضی اللہ عنہ اور ان کے قرابت داروں نے اس انصاریہ اور اس کے خاندان کے لوگوں کو راضی کرنے کی جدوجہد شروع کی، بالآخر اللہ تعالیٰ نے اس عورت کے دل میں رحم ڈال دیا اور وہ معاف کرنے پر راضی ہوگئی، اور اس طرح قصاص سے ربیع بچ گئیں۔

اپنی حفاظت

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص کا ہاتھ اپنے منہ میں لے کر دانت سے کاٹنے لگا، اس نے جلدی سے اپنا ہاتھ اس کے منہ سے کھینچ لیا، اس کے کھینچنے سے کاٹنے والے کے دو دانت گر گئے، یہ دونوں اپنا مقدمہ خدمتِ نبوی میں لائے، آپ نے فرمایا:

یَعَضُّ اَحَدُکُمْ اَخَاہُ کَمَا یَعَضُّ الفَحْلُ؟ لَا دِیَةَ لَكَ (۲)

تم میں سے ایک اپنے بھائی کے ہاتھ کو اس طرح کاٹ کھاتا ہے جیسے نر اونٹ، تمہارے لئے کوئی دیت نہیں ہے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم چاہتے تھے کہ میں اس کو حکم دیتا کہ وہ اپنا ہاتھ تیرے منہ میں ڈالے رہتا اور تم اُسے اونٹ کی طرح چبا ڈالتے۔ (۳)

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی ذات کو قصاص کے لئے پیش کرنا

خود سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کو قصاص کے لئے پیش کیا ہے، عبداللہ بن

---

(۱) صحیح البخاری: کتاب تفسیر القرآن، باب: یا ایھا الذین اٰمنوا کتب علیکم القصاص، ج۶ ص۲۳، رقم الحدیث: ۴۵۰۰

(۲) صحیح البخاری: کتاب الدیات، باب إذا عض رجلا فوقعت ثنایاہ، ج۹ ص ۸، رقم الحدیث: ۶۸۹۲

(۳) صحیح مسلم: کتاب القسامة والمحاربین والقصاص والدیات، باب الصائل علی نفس الإنسان أو عضوہ ...إلخ، ج۳ ص ۱۳۰۱، رقم الحدیث: ۱۶۷۳

جبیر الخزاعی رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی لکڑی کی شاخ سے یا مسواک سے ایک شخص کی پیٹ کو کونچا، اس نے کہا، یا رسول اللہ! آپ نے مجھے تکلیف پہنچائی، آپ خود کو قصاص کے لئے میرے حوالے کیجیے، راوی کا بیان ہے کہ یہ سنتے ہی:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جُبَيْرٍ الْخُزَاعِيِّ قَالَ طَعَنَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلا فِي بَطْنِهِ إِمَّا بِقَضِيبٍ وَإِمَّا بِسِوَاكٍ قَالَ أَوْجَعْتَنِي فَأَقِدْنِي فَأَعْطَاهُ الْعُودَ الَّذِي مَعَهُ فَقَالَ اسْتَقِدْ فَقَبَّلَ بَطْنَهُ ثُمَّ قَالَ بَلْ أَعْفُوا عَنْكَ لَعَلَّكَ أَنْ تَشْفَعَ لِي بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (۱)

آپ نے جو لکڑی آپ کے ساتھ تھی اس کے حوالہ کر کے فرمایا: تو قصاص لے لے۔ اس نے آپ کے شکم مبارک کو بوسہ دیا، پھر وہ کہنے لگا میں معاف کرتا ہوں امید ہے آپ اس کے عوض قیامت میں میری شفاعت فرمائیں گے۔

جس دین کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال ہو، اس میں ظلم وزیادتی کی کسی کے لئے کوئی گنجائش کیسے نکل سکتی ہے، اور جس دین کے قوانین اس قدر محکم اور نفسیات انسانی کے مطابق ہوں، اس میں کیا کبھی بدامنی سانس لے سکتی ہے؟ انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ امن و امان اسلامی قوانین اور ضابطہ حیات میں ہی مضمر ہے، جب تک یہ خداوندی قوانین لوگ نہیں اپناتے، اطمینان وسکون کی فضا عالم میں پیدا نہیں ہوسکتی ہے۔

اعضائے انسانی کی دیت

اعضائے انسانی میں سے اگر کوئی عضو اس طرح ٹوٹ جائے یا کٹ جائے کہ پورا پورا بدلہ ممکن نہ ہو بلکہ اس میں کمی زیادتی کا خطرہ ہو تو بجائے قصاص کے دیت واجب ہوگی، یعنی

---

(۱) المستخرج من الأحاديث المختارة مما لم يخرجه البخاري و مسلم في صحيحيهما، ج۹ ص۱۳۳

مالی معاوضہ، تا کہ دوسری طرف سے جرم بڑھنے نہ پائے، یا کوئی شخص قصاص معاف کر کے اس کے بدلہ میں دیت وصول کرنا چاہتے ہیں تو اس کو اس کا اختیار بھی ہے۔

اسلام نے ہر عضو کی قیمت مقرر کر دی ہے کہ ان اعضاء میں سے کسی کو نقصان پہنچانے کی شکل میں مجرم کو یہ قیمت ادا کرنی ہوگی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمان اہل یمن کو بھیجا تھا اس میں مذکور ہے:

وَاَنَّ فِي النَّفْسِ الدِّيَةَ مِائَةً مِنَ الْإِبِلِ، وَفِي الْأَنْفِ إِذَا أُوعِبَ جَدْعُهُ الدِّيَةُ وَفِي اللِّسَانِ الدِّيَةُ، وَفِي الشَّفَتَيْنِ الدِّيَةُ، وَفِي الْبَيْضَتَيْنِ الدِّيَةُ، وَفِي الذَّكَرِ الدِّيَةُ، وَفِي الصُّلْبِ الدِّيَةُ، وَفِي الْعَيْنَيْنِ الدِّيَةُ، وَفِي الرِّجْلِ الْوَاحِدَةِ نِصْفُ الدِّيَةِ، وَفِي الْمَأْمُومَةِ ثُلُثُ الدِّيَةِ وَفِي الْجَائِفَةِ ثُلُثُ الدِّيَةِ، وَفِي الْمُنَقِّلَةِ خَمْسَ عَشْرَةَ مِنَ الْإِبِلِ وَفِي كُلِّ إِصْبَعٍ مِنْ أَصَابِعِ الْيَدِ وَالرِّجْلِ عَشْرٌ مِنَ الْإِبِلِ وَفِي السِّنِّ خَمْسٌ مِنَ الْإِبِلِ، وَفِي الْمُوضِحَةِ خَمْسٌ مِنَ الْإِبِلِ، وَاَنَّ الرَّجُلَ يُقْتَلُ بِالْمَرْأَةِ، وَعَلَى أَهْلِ الذِّمَّةِ أَلْفُ دِينَارٍ۔ (۱)

جان کی دیت سو اونٹ ہے، اور ناک میں اس وقت دیت ہے جب اسے جڑ سے کاٹ ڈالا گیا ہو، اور زبان میں دیت ہے، اور دونوں ہونٹوں اور شرم گاہ میں اور دونوں ہونٹوں اور ریڑھ کی ہڈی اور دونوں آنکھوں میں بھی دیت ہے، اور ایک پیر میں آدھی دیت، اور ماموسہ یعنی دماغ کے زخم میں تہائی دیت ہے، اور جائفہ یعنی پیٹ کے زخم میں تہائی دیت ہے، اور منقلہ یعنی جس زخم میں ہڈی ٹوٹ جائے پندرہ اونٹ دیت ہے، اور ہاتھ پیر کی انگلیوں میں ہر انگلی میں

---

(۱) السنن الکبری للنسائی: کتاب القسامۃ، ذکر حدیث عمرو بن حزم بن العقول--- ج۶ ص ۲۷۳، رقم الحدیث: ۷۰۲۹

دس اونٹ اور دانت میں پانچ اونٹ، اور موضحہ یعنی ایسا زخم جس میں ہڈی کھل جائے پانچ اونٹ، اور عورت کے بدلہ میں مرد قتل کیا جائے گا، اور سونے سے دیت ادا کرنے والے پر ہزار اشرفی ہے۔

عوضِ مالی

پوری دیت سو اونٹ ہے لیکن اعضاء کی اہمیت اور زخم کے کم وبیش ہونے سے کسی عضو اور زخم میں پوری دیت واجب ہوتی ہے اور کسی میں نصف اور کسی میں اس سے بھی کم، اعضاء میں ناک، زبان، ہونٹ، خصیتین، شرم گاہ، ریڑھ کی ہڈی اور دونوں آنکھوں میں پوری دیت واجب ہوتی ہے، اسی طرح دونوں پیر میں بھی پوری دیت ہے، البتہ ایک پیر میں آدھی دیت ہے، یہ وہ انسانی اعضاء ہیں جن پر انسانی زندگی کا بڑی حد تک دارومدار ہے اور جن کے نہ ہونے سے انسان کی زندگی بے کیف ہوتی ہے۔

حدیث میں جو تفصیل مذکور ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سونا اور چاندی کی جو مقدار دیت میں بیان کی گئی ہے وہ اس زمانہ میں سو اونٹ کی قیمت کا حساب لگا کر بیان کی گئی ہے، ورنہ دراصل دیت کی بنیاد اونٹ پر ہے، لیکن فقہاء نے حدیثِ نبوی کی روشنی میں دیت کی تفصیل یکجا بیان کردی ہے، مثلاً اونٹ سے دیت دے تو سو اونٹ ہے، اور سونے سے ادا کرے تو ایک ہزار اشرفی ہے، اور چاندی سے ادا کرے تو دس ہزار درہم ہے، اور گائے بیل دینا چاہے تو دو سو گائے بیل ہیں، بکری سے ادا کرنا چاہے تو ایک ہزار بکریاں ہیں، اور جوڑے سے ادا کرنا چاہے تو دو سو جوڑے ہیں، اس طرح کہ ہر جوڑے میں دو کپڑے ہوں، ازار اور چادر:

ومن العين ألف دينارٍ، ومن الورق عشرة آلاف درهمٍ ...من البقر مائتا بقرةٍ، ومن الغنم ألفا شاةٍ، ومن الحلل مائتا حلة، كل حلةٍ ثوبانٍ.[1]

---

(۱) المختصر للقدوری: کتاب الدیات، ص۱۹۸

سونے سے دیت ہزار دینار ہے اور چاندی سے دس ہزار درہم، اور گائے سے دوسو گائے اور بکری سے ایک ہزار بکری، اور جوڑوں سے دوسو جوڑے کے ہر جوڑے میں دو کپڑے ہیں۔

ایک انگلی کی قیمت

مختلف جانوروں کو نظر انداز کر دیا جائے کہ ان کی قیمت کا اندازہ مشکل ہے، مگر سونا چاندی جس کو ثمن کا درجہ حاصل ہے، اسے پیش نظر رکھ کر انسانی اعضاء کی قیمت لگائی جائے تو ایک انگلی کی قیمت خواہ چھوٹی ہو خواہ بڑی، جو مجرم پر عائد کی گئی ہے اشرفی ہے، اور دراہم کے اعتبار سے ایک انگلی کی قیمت ایک سو درہم ہے۔

عوض مالی کا مصرف

عوض مالی کے سلسلہ میں مجرم سے جو رقم وصول کی جائے گی وہ حکومت کے خزانے میں داخل نہیں ہوگی بلکہ یہ رقم مجروح کو ملے گی، دیت کی رقم خواہ جان کی ہو، خواہ عضو کی، مقتول کے ورثاء یا خود مجروح کے حصہ میں آتی ہے، اسلام کا یہی قانون ہے۔

مخصوص اعضاء کی قیمت جان کے برابر اور اس کی وجہ

مخصوص اعضاء میں سے ہر ایک کی قیمت جان کے برابر رکھی ہے کہ اس کے نقصان سے آدمی کے جمال وکمال میں بڑا فرق آجاتا ہے، اور آدمی کی عظمت کا تقاضا بھی ہے کہ اس کے مخصوص اعضاء کو اہمیت دی جائے:

والأصل في الأطراف أنه إذا فوت جنس منفعة على الكمال أو أزال جمالا مقصودا في الآدمي على الكمال يجب كل الدية لإتلافه النفس من وجه وهو ملحق بالإتلاف من كل وجه تعظيما للآدمي.(۱)

(۱) الهداية : كتاب الديات، فصل فيما دون النفس، ج۴ ص ۵۸۰

اور اعضاء میں جب ان کی جنس منفعت بالکل ختم کردی جائے، یا اس کی موزونیت اور خوبصورتی کا بالکلیہ ازالہ کردیا جائے جو آدمی میں مقصود ہے، تو ایسی صورت میں پوری دیت واجب ہوگی، کیونکہ یہ ایک طرح کا جانی نقصان ہے، جسے انسانی عظمت کی وجہ سے مکمل جانی نقصان کا درجہ دے دیا گیا ہے۔

اس سے بڑھ کر یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مخصوص اعضاء کی یہی سزا بیان فرمائی ہے، جرائم پر اسلام کی بیان کردہ سزائیں اگر عائد کردی جائیں تو غیر ممکن ہے کہ قتل اور ظلم و جور کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند نہ ہو جائے اور کھویا ہوا امن وامان پورے طور پر نہ مل جائے۔

قوانین دیگر اَدیان

اسلامی قانون کی بقدرِ ضرورت تفصیل آپ پڑھ چکے، میں نے عرض کیا تھا کہ یہ قانون افراط وتفریط سے پاک ہے اور اپنے اندر اعتدال رکھتا ہے، اس میں نہ موسوی قانون کی سی سختی ہے اور نہ عیسوی قانون کی سی ضرورت سے زیادہ نرمی۔

موسوی قانون

موسوی قانون کا ایک حصہ آپ ضمنی طور پر پڑھ چکے جس کی طرف قرآنِ پاک میں اشارہ کیا گیا، بقدرِ ضرورت تفصیل یہاں ملاحظہ فرمائیں:

اور وہ جو انسان کو مار ڈالے، سو مار ڈالا جائے گا، اور اگر کوئی اپنے ہمسایہ کو چوٹ لگائے، سو جیسا کرے گا ویسا ہی پائے گا، توڑنے کے بدلے توڑنا، آنکھ کے بدلہ آنکھ، دانت کے بدلے دانت، جیسا کوئی کسی کو نقصان کرے، اس سے ویسا ہی کیا جائے (پرانا عہد نامہ: کتاب احبار، باب ۲۴) جو کوئی کسی کو مارے اور وہ مر جائے، تو وہ البتہ قتل کیا جائے (ایضاً: کتاب الخروج، باب ۲۱) اور اگر وہ

اس صدمے سے ہلاک ہو جائے، تو جان کے بدلے جان لے، اور آنکھ کے بدلے آنکھ، دانت کے بدلے دانت اور ہاتھ کے بدلے ہاتھ، پاؤں کے بدلے پاؤں، جلانے کے بدلے جلانا، زخم اور چوٹ کے بدلے چوٹ (ایضاً) تو تم اس سے وہ سلوک کرو جو اس نے چاہا تھا کہ اپنے بھائی سے کرے، تو اس طرح برائی کو اپنے درمیان سے دفع کرو، تا کہ باقی لوگ سنیں اور دہشت کھائیں، اور آگے کو تمہارے درمیان ایسی شرارت پھر نہ کریں، اور تیری آنکھ مروت نہ کرے کہ جان کے بدلہ جان، آنکھ کا آنکھ، دانت کا بدلہ دانت، ہاتھ کا بدلہ ہاتھ اور پاؤں کا بدلہ پاؤں ہوگا۔ (۱)

عیسوی قانون

اب اس کے مقابلہ میں عیسوی قانون ملاحظہ کریں کہ کس طرح اس کی بالکل ضد ہے: تم سن چکے ہو کہ کہا گیا ہے کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت، پر میں تمہیں کہتا ہوں کہ ظالم کا مقابلہ نہ کرو، بلکہ جو تمہارے داہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے، اور اگر کوئی چاہے کہ تجھ پر نالش کر کے تری قبا لے تو کرتے کو بھی اسے لینے دے، اور جو کوئی تجھے ایک کوس بے کار لے جائے تو اس کے ساتھ دو کوس چلا جا، جو کوئی تجھ سے مانگے اسے دے۔ (۲)

موازنہ

خلاصہ یہ ہوا:

۱...... تورات جو مذکورہ تینوں کتابوں میں سب سے پہلی ہے، تشدد اور قتل کے جواب میں

(۱) پرانا عہد نامہ: کتاب استثناء، باب ۱۱، آیات ۱۹، ۲۰، ۲۱

(۲) نیا عہد نامہ: متی کی انجیل، باب ۵

تشدد اور قتل لازم قرار دیتی ہے اور تاکید کی ہے تیری آنکھ مروت نہ کرے، اور ظالم کو معافی نہ دے۔

۲.....انجیل جو تورات کے بعد کی کتاب ہے اس میں تشدد اور قتل کی بالکل اجازت نہیں دی گئی ہے، خواہ کچھ ہو جائے ہر صورت میں عفو و درگزر سے کام لینے کا حکم ہے، اور قاتل اور مجرم کو آزادی بخشی گئی ہے، اور تاکید ہے ''میں تمہیں کہتا ہوں کہ ظالم کا مقابلہ نہ کرو، جو تمہارے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے'' آپ اس سے اندازہ کیجیے کہ اس تعلیم پر عمل کرنے سے انسانی جذبات کی تشفی ہو چکی ہے؟

۳.....قرآنِ پاک جو سب سے آخری کتاب ہے، تشدد کے جواب میں تشدد کا حق تسلیم کرتی ہے، مگر اس کی تکمیل حکومتِ وقت کے ہاتھ میں دیتی ہے، ہر ایک کو یہ حق نہیں دیتی۔ مگر ساتھ ہی عفو و درگزر کی اجازت بھی دیتی ہے، گویا موسوی قانونِ قصاص ہے اور عفو بالکل نہیں، عیسوی قانون میں صرف عفو ہی عفو ہے، قصاص کا نام و نشان نہیں، اسلامی قانون میں قصاص بھی ہے اور عفو و درگز کی اجازت بھی۔

اعتدال کی راہ

موسوی قانون ایک انتہاء پر تھا اور عیسوی دوسری انتہاء پر، اور اسلامی قانون دونوں کے بیچوں بیچ معتدل اور درمیانی راہ ہے، نہ موسوی قانون کی طرح بلا کی سختی کہ جس سے انسان گھبرا اُٹھے، اور نہ عیسوی قانون کی ضرورت سے زیادہ نرمی کو مجرم شیر بن جائے اور ملک کا امن و امان غارت ہو جائے۔

تورات کے احکام کو عوام سراہ سکتے ہیں اور یہ ان کا دستور العمل بن سکتے ہیں، لیکن خواص میں مقبول نہیں ہو سکتے۔ انجیل کے احکام صرف خواص الخواص کا حصہ ہو سکتے ہیں اور وہی اس پر عمل کر سکتے ہیں عوام کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی، لیکن قرآنِ مجید کے احکام

ایسے روشن مینار کی حیثیت رکھتے ہیں جو ہر شخص کے لئے مشعلِ راہ اور قابلِ قبول ہیں۔ خواہ اس کا تعلق عوام سے ہو خواہ خواص سے۔

اسلامی قانون کی ہمہ گیری

اور یقین کیجیے کہ امن و امان ایسے ہی قانون سے قائم رہ سکتا ہے جس میں سارے پہلوؤں کی رعایت ہو، جو نہ خدا کے حق کو نظر انداز کرتا ہو، نہ وارثانِ مقتول کے جذبات و ضروریات سے چشم پوشی کرتا ہو، اور نہ ملک وقوم اور مقتول کے تعلقات کو پس پشت ڈالتا ہو، جس میں عوام کے جوش اور جذبہ انتقام کا بھی لحاظ ہو، اور ساتھ ہی خواص کی دور اندیشی اور باریک بینی کا بھی پاس ہو، جس سے عجلت پسند بھی مطمئن ہو جائے اور دور اندیش کی بھی تسکین خاطر میں ترقی کسر باقی نہ رہے، اور اسی طرح حکومت کے اختیار کو ٹھیس لگے اور نہ وارثانِ مقتول کا اختیار مخدوش ہو۔

اسلامی قانون سچ مچ ایسا ہی ہے اس میں جس قدر غور کیجیے نکھرتا ہی جائے گا، اور ایسا کیوں نہ ہو کہ یہ آخری قانون ہے جس میں کبھی تبدیلی کا کوئی امکان نہیں، اور جس کا منشاء ہی دنیا میں امن و امان قائم کرنا، کھوئے ہوئے سکون کو واپس لانا، منتشر انسانی آبادی کو ایک لڑی میں پرونا، اور انسانیت وخداترسی پیدا کرنا ہے۔

اسلامی اور انسانی قوانین میں تفاوت

اسلامی اور انسانی قوانین میں کتنا عظیم الشان فرق ہے اور نتائج کے اعتبار سے دونوں میں کس قدر تفاوت ہے، اس کا اندازہ اس برٹش لا سے لگایئے جو دنیا کی ایک بڑی مہذب شائستہ اور تعلیم یافتہ قوم کی دماغی اپج اور تجربہ کا نتیجہ ہے، اور جسے ہندوستان میں انہوں نے رائج کیا تھا، اور جواب تک کسی نہ کسی شکل میں رائج ہے۔

قتلِ عمد کے سلسلہ میں بیان کیا جا چکا ہے کہ اسلام کا ابدی قانون یہ ہے کہ خون کا بدلہ

خون ہے، جو ولی مقتول خود انجام دے گا، یا اس کے حکم سے کوئی دوسرا، لیکن ساتھ ہی ولی مقتول اس سزا کے عائد پر مجبور نہیں ہے، بلکہ اس کو اختیار ہے کہ وہ قاتل کو قتل کرڈالے یا اپنی خوشی سے قتل کے عوض دیت (مالی عوض) لے کر جان بخشی کردے، یا بالکل معاف کردے یعنی نہ قاتل کو قتل کرے اور نہ دیت قبول کرے، یہ الگ بات ہے کہ اسلام میں قصاص کی ترغیب دی گئی ہے تاکہ آئندہ قتل کا مکمل انسداد ہو سکے۔

قتلِ خطا کے سلسلہ میں اسلامی قانون یہ ہے کہ قاتل ایک غلام یا لونڈی کو آزاد کرے اور مزید یہ کہ وہ اور اس کے اہل خاندان کو دیت ادا کریں، یعنی سو اونٹ، ایک ہزار اشرفی، یا ایک ہزار درہم، تفصیل اوپر گزر چکی۔

برٹش لاء قتلِ عمد کے سلسلہ میں ہے:

> جو کوئی شخص قتلِ عمد کا مرتکب ہو، اس کو سزائے موت، یا حبس دوام، بعبور دریائے شور کی سزا دی جائے گی اور وہ جرمانے کا بھی مستوجب ہوگا۔ (۱)

قتلِ خطا کی سزا برٹش لاء میں یہ بیان کی گئی ہے:

> جو کوئی ایسے قتل انسانی کا مرتکب ہو جو قتل عمد کی حد کو نہ پہنچتا ہو تو اس شخص کو حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا دی جائے گی، یا دونوں قسموں میں سے کسی قسم کی قید کی سزا دی جائے گی، جس کی میعاد دس برس تک ہو سکتی ہے، اور وہ جرمانے کا بھی مستوجب ہوگا۔ (دفعہ ۳۰۴)

انسانی قانون کی خامیاں

یہ دونوں سزائیں ایک اسلامی خداوندی دوسری انسانی حکومت کی آپ کے سامنے ہیں، غور سے پڑھیں اور فیصلہ کریں کہ ان دونوں میں کتنا فرق ہے۔

کون نہیں جانتا کہ قتل کی سزا اس لئے دی جاتی ہے کہ وارثانِ مقتول کا آدمی ضائع ہوا

---

(۱) مجموعہ تعزیرات ہند: دفعہ ۳۰۲

ہے، جس سے ان کا اتنا بڑا نقصان ہوا ہے کہ اس کی تلافی نہیں ہوسکتی ہے، پھر اس کی وجہ سے قدرتی طور پر ان کے دلوں میں انتقام کے جذبات بھڑک اٹھے ہیں، جس سے ملک کے امن وامان میں خلل متوقع ہے اور بدامنی کے پھیلنے کا قوی اندیشہ ہے، سزا وارثانِ مقتول کی طرف سے غم خواری ہے بلکہ ان کے انتقامی جذبات کے لئے باعثِ تسکین بھی ہے، جس سے امن وامان میں مدد ملتی ہے اور ملک میں سکون پیدا ہوتا ہے، رہا ملک کا نقصان شدید کہ ملک کی ایک قیمتی جان ضائع ہوئی، اس نقصان کی تلافی کسی کے بس کی بات نہیں، البتہ اور زیادہ فضا خراب نہ ہو اس کی شکل یہی تھی کہ سزا دے دی جائے، اس پر عمل کیا گیا۔

ان حالات میں ماننا پڑے گا کہ اسلامی قانون ہی افضل ومکمل ہے کہ اس میں وارثانِ مقتول کی دلدہی کا پورا لحاظ و پاس ہے، ان کو اختیار دیا گیا ہے کہ یہ قاتل کو قتل کر کے اپنے دل کو ٹھنڈا کر دیں، یا اپنی مصلحت کے پیش نظر معقول عوض لے کر چھوڑ دیں۔

وارثانِ مقتول کے جذبات سے بے پروائی

مگر انسانی قانون میں ان امور کا بالکل لحاظ نہیں ہے، فیصلہ میں وارثانِ مقتول کی رائے کو کوئی دخل نہیں ہوتا، بلکہ وہ صرف حکومت کے اختیار میں ہے کہ جرم کے ثابت ہو جانے کے بعد موت کی سزا دے یا حبس دوام کی، پھر وارثانِ مقتول کی دلدہی کا کوئی لحاظ نہیں ہے، کیونکہ آدمی کی تسکین اس وقت صحیح معنی میں ہوتی ہے جب کہ اس کو خود مختار بنا دیا جائے، مجبوری کے عالم میں چھوڑ دینے سے تسکین نہیں ہوتی، دوسرے قتل کی روک تھام قتل ہی سے ہوتی ہے حبسِ دوام سے نہیں، تیسری چیز یہ کہ وارثانِ مقتول کی مرضی کا لحاظ ہونے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کبھی وہ بے حد مصائب میں مبتلا ہو جائیں گے، مثلاً ایک بوڑھے باپ یا کسی بے کس بیوہ کے دو بیٹے لڑ پڑے، ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا تو اب اس صورت میں ایک تو آپس کی لڑائی میں ختم ہو گیا، دوسرے کو حکومت نے مجرم قرار دے کر پھانسی پر کھچوا دیا، غور کیجیے کہ یہ اس بوڑھے سے باپ یا بوڑھی بے سہارا ماں کی حمایت ہوئی اور اس کے جذبات کا پاس ہوا؟ یا اس کی بے کسی میں اضافہ ہوا، اور اس کے رہے سہے کو ختم کیا گیا، بوڑھا باپ یا

بیوہ بوڑھی ماں پر اس فیصلہ کا جو اثر ہو سکتا ہے ظاہر ہے، مگر اسلامی قانون میں یہ عیب نہیں ہے اس میں بڑی لچک ہے، کیونکہ وارثانِ مقتول کو اختیار ہے کہ وہ قصاص لے، یا قصاص چھوڑ دے اور دیت قبول کرے یا دونوں معاف کر دے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

بعض لوگ اپنی سادہ لوحی سے سوال کرتے ہیں کہ عوضِ مالی کا مال دار آدمی پر کیا اثر ہو گا، وہ جس کو چاہیں گے قتل کرا دیں گے اور دیت دے کر چھوٹ جائیں گے، یہ سمجھنا سراسر غلط ہے، یہ سوال اس وقت البتہ درست ہو سکتا تھا کہ دیت دے کر چھوٹ جانا قاتل کے اختیار میں رکھا جاتا مگر یہاں ایسا نہیں ہے، بلکہ سارا اختیار وارثانِ مقتول کے ہاتھ میں رکھا گیا ہے اور ان پر کوئی دباؤ جائز نہیں ہے، لہٰذا یہ سوال ہی غلط ہے۔

یہی نقص برٹش لاء کے اندر قتلِ خطاء کی سزا میں بھی ہے کیونکہ برٹش لاء میں جو سزا تجویز کی گئی ہے اس میں قاتلِ خطاء اور وارثانِ مقتول دونوں میں سے کسی کا کوئی لحاظ و پاس بالکل نہیں ہے، البتہ حکومت کا فائدہ سامنے رکھا گیا ہے حبس دوام کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک تو مقتول کے وارثوں کو اس سے کوئی خاص ایسا فائدہ نہیں ہوگا جس سے ان کی اشک شوئی ہوتی۔ دوسرے قاتلِ خطاء کے بچوں کا سہارا لے جاتا رہا، اس کے خلاف اسلامی قانون میں ان دونوں کی بھی رعایت ہے اور امن وامان کی بھی، اسلامی سزا میں ایک طرف وارثانِ مقتول کی امداد ہو جائے گی، دوسری طرف چونکہ قاتلِ خطاء ان پر اور خدا کے درمیان بے قصور ہے، اس لئے اس کی مالی سزا تو ضرور ہوئی مگر وہ خود آزاد رہا اور اس طرح اس کے بال بچوں کا سہارا بھی قائم رہا، اور اسی کے ساتھ ملک اور پبلک کے امن وامان کو قاتلِ خطاء کی بے احتیاطی سے جو نقصان پہنچا تھا، غلام کی آزادی اور خود اس پر اور اس کے اہل خاندان پر دیت واجب قرار دینے سے اس کی تلافی پورے طور پر ہو گئی۔

اگر کسی کے ذہن میں یہ کھٹکے کہ اس طرح کی سزا سے غلطی اور خطاء کا عادی بھی ہو سکتا

ہے جو ملک وقوم کے لئے بے حد نقصان دہ ہے، ایسے حضرات سے گزارش ہے کہ اسلامی قانون کی اس دفعہ کو یاد کریں جس میں وضاحت کی جا چکی ہے کہ جو اس طرح جرم کا تکرار کرے گا حکومت وقت اس کو قتل کرا سکتی ہے۔

اعضائے انسانی کو نقصان پہنچانے کی سزا

انسانی اور اسلامی قانون کا یہی تفاوت اس سزا میں ہے جو اعضاء انسانی کو نقصان پہنچانے کے سلسلہ میں مقرر کی گئی ہے، اسلامی قانون کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے کہ اس قانون میں قتل کی طرح مظلوم ومجروح کو اختیار ہے کہ وہ ظالم وجارح سے اسی کے مثل بدلہ لے یعنی آنکھ کے بدلہ آنکھ، ناک کے بدلہ ناک، کان کے بدلہ کان اور دانت کے بدلہ دانت کو نقصان پہنچائے، مختصر یہ کہ جس قسم کی اسے تکلیف پہنچی ہے وہ بھی قانوناً ظالم کو پہنچا سکتا ہے، لیکن ساتھ ہی وہ مالی عوض قبول کر کے اس سے درگزر بھی کر سکتا ہے۔ جس کی تفصیل اوپر بیان ہو چکی ہے، اور یہ عوض مالی بھی بہت معقول ہے، مگر اس کے مقابلہ میں انسانی قانون (برٹش لاء) کی خامیوں کا اندازہ لگائیں۔ قانون یہ ہے:

> جو کوئی شخص بلا اشتعال دینے کسی دوسرے شخص کے بلا ارادہ ضرر پہنچائے تو شخص مذکور کو دونوں قسموں میں کسی قسم کی قید کی سزا دی جائے گی، جس کی معیاد ایک برس تک ہو سکتی ہے یا جرمانے کی سزا جس کی مقدار مبلغ ایک ہزار روپے تک ہو سکتی ہے، یا دونوں قسم کی سزائیں دی جائیں گی۔ (دفعہ ۳۲۳)

خامیاں ہی خامیاں

اس دفعہ کی خامیوں کا اندازہ لگایا جائے کہ یہاں بھی وہی نقص ہے کہ مظلوم کو کوئی اختیار نہیں ہے، حالاں کہ نقصان مظلوم کا ہوا ہے، جب تک اس کو اس باب میں اختیار نہیں دیا جائے نفسیاتی طور پر اس کی تسکین جیسی چاہیے نہیں ہو سکتی، پھر یہاں اس کو قطعاً اختیار نہیں ہے کہ وہ قصاص کی صورت سے دانت کے بدلہ میں دانت توڑ سکے، آنکھ کے بدلہ میں آنکھ

نکل سکے، یا اس کے جس عضو کو ظالم نے تکلیف پہنچائی ہے وہ بھی پہنچا سکے گا، بلکہ قانون میں قصاص کی سرے سے گنجائش ہی نہیں ہے صرف قید کی سزا ہے یا جرمانہ کی جو حکومت کے خزانے میں داخل ہوتا ہے، حالانکہ جرموں کے روکنے میں قصاص جتنا مفید ہوسکتا ہے کوئی اور چیز نہیں ہوسکتی، ظالم کی حوصلہ شکنی کا نفسیاتی طریقہ وہی ہے جس کی ہدایت اسلامی قانون میں ہے۔ ایک آدمی کسی کی آنکھ کو پھوڑ کر خوش ہوسکتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ ہمیں قید یا جرمانے کی سزا ہوگی۔ مظلوم کی ہمیشہ کے لئے آنکھ گئی، مگر جب ظالم کو معلوم ہوگا کہ آنکھ کے بدلہ میں اس کی آنکھ بھی پھوڑی جائے گی، اور اسی کے ہاتھ سے جس کی اس نے پھوڑی ہے تو پھر اس کی جرأت نہیں ہوسکتی۔

پھر مظلوم کی حمایت کا تقاضا تھا کہ اسے اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ ان دونوں سزاؤں میں سے جس کو چاہتا ہے نافذ کرا سکتا ہے اور مالی معاوضہ بھی اس کو ملتا ہے، نہ کہ حکومتِ وقت چاہے کرے اور مالی معاوضہ اس کے لئے خزانہ میں داخل کیا جائے، سوچئے تو سہی کہ ظالم کو قید میں ڈالے جانے سے مظلوم کو کیا فائدہ ہوگا، یہ البتہ ہوگا کہ ظالم کو تنبیہ ہوگی مگر یہ صرف ایک پہلو ہے۔

معلق سزا

پھر یہ بھی خامی ہے کہ قید اور جرمانہ کی کم سے کم مقدار متعین نہیں ہے، بلکہ اسے عدالت کی رائے پر چھوڑ دیا گیا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ امن وامان کی بحالی میں اس قانون سے حسبِ دلخواہ مدد پہنچ سکے گی اور نہ مظلوم کی حمایت جیسی چاہے ہوسکے گی۔

اس وقت میں نے صرف ایک ملک کے انسانی قانون کو پیش کیا ہے، مگر اپنا یقین ہے جتنے بھی انسانی قوانین ہیں، خواہ وہ کسی بھی ملک کے ہوں، ان میں اسی طرح کے بے انتہاء نقائص موجود ہیں۔

اسلام نے انسانی اعضاء کی حفاظت کے بہت ہی محکم اصول وضع کئے ہیں، اور اس

طرح امن وامان کے دشمنوں کی کڑی نگرانی قائم کی ہے۔

بہر حال جن اعضاء انسانی میں مماثلت ممکن ہے ان میں قصاص ہے یا دیت، اور جن اعضاء انسانی کو اس طرح تکلیف پہنچائی جائے کہ برابر بدلہ لیا جانا ممکن نہ ہو بلکہ زیادتی کا اندیشہ ہو اس کی سزا میں صرف دیت ہے اور بعض صورتوں میں حکومتِ عدل۔

اعضائے انسانی کی قدر و قیمت نگاہِ نبوی میں

تفصیل سے میں نے قصداً گریز کیا ہے۔ کتبِ فقہ میں پوری تفصیل موجود ہے وہاں دیکھی جاسکتی ہے، اس وقت چند احادیث پیش کر کے اس بحث کو ختم کرتا ہوں۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب کسی آنکھ کو کوئی اس طرح نقصان پہنچائے کہ اس کی وجہ سے اس کی روشنی تو جاتی رہے مگر وہ اپنی جگہ بدستور باقی رہے تو اس کی دیت سو دینار ہے:

اَنَّ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ، كَانَ يَقُولُ فِي الْعَيْنِ الْقَائِمَةِ إِذَا طَفِئَتْ مِائَةُ دِينَارٍ. (۱)

حضرت عمرو بن شعیب رحمہ اللہ راوی ہیں کہ:

اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَى فِي الْعَيْنِ الْعَوْرَاءِ السَّادَّةِ لِمَكَانِهَا إِذَا طُمِسَتْ بِثُلُثِ دِيَتِهَا، وَفِي الْيَدِ الشَّلَّاءِ إِذَا قُطِعَتْ بِثُلُثِ دِيَتِهَا، وَفِي السِّنِّ السَّوْدَاءِ إِذَا نُزِعَتْ بِثُلُثِ دِيَتِهَا. (۲)

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کانی آنکھ میں جو اپنی جگہ قائم ہے جب اسے مٹا دیا جائے، اور اس شل ہاتھ میں جس کو کاٹ دیا جائے، اور اس کالے دانت میں جس کو گرا دیا جائے، تہائی دیت کا فیصلہ کیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قبیلہ ہذیل کی دو عورتیں لڑ پڑیں، ایک

---

(۱) موطا مالك: كتاب العقول، باب ماجاء في عقل العين إذا ذهب بصرها، ج۲ ص ۸۵۷

(۲) سنن النسائي: كتاب القسامة، العين العوراء السادة لمكانها إذا طمست، ج۸ ص۵۵، رقم الحديث ۴۸۴۰

نے دوسرے کو پتھر اٹھا کر دے مارا، جس سے دوسری مر گئی اور اس کے ساتھ اس کے پیٹ کا بچہ بھی مر گیا۔ جب یہ مقدمہ دربارِ نبوی میں پیش ہوا، تو آپ نے عورت کی دیت کا فیصلہ فرمایا اور جنین (پیٹ کے بچہ) کی دیت میں فرمایا کہ ایک غلام یا لونڈی آزاد کرے:

عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ، اَنَّ امْرَاَتَیْنِ مِنْ هُذَیْلٍ رَمَتْ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَی، فَطَرَحَتْ جَنِینَهَا،فَقَضَی فِیهِ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِغُرَّةٍ عَبْدٍ اَوْ وَلِیدَةٍ۔(1)

کتبِ حدیث میں اس طرح کے بے شمار واقعات اور اس کی سزائیں منقول ہیں، یہاں تمام کا نقل کرنا طوالت سے خالی نہیں ہے۔

قسامت

یہ ان قوانین کی تفصیل تھی جن کا تعلق ان مجرموں سے تھا جن کا پتہ چل گیا ہو، مگر بعض اوقات مجرم کا پتہ نہیں چلتا، اسلام نے اس کی بھی تفصیل بیان کی ہے، کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص مقتول ملتا ہے مگر اس کے قاتل کا پتہ نہیں چلتا، اگر یہ لاش سالم ہے یا نصف سے زیادہ ہے اور وہ آبادی میں یا آبادی سے اتنی دوری پر ملی ہے کہ اگر زور سے آدمی چیخے تو اس کی آواز یہاں تک پہنچ سکتی ہے، تو اسلام ایسی انسانی جان کو ضائع نہیں ہونے دیتا بلکہ اس کی ذمہ داری اس پر ڈالتا ہے جو اس لاش سے قریب ہے، اور وہاں کے باشندوں کا فریضہ قرار دیتا ہے کہ وہ اس طرح کے جرائم کی دیکھ بھال کریں تا کہ اس طرح کے واقعات کا اعادہ نہ ہونے پائے، مقتول کے وارثوں کے مطالبہ پر حکومت واقعات کی تحقیق کرے گی،

---

(۱) موطا مالك: كتاب العقول، باب عقل الجنين، ج۲ ص ۸۵۵

اگر قاتل کا پتہ چل گیا تب تو ٹھیک ہے ورنہ اس آبادی کے باشندووں میں سے پچاس آدمیوں سے قسم لی جائے، اسی طرح سے کہ ان میں سے ہر ایک قسم کھائے گا کہ "خدا کی قسم میں نے نہ اس کو قتل کیا ہے اور نہ اس کے قاتل کا مجھے علم ہے" ان پچاس آدمیوں کے انتخاب کا حق ولی مقتول کو ہے، جب یہ پچاس کے پچاس آدمی ایسی قسم کھا جائیں گے تو ان پر دیت کا فیصلہ کر دیا جائے گا، جسے شریعت کی اصطلاح میں "قسامت" کے تعبیر کرتے ہیں:

هِيَ فِي الشَّرِيعَةِ أَيْمَانٌ يُقْسِمُ بِهَا أَهْلُ مَحَلَّةٍ أَوْ دَارٍ أَوْ مَوْضِعٍ خَارِجٍ مِنْ مِصْرَ أَوْ قَرْيَةٍ قَرِيبٍ مِنْهُ بِحَيْثُ يُسْمَعُ الصَّوْتُ مِنْهُ إِذَا وُجِدَ فِي شَيْءٍ مِنْهَا قَتِيلٌ بِهِ أَثَرٌ لَا يُعْلَمُ مَنْ قَتَلَهُ يَقُولُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ بِاللَّهِ مَا قَتَلْتُ وَلَا عَلِمْتُ لَهُ قَاتِلًا. (۱)

قسامت ایسی قسمیں ہیں جو اہلِ محلّہ، یا اہلِ دار، یا مصر سے خارج والوں اور یا آبادی کے ایسے باشندوں سے لی جاتی ہیں جو اس سے اس قدر قریب میں ہیں کہ اگر وہ چیخے تو اس کی آواز سنی جاسکتی ہے، یہ اس صورت میں کہ ان جگہوں سے کہیں کوئی ایسا مقتول پایا جائے جس پر قتل کے نشانات ہوں اور اس کے قاتل کا علم نہ ہو، ان میں سے ہر ایک کہے گا کہ بخدا نہ میں نے اسے قتل کیا اور نہ مجھے اس کے قاتل کا علم ہے۔

قاتل معلوم نہ ہونے کی صورت میں

کتبِ احادیث میں "باب القسامة" کے عنوان سے ایک مستقل باب قائم ہے اور اس میں اس سے متعلق ساری حدیثیں جمع کی گئی ہیں۔ قسامت کا یہ طریقہ زمانہ جاہلیت میں بھی رائج تھا۔ حدیث میں ایک انصاری صحابی کی روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے باقی رکھا:

---

(۱) فتح القدير لابن الهمام : كتاب الديات، باب القسامة، ج۱۰ ص ۳۷۳

عَنْ رَجُلٍ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :اَقَرَّ الْقَسَامَةَ عَلَى مَا كَانَتْ عَلَيْهِ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، فَقَضَى بِهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ نَاسٍ مِنَ الْاَنْصَارِ فِي قَتِيلٍ ادَّعَوْهُ عَلَى الْيَهُودِ۔ (۱)

ایک انصاری سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے قسامت کو اسی طریقہ پر برقرار رکھا جو جاہلیت میں تھا، اور اسی کے مطابق انصاریوں میں اس مقتول کا فیصلہ کیا جس کے قتل کا انہوں نے یہود پر دعویٰ کیا تھا۔

عہدِ نبوی کا واقعہ

عہد نبوی کا واقعہ ہے کہ عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ اور محیصہ بن مسعود رضی اللہ عنہ خیبر آئے۔ یہاں آ کر نخلستان میں ایک دوسرے سے جدا ہو گئے، عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ کو کسی نے قتل کر ڈالا، جب یہ مقدمہ خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش ہوا تو آپ نے فرمایا کہ قسم کھاؤ ورنہ پھر یہود خیبر سے قسم لو، ان لوگوں نے کہا ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا نہیں اور یہود سے قسم لینے کا کیا فائدہ کہ یہ کافر ہیں، چنانچہ اس کی دیت خود آپ نے ادا کی، تاکہ خون رائیگاں نہ جائے، اسی سلسلہ کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایک انصاری خیبر میں مقتول پایا گیا، یہ معاملہ جب آپ کی خدمت میں آیا تو آپ نے فرمایا کہ کیا وہ لوگ ایسے نہیں ہیں جو قتل کے باب میں شہادت پیش کریں۔ اولیائے مقتول نے جواب دیا:

قَالُوا :يَا رَسُولَ اللّٰهِ، لَمْ يَكُنْ ثَمَّ اَحَدٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ، وَاِنَّمَا هُمْ يَهُودُ

---

(۱) السنن الكبرى للبيهقي : كتاب القسامة، باب أصل القسامة والبداية فيها--- الخ، ج۸ ص۲۰۲، رقم الحديث: ۱۶۴۴۲

وَقَدْ يَجْتَرِئُونَ عَلَى أَعْظَمَ مِنْ هَذَا. [1]

یارسول اللہ! وہاں کوئی مسلمان نہ تھا اور وہ یہود ہیں اس سے بڑی بات کی بھی جرأت رکھتے ہیں۔

یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فَاخْتَارُوا مِنْهُمْ خَمْسِينَ فَاسْتَحْلِفُوهُمْ. [2]

ان میں سے پچاس کو منتخب کرو اور ان سے حلف اُٹھواؤ۔

ان لوگوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ آپ نے اپنے پاس سے دیت ادا کی۔

جس آبادی میں زخمی لاش پائی گئی

اس روایت سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم اور دیت دونوں کا فیصلہ کیا، چونکہ یہود کی قسم پر اعتماد نہیں تھا اس لئے اولیائے مقتول نے اس کا کوئی فائدہ نہیں سمجھا، دوسری روایتوں میں اس کی صراحت ہے کہ آبادی کے باشندوں پر دیت کا فیصلہ کیا، سعید بن مسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أن النبي عليه الصلاة والسلام بدأ باليهود بالقسامة وجعل الدية عليهم لوجود القتيل بين أظهرهم. [3]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قسامت کی ابتداء یہود سے فرمائی اور ان کے اندر مقتول پائے جانے کی وجہ سے ان پر دیت عائد کی۔

قسم اور دِیت

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ

---

(۱) سنن أبي داود: كتاب الديات، باب في ترك القود بالقسامة، ج۴ ص۱۷۸، رقم الحديث: ۴۵۲۴

(۲) سنن أبي داود: كتاب الديات، باب في ترك القود بالقسامة، ج۴ ص۱۷۸، رقم الحديث: ۴۵۲۴

(۳) الهداية: كتاب الديات، باب القسامة، ج۴ ص۶۲۲

علیہ وسلم نے اہلِ خیبر کو دیکھا کہ فلاں شخص تم میں مقتول پایا گیا ہے، کیا صورت اختیار کی جائے؟ انہوں نے لکھا کہ اس طرح کا واقعہ بنی اسرائیل میں پیش آیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر اس سلسلہ میں حکم فرمایا تھا، اگر آپ بھی نبی ہیں تو پروردگارِ عالم سے درخواست کیجیے، اس کے جواب میں آپ نے ان کو لکھ بھیجا:

إِنَّ اللّٰهَ تَعَالَى اَرَانِي اَنْ اَخْتَارَ مِنْكُمْ خَمْسِينَ رَجُلًا يَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ مَا قَتَلْنَا وَلَا عَلِمْنَا لَهُ قَاتِلًا ثُمَّ تَغْرَمُونَ الدِّيَةَ، قَالُوا :لَقَدْ قَضَيْتَ فِينَا بِالنَّامُوسِ :اَیْ بِالْوَحْيِ.(۱)

اللہ تعالیٰ نے مجھے خبر دی ہے کہ میں تم میں سے پچاس آدمیوں کو چن لوں اور ان کو حلف دوں کہ بخدا نہ ہم نے اس کو قتل کیا اور نہ اس کے قاتل کا ہمیں علم ہے، پھر وہ دیت ادا کریں، یہ جواب سن کر ان یہودیوں نے کہا: بلاشبہ آپ نے ہم میں وحی کے ذریعہ فیصلہ کیا۔

مسئلہ قسامت کے فوائد

مسئلہ قسامت کا مقصد یہ ہے کہ قتل اور خون ریزی بند ہو اور کسی حال میں انسانی جان ضائع نہ ہونے پائے، ساتھ ہی جس پر قتل کرنے کی تہمت ڈالی گئی ہے وہ قصاص سے بری الذمہ ہو جائے:

والحكمة فيها :تعظيم الدماء وصيانتها عن الإهدار وخلاص المتهم بالقتل عن القصاص.(۲)

اس میں حکمت یہ ہے کہ خون کی اہمیت ہو اور وہ رائیگاں ہونے سے محفوظ ہو جائے اور ساتھ ہی جو قتل کے ساتھ متہم ہے وہ بچ جائے۔

اس مسئلہ میں تمام ائمہ کا اتفاق ہے، تفصیل میں البتہ تھوڑا اختلاف ہے۔ حدیثِ

(۱) فتح القدیر: کتاب الدیات، باب القسامة، ج۱۰ ص۳۷۷

(۲) البنایة شرح الهدایة، کتاب الدیات، باب القسامة، ج۱۳ ص۳۲٦

قسامت نقل کرنے کے بعد علامہ شوکانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فِيهِ دَلِيلٌ عَلَى مَشْرُوعِيَّةِ الْقَسَامَةِ. وَإِلَيْهِ ذَهَبَ جُمْهُورُ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ وَالْعُلَمَاءِ مِنَ الْحِجَازِ وَالْكُوفَةِ وَالشَّامِ ... وَلَمْ يَخْتَلِفْ هَؤُلَاءِ فِي الْجُمْلَةِ إِنَّمَا اخْتَلَفُوا فِي التَّفَاصِيلِ. (۱)

اس حدیث میں قسامت کی مشروعیت پر دلیل ہے، اور اسی طرف جمہور صحابہ، تابعین اور شام، کوفہ اور حجاز کے علماء گئے ہیں اور ان سب کا اس مسئلہ میں اتفاق ہے، البتہ تفصیل میں اختلاف ہے۔

قسامت یعنی کسی مقتول کے پائے جانے پر محلّہ یا آبادی والے سے قسم لینا، اور پھر اس پر دیت عائد کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اہلِ محلّہ اور اہلِ قریہ جان کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں، اگر کوئی کسی کو قتل کرنا چاہے تو اس کا بچانا اور اس کی امداد کرنا ان لوگوں کا دینی فریضہ ہے کہ پھر اس طرح کا کوئی فتنہ اُٹھنے نہ پائے۔

قسامت کے وجوب کی وجہ

قسامت میں جن الفاظ کے ساتھ قسم دی جاتی ہے، اس کا منشاء یہ ہے کہ قاتل کو اگر کوئی جانتا ہے تو وہ اس کی حمایت میں آکر اس کے چھپانے کی سعی نہ کرے، بلکہ اس کا نام ظاہر کر دے تاکہ وہ اپنے جرم کی سزا پائے اور دوسرے لوگ اس تہمت سے محفوظ ہو جائیں:

وَأَوْجَبَ الْقَسَامَةَ عَلَيْهِمْ لِرَجَاءِ أَنْ يَظْهَرَ الْقَاتِلُ بِهَذَا الطَّرِيقِ ... ثُمَّ عَلَى أَهْلِ كُلِّ مَحَلَّةٍ حِفْظُ مَحَلَّتِهِمْ عَنْ مِثْلِ هَذِهِ الْفِتْنَةِ؛ لِأَنَّ التَّدْبِيرَ فِي مَحَلَّتِهِمْ إِلَيْهِمْ فَإِنَّمَا وَقَعَتْ هَذِهِ الْحَادِثَةُ لِتَفْرِيطٍ كَانَ مِنْهُمْ فِي الْحِفْظِ حِينَ تَغَافَلُوا عَنِ الْأَخْذِ عَلَى أَيْدِي السُّفَهَاءِ مِنْهُمْ، أَوْ مِنْ غَيْرِهِمْ فَأَوْجَبَ الشَّرْعُ الْقَسَامَةَ وَالدِّيَةَ عَلَيْهِمْ لِذَلِكَ. (۲)

---

(۱) نيل الأوطار: كتاب الدماء، باب ما جاء في القسامة، ج۷ ص۳۶

(۲) المبسوط للسرخسي: كتاب الديات، باب ما جاء في القسامة، ج۲۶ ص۱۰۸

اوران پر قسامت اس امید پر واجب کی ہے کہ اس طرح قاتل ظاہر ہو جائے اور تمام اہلِ محلّہ اس طرح کے فتنوں سے اپنے محلّہ کی حفاظت کریں، کیونکہ محلّہ کی تمام ذمہ داری انہی لوگوں پر ہے، اس طرح کا حادثہ صرف اس وجہ سے پیش آیا کہ ان کی طرف سے حفاظت میں کوتاہی ہوئی، انہوں نے اپنے بیوقوفوں یا دوسرے مجرموں کا ہاتھ نہیں پکڑا، لہٰذا شریعت نے اسی وجہ سے ان پر قسامت اور دیت دونوں واجب قرار دی۔

اس مسئلہ کی اہمیت اور اس کے گوناگوں فوائد کے پیش نظر قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

حَدِيثُ الْقَسَامَةِ اَصْلٌ مِنْ اُصُولِ الشَّرْعِ، وَقَاعِدَةٌ مِنْ اَحْكَامِ الدِّينِ، وَرُكْنٌ مِنْ اَرْكَانِ مَصَالِحِ الْعِبَادِ۔ (۱)

حدیثِ قسامت اصولِ شرع میں ایک اصل اور اَحکامِ دین میں ایک مستحکم قاعدہ ہے، اور ساتھ ہی بندوں کے فائدوں کے ارکان میں ایک نفع بخش رکن ہے۔

اسلامی قانون کا فائدہ

اسلام نے انسانی جان کے احترام میں جس قدر مستحکم قوانین نافذ کیے ہیں، ان پر عمل پیرا ہونے کے بعد ممکن نہیں کہ اس طرح کا کوئی واقعہ پیش آئے، جس سے ملک کا امن وامان ختم ہو جائے، طاقت ور کمزور کو کچل ڈالیں، اور کوئی پارٹی فتنہ وفساد اور خون ریزی کو ہوا دے، خون کسی حال میں اسلام ضائع نہیں ہونے دیتا، تاوان کسی نہ کسی پر ضرور عائد کرتا ہے، قسامت ایک طرح کا اجتماعی جرمانہ ہے اس سلسلہ میں کوئی کوتاہی شریعت میں پسندیدہ نہیں۔

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح: کتاب الدیات، باب القسامۃ، ج۶ ص۲۳۰۶

ذمہ داروں پر ذمہ داری

اگر کسی کشتی یا جہاز پر کوئی لاش پائی جائے اور اس کے قاتل کا پتہ نہ چلے تو اس صورت میں کشتی یا جہازوں پر قسامت عائد ہوگی، یعنی ان میں مسافر، ملاح اور عملہ سب داخل ہوں گے، اور اگر جامع مسجد یا شارع عام پر اس طرح کی لاش پائی جائے تو چونکہ ان مقامات کی ذمہ داری حکومت پر ہے، اس لئے حکومت بیت المال سے دیت ادا کرے گی اور اسی طرح اگر کوئی لاش قید خانہ (جیل) میں پائی جائے تو اس صورت میں حکومت کے ہی خزانہ سے دیت ادا ہوگی، کیونکہ نگرانی حکومت کے ذمہ ہے۔ (۱)

دو آبادی کے درمیان زخمی لاش

اگر دو آبادیوں کے درمیان زخمی لاش پائی جائے اور قاتل کا علم نہ ہو سکے تو ان دونوں آبادیوں میں جو آبادی قریب تر ہوگی اس پر قسامت عائد ہوگی۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

وُجِدَ قَتِيلٌ بَيْنَ قَرْيَتَيْنِ اَوْ مَيِّتٌ فَاَمَرَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذُرِعَ مَا بَيْنَ الْقَرْيَتَيْنِ إِلَى اَيِّهِمَا كَانَ اَقْرَبَ؟ فَوُجِدَ اَقْرَبَ إِلَى اَحَدِهِمَا بِشِبْرٍ قَالَ :فَكَاَنِّي اَنْظُرُ إِلَى شِبْرِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَهُ عَلَى الَّذِي كَانَ اَقْرَبَ. (۲)

ایک مقتول دو آبادیوں کے درمیان پایا گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ دونوں کو ناپا جائے کہ ان میں سے کس سے قریب تر ہے، چنانچہ ان میں سے ایک آبادی بالشت بھر قریب پڑی، راوی کا بیان ہے کہ گویا میں آپ کی بالشت کو ابھی دیکھ رہا ہوں، پھر قریب تر آبادی پر اس کی ذمہ داری آپ نے عائد کی۔

---

(۱) الهداية: كتاب الديات، باب القسامة، ج۴ ص ۶۲۷

(۲) مسند أحمد : مسند أبي سعيد الخدري، ج۱۸ ص۳۵۸، رقم الحديث: ۱۱۸۴۵

ان مسائل سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام نے انسانی جان کی محافظت کس کس طرح کی ہے۔ ہمارے اس دور میں جب انسانی خون ارزاں اور انسانی جان سب سے زیادہ بے وقعت ہے، کاش اربابِ اقتدار اپنے اپنے ملکوں میں ان قوانین کو نافذ کر کے ملک کو سکون کی دولت بخشنے کی سعی کرتے اور انسانی جان کی قدر و قیمت بڑھاتے۔

فتنہ وفساد اور رہزنی اسلام کی نظر میں

یہ کون نہیں جانتا ہے کہ کسی ملک اور قوم میں اطمینان وسکون کی دولت فراوانی کے ساتھ اس وقت تک نہیں پائی جاسکتی جب تک ان تمام اسباب کا سرے سے قلع قمع نہ کیا جائے جو انسانی چین اور اطمینان کے لئے زہر قاتل کی حیثیت رکھتے ہیں، اور ان تمام لوگوں کا پوری قوت سے سر نہ کچل دیا جائے جو انسانی راحت وعافیت کو ختم کرنے کے عادی مجرم ہیں۔

چنانچہ اسلام نے ان تمام اسباب ومحرکات کی سختی کے ساتھ نگرانی کی ہے جو انسانی آبادی میں شور و ہنگامہ، دنگا وفساد، اور فتنہ پروری کے ممد و معاون بنتے ہیں، اسلام سراپا رحمت ہونے کی وجہ سے ایک لحہ کے لئے ایسی چیزوں کو برداشت نہیں کرتا جو ملک کے امن وامان اور خرمنِ عافیت پر بجلی بن کر گرتی ہیں، اور نہ ان افرادِ انسانی پر ترس کھاتا ہے جو قوم اور ملک کی خوش گوار زندگی سے کھیلنے کی کوشش کرتے ہیں۔

مجرم انسان کی حیثیت

اس سلسلہ میں نہ وہ اپنوں کی پرواہ کرتا ہے اور نہ غیروں کی، نہ بڑوں اور چھوٹوں کی، نہ مسلم کی، نہ ذمی کی، نہ دارالسلام میں بسنے والوں کی، نہ دارالحرب کے باشندوں کی، اس کی عدالتِ عالیہ میں مجرم خواہ کوئی بھی ہو اس کو پوری سزا ملتی ہے، وہی افراد جن کی حرمت و عزت کے لئے اس کی پوری مشینری حرکت میں رہتی ہے اور جن میں سے ایک معمولی شخص کا خون پوری دنیا سے گراں قدر سمجھا جاتا ہے، جب وہی افراد مجرم کی حیثیت سے اس کی

عدالت میں حاضر ہوتے ہیں تو جرم کے اقرار یا اس کے ثابت ہو جانے کے بعد اس کی نگاہِ لطف وکرم میں پھر وہ کسی رحم وکرم کے مستحق باقی نہیں رہتے۔

مجرم اور رحم وکرم

عقل کا بھی تقاضا ہے کہ چند افراد کی وجہ سے پورے ملک وقوم کو امتحان و آزمائش میں نہ ڈالا جائے، اسلام جرم کے نتائج مختلف پیرائے میں بیان کرنے کے بعد دنیا اور آخرت کے عواقب وانجام ان مجرموں کے سامنے رکھتا ہے، ان کے لئے ترغیب کا پہلو بھی اختیار کیا جاتا ہے اور ترہیب کا بھی، کسی بات کے ذہن نشین کرنے کا مؤثر جو اندازِ بیان ہو سکتا ہے اختیار کرتا ہے، پھر بھی جرم کا ارتکاب پایا جائے اور حکومت کے سامنے مقدمہ آجائے تو مجرم کے ساتھ وہی سلوک کیا جاتا ہے جس کا وہ مستحق ہے۔

فتنہ وفساد

یہ مسلّم حقیقت ہے کہ فتنہ وفساد، اور قانون امن وامان کی خلاف ورزی انتہائی ہلاکت خیز ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فتنہ وفساد کی بے انتہا مذمت کی ہے، اور مفسدین سے بے زاری کا بار بار اعلان کیا ہے، خواہ یہ فتنہ وفساد کفر وشرک کے راستہ سے آئے، یا نظامِ حکومت میں خلل ڈالنے کی راہ سے۔ یہ شخصی مظالم کا نتیجہ ہو یا اجتماعی اور قومی بگاڑ کا، یہ برائی جس روپ میں بھی آئے ہر حال میں برائی ہے، فساد اور فسادی کے سلسلہ میں قرآن پاک میں جو آیتیں ہیں ان کا بغور مطالعہ فرمائیں تو اندازہ ہو کہ قرآنِ پاک نے فتنہ وفساد کے استیصال کے لئے کیا کیا اسلوب اختیار کیا ہے۔

فتنہ وفساد فساق کا شیوہ ہے

ایک جگہ کافروں کے اعتراضات کا تذکرہ کر کے بتایا گیا ہے کہ گمراہ وہی لوگ ہوتے ہیں جو نافرمان اور بدکار ہیں، پھر ان بدکاروں کے اعمال واخلاق کا نقشہ کھینچا گیا ہے اور ان کے بُرے اعمال میں فتنہ وفساد کو نمایاں طور پر شمار کیا گیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَ مَا يُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَۙ۝۲۶ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۪ وَ يَقْطَعُوْنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ يُّوْصَلَ وَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۝۲۷ (البقرۃ)

اور گمراہ صرف انہی عدولِ حکمی کرنے والوں کو کرتا ہے جو خدا کے معاہدہ کو اس کے استحکام کے بعد توڑتے ہیں، اور جس کے جوڑنے کا اس نے حکم دیا ہے اس کو قطع کرتے ہیں، اور زمین میں فساد کرتے رہتے ہیں، پس یہ لوگ گھاٹے میں ہیں۔

یہاں فساد کے معنی عام ہیں اور مطلب یہ ہے کہ یہ نا خدا ترس لوگ اسلام کی راہ میں مانع بنتے ہیں، جنگ وجدال کی باتیں کرتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں اور لوگوں کو دینِ حق کے خلاف اُبھارتے ہیں، معلوم ہوا کہ فتنہ وفساد فاسقین اور خسارہ میں رہنے والوں کا حصہ ہے، کوئی اچھا، صالح اور خدا ترس ایسا کام نہیں کرتا۔

صالحین کو فساد کی ممانعت

قرآنِ پاک نے ایک جگہ نیک لوگوں سے متعلق کچھ ہدایات کا تذکرہ کیا وہاں رب العالمین اور چیزوں کے ساتھ یہ بھی فرماتے ہیں کہ فساد و بگاڑ کے درپے ہونے سے بچنا ضروری ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَ ادْعُوْهُ خَوْفًا وَّ طَمَعًا ؕ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ۝۵۶ (الأعراف)

اور دنیا میں بعد اس کے اس کی درستی کردی گئی ہے، فساد مت پھیلاؤ اور تم اللہ تعالیٰ کو پکارو، اللہ سے ڈرتے ہوئے اور امید رکھتے ہوئے، اللہ کی رحمت نیک کام کرنے والوں سے نزدیک ہے۔

نَهَاهُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ بِوَجْهٍ مِنَ الْوُجُوهِ، قَلِيلًا

كَانَ اَوْ كَثِيرًا. (۱)

اللہ تعالیٰ نے ان کو زمین میں فساد کرنے سے منع کیا ہے خواہ وہ کسی انداز میں ہو، معمولی ہو یا زیادہ ہو۔

پھر فساد کے انواع بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَتَخْرِيبُ مَنَازِلِهِمْ، وَقَطْعُ اَشْجَارِهِمْ وَتَغْوِيرُ اَنْهَارِهِمْ .وَمِنَ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ :اَلْكُفْرُ بِاللَّهِ وَالْوُقُوعُ فِي مَعَاصِيهِ. (۲)

فساد ہی کی قسم میں سے ہے لوگوں کے گھروں کا مسمار کرنا، درختوں کا کاٹنا اور نہروں کو خشک کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کا انکار اور اس کی نافرمانی بھی فساد ہی میں داخل ہے۔

فساد منافقوں کا کام ہے

فساد منافقوں کا خصوصی حصہ ہے اور ان منافقین کی خباثتوں میں ایک بڑی خباثت یہ ہے کہ یہ لوگ ملک کے امن وامان کو غارت کرنے کے درپے رہتے ہیں، اور نہ فتنہ وفساد برپا کرنے پر نادم ہوتے ہیں اور نہ اس سے باز آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی شرارتوں کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا:

وَ اِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَ يُهْلِكَ الْحَرْثَ وَ النَّسْلَ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ۝ (البقرة)

اور جب پیٹھ پھیرتا ہے تو اس میں دوڑ دھوپ میں پھرتا رہتا ہے کہ شہر میں فساد کرے اور کھیتی اور آدمیوں اور جانوروں کو تباہ و برباد کرے، اور اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتے۔

---

(۱) فتح القدير للشوكاني : سورة الأعراف آیت نمبر ۵۶ کے تحت، ج ۲ ص ۲۴۳

(۲) فتح القدير للشوكاني : سورة الأعراف آیت نمبر ۵۶ کے تحت، ج ۲ ص ۲۴۳

اس آیت میں فساد کے مضر اثرات کا بیان اور اس بات کا اعلان ہے کہ اللہ تعالیٰ فتنہ و فساد کو ایک لمحہ کے لئے بھی پسند نہیں کرتا۔

فساد اور اہلِ کتاب

اہلِ کتاب کے سلسلہ میں اعلان کیا گیا کہ ان کو فتنہ و فساد سے بہت دلچسپی ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ فتنہ پردازوں اور فسادیوں کو سخت مبغوض رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ اَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا ؕ وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ (المائدۃ)

اور ہم نے ان میں باہم قیامت تک عداوت اور بغض ڈال دیا، جب کبھی لڑائی کی آگ بھڑکانا چاہتے ہیں حق تعالیٰ اس کو بجھا دیتے ہیں، اور یہ ملک میں فساد کرتے پھرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو محبوب نہیں رکھتے۔

یہاں بھی رب العزت نے فتنہ و فساد کرنے والوں سے اپنی ناراضگی کا اظہار اور فساد کی مذمت کی ہے تاکہ لوگ اپنے دامنوں کو اس گندگی سے آلودہ نہ ہونے دیں۔

گزشتہ اقوام کو فساد کی ممانعت

گزشتہ انبیاء کا جہاں اللہ تعالیٰ نے تذکرہ کیا ہے، وہاں اس کا بھی ذکر ہے کہ ان اولوالعزم پیغمبروں نے اپنے زمانہ میں فتنہ و فساد کی مذمت کی اور لوگوں کو سختی کے ساتھ اس تباہ کن چیز سے الگ رہنے کی تاکید کی ہے۔

قومِ موسیٰ

قومِ موسیٰ سے خطاب کر کے رب العالمین نے فرمایا:

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَ لَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝ (البقرۃ)

خدا کی دی ہوئی چیزوں میں سے کھاؤ اور پیو اور ملک میں فساد نہ برپا کرتے پھرو۔

قومِ ثمود

قومِ ثمود سے خطابِ الٰہی ہے:

فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَ لَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ (الاعراف)

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو، اور زمین میں فساد نہ برپا کرتے پھرو۔

قومِ شعیب

حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

وَ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا

وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ (الاعراف)

اور جب درستی کر دی گئی ہے تو اب پھر روئے زمین پر فساد مت پھیلاؤ۔

اور دیکھو کہ فساد کرنے والوں کا کیسا انجام ہوا۔

قارون اور فساد

قارون سے اس کی قوم نے خیر خوانہ طور پر جہاں اور باتیں کیں یہ بھی کہا:

وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ (القصص)

زمین میں فساد کی سعی نہ کرو، بے شک اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو محبوب نہیں رکھتا۔

قرآن میں دسیوں جگہ فساد کی مذمت اور اس کی ہلاکت خیزیاں بیان کی گئی ہیں، ہر زمانہ میں ایک مہلک خباثت کی نشاندہی کی گئی ہے جو انسانی امن وسکون کے لئے شدید طور پر ضرر رساں ہے، اور اس میں مبتلا ہونے سے روکا گیا۔

فساد کا لفظ جس وقت مطلق طور پر استعمال ہوتا ہے اس وقت تمام برائیوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فإذا أطلق الصلاح تناول جميع الخير وكذلك الفساد يتناول جميع الشر ...وكذلك اسم المصلح والمفسد. (۱)

صلاح کا لفظ جب مطلقاً استعمال ہوتا ہے تو تمام خیر کو شامل ہوتا ہے، اور فساد کا لفظ تمام برائیوں کو، اسی طرح مصلح اور مفسد میں تمام معانی پائے جاتے ہیں۔

دُنیاداروں کی غلط خواہشات

یہ بات ہر شخص پر عیاں ہے کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء کرام کی بعثت کا ایک اہم اور بنیادی مقصد دنیا سے مظالم اور فتنہ وفساد کا قلع قمع کرنا بھی تھا جیسا کہ اوپر اشارہ گزرا، یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ جو لوگ محض دنیادار ہوتے ہیں ان میں دو خواہشیں خصوصی طور پر پائی جاتی ہیں، طلبِ اقتدار و برتری، دوسرے زر و مال کی بہتات۔ اور جب کسی کے مقاصد صرف یہی ہوں تو فتنہ وفساد برپا کرنے اور مخلوق خدا کے برباد کرنے میں اس کو کیا تأمل ہوسکتا ہے۔ البتہ کسی طبقہ میں تو یہ دونوں خواہشیں ساتھ ساتھ ہوتی ہیں، جیسے حکمران طبقہ وہ اپنے اقتدار کے لئے مخلوقِ خدا کی خون ریزی سے نہیں بچتا، اور ساتھ ہی مال و دولت کے جمع کرنے کے لئے عوام پر مختلف نام سے ٹیکس عائد کرتا ہے اور دادِ عیش دیتا ہے، اور کسی طبقہ میں ان دونوں خواہشوں میں سے صرف ایک ہوتی ہے، مثلاً صرف اقتدار کی خواہش جیسے روساء اور امراء کہ ان میں صرف اقتدار کی خواہش پائی جاتی ہے، اور یہ اپنے اقتدار کے لئے نہ مظالم کرتے ہوئے گھبراتے ہیں اور نہ فتنہ وفساد کو ہوا دینے سے ڈرتے ہیں، اور کبھی کسی طبقہ میں صرف مال و زر کا لالچ ہوتا ہے، اور وہ اس کے حصول کے سلسلہ میں وہ سب کچھ کرتا ہے جس سے انسانیت لرزہ براندام ہے۔ یہ ذلیل ترین گروہ چور، ڈاکو اور لٹیروں کا ہے۔

فساد کی ممانعت

قرآن پاک نے ان تمام طبقات کو فتنہ وفساد سے شدت کے ساتھ روکنے کی جدوجہد

---

(۱) الإيمان لابن تيمية : ص ۷۰

کی ہے، کہیں مفسدین گزشتہ کے نتائج وعواقب بیان کئے اور کہیں نری سرمایہ داری کی مذمت بیان کی، چنانچہ فرعون، ہامان اور قارون کا نام لے کر ان سب کا انجام کھول کھول کر بیان کیا گیا ہے، فرعون جس نے ''اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی'' کا نعرہ بلند کیا تھا، اور بنی اسرائیل پر بے پناہ مظالم ڈھائے تھے، دریائے نیل میں غرق کر دیا گیا مگر اس کی لاش عبرت کی غرض سے اب تک کے عجائب خانہ میں محفوظ ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا نظم ہے، اور قارون زمین میں دھنسا دیا گیا اور اس کا خزانہ کوئی کام نہیں آیا۔

دُنیا دار فسادی

یہ سارے دنیا دار فسادی ہیں، ان کا آخرت پر یقین نہیں، صرف دنیا کی فلاح کے متمنی ہیں اور اس کی سزا سے گریزاں، نتیجہ معلوم ہے کہ سکون ڈھونڈھے نہیں ملتا، یہی وجہ ہے کہ اسلام سب سے پہلے عقائد کی درستگی پر زور دیتا ہے، خدا اور آخرت پر ایمان کی تاکید کرتا ہے اور دنیا کے ساتھ بلکہ اس سے بدرجہا زیادہ مرنے کے بعد کی زندگی کی اہمیت بتاتا ہے تا کہ جسم سے پہلے دلوں پر خدا کی حکمرانی اثر انداز ہو، اور انسان فتنہ وفساد سے اپنے کو دور رکھ کر ابدی زندگی کا حصہ دار بن سکے، اس زندگی پر کامل یقین کے بعد نہ تو اقتدار کا نشہ ان کو بدمست رکھ سکتا ہے، اور نہ دولت کے جمع کرنے کی حرص اس کے دل میں پیدا ہوتی ہے۔

حقوق العباد

حقوق دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک کا نام حقوق اللہ ہے جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے، دوسرے حقوق العباد ہیں جن کا تعلق بندوں سے ہے۔ حقوق العباد کی حیثیت بڑھی ہوئی ہے، یعنی اللہ کے حقوق کی معافی تو ممکن ہے لیکن بندوں کی حق تلفی اس وقت تک قابل معافی نہیں جب تک خود بندہ اس کو معاف نہ کر دے۔ آپ نے اگر نماز جماعت کے ساتھ نہیں پڑھی تو بہت ممکن ہے اللہ آپ کی ندامت پر یہ جرم بخش دیں، لیکن اگر آپ نے کسی کی کوئی چیز دبا رکھی ہے تو یقین کر لیجئے اس کی معافی اس وقت تک ہرگز نہیں

ہوسکتی جب تک خود اس کا مالک معاف نہ کر دے، یہ ایک معمولی مثال ہے اسی پر ساری چیزوں کو قیاس کیجیے۔

حقوق العباد کی اہمیت

اللہ کی راہ میں جان دینا کتنا عظیم الشان کارنامہ ہے، اس کے اجر کے باب میں مروی ہے کہ شہید کے پہلے قطرہ خون کے ساتھ اس کے سارے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں، لیکن ایسا گناہ جس کا تعلق حقوق العباد سے ہے بخشا نہیں جاتا، ارشاد نبوی ہے:

اَلْقَتْلُ فِي سَبِيلِ اللهِ يُكَفِّرُ كُلَّ شَيْءٍ، إِلَّا الدَّيْنَ. (۱)

اللہ کی راہ میں شہادت ہر گناہ کے لئے کفارہ بن جاتی ہے سوائے قرض کے کہ یہ شہادت سے بھی معاف نہیں ہوتا۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ساری خطائیں بخش دی جائیں گی اور ان سب کے لئے یہ جہاد کفارہ بن جائے گا، لیکن دین نہیں معاف ہوگا اس لئے کہ ابھی حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آ کر مجھے یہ اطلاع دی ہے کہ قرض کا گناہ معاف نہیں ہوتا:

إِلَّا الدَّيْنَ، فَإِنَّ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ لِي ذَلِكَ. (۲)

حقوق العباد معاف نہیں ہوتے

اس سے بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حقوق العباد کی اسلام میں کیا اہمیت ہے، ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) صحيح مسلم : كتاب الامارة، باب من قتل في سبيل الله كفرت خطاياه الا الدين، ج۳ ص ۱۵۰۲، رقم الحديث: ۱۸۸۹

(۲) صحيح مسلم : كتاب الامارة، باب من قتل في سبيل الله كفرت خطاياه الا الدين، ج۳ ص ۱۵۰۲، رقم الحديث: ۱۸۸۵

وَدِيوَانٌ لَا يَتْرُكُهُ اللّٰهُ :ظُلْمُ الْعِبَادِ فِيمَا بَيْنَهُمْ حَتّٰى يَقْتَصَّ بَعْضُهُمْ مِنْ بَعْضٍ، وَدِيوَانٌ لَا يَعْبَأُ اللّٰهُ بِهِ :ظُلْمُ الْعِبَادِ فِيمَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ اللّٰهِ، فَذَاكَ إِلَى اللّٰهِ :إِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ، وَإِنْ شَاءَ تَجَاوَزَ عَنْهُ. (۱)

ایک معاملہ میں اللہ تعالیٰ معاف نہیں کرتا ہے جب تک بدلہ نہ لے، اور وہ ہے بندوں کا بدلہ ایک دوسرے پر ظلم وستم ڈھانا، اور ایک معاملہ کی کوئی پرواہ نہیں کرتا، یہ وہ معاملہ ہے جو بندوں اور خدا کے درمیان ہو، چاہے تو بخش دے گا اور چاہے تو عذاب دے گا۔

اسلام نے مختلف انداز میں اپنے پیروکار کو حقوق العباد کے ادا کرنے کی تعلیم دی ہے اور کوتاہی سے روکا ہے۔

حقوق العباد کی اہمیت واضح ہوجانے کے بعد غور کیجیے کہ فتنہ وفساد اور چوری وغیرہ جس کا تعلق بیشتر حقوق العباد ہی سے ہے کتنا خطرناک جرم ہے، اور اس کی سزا دنیا اور آخرت میں سخت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (۲)

ظلم قیامت کے دن سراپا ظلمت ہی ظلمت ہوگی۔

ظلم وجور اور اس کا انجام

ظلم کے معنی ہیں کسی چیز کو اس اصلی جگہ سے الگ کر کے دوسری جگہ میں ڈال دینا، اور لوگوں پر ظلم یہ ہے کہ ان کے ساتھ زیادتی کی جائے اور ان کے حقوق تہس نہس کر دیئے جائیں، خواہ یہ زیادتی انسان کی جان ومال میں ہو یا عزت وآبرو میں۔

حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے کہ جس طرح عمل صالح نور کی شکل اختیار کرے گا اور

---

(۱) شعب الایمان للبیهقی، طاعة أولی الامر، ج۹ ص ۵۴۰، رقم الحدیث: ۷۰۹۶

(۲) صحیح البخاری : کتاب المظالم والغصب، باب :الظلم ظلمات یوم القیامة، ج۳ ص ۱۲۹، رقم الحدیث: ۲۴۴۷

قیامت میں آگے آگے ہوگا ''نُوۡرُهُمۡ يَسۡعٰى بَيۡنَ اَيۡدِيۡهِمۡ '' اسی طرح ظلم و جور ظلمت کا روپ دھارے گا اور قیامت میں تاریکی پھیلاتا چلے گا اور اس کی تاریکی بہت شدید ہوگی۔

پھر اسی پر اکتفا نہ ہوگا بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا کہ ظالم کے پاس اگر کچھ نیکیاں ہوں گی تو وہ لے کر مظلوم کو دے دی جائیں گی، دنیا میں جس طرح ظالم نے مظلوم کا حق دبایا ہے، وہاں اس کا کفارہ اس طرح ادا ہوگا کہ اس کی نیکیاں چھین کر مظلوم کو دے دی جائیں گی، اور اگر اس ظالم کے پاس کوئی نیکی نہ رہی تو پھر مظلوم کے گناہ لے کر ظالم پر ڈال دیئے جائیں گے:

إِنْ كَانَ لَهُ عَمَلٌ صَالِحٌ أُخِذَ مِنْهُ بِقَدْرِ مَظْلَمَتِهِ، وَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُ حَسَنَاتٌ أُخِذَ مِنْ سَيِّئَاتِ صَاحِبِهِ فَحُمِلَ عَلَيْهِ. (۱)

اگر اس ظالم کے پاس عمل صالح کی پونجی ہوگی تو اس سے اس کے ظلم کی مقدار لے لی جائے گی، اور اگر ظالم کے پاس نیکیاں نہیں ہیں تو مظلوم کے گناہ لے کر ظالم پر ڈال دیئے جائیں گے۔

اُمتِ محمدیہ کا مفلس

ایک دفعہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: تمہیں معلوم ہے مفلس کون ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جواب دیا: جس کے پاس درہم و دینار اور کوئی سامان نہ ہو، آپ نے فرمایا: نہیں:

إِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ أُمَّتِي يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصَلَاةٍ، وَصِيَامٍ، وَزَكَاةٍ، وَيَأْتِي قَدْ شَتَمَ هَذَا، وَقَذَفَ هَذَا، وَأَكَلَ مَالَ هَذَا، وَسَفَكَ دَمَ هَذَا، وَضَرَبَ هَذَا. (۲)

---

(۱) صحیح البخاری: کتاب المظالم والغضب، باب من کانت له مظلمة عند الرجل فحللها له....إلخ، ج۳ ص ۱۲۹، رقم الحدیث: ۲۴۴۹

(۲) صحیح مسلم: کتاب البر والصلة: باب تحریم الظلم، ج۴ ص۱۹۹۷، رقم الحدیث: ۲۵۸۱

میری امت کا مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ اس کے پاس نماز، روزہ اور زکوۃ کی پونجی تو ہوگی لیکن اسی کے ساتھ ظلم و جور کی یہ گٹھڑی بھی ہوگی کہ کسی کو اس نے گالی دی تھی، کسی پر تہمت دھری تھی، کسی کا ناجائز مال کھایا تھا، کسی کا خون بہایا تھا، اور کسی کی مار پٹائی کی تھی۔

زیادتی کرنے والوں کی سزا

پھر ارشاد فرمایا کہ اس کا حشر یہ ہوگا:

فَيُعْطَى هَذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ، وَهَذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ، فَإِنْ فَنِيَتْ حَسَنَاتُهُ قَبْلَ أَنْ يُقْضَى مَا عَلَيْهِ أُخِذَ مِنْ خَطَايَاهُمْ فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ، ثُمَّ طُرِحَ فِي النَّارِ.(۱)

جن لوگوں کو اس نے ستایا ہے ان تمام کو اس کے ظلم کے بدلے میں اس کی نیکیاں لے کر دے دی جائیں گی، اگر اس کی نیکیوں سے بھی ان کا بدلہ ادا نہ ہو گا تو پھر ان مظلوموں کی برائیاں لے کر اس ظالم پر ڈال دی جائیں گی، اور پھر یہ ظالم ان گناہوں کے ساتھ جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔

اللہ اکبر! یہ کتنی سخت سزا ہے اس معمولی ظلم کی جو اس نے دنیا میں کیا تھا، گویا حقوق العباد سے متعلق جو جرائم سے اس سے سرزد ہوئے ہیں وہ کسی حال میں معاف نہیں ہوں گے، اور نہ اس سلسلہ میں کوئی سفارش قابلِ قبول ہوگی۔

ایک اِشکال کا جواب

کچھ لوگوں کو آیت قرآنی ”وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰی“ (کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا) اسے دھوکہ ہوا ہے کہ جو سزا حدیث میں بیان کی گئی ہے آیت کے خلاف ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ وہ خود اپنا بویا کاٹ رہا ہے، دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھا رہا ہے، جیسا جرم ویسی سزا، نہ یہ ظلم و جور کرتا، نہ ایسی سزا ملتی:

(۱) صحیح مسلم : کتاب البر والصلة : باب تحریم الظلم، ج۴ ص۱۹۹۷، رقم الحدیث: ۲۵۸۱

قَالَ الْمَازِرِيُّ :زَعَمَ بَعْضُ الْمُبْتَدِعَةِ اَنَّ هَذَا الْحَدِيثَ مُعَارِضٌ لِقَوْلِهِ تَعَالَى.وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى وَهُوَ بَاطِلٌ وَجَهَالَةٌ بَيِّنَةٌ لِاَنَّهُ إِنَّمَا عُوقِبَ بِفِعْلِهِ وَوِزْرِهِ، فَتَوَجَّهَتْ عَلَيْهِ حُقُوقٌ لِغُرَمَائِهِ، فَدُفِعَتْ إِلَيْهِمْ مِنْ حَسَنَاتِهِ، فَلَمَّا فَرَغَتْ حَسَنَاتُهُ أُخِذَ مِنْ سَيِّئَاتِ خُصُومِهِ، فَوُضِعَتْ عَلَيْهِ، فَحَقِيقَةُ الْعُقُوبَةِ مُسَبَبَةٌ عَنْ ظُلْمِهِ وَلَمْ يُعَاقَبْ بِغَيْرِ جِنَايَةٍ مِنْهُ.(۱)

بعض کا گمان ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے قول "وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی" سے متعارض ہے حالانکہ یہ گمان باطل ہے اور کھلی ہوئی جہالت، اس وجہ سے کہ یہ ان کے کرتوت کی سزا ہے اور ان کے گناہ کا انجام، اور یہی وجہ ہے کہ اس نے قرض خواہوں کے وہ حقوق جو اس پر عائد ہیں اس کی نیکیوں سے ادا کئے گئے اور جب اس کی نیکیاں ختم ہوگئیں تو پھر مظلوموں کی برائیاں لے کر اس پر ڈال دی گئی، دراصل یہ سزا اس کے ظلم وجور کی ہے، بغیر جرم کے سزا نہیں ملتی ہے۔

حقوق کی اہمیت

یہ طے شدہ ہے کہ قیامت میں ہر ایک کو اس کے کئے کا بدلہ مل کر رہے گا مگر یہ کہ خود پروردگار عالم رحم وکرم فرمائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَتُؤَدُّنَّ الْحُقُوقَ إِلَى اَهْلِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ، حَتَّى يُقَادَ لِلشَّاةِ الْجَلْحَاءِ، مِنَ الشَّاةِ الْقَرْنَاءِ.(۲)

اہلِ حقوق کو ان کے حقوق قیامت کے دن مل کر رہیں گے یہاں تک کہ سینگ والی بکریوں کو ظلم کا بدلہ مل کر رہے گا جو اس نے بے سینگ بکریوں کے ساتھ کیا تھا۔

مطلب یہ ہے کہ اس قدر معمولی معمولی چیزوں کی بھی گرفت ہوگی، یہ نہیں ہوسکتا ہے

(۱) مرقاۃ المفاتیح : کتاب الآداب، باب الظلم، ج۸ ص۳۲۰۲، رقم الحدیث: ۵۱۲۷

(۲) صحیح مسلم : کتاب البر والصلة، باب تحریم الظلم، ج۴ ص۱۹۹۷، رقم الحدیث: ۲۵۸۲

کہ مظلوم وفقیر پر ظالم یا سرمایہ دار ظلم ڈھائے اور قیامت میں بچ جائے۔

ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے درخواست کی کہ آپ کچھ نصیحتیں لکھ بھیجیں مگر وہ مختصر ہوں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کی یہ فرمائش قبول کر لی اور لکھا:

سَلَامٌ عَلَيْكَ .أَمَّا بَعْدُ :فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ :مَنِ الْتَمَسَ رِضَاءَ اللّٰهِ بِسَخَطِ النَّاسِ كَفَاهُ اللّٰهُ مُؤْنَةَ النَّاسِ، وَمَنِ الْتَمَسَ رِضَاءَ النَّاسِ بِسَخَطِ اللّٰهِ وَكَلَهُ اللّٰهُ إِلَى النَّاسِ، وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ.(۱)

بعد سلام مسنون میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرماتے تھے کہ جو شخص لوگوں کے ناخوش ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کو مقدم رکھے گا، اللہ تعالیٰ اسے لوگوں کے شر سے محفوظ رکھیں گے، اور جو شخص لوگوں کی خوشنودی کی خاطر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی مول لے گا اللہ تعالیٰ اسے لوگوں کے ہاتھوں میں چھوڑ دیں گے اور اپنی حفاظت اُٹھا لیں گے۔ والسلام

بدترین ہے وہ شخص جو غیر کی وجہ سے اپنی آخرت برباد کرے۔ ارشادِ نبوی ہے:

مِنْ شَرِّ النَّاسِ مَنْزِلَةً عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، عَبْدٌ أَذْهَبَ آخِرَتَهُ بِدُنْيَا غَيْرِهِ.(۲)

قیامت کے دن بدترین شخص وہ ہے جو دوسروں کی دنیا کی خاطر اپنی آخرت برباد کرتا ہے۔

---

(۱) سنن الترمذی: ابواب الزهد، باب ما جاء في حفظ اللسان، باب منه، ۶۰۹، رقم الحديث: ۲۴۱۴

(۲) سنن ابن ماجه: كتاب الفتن، باب إذا التقى المسلمان بسيفهما، ج۲ ص ۱۳۱۰، رقم الحديث ۳۹۶۶

ظالم کا مددگار اسلام کی نظر میں

ظالم کی مدد بھی ظلم ہے، اسلام نے اس فعل کی سخت مذمت کی ہے، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ مَشَى مَعَ ظَالِمٍ يُقَوِّيهِ وَهُوَ يَعْلَمُ اَنَّهُ ظَالِمٌ فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الْإِسْلَامِ. (۱)

جو شخص کسی ظالم کو قوت پہنچانے کے لئے جان بوجھ کر اس کا ساتھ دیتا ہے وہ (کمال) ایمان کے دائرہ سے خارج ہوجاتا ہے۔

ان احادیث سے اتنی بات روشن ہوکر سامنے آگئی کہ انسانوں کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنا، ستانا اور ان کے سکون واطمینان میں خلل انداز ہونا بدترین گناہ ہے۔ اور ایسا شخص خدا اور اسلام کی نظر میں مجرم ہے، وہ اپنی دنیا بھی برباد کرتا ہے اور اپنی آخرت بھی۔

مظلوم کی بددعا

پھر یہ بھی یاد رکھئے کہ مظلوم جس پر ظلم کیا جاتا ہے اس کے دل کی آہ تباہ کن اور سخت مہلک ہے، اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی بڑی قدر و قیمت ہے، ارشادِ نبوی ہے:

إِيَّاكَ وَدَعْوَةَ الْمَظْلُومِ، فَإِنَّمَا يَسْأَلُ اللَّهَ حَقَّهُ، وَإِنَّ اللَّهَ لَا يَمْنَعُ ذَا حَقٍّ حَقَّهُ. (۲)

مظلوم کی بددعا سے بچتے رہنا اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اپنے حق کے لئے درخواست کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ یقینی طور پر حق والے کو اس کا حق عطا کرتا ہے، روکتا نہیں۔

اسلام کا منشاء

ان تمام چیزوں کا منشاء یہ ہے کہ کوئی انسان کسی انسان پر ظلم نہ کرے، نہ زیادتی کرے

---

(۱) شعب الإيمان للبيهقي: التعاون على البر والتقوى، ج۱۰ ص۱۲٦ رقم الحديث: ۷۲٦۹

(۲) شعب الإيمان للبيهقي: طاعة اولى الأمر، ج۹ ص۵۳۳، رقم الحديث: ۷۰٦۱

اور نہ کسی کی اذیت کے درپے ہو، کیونکہ اگر سکون کی فضا قائم رہے گی تو ہر ایک مطمئن ہوگا اور کوئی کسی کا حق چھیننے کی سعی نہ کرے گا، اور یہ مسلم ہے کہ عوام وخواص میں برہمی وانتشار اور فساد کا باعث یہی چیزیں ہوتی ہیں اور اسی کے نتیجہ میں خوف وہراس پیدا ہوتا ہے۔

ان بنیادی حقائق کی نشاندہی کر کے اسلام ہر ایک کو اپنی حد سے تجاوز کرنے سے روکتا، اور قوم میں اخوت ومحبت اور باہمی ہمدردی وصلح جوئی کا جذبہ ابھارتا ہے تاکہ مظالم بند ہو جائیں اور انسان کا کھویا ہوا سکون واپس آ جائے، جب کسی معاشرے میں ظلم وستم پھیل جاتا ہے تو قوم وملک کا سکون قلب ختم ہو جاتا ہے، اور اعتدال کی جگہ افراط وتفریط کا دور دورہ ہوتا ہے۔

خالق ومخلوق کا تعلق

ایک بات یہاں اور سمجھ لینے کی ہے کہ روئے زمین پر جس قدر انسان بستے ہیں اللہ تعالیٰ سب کا محافظ ہے اور سب کو سکون واطمینان بخشنا چاہتا ہے، دنیا میں خواہ وہ کفر وشرک ہی میں کیوں نہ مبتلا ہوں، یہ الگ بات ہے کہ وہ انہیں آخرت میں سزا دے گا اور یقیناً دے گا لیکن یہاں کسی کی راحت میں انسان کی طرف سے خلل کو بے وجہ شرعی پسند نہیں کرتا، مخلوق کی اہمیت جس لب ولہجہ میں رب العالمین نے بتائی ہے وہ بہت وقیع ہے اور اس سے بہتر تعبیر کوئی اور ممکن ہی نہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

> اَلْخَلْقُ عِيَالُ اللّٰهِ، فَأَحَبُّ الْخَلْقِ إِلَى اللّٰهِ مَنْ اَحْسَنَ إِلَى عِيَالِهِ۔ (۱)
>
> مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے، پس اللہ کے نزدیک مخلوق میں بہترین وہ ہے جو اس کے کنبے کے ساتھ احسان کرے۔

اس مختصر حدیث کو بار بار پڑھئے اور سوچئے کہ کیا انسانی عظمت کی تعبیر اس سے بہتر

---

(۱) شعب الإيمان للبيهقي: طاعة اولى الأمر، ج ۹ ص ۵۲۳، رقم الحديث: ۷۰۴۸

ممکن بھی ہے؟ عیال اللہ ایک جامع تعبیر ہے، اور اس سے انسانی رفعت کا درجہ معلوم ہوتا ہے۔

غور کیجیے کہ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کو یہ حکم ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں، خدا کی نگاہ میں محبوبیت کا درجہ بلند حاصل کریں، دوسری طرف اس مسئلہ کی صراحت کہ مخلوق خدا کا کنبہ ہے اس کے باوجود کوئی کسی پر ستم ڈھائے تو کیا یہ اس کی گستاخی لائق درگزر ہو سکتی ہے۔

انسانی حقوق

اسلام بتاتا ہے کہ رب العالمین اپنی مخلوق بالخصوص انسان سے بہت محبت رکھتا ہے، اور اس کی تکلیف واذیت کو جو خود انسانوں کی طرف سے ہو گوارا نہیں کرتا، حدیثِ قدسی ہے:

إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ يَقُولُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ :يَا ابْنَ آدَمَ مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِي، قَالَ :يَا رَبِّ كَيْفَ أَعُودُكَ؟ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِينَ، قَالَ :أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ عَبْدِي فُلَانًا مَرِضَ فَلَمْ تَعُدْهُ، أَمَا عَلِمْتَ أَنَّكَ لَوْ عُدْتَهُ لَوَجَدْتَنِي عِنْدَهُ؟ يَا ابْنَ آدَمَ اسْتَطْعَمْتُكَ فَلَمْ تُطْعِمْنِي، قَالَ :يَا رَبِّ وَكَيْفَ أُطْعِمُكَ؟ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِينَ، قَالَ :أَمَا عَلِمْتَ أَنَّهُ اسْتَطْعَمَكَ عَبْدِي فُلَانٌ، فَلَمْ تُطْعِمْهُ؟ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّكَ لَوْ أَطْعَمْتَهُ لَوَجَدْتَ ذَلِكَ عِنْدِي، يَا ابْنَ آدَمَ اسْتَسْقَيْتُكَ، فَلَمْ تَسْقِنِي، قَالَ :يَا رَبِّ كَيْفَ أَسْقِيكَ؟ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِينَ، قَالَ :اسْتَسْقَاكَ عَبْدِي فُلَانٌ فَلَمْ تَسْقِهِ، أَمَا إِنَّكَ لَوْ سَقَيْتَهُ وَجَدْتَ ذَلِكَ عِنْدِي. (۱)

اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے ابن آدم! میں بیمار ہوا اور تو نے میری عیادت نہ کی، وہ حیرت سے جواب میں کہے گا پروردگار عالم! میں تیری عیادت کیسے کرتا، تو تو ساری دنیا کا خود پالنے والا ہے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ کیا تیرے علم میں یہ

---

(۱) صحیح مسلم : کتاب البر والصلة، باب فضل عيادة المريض، ج۴ ص۱۹۹۰، رقم الحديث: ۲۵۶۹

بات نہیں تھی کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہو گیا؟ اور تم نے اس کی عیادت نہیں کی، کیا تمہیں خبر نہیں تھی کہ اگر اس کی عیادت کو تم جاتے تو مجھے اس کے پاس پاتے۔

اے اولادِ آدم! میں نے تم سے کھانے کا مطالبہ کیا! لیکن تم نے نہیں کھلایا، بندہ بول اٹھے گا، اے رب! میں کیسے کھلاتا تو تو خود سارے عالم کی پرورش کرتا ہے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا، کیا یہ بات نہیں پیش آئی کہ میرے فلاں بندے نے تم سے کھانا چاہا اور تم نے اسے نہیں کھلایا، کیا تم کو خبر نہیں تھی کہ اگر تم اسے کھلاتے تو تم مجھے وہاں موجود پاتے۔ اے آدم کے بیٹو! میں نے تم سے پانی کی خواہش کی اور تم نے پانی نہیں پلایا، بندہ چیخ پڑے گا، پروردگار! تو رب العلمین ہے میں تجھے کس طرح پانی پلاتا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے فلاں بندہ نے تجھ سے پانی مانگا اور تو نے توجہ نہیں دی، حالانکہ اگر تو اسے پانی پلاتا تو یقیناً تو اس کا بدلہ میرے پاس پاتا۔

انسانی عظمت کی تعبیر -

اس حدیث میں انسانی عظمت کی نقش کشی جس خوبی کے ساتھ کی گئی ہے اور انسانی حقوق کی اہمیت جس دلنشیں انداز میں بتائی گئی ہے اس سے عبد و معبود کا والہانہ تعلق کھل کر سامنے آ جاتا ہے، بندہ خدا کی نظر میں کیسا پیارا ہے کہ اس کی بیماری کو اپنی بیماری، اس کی پیاس کو اپنی پیاس، اور اس کی بھوک کو اپنی بھوک کہہ کر ادا کرتا ہے، حالاں کہ وہ ان چیزوں سے منزہ اور پاک ہے، پھر حسنِ سلوک پر انعام و اکرام اور اپنی رضامندی کا تعین دلاتا ہے۔

اگر انسانی قلوب میں انسانوں کی یہ عظمت راسخ ہو جائے جو اسلام بٹھانا چاہتا ہے اور خود انسان انسان کو اس پیار و محبت کی نظر سے دیکھنے لگے، جس کا اسلام مطالبہ کرتا ہے تو غیر ممکن ہے کہ ظلم و جور ہو سکے اور فتنہ و فساد دین سے ہمیشہ کے لئے نیست و نابود نہ ہو جائے۔

انسانی عظمت کو جو شخص نقصان پہنچاتا ہے اور خدا کے بے گناہ بندوں پر ظلم توڑتا ہے وہ دراصل خود رب العزت کو اذیت پہنچاتا ہے اور اس سے لڑائی اور بغاوت کا اعلان کرتا

ہے، قرآن پاک نے زمین میں فساد اور شر پھیلانے کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ جنگ سے تعبیر کیا ہے۔

جس مذہب میں انسان کی یہ عظمت ہو، خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس میں مردم آزاری، دل شکنی اور انسانی راحت وسکون پر ڈاکہ کی گنجائش کہاں سے نکل سکتی ہے، اور اس کے قوانین میں اس طرح کی کوئی راہ کیوں کر روا رکھی جا سکتی ہے جس سے امن وامان اور سکون وسلامتی پر بمباری کی جا سکے۔

فسادی اور رہزن اسلام کی نظر میں

وہ لوگ جو زمین پر فتنہ وفساد اور لوٹ مار مچاتے ہیں اور لوگوں کا سکونِ زندگی برباد کرتے ہیں، ان کے متعلق ارشادِ ربانی ہے:

إِنَّمَا جَزَٰٓؤُا الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوٓا أَوْ يُصَلَّبُوٓا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ أَوْ يُنفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ۚ (المائدۃ: ۳۳)

جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑتے ہیں اور ملک میں فساد یعنی بدامنی پھیلاتے پھرتے ہیں، وہ قتل کئے جائیں یا سولی دیئے جائیں، ان میں سے ہر ایک کا ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں کاٹ دیا جائے، یا زمین سے نکال کر جیل خانہ بھیج دیئے جائیں۔

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

جو اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں، اور اس لڑنے کا مطلب یہ ہے کہ ملک میں فساد یعنی بدامنی پھیلاتے پھرتے ہیں، مراد اس سے رہزنی یعنی ڈکیتی ہے، ایسے شخص پر جس کو اللہ نے قانونِ شرعی سے جس کا اظہار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ہوا ہے امن دیا ہو، یعنی مسلمان پر اور ذمی پر، اور اسی وجہ سے اس کو اللہ اور رسول سے لڑنا کہا گیا ہے کہ اس نے اللہ کے دیئے ہوئے امن کو توڑا اور چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اس کا

ظہور ہوا اس لئے رسول کا تعلق بھی بڑھا دیا۔ غرض جو لوگ ایسی حرکت کرتے ہیں ان کی سزا یہی ہے کہ ایک حالت میں تو قتل کئے جائیں، وہ حالت یہ ہے کہ ان رہزنوں نے کسی کو صرف قتل کیا ہو اور مال لینے کی نوبت نہ آئی ہو، یا اگر دوسری حالت ہوئی تو سولی دیئے جائیں، یہ وہ حالت ہے کہ انہوں نے مال بھی لیا ہو اور قتل بھی کیا ہو، یا اگر تیسری حالت ہوئی تو ان کے ہاتھ پاؤں مخالف جانب سے یعنی داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹ دیئے جائیں، یہ وہ حالت ہے کہ صرف مال لیا اور قتل نہ کیا ہو، یا اگر چوتھی حالت ہوئی ہو تو زمین پر آزادانہ آباد رہنے سے نکال کر جیل خانہ میں بھیج دیئے جائیں، یہ وہ حالت ہے کہ نہ مال لیا ہو، نہ قتل کیا ہو، قصد کرنے کے بعد ہی گرفتار ہو گئے ہوں۔ [1]

خدا اور رسول سے جنگ

مذکورہ بالا آیتِ قرآنی میں ان فسادیوں کو محارب قرار دیا گیا ہے جو لوگوں کی راحت چھینتے اور فتنہ وفساد کے شعلے بھڑکاتے ہیں، اس کا حاصل یہ ہوا کہ بندگانِ خدا کا امن وامان جو لوگ غارت کرتے ہیں وہ دراصل اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں، انسان اللہ کے عیال ہیں جس کی خبر خود رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے، اب جو ان ''عیال اللہ'' کو فساد کر کے اذیت پہنچائے، اللہ کے ساتھ اس کے محارب ہونے میں شبہ ہی کیا ہو سکتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے ان فتنوں سے منع کیا ہے اور اس کی قباحت بیان کی ہے، اس کے باوجود لوگ فتنہ پردازی کرتے ہوئے نہیں شرماتے، ان کو باغی کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے۔

فتنہ وفساد کے مختلف عنوان ہوا کرتے ہیں، کبھی آدمی صرف ہنگامہ آرائی کرتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہر شخص بے انتہاء پریشانی سے دوچار رہتا ہے، کبھی یہ منظم سازش کے

---

(۱) بیان القرآن: سورہ مائدہ آیت نمبر ۳۳ کے تحت، ج ۱ ص ۴۶۸

تحت کرتا ہے، خواہ یہ لوٹ مار کرنے والوں کی جماعت ہو یا رہزنوں کی، پھر وہ خلیفہ وقت اور حکومت کے باغی ہوں یا انسانی راحت و عافیت کے دشمن، اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی کو بھی پسند نہیں کرتا اور نہ کسی کو عدالت تک پہنچنے پر معاف کرتا ہے، خواہ وہ کوئی بھی ہو، امیر ہو یا فقیر، بادشاہ ہو یا گدا، وزیر ہو یا چپڑاسی، مسلمان ہو یا غیر مسلمان جرم ثابت ہو جانے پر اقرار کے بعد ہر ایک کی واقعی سزا ضروری ہوتی ہے:

فَاَمَّا الْمُحَارِبُ فَهُوَ كُلُّ مَنْ كَانَ دَمُهُ مَحْقُونًا قَبْلَ الْحِرَابَةِ، وَهُوَ الْمُسْلِمُ وَالذِّمِّيُّ. (۱)

اللہ ورسول سے لڑنے والا وہ ہے جس کا خون اس لڑائی سے پہلے محفوظ ہو، اور وہ مسلمان اور ذمی ہے۔

اسلام کی نگاہ میں مجرم

یہ فتنہ وفساد کی گرم بازاری جس عنوان سے بھی کوئی کرے وہ مجرم ہے:

فَاَمَّا الْحِرَابَةُ فَاتَّفَقُوا عَلَى اَنَّهَا اِشْهَارُ السِّلَاحِ، وَقَطْعُ السَّبِيلِ خَارِجَ الْمِصْرِ وَاخْتَلَفُوا فِيمَنْ حَارَبَ دَاخِلَ الْمِصْرِ، فَقَالَ مَالِكٌ :دَاخِلَ الْمِصْرِ وَخَارِجَهُ سَوَاءٌ. (۲)

لڑائی اور بدامنی یہ ہے کہ ہتھیار سونتے یا رہزنی کرے، اگر یہ معاملہ آبادی سے باہر ہو تو اس پر سب کا اتفاق ہے کہ رہزنی اور بدامنی ہے، اور اگر آبادی کے اندر ہو تو اس میں اختلاف ہے، البتہ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں آبادی کے اندر باہر دونوں حکم میں برابر ہیں۔

رہزن کی سزا

ایسے مجرم پر دو حق ہیں، ایک اللہ تعالیٰ کا دوسرا انسانوں کا، اللہ تعالیٰ کا اس لئے کہ اس

(۱) بداية المجتهد : كتاب الحرابة، الباب الثانی، ج۴ ص۲۳۹
(۲) بداية المجتهد : كتاب الحرابة، الباب الاول، ج۴ ص۲۳۸

نے اس کے قانون کی خلاف ورزی کی اور اس کی حدوں کو توڑا، اور انسانوں کا اس وجہ سے کہ اس نے اس کو جان و مال یا دونوں کو اذیت پہنچائی ہے، اللہ تعالیٰ کے حق کا تقاضا ہے کہ اس پر شرعی حد جاری کی جائے اور انسانی حقوق کا مطالبہ ہے کہ اس سے بدلہ لیا جائے، زخم و قتل کا بھی اور مال و دولت کا بھی، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:

إِذَا حَارَبَ الرَّجُلُ فَقَتَلَ وَأَخَذَ الْمَالَ قُطِعَتْ يَدُهُ وَرِجْلُهُ مِنْ خِلَافٍ وَقُتِلَ وَصُلِبَ فَإِنْ قَتَلَ وَلَمْ يَأْخُذِ الْمَالَ قُتِلَ وَإِنْ أَخَذَ الْمَالَ وَلَمْ يَقْتُلْ قُطِعَتْ يَدُهُ وَرِجْلُهُ مِنْ خِلَافٍ وَإِذَا لَمْ يَقْتُلْ وَلَمْ يَأْخُذِ الْمَالَ نُفِيَ. (۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب کوئی رہزنی کرے اور بدامنی پھیلائے تو دیکھا جائے گا اگر اس نے قتل کا ارتکاب بھی کیا ہے اور مال بھی لیا ہے تو اس کا دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹا جائے گا پھر قتل کیا جائے گا اور پھانسی پر چڑھایا جائے گا، اور اگر اس نے صرف قتل کیا ہے اور مال نہیں لیا ہے تو اُسے قتل کیا جائے گا، اور اگر صرف مال چھینا ہے اور قتل نہیں کیا تو اس کا دایاں ہاتھ اور بایاں پیر کاٹا جائے گا، اور اگر صورت یہ پیش آئی کہ اس نے نہ قتل کیا اور نہ مال لیا صرف ڈرایا دھمکایا ہے تو اسے قید کر دیا جائے گا۔

جرم اور سزا

ماحصل یہ ہے کہ صاحبِ قوت فسادیوں کی چار صورتیں ہیں، پہلی یہ کہ وہ کسی سے ازراہِ فساد لڑیں اور اسے مار ڈالیں اور اس کا مال بھی چھین لیں تو اس صورت میں ان کا دایاں ہاتھ اور بایاں پیر کاٹا جائے گا پھر ان کو قتل کیا جائے گا، پھانسی پر لٹکایا جائے گا تاکہ ان کی یہ سزا پوری قوم اور سارے ملک کے لئے عبرت و بصیرت کا سبق بن سکے۔

(۱) احکام القرآن للجصاص، سورۃ المائدۃ آیت نمبر ۳۳ کے تحت، ج۲ ص ۵۱۱

دوسری صورت یہ کہ فسادیوں اور ڈاکوؤں نے کسی مسلم یا ذمی سے لڑائی کی اور اُسے قتل کر ڈالا، مگر مال نہ لیا تو ایسے فسادی کی سزا یہ ہے کہ ان کو قتل کر ڈالیں۔ تیسری صورت یہ ہے کہ مال لوٹ لیا مگر قتل نہیں کیا، تو اس صورت میں ان کا دایاں ہاتھ اور بایاں پیر کاٹ دیا جائے گا۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ لڑائی اور فساد تو کیا، مگر جان لینے کے درپے نہ ہوا اور نہ مال لوٹا تو اس شکل میں ان کو جیل میں بند کر دیا جائے گا۔

جلاوطنی سے مراد

نفی کے معنی میں جلاوطن کر دینا، مگر جلاوطنی ایسی ہو کہ فسادی اپنی سزا بھی پالے اور دوسرے لوگ اس کی اذیت رسانی سے محفوظ بھی ہو جائیں، اگر ایک شہر سے دوسرے شہر میں جلاوطن کر دیا گیا تو کچھ دنوں بعد ممکن ہے اجنبیت کی وجہ سے ہاتھ پیر نہ مارے، لیکن کچھ دنوں بعد پھر پوری ڈھٹائی سے وہ افعال پھر شروع کر دے گا تو یہ کوئی سزا نہیں ہوئی، اس لئے کہ نہ پبلک اس کی اذیتوں سے محفوظ ہوئی اور نہ اس پر پابندی عائد ہوئی۔ دوسری صورت یہ ہو سکتی تھی کہ حدود دار السلام سے خارج کر دیا جائے، لیکن یہ اس لئے نہیں کیا جا سکتا کہ وہ دین اسلام سے پھر جائے اور غیر مذہب قبول کر لے تو گویا ارتداد کا موقع دینا ہوا، اس لئے یہ بھی درست نہیں ہے، چونکہ یہ جرم اس کا پہلا ہے اس لئے قتل بھی جائز نہیں ہے، لہٰذا جلاوطنی کے معنی یہاں یہی لئے جا سکتے ہیں کہ اس کو محبوس کر دیا جائے کہ عوام سے اس کا رشتہ باقی نہ رہے اور پوری آبادی سے جلاوطنی کی زندگی گزارے۔ محققین علماء کی یہی رائے ہے اور جلاوطنی کے یہی معنی درست بھی ہوتے ہیں، رہا قید کس شہر کے جیل میں کیا جائے، یہ حاکم کی رائے پر ہے جہاں مناسب سمجھے کرے، یوں علماء نے مختلف معنی بیان کئے ہیں:

وَاخْتُلِفَ فِي النَّفْيِ، فَقَالَ أَصْحَابُنَا: هُوَ حَبْسُهُ حَيْثُ يَرَى الْإِمَامُ. (۱)

---

(۱) احکام القران للجصاص، سورة المائدة آیت نمبر ۳۳ کے تحت، ج ۲ ص ۵۱۵

نفی یعنی جلاوطنی کے باب میں اختلاف ہے، لیکن ہمارے علماء احناف فرماتے ہیں کہ نفی یعنی جلاوطنی سے مراد یہاں قید کرنا ہے، حاکم وقت جہاں مناسب سمجھے قید کردے۔

قرآنِ کریم کے الفاظ ہیں ''یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ'' روئے زمین سے جلاوطن کردیئے جائیں، اس جلاوطنی کی صورت اس کے سوا اور کوئی موزوں نہیں ہوسکتی جو اوپر بیان کی گئی ہے، اس لئے کہ منشاء یہ ہے کہ اس کی سزا بھی ہوجائے اور اس کے شر سے مسلمان وذمی محفوظ بھی ہوجائیں:

لِاَنَّهُ مَعْلُومٌ اَنَّ الْمُرَادَ بِمَا ذَكَرَهُ زَجْرُهُ عَنْ إِخَافَةِ السَّبِيلِ وَكَفُّ اَذَاهُ عَنِ الْمُسْلِمِينَ. (۱)

یہ معلوم ہے کہ جو کچھ مذکور ہوا اس کی مراد یہ ہے کہ رہزنی سے روکا جائے اور مسلمانوں کو اس کی اذیت سے بچایا جائے۔

جیل ہی ایسی جگہ ہے کہ اس کی سزا بھی ہوجائے گی اور اس کے شر وفساد سے دوسرے لوگ محفوظ ومامون بھی ہوجائیں گے۔ امام ابوبکر حصاص رحمہ اللہ نے پوری بحث کرنے کے بعد لکھا:

فَثَبَتَ اَنَّ مَعْنَى النَّفْيِ هُوَ نَفْيُهُ عَنْ سَائِرِ الْاَرْضِ إِلَّا مَوْضِعَ حَبْسِهِ الَّذِي لَا يُمْكِنُهُ فِيهِ الْعَبَثُ وَالْفَسَادُ. (۲)

پس یہ بات ثابت ہوگئی کہ نفی (جلاوطن) کا معنی یہ ہے کہ اسے تمام آبادی سے جلاوطن کردیا جائے، سوائے قید خانہ کے جہاں اس کے لئے فتنہ اور فساد ممکن ہی نہیں ہے۔

گفتگو مفسدین کی سزا پر ہورہی تھی، ائمہ کا تفصیل میں باہم اختلاف ہے یعنی سزا کے تو

---

(۱) احکام القران للجصاص، سورۃ المائدۃ آیت نمبر ۳۳ کے تحت، ج۲ ص ۵۱۵

(۲) احکام القران للجصاص، سورۃ المائدۃ آیت نمبر ۳۳ کے تحت، ج۲ ص ۵۱۵

سب ہی قائل ہیں مگر اس کی کتنی صورتیں نکلتی ہیں، اور ہر صورت میں سزا کی تفصیل کیا ہو گی، یہ مختلف فیہ ہے۔

قتل اور لوٹ مار کی سزا

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مفسدین اور رہزنوں نے اگر قتل اور لوٹ دونوں کا ارتکاب کیا ہے تو امام کو چار طرح کے اختیارات ہیں:

لِلْإِمَامِ أَرْبَعُ خِيَارَاتٍ :إِنْ شَاءَ قَطَعَ أَيْدِيَهُمْ وَأَرْجُلَهُمْ وَقَتَلَهُمْ، وَإِنْ شَاءَ قَطَعَ أَيْدِيَهُمْ وَأَرْجُلَهُمْ وَصَلَبَهُمْ، وَإِنْ شَاءَ صَلَبَهُمْ، وَإِنْ شَاءَ قَتَلَهُمْ وَتَرَكَ الْقَطْعَ. (۱)

اگر رہزنی اور بدامنی پھیلانے والے قتل کا بھی ارتکاب کریں اور مال بھی لوٹ لیں تو اس صورت میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام کو چار طرح کے اختیارات ہیں، ان میں سے جونسی صورت بھی اُسے مناسب معلوم ہو عمل میں لائے، دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹ کر قتل کر ڈالے، یا دایاں ہاتھ اور بایاں پیر کاٹ کر پھانسی دیدے، یا صرف پھانسی پر چڑھا دے، یا صرف قتل کر ڈالے اور ہاتھ پیر نہ کاٹے۔

اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سزا متعین ہے کہ پہلے اس کو پھانسی دی جائے گی پھر قتل کیا جائے گا اور قطعِ ید و رِجل عمل میں نہ لایا جائے گا۔ امام شافعی رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں، اور امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب فسادی اور رہزن گرفتار ہو جائیں تو امام وقت کو پورا اختیار ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو سزا بیان کی ہے اسے وہ ان پر عائد کرے، اس کی کوئی قید نہیں ہے کہ ان فسادی اور رہزنوں نے قتل کیا ہو یا مال لوٹا ہو، یا دونوں کے مرتکب ہوئے ہوں، بلکہ ہر حال میں امام کو قتل و قطع کا اختیار ہے۔

---

(۱) احکام القرآن: سورۃ المائدۃ آیت نمبر ۳۳ کے تحت، ج۲ ص ۵۱۱

رہزنی اور فساد

مختصر یہ کہ ان فسادی مردم آزار اور رہزن کو ہر حال میں سزا ملے گی، تفصیل میں اختلاف ہے سزا دینے میں نہیں، اس میں سب کا اتفاق ہے اور ہونا بھی چاہیے کہ یہ رہزنی کر کے راستہ کا امن وامان غارت کرتے ہیں، اور یقیناً یہ کام اپنے مفاسد کے اعتبار سے چوری سے بڑھ کر ہے:

وأما كونه الكبرى فلأن ضرره يعم عامة المسلمين من حيث يقطع عليهم الطريق بزوال الأمن، ولأن موجبه أغلظ من حيث اليد والرجل من خلاف، ومن حيث القتل والصلب.(1)

یہ فتنہ اس لئے ہے کہ اس کا نقصان عام مسلمانوں کو پہنچتا ہے، اس طرح کہ راستے کا امن وامان ختم ہو جاتا ہے اور رہزنی شروع ہو جاتی ہے اور اس لئے بھی کہ اس کی سزا بہت سخت ہے، اس میں ہاتھ پاؤں خلافِ جانب سے کاٹے جاتے ہیں اور قتل اور پھانسی کی سزا دی جاتی ہے۔

شرائطِ رہزنی

ڈکیتی اور رہزنی کے لئے یہ شرط ہے کہ ان فسادیوں کے پاس اتنی قوت اور ایسا دبدبہ ہو کہ مسافر اور دوسرے لوگ جن پر حملہ آور ہوتے ہیں مقابلہ کی تاب وطاقت نہ رکھتے ہوں، خواہ یہ حملہ آور پر ہتھیار استعمال کریں، یا کوئی دوسرا آلہ پھر یہ حملہ خواہ دن میں ہو یا رات میں، اسی طرح آبادی میں ہو یا آبادی سے باہر، پھر یہ حملہ کرنے والا ایک ہو یا جماعت، ہر حال میں یہ رہزن کہے جائیں گے اور ان کی سزا آیتِ بالا کے مطابق ہوگی:

وَهُوَ السَّرِقَةُ الْكُبْرَى (مَنْ قَصَدَهُ) وَلَوْ فِي الْمِصْرِ لَيْلًا بِهِ يُفْتَى (وَهُوَ مَعْصُومٌ عَلَى) شَخْصٍ (مَعْصُومٍ) وَلَوْ ذِمِّيًّا.(2)

---

(1) البناية شرح الهداية: كتاب السرقة، باب قطع الطريق، ج۷ ص۸۰

(2) الدر المختار: كتاب السرقة، باب قطع الطريق، ج۴ ص۱۱۳

رہزنی جو کوئی بھی کرے سرقہ کبری ہے اگرچہ رات میں آبادی ہی کے اندر ہو، اور اسی قول پر فتوی ہے، اس حال میں کہ وہ محفوظ الدم ہو اور جس پر حملہ آور ہو وہ بھی محفوظ الدم ہو، خواہ وہ ذمی کیوں نہ ہو۔

ایک شخص ہو تو بھی مجرم ہے

علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَعَبَّرَ بِمَنْ لِيُفِيدَ أَنَّهُ لَا يُشْتَرَطُ كَوْنُ الْقَاطِعِ جَمَاعَةً، فَيَشْمَلُ مَا إِذَا كَانَ وَاحِدًا لَهُ مَنَعَةٌ بِقُوَّتِهِ وَنَجْدَتِهِ كَمَا فِي الْقُهُسْتَانِيِّ وَالْفَتْحِ. (۱)

لفظ ''من'' کے ساتھ تعبیر سے مشابہ یہ ہے کہ ڈاکو کا جماعت کی شکل میں ہونا شرط نہیں ہے بلکہ اگر ایک شخص بھی یہ کام کرے گا جس کے پاس طاقت و قدرت ہو تو اس پر بھی یہ حکم عائد ہوگا۔

پھر یہ فساد کرنے والے اور امن وامان کے دشمن مرد ہوں یا عورتیں، غلام ہوں یا آزاد سب کی سزا ہوگی، کسی کو بخشا نہیں جائے گا، زیادہ سے زیادہ عورت کی لاش کے ساتھ اتنی رعایت ہوگی کہ وہ پھانسی پر لٹکائی نہیں جائے گی:

وَشَمِلَ الْعَبْدَ وَكَذَا الْمَرْأَةُ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ إِلَّا أَنَّهَا لَا تُصْلَبُ. (۲)

یہ سزا غلام کو بھی شامل ہے اور عورت کو بھی، ظاہر روایت یہی ہے، صرف فرق یہ ہے کہ عورت پھانسی پر لٹکائی نہیں جائے گی۔

دن رات میں فرق

رات میں اگر یہ ڈرائیں یا لوٹ مار کریں تو اس وقت ہتھیار کی شرط نہیں ہے، البتہ دن میں ہتھیار کی شرط ہے۔ علامہ شامی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

---

(۱) ردالمحتار : کتاب السرقة، باب قطع الطريق، ج۴ ص ۱۱۳

(۲) ردالمحتار : کتاب السرقة، باب قطع الطريق، ج۴ ص ۱۱۳

(قَوْلُـهُ وَلَوْ فِي الْمِصْرِ لَيْلًا) اَىْ بِسِلَاحٍ اَوْ بِـدُونِـهٖ وَكَذَا نَهَارًا لَوْ بِسِلَاحٍ كَمَـا سَيَأْتِـي، وَهٰذَا هُوَ رِوَايَةٌ عَنْ اَبِي يُوسُفَ اَفْتَى بِهَا الْمَشَايِخُ دَفْعًا لِشَرِّ الْمُتَغَلِّبَةِ الْمُفْسِدِينَ.(۱)

رات میں آبادی کے اندر کا مطلب یہ ہے کہ وہ مسلح ہوں خواہ نہ ہوں، دونوں حالتوں میں ڈاکو کا حکم رکھتے ہیں، اور ایسا ہی وہ دن میں بھی رہزن کے حکم میں ہیں مگر اس شرط کے ساتھ کہ وہ ہتھیار سے لیس ہوں، امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے یہی روایت ہے جس پر مشائخ نے فتوی دیا ہے تاکہ غلبہ پاتے ہوئے مفسدین کا شر دور ہو سکے۔

قتل ورہزنی سے پہلے گرفتاری

اسلام مفسدین کا دشمن ہے، جب تک وہ اپنے اعمال بد سے تائب نہ ہو جائیں وہ ایک لمحہ کے لئے بھی ایسے افراد کو معاف نہیں کرتا ہے، چنانچہ اگر یہ فتنہ پرداز اور مردم آزار افراد لوٹ مار اور قتل وخون ریزی سے پہلے گرفتار ہو جائیں تو بھی سزا کے بعد جیل میں بند کر دیئے جائیں گے، اور اس وقت تک بند رکھے جائیں گے جب تک توبہ نہ کرلیں، اور ان میں صالحین کے آثار ہویدا نہ ہو جائیں:

(فَأُخِذَ قَبْلَ اَخْذِ شَيْءٍ وَقَتْلِ) نَفْسٍ (حُبِسَ) وَهُوَ الْمُرَادُ بِالنَّفْيِ فِي الْآيَةِ :وَظَاهِرٌ اَنَّ الْمُرَادَ تَوْزِيعُ الْاَجْزِيَةِ عَلَى الْاَحْوَالِ كَمَا تَقَرَّرَ فِي الْاُصُولِ (بَعْدَ التَّعْزِيرِ) لِمُبَاشَرَةِ مُنْكَرِ التَّخْوِيفِ (حَتّٰى يَتُوبَ) لَا بِالْقَوْلِ بَلْ بِظُهُورِ سِيمَا الصُّلَحَاءِ (اَوْ يَمُوتَ)(۲)

اگر مال وغیرہ لیا اور قتل کے ارتکاب سے پہلے وہ گرفتار کر لئے جائیں تو سزا کے بعد ان کو جیل خانہ میں بند کر دیا جائے، اور نفی سے یہی مراد ہے، اس لئے کہ

---

(۱) ردالمحتار : کتاب السرقة، باب قطع الطريق، ج۴ ص ۱۱۳

(۲) الدر المختار: کتاب السرقة، باب قطع الطريق، ج۴ ص ۱۱۳، ۱۱۴

انہوں نے خوف زدہ کیا ہے اور یہ اس وقت تک بند رہیں گے کہ جب تک توبہ نہ کرلیں، اور اس توبہ کے لئے صلحاء کی علامات پائے جانے کی ضرورت ہے صرف قول کافی نہیں ہے، یا پھر توبہ کرنے کی صورت میں جیل ہی میں موت سے ہم آغوش نہ ہو جائیں۔

سزا کا مطلب یہ ہے کہ چوں کہ اس نے پبلک کو ستایا ہے اور ان پر ان کی راحت حرام کردی ہے اس لئے حسبِ صوابدید اس کی مار پیٹ ہو، پھر جیل میں ڈال دیا جائے:

(قَوْلُهُ بَعْدَ التَّعْزِيرِ) اَیْ بِالضَّرْبِ. (۱)

تعزیز یعنی سزا کا مطلب ہے مار پیٹ۔

حملہ کے ساتھ مال لوٹنے کی سزا

اور اگر کسی فرد نے حملہ کرنے کے ساتھ مال بھی لوٹ لیا اور وہ مال دس درہم کے برابر ہے، یا حملہ آور کئی شخص ہیں اور ہر شخص کے حصہ میں کم از کم دس درہم مال آیا ہے، تو پھر اس وقت سزا کی نوعیت یہ ہوگی کہ اگر ایک ہے تو اس کا اور اگر کئی ہیں تو سب کے دائیں ہاتھ اور بائیں پاؤں کاٹ ڈالے جائیں گے۔ اس سلسلہ میں قطعاً کوئی رعایت نہ ہوگی:

(وَإِنْ اَخَذَ مَالًا مَعْصُومًا) بِاَنْ يَكُونَ لِمُسْلِمٍ اَوْ ذِمِّيٍّ كَمَا مَرَّ وَاَصَابَ مِنْهُ كُلًّا نِصَابٌ قُطِعَ يَدُهُ وَرِجْلُهُ مِنْ خِلَافٍ إِنْ كَانَ صَحِيحَ الْاَطْرَافِ. (۲)

اور اگر وہ محفوظ مال لیں بایں طور پر وہ کسی مسلمان یا ذمی کا تھا، اور ہر ایک کے حصہ میں مقدار نصاب میں یعنی دس درہم آجائیں تو ان کا داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹا جائے گا بشرط کہ وہ صحیح الاطراف ہوں۔

---

(۱) رد المحتار : كتاب السرقه، باب قطع الطريق، ج۴ ص ۱۱۴

(۲) رد المحتار : كتاب السرقة، باب قطع الطريق، ج۴ ص ۱۱۴

صحیح الاطراف کا مطلب یہ ہے کہ اس کا بایاں ہاتھ اور دایاں پیر کار آمد ہو، تا کہ اپنی ضروریات کی وہ ان کے ذریعہ تکمیل کر سکے، اگر یہ دونوں بے کار اور شل ہوں گے تو پھر کاٹا نہیں جائے گا، کیونکہ پھر وہ انسانی ضروریات پوری نہیں کر سکے گا، ماحصل یہ کہ ایک ہاتھ اور ایک پاؤں باقی چھوڑنا ضروری ہے۔

پاؤں اور ہاتھ کاٹنے کی سزا

ہاتھ پاؤں کاٹنے کی یہ سزا اگر بنظر امعان دیکھئے تو معلوم ہو کہ یہ قتل سے بڑھ کر سزا ہے۔ مثل مشہور ہے کہ موت آئی مصائب سے جان بچی، یہاں تو زندگی میں آنکھوں کے سامنے ہاتھ پاؤں کاٹے گئے، پھر ان کو تپتے ہوئے سرخ لوہے یا گرم تیل سے داغا گیا، اور زندگی بھر کے لئے یہ نشانیاں اس کے ساتھ چمٹی رہیں، جب کسی کی نگاہ پڑی سہم گیا کہ یہ ڈاکو تھا جس کی یہ سزا اس کو ملی ہے:

وَهٰذَا الْفِعْلِ قَدْ يَكُونُ أَزْجَرَ مِنَ الْقَتْلِ، فَإِنَّ الْأَعْرَابَ، وَفَسَقَةَ الْجُنْدِ وَغَيْرَهُمْ إِذَا رَأَوْا دَائِمًا مَنْ هُوَ بَيْنَهُمْ مَقْطُوعَ الْيَدِ وَالرِّجْلِ، ذَكَرُوا بِذَٰلِكَ جُرْمَهُ فَارْتَدَعُوا۔ (۱)

یہ سزا کبھی قتل سے بڑھ کر عبرت انگیز ہوتی ہے اس لئے کہ بدو، گنوار اور ڈاکو وغیرہ جب اپنے سامنے ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے آدمیوں کو دیکھیں گے تو ان کے جرم کو یاد کریں گے اور اس کے ارتکاب سے باز رہیں گے۔

قتل کیا اور مال نہیں لیا

تیسری صورت یہ ہے کہ اس نے قتل کا ارتکاب کیا، لیکن مال نہیں چھینا تو اس شکل میں یہ مجرم حد میں قتل کیا جائے گا نہ کہ قصاص میں، حد اور قصاص کا فرق یہ ہے کہ قصاص ولی مقتول معاف کر سکتا ہے، حد کوئی معاف نہیں کر سکتا۔ لہٰذا اسکے قتل کو نہ کوئی معاف کر سکتا ہے

---

(۱) السياسة الشرعية: القسم الأول، عقوبة المحاربين، ج ۱ ص ۶۵

اور نہ روک سکتا ہے، کیونکہ خاص اللہ کا حق ہے:

(وَإِنْ قَتَلَ) مَعْصُومًا (وَلَمْ يَأْخُذْ) مَالًا (قُتِلَ) وَهٰذِهِ حَالَةٌ ثَالِثَةٌ (حَدًّا) لَا قِصَاصًا لِذَا (لَا يَعْفُوهُ وَلِيٌّ، وَلَا يُشْتَرَطُ اَنْ يَكُونَ) الْقَتْلُ (مُوجبًا لِلْقِصَاصِ) لِوُجُوبِهِ جَزَاءً لِمُحَارَبَتِهِ لِلّٰهِ تَعَالَى بِمُخَالَفَةِ اَمْرِهِ.(۱)

اور اگر اس نے کسی مسلمان یا ذمی کی طرف قتل کیا ہے اور مال نہیں چھینا ہے تو وہ بطورِ حد کے قتل کیا جائے گا، یہ قتل قصاص کے حکم میں نہ ہوگا، اور یہی وجہ ہے کہ ولی اسے معاف بھی کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا ہے، اور اس قتل میں یہ شرط نہیں ہے کہ وہ موجبِ قصاص ہو، اس وجہ سے کہ یہ بدلہ ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ لڑائی کا، جو اس نے اس کے حکم کی خلاف ورزی کی ہے۔

حد معاف نہیں ہوتی

حد قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ کسی کے معاف کرنے سے معاف نہیں ہوتی، اور جو حاکم ایسا کرے گا وہ قانونِ اسلام کی خلاف ورزی کا مرتکب اور گنہگار ہوگا:

(لَا يَعْفُوهُ وَلِيٌّ) اَيْ لِكَوْنِهِ حَدًّا خَالِصَ حَقٍّ لِلّٰهِ تَعَالَى لَا يَسَعُ فِيهِ عَفْوُ غَيْرِهِ فَمَنْ عَفَا عَنْهُ عَصَى اللّٰهَ تَعَالَى.(۲)

ولی کو حقِ عفو اس لئے حاصل نہ ہوگا کہ یہ رہزنی کی سزا محض اللہ تعالیٰ کا حق ہے اس کے سوا کسی اور کو معاف کرنے کا حق حاصل نہیں ہے، لہٰذا جو بھی معاف کرے گا وہ خدا کا نافرمان ہوگا۔

حد اور قصاص میں فرق

یہ جو بیان کیا کہ اس میں اس کی شرط نہیں ہے کہ قتل موجبِ قصاص ہو، اس سے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ یہاں مجرم کا قتل اس بنیاد پر ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی

(۱) الدرالمختار: ج۴ ص ۱۱۴ (۲) رد المحتار: ج۴ ص ۱۱۴

مخالفت کی ہے اور قانون شکنی کا مرتکب بنا ہے، لہٰذا اس حد کے اندر ان شرائط کی رعایت نہیں ہوگی جو قصاص کے سلسلہ میں بیان کی گئی ہیں، بلکہ محارب ہونے کی حیثیت سے اسے بھی قتل کر ڈالا جائے گا اور اس کے معاونین اور انصار سے بھی قتل کا ارتکاب پایا جانا کافی ہے، یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ کس چیز سے مارا ہے، علامہ شامی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

(قَوْلُهُ وَلَا يُشْتَرَطُ) اَیْ فَيُقْتَلُ الْقَاتِلُ وَالْمُعِينُ سَوَاءٌ قَتَلَ بِسَيْفٍ اَوْ حَجَرٍ اَوْ عَصًا.(۱)

عدم شرط کا ماحصل یہ ہے کہ قاتل اور مُعین ومددگار سب قتل کیے جائیں گے، خواہ اس نے تلوار سے قتل کیا ہو، یا پتھر اور لاٹھی سے۔

قتل کے ساتھ اخذِ مال

اور اگر ان شر پسندوں نے حملہ کے بعد قتل بھی کر ڈالا اور مال بھی چھین لیا ہے تو پھر ان کی سزا بڑی دردناک ہوگی، اس کی شکلیں فقہاء نے لکھی ہیں اور امام کو اختیار دیا ہے کہ اپنی صوابدید کے مطابق ان میں جونسی صورت وہ ماحول وزمانہ اور جرم کے پیش نظر مناسب سمجھے تجویز کرے۔

۱...... پہلے ان کا دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹے، پھر انہیں قتل کیا جائے اور قتل کے بعد پھانسی پر لٹکایا جائے۔

۲...... ہاتھ پاؤں کاٹنے کے بعد وہ قتل کیے جائیں اور ان کو پھانسی دی جائے۔

۳...... ہاتھ پاؤں کاٹنے کے بعد پھانسی دی جائے اور ان کو قتل نہ کیا جائے۔

۴...... ان کو قتل کیا جائے، پھر پھانسی دی جائے اور ہاتھ پیر نہ کاٹے جائیں۔

۵...... صرف قتل کیے جائیں۔

۶...... صرف پھانسی دی جائے۔

---

(۱) رد المحتار : ج۴ ص ۱۱۴، ۱۱۵

درمختار کی عبارت اس طرح ہے:

(إنْ قَتَلَ وَأخَذَ) الْمَالَ خُيِّرَ الْإِمَامُ بَيْنَ سِتَّةِ أحْوَالٍ :إنْ شَاءَ (قَطَعَ) مِنْ خِلَافٍ (ثُمَّ قَتَلَ أوْ) قَطَعَ ثُمَّ (صَلَبَ) أوْ فَعَلَ الثَّلَاثَةَ (أوْ قَتَلَ) وَصَلَبَ أوْ قَتَلَ فَقَطْ (وَصَلَبَ فَقَطْ) كَذَا فَصَّلَهُ الزَّيْلَعِيُّ.[1]

اگر رہزن (ڈاکو) قتل بھی کرے اور مال بھی لے، تو امام کو اختیار ہے کہ وہ ان چھ طریقوں میں سے کوئی ایک اختیار کرے، اگر چاہے دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹ کر قتل کر ڈالے، یا قطع ید و رجل کے بعد پھانسی دے دے، یا ہاتھ پاؤں بھی کاٹے، قتل بھی کرے اور پھانسی بھی دے، یا قتل کرے اور پھانسی دے یا صرف قتل کرے یا فقط پھانسی دے۔

امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہاتھ پاؤں نہ کاٹے جائیں، یا قتل اور ہاتھ پاؤں کاٹنے کے ساتھ ساتھ پھانسی دی جائے، یا جیسا کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا مذہب ہے کہ ہر حال میں پھانسی ضروری ہے البتہ ہاتھ پاؤں کاٹنے میں اختیار رہے۔ اب سوال یہ ہے کہ پھانسی کیسے دی جائے گی، اور قتل و پھانسی دونوں عمل میں آئے تو پہلے کونسا ہوگا؟ امام طحاوی رحمہ اللہ کہتے ہیں قتل پھر پھانسی، اور امام کرخی رحمہ اللہ کہتے ہیں پہلے پھانسی پھر قتل، اور فقہاء نے اسی کو واضح قرار دیا ہے:

ويصلب حيا ويبعج بطنه برمح إلى أن يموت ومثله عن الكرخي رحمه الله وعن الطحاوي رحمه الله أنه يقتل ثم يصلب توقيا عن المثلة وجه الأول وهو الأصح أن الصلب على هذا الوجه أبلغ في الردع وهو المقصود به.[2]

زندہ پھانسی پر چڑھایا جائے اور نیزہ سے اس کا پیٹ چاک کر ڈالا جائے تا آنکہ وہ جان دے دے، امام کرخی سے یونہی روایت ہے، اور امام طحاوی سے

---

(۱) الدر المختار : ج۴ ص۱۱۵ (۲) الهداية : كتاب السرقة، باب قطع الطريق، ج۲ ص۵۴۱

روایت ہے کہ پہلے قتل کیا جائے پھر پھانسی پر اس کی لاش لٹکائی جائے تاکہ مثلہ نہ ہونے پائے، پہلا طریقہ اصح ہے، اس لئے کہ پھانسی کا پہلا طریقہ لوگوں کو اس کام سے روکنے میں زیادہ مؤثر ہے اور سزا کا مقصد یہی ہے۔

مجرم کی لاش پھانسی پر

اس سے معلوم ہوا کہ راجح قول یہ ہے کہ مجرم کو پہلے سولی پر چڑھایا جائے، اس قول کے مطابق اگر پہلے اس کو پھانسی دی جائے گی تو اس کی لاش تین دن تک اسی پر چھوڑ دی جائے گی تاکہ باعثِ عبرت ہو، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مسلسل چھوڑ دیا جائے یہاں تک کہ خود لاش ٹکڑے ٹکڑے ہوکر گر جائے، لیکن جو لوگ تین دن کی قید لگاتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ایسا بدبو اور اذیت کی وجہ سے کیا جائے گا:

(يُتْرَكُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ مِنْ مَوْتِهِ) ، ثُمَّ يُخَلَّى بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَهْلِهِ لِيَدْفِنُوهُ وَ (لَا أَكْثَرَ مِنْهَا) عَلَى الظَّاهِرِ وَعَنْ الثَّانِي يُتْرَكُ حَتَّى يَتَقَطَّعَ.(۱)

مرنے کے بعد تین دن تک اس کی لاش چھوڑ دی جائے، پھر اس کے اہل وعیال کو موقع دیا جائے کہ وہ اسے دفن کر ڈالیں، ظاہر روایت کے مطابق تین دن سے زیادہ نہیں چھوڑا جائے گا، اور امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ وہ لاش پھانسی پر ہی چھوڑ دی جائے گی تا آنکہ وہ خود ٹکڑے ٹکڑے ہوکر ختم ہو جائے۔

ہدایہ کے الفاظ یہ ہیں:

ولا يصلب أكثر من ثلاثة أيام لأنه يتغير بعدها فيتأذى الناس به وعن أبي يوسف رحمه الله أنه يترك على خشبة حتى يتقطع ويسقط ليعتبر به غيره.(۲)

تین دن سے زیادہ پھانسی پر لاش نہیں چھوڑی جائے گی کیونکہ اس کے بعد وہ

---

(۱) الدر المختار : ج۴ ص ۱۱۵ (۲) الهداية : ج۲ ص ۵۴۱

سڑ جائے گی اور لوگوں کے لئے باعث اذیت ہوگی، اور امام ابو یوسف سے روایت یہ ہے کہ وہ پھانسی کی لکڑی پر چھوڑ دی جائے تا آنکہ وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر جائے تا کہ دوسرے اس سے عبرت حاصل کریں۔

تین دن عبرت کے لئے کافی ہیں، ادھر پبلک کو بدبو کی اذیت سے بچانا بھی ضروری ہے اس لئے تین دن والی روایت قابلِ ترجیح ہوگی۔

پھانسی کا طریقہ

رہا پھانسی کا طریقہ کیا ہوگا؟ اس کی تفصیل یہ ہے کہ پہلے زمین میں ایک مضبوط لکڑی گاڑھی جائے، پھر اس سے کچھ اوپر ایک لکڑی عرض میں باندھی جائے، مجرم اس پر اپنے پاؤں رکھ کر کھڑا ہو جائے، پھر اس گاڑھی ہوئی لکڑی میں دوسری لکڑی اس پہلی لکڑی سے کچھ اونچائی پر باندھی جائے جہاں مجرم کا سینہ پہنچتا ہو، اس دوسری لکڑی سے ملا کر اس کے دونوں ہاتھ باندھ دیئے جائیں، اب اس کی بائیں چھاتی کے نیچے نیزہ زور سے مارا جائے اور اس کے پیٹ میں پہنچا کر اتنے زور سے ہلا دیا جائے کہ اس کی موت واقع ہو جائے:

وَهِيَ اَنْ تُغْرَزَ خَشَبَةٌ فِي الْاَرْضِ ثُمَّ يُرْبَطَ عَلَيْهَا خَشَبَةٌ اُخْرَى عَرْضًا فَيَضَعَ قَدَمَيْهِ عَلَيْهَا وَيُرْبَطَ مِنْ اَعْلَاهَا خَشَبَةٌ اُخْرَى وَيُرْبَطَ عَلَيْهَا يَدَيْهِ (قَوْلُهُ وَيُبْعَجُ بَطْنُهُ بِرُمْحٍ) كَذَا فِي الْهِدَايَةِ وَغَيْرِهَا. وَفِي الْجَوْهَرَةِ: ثُمَّ يُطْعَنُ بِالرُّمْحِ ثَدْيُهُ الْاَيْسَرُ وَيُخَضْخَضُ بَطْنُهُ اِلَى اَنْ يَمُوْتَ۔ (۱)

پھانسی کا طریقہ یہ ہے کہ ایک لکڑی زمین میں گاڑھی جائے پھر اس پر عرض میں دوسری لکڑی باندھی جائے، پس اس دوسری لکڑی پر مجرم اپنے دونوں قدم رکھ کر کھڑا ہو جائے، اور دوسری لکڑی سے اوپر گڑھی ہوئی لکڑی میں ایک دوسری

(۱) ردالمحتار: ج۴ ص۱۱۵

لکڑی باندھی جائے اور اس سے اس مجرم کے دونوں ہاتھ باندھ دیئے جائیں، پھر اس کی بائیں چھاتی کے پاس نیزہ مارے اور اسے پیٹ تک ہلاتا لے جائے تا آنکہ اس کی موت واقع ہو جائے۔

رہزن کی نمازِ جنازہ

یہ تو دنیاوی سزا ہوئی، مگر اس کا جرم اتنا سنگین ہے کہ اسلام اس کے بعد بھی اس پر ترس نہیں کھاتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ اس امن وامان کے دشمن کو نہ غسل دیا جائے اور نہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے البتہ دفن کر دیا جائے:

(وَهِيَ فَرْضٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ مَاتَ خَلَا) أَرْبَعَةٍ (بُغَاةٍ، وَقُطَّاعِ طَرِيقٍ) فَلَا يُغَسَّلُوا، وَلَا يُصَلَّى عَلَيْهِمْ. (۱)

نماز جنازہ چار شخصوں کے علاوہ اور تمام مسلمانوں کی فرض ہے، ان میں چار میں باغی اور ڈاکو بھی ہیں، ان کو نہ غسل دیا جائے گا اور نہ اس کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی۔

ایسا برتاؤ اس وجہ سے اس کے ساتھ کیا گیا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے قانون کی خلاف ورزی کی اور امن وراحت جیسی قیمتی دولت برباد کرنے کی سعی کی، اس لئے یہ اس سزا کا مستحق قرار پایا کہ اس کی توہین وذلیل کا مظاہرہ ہر ہر پہلو سے ہو تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ رہزنی اور فساد کس قدر بری چیز ہے۔

ہاتھ پاؤں کاٹنے کے بعد داغنا

رہزن اور فسادی کو جب ہاتھ پاؤں کاٹنے کی سزا دی جائے گی تو ہاتھ پہنچے سے کاٹا جائے گا، اور پاؤں ٹخنے سے، ان دونوں عضو کو کاٹ کر گرم لوہے سے داغ دیا جائے گا، تا کہ خون بند ہو جائے اور جسم کا سارا خون نہ گرنے پائے:

---

(۱) الدر المختار: کتاب الصلاۃ، باب صلوۃ الجنازۃ، ج۲ ص ۲۱۰

ویقطع یمین السارق من الزند ویحسم.[1]

چور کا ہاتھ گٹے کے پاس سے کاٹا جائے گا، اور پھر داغ دیا جائے گا۔

ید کا اطلاق تو پورے ہاتھ کو بغل تک شامل ہے، لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بتاتا ہے کہ پورا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا بلکہ صرف کلائی کاٹی جائے گی، امت کا عمل بھی ہمیشہ یہی رہا ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

قَطَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَارِقاً مِّنَ الْمَفْصَلِ.[2]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چور کا ہاتھ جوڑ کے پاس سے کاٹا۔

دوسری حدیث میں ہے کہ ایک چور آپ کی خدمت میں لایا گیا اور اس نے چوری کا اقرار کرلیا تو آپ نے فرمایا:

فاذهبوا به واقطعوه ثم احسموه ...الحدیث.[3]

اسے لے جاؤ اور اس کے ہاتھ کاٹ کر داغ دو۔

اسی طرح پیر کے کاٹنے کے سلسلہ میں صراحت ہے:

قطعت رجله الیسری: من الکعب عند اکثر اهل العلم وفعل عمر رضی الله عنه.[4]

پوری تفصیل اس سلسلہ کی دیکھنی ہو تو ''احکام القرآن للجصاص'' جلد ثانی'' باب من آین قطع السارق'' ملاحظہ فرمایا جائے۔

---

(۱) الهدایة : کتاب السرقة، باب ما یقطع و ملا یقطع فیه، فصل فی کیفیة القطع و اثباته، ج۲ ص ۵۳۱

(۲) البنایة شرح الهدایة : کتاب السرقة، باب ما یقطع و ما یقطع فیه، فصل فی کیفیة القطع و اثباته، ج۷ ص ۵۰

(۳) البنایة شرح الهدایة : کتاب السرقة، باب ما یقطع و مالا یقطع فیه، فصل فی کیفیة القطع و اثباته، ج۷ ص ۵۰

(۴) البنایة شرح الهدایة : کتاب السرقة، باب ما یقطع و مالا یقطع فیه، فصل فی کیفیة القطع و اثباته، ج۷ ص ۵۰

سزا پوری جماعت کو

یہ بات واضح رہے کہ جرم کے ثبوت میں ہر ایک کے لئے الگ الگ ثبوت کی ضرورت نہیں ہے، اگر گروہ کے ایک آدمی کا جرم اور بقیہ کی شرکت ثابت ہوگئی تو سب کو پوری پوری سزا ملے گی، یہ نہیں ہے کہ جس نے عملاً حصہ لیا وہ قابلِ مواخذہ ہے، اور معاون ومددگار قابل درگزر یا ہلکی سزا کا مستحق:

(فإن باشر القتل أحدهم) أى أحد قطاع الطريق (أجرى الحد عليهم بأجمعهم) وبه قال مالك وأحمد ...(لأنه جزاء المحاربة، وهى تتحقق بأن يكون البعض ردءاً) أى عوناً للبعض ...(وإنما الشرط القتل من واحد منهم......) فيقتلون جميعاً، وهذه لأن قوله وجب حداً عليهم لا قصاصاً فلم يعتبر المساواة، فصار من قتل ومن لم يقتل سواء.[1]

ان ڈاکوؤں میں سے ارتکابِ جرم خواہ ایک ہی نے کیوں نہ کیا ہو، مگر حد ان تمام پر جاری ہوگی، امام مالک اور امام احمد اسی کے قائل ہیں، اس لئے کہ یہ ڈکیتی کی سزا ہے اور یہ ثابت شدہ ہے، بایں طور کہ اس میں بعض بعض کے معاون ومددگار ہوں گے، صرف شرط یہ ہے کہ ان میں سے کسی نے ایک نے قتل کیا ہو، لہٰذا یہ سب قتل کئے جائیں گے اس لئے کہ یہ سزا بطور حد واجب ہوئی ہے قصاص کے طور پر نہیں ہے کہ اس میں مساوات کا اعتبار ہو، لہٰذا جس سے قتل پایا جائے اور جس سے نہ پایا جائے دونوں جرم وسزا میں برابر ہیں۔

جب سارے کے سارے اس گروپ میں شریک تو قاعدے کے مطابق سب ہی مجرم

---

(۱) البناية شرح الهداية : كتاب السرقة، باب قطع الطريق، ج۷ ص۸۷

ہیں، یہ تو ہوتا ہی ہے کہ کوئی قتل کرتا ہے، کوئی دوسرا کام، جماعت میں کام بٹے ہوئے ہوتے ہیں۔ درمختار میں ہے:

(وَتَجْرِی الْاَحْکَامُ) الْمَذْکُورَۃُ (عَلَی الْکُلِّ بِمُبَاشَرَۃِ بَعْضِھِمْ) الْاَخْذَ وَالْقَتْلَ وَالْاِخَافَۃَ.(۱)

اگر جماعت میں سے کسی سے بھی اخذ مال، قتل اور ڈرانا پایا جائے گا تو تمام پر احکام مذکورہ جاری ہوں گے۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے صراحت کی ہے کہ اگر وہ سینکڑوں کی تعداد میں ہوں گے تو بھی سب کے سب قتل کئے جائیں، اس لئے کہ خلفاء راشدین سے یہی ثابت ہے:

وَھٰذَا ھُوَ الْمَاْثُورُ عَنْ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِینَ.(۲)

خلفاء راشدین سے یہی منقول و ماثور ہے۔

پھر انہوں نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ آپ نے رہزنوں کی جماعت کے اس شخص کو بھی قتل کر ڈالا جو اونچی جگہ بیٹھ کر راہگیروں کو دیکھا کرتا تھا کہ کون شخص کدھر سے آرہا ہے، اور ادھر ڈاکو لوٹ مار میں مشغول تھے۔(۳)

حقوق اللہ اور حقوق العباد

ایک صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ حق اللہ اور حق العبد دونوں جمع ہو جائیں، مثلاً شر پسندوں کا یہ گروہ کسی کا مال بھی چھین لے اور اسے زخمی بھی کر دے تو اس شکل میں حق اللہ پر عمل کرتے ہوئے حق العبد سے درگزر کیا جائے گا، یعنی اس مجرم کے ہاتھ پاؤں کاٹے اور گرم لوہے سے داغے جائیں گے، زخم پر جو قصاص ہے اسے ترک کر دیا جائے گا، کیونکہ جب حد جاری ہو چکی تو عصمت نفس ساقط قرار دی جائے گی، حد اور قصاص دونوں جمع نہ ہوں گے:

---

(۱) الدر المختار : ج۴ ص ۱۱۵ (۳،۲) السیاسۃ الشرعیۃ : القسم الاول، عقوبۃ المحاربین، ص ۶۳

(وإن أخذ مالاً ثم جرح قطعت يده ورجله من خلاف وبطلت الجراحات) لأن الحد والضمان لا يجتمعان عندنا (لأنه لما وجب الحد حقاً لله تعالىٰ سقطت عصمة النفس حقاً للعبد، كما يسقط عصمة المال)۔[1]

اور اگر اس نے مال چھینا پھر زخمی کیا ہے تو اس مجرم کا ہاتھ اور پیر کاٹا جائے گا اور جراحات باطل قرار پائیں گے، اس لئے کہ احناف کے یہاں حد اور ضمان دونوں جمع نہیں ہوتے ہیں، اس وجہ سے کہ جب حد (جو اللہ کا حق ہے) واجب ہو گئی تو بندہ کا حق یعنی عصمتِ نفس ساقط ہو جائے گی، جس طرح عصمتِ مال ساقط ہو جاتی ہے۔

گرفتاری سے پہلے توبہ اور وجوبِ قصاص

اس سلسلہ میں چند صورتیں ایسی بھی ہیں جن میں حد واجب نہیں ہے، مگر ان صورتوں میں قصاص یا ضمان دونوں میں سے کوئی ایک بات لازمی ہوتی ہے، اور چوں کہ یہ حق العبد کی فہرست میں داخل ہے، لہٰذا بندہ کو معاف کرنے کا حق بھی حاصل ہوگا خواہ ان سے ضمان اور قصاص لے، خواہ معاف کردے، جیسے کسی نے زخم تو لگا دیا مگر نہ اس نے قتل کیا اور نہ اس سے مال چھینا، یا مال چھینا لیکن دس درہم سے کم، یا قتل کیا اور مال بھی چھینا لیکن گرفتاری سے پہلے اس نے توبہ کرلی اور مال واپس کردیا تو ان تمام صورتوں میں حد واجب ہوگی، لیکن ولی مقتول کو قتل عمد کے سلسلہ میں اختیار ہے کہ قصاص میں اُسے قتل کرڈالے، یا دیت قبول کرکے درگزر کرے یا بالکل معاف کردے:

وإن أخذ بعد ما تاب وقد قتل عمدا فإن شاء الأولياء قتلوه وإن شاؤا عفوا عنه لأن الحد في هذه الجناية لا يقام بعد التوبة

---

(۱) البناية شرح الهداية : كتاب السرقة، باب قطع الطريق، ج۷ ص۸۸

للاستثناء المذکور فی النص. [1]

اور اگر توبہ کے بعد گرفتار ہوا ہے، اور قصداً اس نے قتل کا ارتکاب کیا ہے تو اولیائے مقتول کو اختیار ہے، ان کا جی چاہے اُسے قتل کر ڈالیں نہ چاہے تو معاف کر دیں، کیونکہ اس حالت میں توبہ کے بعد حد قائم نہیں کی جاتی ہے اس لئے کہ نص میں استثناء موجود ہے۔

جس آیت کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ یہ ہے:

اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۴﴾ (المائدۃ)

ہاں مگر یہ لوگ اپنی گرفتاری سے پہلے توبہ کرلیں، تو جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ بخش دیں گے، اور مہربانی فرمائیں گے۔

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

ہاں مگر جو لوگ قبل اس کے کہ تم ان کو گرفتار کرو توبہ کریں، تو اس حالت میں جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے حقوق بخش دیں گے، اور توبہ قبول کرنے میں مہربانی فرمائیں گے۔ مطلب یہ کہ اوپر جو سزا مذکور ہوئی ہے وہ حد اور حق اللہ کے طور پر ہے، جو کہ بندہ کے معاف کرنے سے معاف نہیں ہوتی، قصاص وحق العبد کے طور پر نہیں کہ بندہ کے معاف کرنے سے معاف ہو جاتا، پس جب قبل گرفتاری کے ان لوگوں کا تائب ہونا ثابت ہو جائے تو حد ساقط ہو جائے گی جو کہ حق اللہ تھا، البتہ حق العبد باقی رہے گا، پس اگر اس نے مال لیا ہوگا تو اس کا ضمان دینا پڑے گا اور قتل کیا ہوگا تو اس کا قصاص لیا جائے گا، لیکن اس میں ضمان وقصاص معاف کرنے کا حق صاحب مال اور ولی مقتول کو ہوگا۔ [2]

---

(۱) الھدایۃ : کتاب السرقۃ، باب قطع الطریق، ج۲ ص ۵۴۱

(۲) بیان القرآن: سورہ مائدہ آیت نمبر ۳۴ کے تحت، ج۱ ص ۴۶۸

حقوق العباد

آپ نے دیکھا کہ یہاں حق اللہ کی معافی کی شکل تو پیدا ہوئی مگر حق العبد مجرمین سے چمٹا رہا، اللہ تعالیٰ نے ظاہر حال پر رحم کھایا لیکن حقوق العباد سے بری قرار نہیں دیا، امام ابوبکر جصاص رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَمَتَى سَقَطَ الْحَدُّ الْمَذْكُورُ فِي الْآيَةِ وَجَبَتْ حُقُوقُ الْآدَمِيِّينَ مِنْ الْقَتْلِ وَالْجِرَاحَاتِ وَضَمَانِ الْأَمْوَالِ .وَإِذَا وَجَبَ الْحَدُّ سَقَطَ ضَمَانُ حُقُوقِ الْآدَمِيِّينَ فِي الْمَالِ وَالنَّفْسِ وَالْجِرَاحَاتِ. (۱)

جب وہ حد ساقط ہو جائے گی جو آیت میں مذکور ہے تو انسانوں کے حقوق واجب ہو جائیں گے، جیسے قتل کرنا، زخمی کرنا، مال کا تاوان اور جب حد واجب ہوگی تو آدمیوں کے حقوق ختم ہو جائیں گے خواہ یہ حق مال میں ہو یا جان اور زخم میں۔

یہ جو کچھ بیان کیا گیا دنیا کی سزا اور رسوائی ہے جس کے متعلق ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا (المائدۃ: ۳۳)

یہ ان کی دنیا میں رسوائی ہے۔

آخرت میں سزا

باقی آخرت کا عذاب اس کے متعلق فرمان الٰہی ہے:

لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۳۳﴾ (المائدۃ)

اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔

یعنی دنیاوی سزا کے بعد آخرت کے عذاب میں بھی گرفتار ہوں گے، یہاں کی سزا وہاں کے عذاب سے بچنے کا ذریعہ نہ بن سکے گی، امام ابوبکر جصاص رحمہ اللہ اس آیت کو نقل کر کے لکھتے ہیں:

---

(۱) احکام القرآن للجصاص: سورۃ المائدۃ آیت نمبر ۳۹ کے تحت، ج۲ ص ۵۱۶

وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ يَدُلُّ عَلَى أَنَّ إِقَامَةَ الْحَدِّ عَلَيْهِ لَا تَكُونُ كَفَّارَةً لِذُنُوبِهِ لِإِخْبَارِ اللّٰهِ تَعَالَى بِوَعِيدِهِ فِي الْآخِرَةِ بَعْدَ إِقَامَةِ الْحَدِّ عَلَيْهِمْ.[1]

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ آخرت میں ان کے لئے عذاب ہے، یہ بتلاتا ہے کہ حد کا اجراء گناہ کا کفارہ نہیں بنتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اقامتِ حد کے باوجود آخرت میں عذاب کی وعید سنائی ہے۔

اندازہ لگایا جائے کہ اس جرم پر رہزنی اور فساد فی الارض کی شدت کس پیمانہ کی ہے کہ دنیا میں رسوا کن سزا کے بعد بھی بغیر توبہ آخرت کے عذاب سے بچاؤ کی شکل نہیں پیدا ہوئی۔

گلا دبانے والے مجرم

اسلام کسی بھی ظالم، فسادی اور شر پسند کو برداشت نہیں کرتا، اس کا حکم ہے کہ اس طرح کے جتنے لوگ ہوں حکومتِ وقت اس کو سخت سے سخت سزا دے، اور اگر مناسب سمجھے تو قتل کر ڈالے، اور جو شخص جرم کا عادی ہو جائے اس کی معافی کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا:

(وَمَنْ تَكَرَّرَ الْخَنِقُ) بِكَسْرِ النُّونِ (مِنْهُ فِي الْمِصْرِ) أَيْ خَنَقَ مِرَارًا (قُتِلَ بِهِ) سِيَاسَةً لِسَعْيِهِ فِي الْأَرْضِ بِالْفَسَادِ وَكُلُّ مَنْ كَانَ كَذٰلِكَ يُدْفَعُ شَرُّهُ بِالْقَتْلِ.[2]

اور جو آبادی میں گلا گھوٹنے کا ارتکاب بار بار کرے اُسے سیاستاً قتل کر دیا جائے گا اس لئے کہ وہ آبادی میں فساد کے درپے ہے، اور جو شخص بھی ایسا ہو اسے قتل کر کے اس کا شر ختم کیا جائے گا۔

جب مصر اور آبادی میں خنّاق قابل گردن زدنی ٹھہرا تو مصر کے باہر بدرجہ اولیٰ ہوگا۔ چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

---

(۱) احکام القرآن للجصاص: سورۃ المائدۃ آیت نمبر ۳۳ کے تحت، ج۲ ص ۵۱۶

(۲) الدر المختار: کتاب السرقۃ، باب قطع الطریق، ج۴ ص ۱۱۷، ۱۱۸

وَكَذَا فِي غَيْرِهِ.(۱)

اور ایسا ہی آبادی کے باہر بھی۔

تکرارِ جرم کا مفہوم

بار بار کی جو شرط بیان کی گئی ہے اس کا منشاء صرف اس قدر ہے کہ پہلی مرتبہ میں بطورِ حد قتل نہ کیا جائے گو وہ قصاص سے بچ نہیں سکتا، مگر جب دوبارہ کرے تو پھر اسے حد میں وجوباً قتل کر دیا جائے، چنانچہ مرار کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(قَوْلُهُ اَيْ خَنَقَ مِرَارًا) اَرَادَ مَرَّتَيْنِ فَصَاعِدًا ...لِاَنَّهُ لَوْ خَنَقَ مَرَّةً وَاحِدَةً فَلَا قَتْلَ عِنْدَ الْإِمَامِ.(۲)

بار بار گلا دبانے سے مراد دو مرتبہ یا اس سے زیادہ ہے اس لئے کہ اگر ایک مرتبہ اس نے ایسا کیا ہے تو امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک اس کی سزا قتل نہیں ہے۔

کسی فسادی کو معافی نہیں

خوب غور کریں کہ جو بھی وجہ فساد بنتا ہے اس کے متعلق حکم ہے کہ اس کا شر دفع کیا جائے اور اسے قتل کر ڈالا جائے۔ چنانچہ ''باب التعزیز'' میں صراحت ہے:

(وَعَلَى هَذَا) الْقِيَاسِ (الْمُكَابِرُ بِالظُّلْمِ وَقُطَّاعُ الطَّرِيقِ وَصَاحِبُ الْمَكْسِ وَجَمِيعُ الظَّلَمَةِ بِأَدْنَى شَيْءٍ لَهُ قِيمَةٌ) وَجَمِيعُ الْكَبَائِرِ وَالْأَعْوِنَةُ وَالسُّعَاةُ يُبَاحُ قَتْلُ الْكُلِّ وَيُثَابُ قَاتِلُهُمْ انْتَهَى. وَاَفْتَى النَّاصِحِيُّ بِوُجُوبِ قَتْلِ كُلِّ مُؤْذٍ.(۳)

اسی قاعدہ کے مطابق زبردستی ظلم کرنے والا رہزن، ناجائز مال لینے والا اور تمام

---

(۱) ردالمحتار : كتاب السرقة، باب قطع الطريق، ج۴ ص۱۱۷

(۲) ردالمحتار : كتاب السرقة، باب قطع الطريق، ج۴ ص۱۱۸

(۳) الدرالمختار : كتاب الحدود، باب التعزير، ج۴ ص۶۴

ظالمین خواہ وہ معمولی قیمت کی چیز لیں اور تمام کبائر کے مرتکب، اسی طرح بذریعہ
حکام ضرر پہنچانے والے اور بدامنی پھیلانے والے ان تمام کا قتل جائز ہے، اور
ان کا قاتل ثواب کا مستحق ہے اور ناصحی نے تو تمام موذی کے قتل کا فتویٰ دیا ہے۔

مفسدین کے قتل کی وجہ

مفسدین کے متعلق اسلام کے نظام میں جو سختی ہے اس کا اس سے اندازہ لگائیں کہ وہ ستم ڈھانے والے، پبلک کو بذریعہ حُکام ضرر پہنچانے والے، ملک میں بدامنی پھیلانے والے، اوراس طرح کے دوسرے لوگوں کے ساتھ جن کا ضرر عام ہو، ذرہ برابر رعایت نہیں کرتا ہے اور قتل تک کی اجازت دیتا ہے، اور ان کے قتل کی اباحت کی علت فساد فی الارض قرار دیتا ہے:

يُبَاحُ قَتْلُهُمْ لِاَنَّهُمْ سَاعُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِالْفَسَادِ۔ (۱)

ان تمام کا قتل اس لئے جائز ہے کہ یہ سب زمین میں فساد کرنے والے ہیں۔

اباحت ان لوگوں کے لئے یہ جو حکومتِ وقت سے متعلق نہیں ہیں، باقی حکومت اور اربابِ حکومت تو ان پر واجب ہے کہ ان کے شر سے عوام کو بچائیں۔

لَعَلَّ الْوُجُوبَ بِالنَّظَرِ لِلْاِمَامِ وَنُوَّابِهِ وَالْاِبَاحَةَ بِالنَّظَرِ لِغَيْرِهِمْ۔ (۲)

وجوب کا حکم خلیفہ اوراس کے مقرر کردہ نائبین کے لئے ہے اور جواز کا ان کے علاوہ کے لئے۔

تعزیر کا حق

تعزیر جو حد سے الگ چیز ہے اس کا حق حکام کے علاوہ دوسروں کو بھی ہے، مگر صرف موقع واردات کی حد تک، واقعہ کے بعد صرف حکام ہی تعزیز کر سکتے ہیں، دوسروں کو یہ حق

---

(۱) ردالمحتار : کتاب الحدود، باب التعزیر، ج۴ ص ۶۴

(۲) ردالمحتار : کتاب الحدود، باب التعزیر، ج۴ ص ۶۴

حاصل نہیں ہے:

وَيُقِيمُهُ كُلُّ مُسْلِمٍ حَالَ مُبَاشَرَةِ الْمَعْصِيَةِ ...اَمَّا بَعْدَهُ فَلَيْسَ ذٰلِكَ لِغَيْرِ الْحَاكِمِ.(۱)

معصیت کے ارتکاب کی حالت میں ہر مسلمان تعزیز کر سکتا ہے، البتہ کر چکنے کے بعد بجز حاکم وقت اور کسی کے لئے جائز نہیں ہے۔

معصیت میں مشغول ہونے کے وقت ہر شخص کو تعزیز کی اجازت ''نہی عن المنکر'' کی حیثیت سے ہے، اور اس وجہ سے بھی کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دے رکھا ہے:

مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ.(۲)

جو شخص شریعت کے خلاف امر کا ارتکاب دیکھے اُسے چاہئے کہ اپنے ہاتھ سے اُسے ختم کر دے ورنہ پھر اپنی زبان سے اُس کے خلاف آواز اُٹھائے۔

گناہ کر چکنے کے بعد

البتہ اگر کسی تعزیر جس سے کسی بندے کا حق متعلق ہے، زیادہ معصیت سے فارغ ہو چکا ہے تو اس صورت میں مقدمات کا دیکھنا صرف امام وحاکم کا حق ہے کسی اور کا نہیں:

قَالَ فِي الْقُنْيَةِ: لِأَنَّهُ لَوْ عَزَّرَهُ حَالَ كَوْنِهِ مَشْغُولًا بِالْفَاحِشَةِ فَلَهُ ذٰلِكَ لِأَنَّهُ نَهْيٌ عَنِ الْمُنْكَرِ وَكُلُّ وَاحِدٍ مَأْمُورٌ بِهِ، وَبَعْدَ الْفَرَاغِ لَيْسَ بِنَهْيٍ لِأَنَّ النَّهْيَ عَمَّا مَضَى لَا يُتَصَوَّرُ فَيَتَمَحَّضُ تَعْزِيرًا، وَذٰلِكَ إِلَى الْإِمَامِ.(۳)

---

(۱) الدرالمختار: کتاب الحدود، باب التعزیر، ج۴ ص۶۴

(۲) صحیح مسلم: کتاب الإیمان، باب بیان کون النهی عن المنکر من الإیمان...إلخ، ج۱ ص۶۹، رقم الحدیث: ۴۹

(۳) ردالمحتار: ج۴ ص۶۵

ناجائز فعل میں مشغولیت کے وقت اگر تعزیز کرے تو یہ اس کے لئے درست ہے کیونکہ اس نے نہی عن المنکر کیا، جس کا حکم ہر ایک کو ہے اور فارغ ہو چکنے کے بعد یہ نہی کے حکم میں نہیں ہے، اس لئے کہ گزری ہوئی چیز میں نہی کا تصور نہیں ہو سکتا ہے بلکہ یہ صرف تعزیز ہے جس کا حق امام کو ہے۔

ڈاکو کا قتل

ایک ڈاکو سے ایک مسافر کی ملاقات ہوگئی، اس نے دیکھا کہ وہ دوسرے پر حملہ آور ہے، تو اس مسافر کے لئے جائز ہے کہ اس وقت ڈاکو کو قتل کر ڈالے، اگر چہ وہ بذاتِ خود اس پر حملہ آور نہ ہو:

إِذَا كَانَ مُسَافِرًا وَرَاٰى قَاطِعَ طَرِيقٍ لَهُ قَتْلُهُ وَإِنْ لَمْ يَقْطَعْ عَلَيْهِ بَلْ عَلَى غَيْرِهِ، لِمَا فِيهِ مِنْ تَخْلِيصِ النَّاسِ مِنْ شَرِّهِ وَاَذَاهُ.(۱)

سفر میں مسافر جب ڈاکو کو دیکھے تو اس کو اس کا قتل کرنا جائز ہے گو اس پر وہ حملہ آور نہ ہو بلکہ کسی اور پر ہو، کیوں کہ یہ لوگوں کو اس کے شر اور اذیت سے بچانا ہے۔

موقعِ واردات کے بعد اب مقدمہ، اس کا فیصلہ اور اس کی سزا، یہ سب حکام کے کام ہیں ان میں عوام دخل انداز نہیں ہو سکتی تا کہ ملکی نظام میں کوئی انتشار پیدا نہ ہونے پائے۔

مال کی حفاظت اسلام میں

اسلام میں جس طرح جان کی قدر و قیمت بتاتا اور اس کی حفاظت کا نظم قائم کرتا ہے تا کہ انسان سکون و اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کر سکے، کم و بیش اسی طرح کی ہدایت وہ مال کے سلسلہ میں بھی دیتا ہے تا کہ لوگوں کا سکون مجروح نہ ہونے پائے، کیونکہ مال کو راحت و عافیت کے پہنچانے میں بڑا دخل ہے، آدمی کی یہ تھوڑی بہت پونجی اگر ہاتھ سے نکل جاتی

---

(۱) ردالمحتار: ج۴ ص ۶۴

ہے تو وہ پریشانیوں میں گھر جاتا ہے، قرآن پاک میں اسی لئے اسے زینت سے تعبیر کیا گیا ہے، ارشاد ربانی ہے:

اَلْمَالُ وَ الْبَنُوْنَ زِیْنَۃُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا (الکھف: ۴۶)

مال اور اولاد حیاتِ دنیا کی ایک رونق ہے۔

دنیوی زندگی کی رونق

اس آیت میں دنیا کی زندگی کے لئے اولاد کی طرح مال کو بھی زینت اور رونق کہا گیا ہے بلکہ تعبیر میں مال کو اولاد پر مقدم رکھا گیا ہے، اس سے اندازہ ہوا کہ انسان کو مال سے گہری دلچسپی اور بے پناہ محبت ہوتی ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ دولت جسے انسان جائز طریقے سے حاصل کرتا ہے یقیناً وہ اس کی جائز ملکیت ہے، بغیر اس کی اجازت کے کسی شخص کو اس میں تصرف کا کوئی حق حاصل نہیں ہے، اور یہی وجہ ہے کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں جان کی قدر و قیمت بتائی ہے وہاں مال کو بھی نظر انداز نہیں فرمایا ہے، حجۃ الوداع کا خطبہ پہلے نقل کیا جا چکا ہے جس میں جان اور عزت و آبرو کے ساتھ مال کی حرمت بتائی گئی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ، كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا فِي بَلَدِكُمْ هَذَا، فِي شَهْرِكُمْ هَذَا، وَسَتَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ، فَسَيَسْأَلُكُمْ عَنْ أَعْمَالِكُمْ. (۱)

بے شک تمہارا خون، تمہارا مال اور تمہاری عزتیں، تم پر ایسی محترم ہیں جس طرح آج کا دن، یہ مہینہ اور شہر قابل صد احترام ہیں، عنقریب تم اپنے رب سے ملو گے تو وہ تم سے تمہارے اعمال کے متعلق سوال کرے گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس اہمیت کے ساتھ جان کی حرمت بیان کی، اسی اہمیت

---

(۱) صحیح البخاری: کتاب المغازی، باب حجۃ الوداع، ج۵ ص۱۷۷، رقم الحدیث: ۴۴۰۶

اور اسی لب ولہجہ میں مال کی حرمت بھی بیان کی ہے، مال کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ آپ نے مکہ مکرمہ، ماہ محترم اور اس خاص دن کی حرمت سے مال کی حرمت کو تشبیہ دی ہے، پھر آخر میں آپ نے جان و مال، عزت و آبرو کی حرمت اور ان کی عظمتِ شان کو دل نشیں فرمانے کے بعد آخرت کا تذکرہ فرمایا کہ تم سب کو کل خدا کے سامنے پیش ہونا ہے اور اپنے اعمال کا حساب وکتاب دینا ہے، لہٰذا دنیا میں اس طرح کا جب کوئی قدم اٹھانے لگو تو پہلے آخرت پر بھی نظر ڈال لو تا کہ اس جائزہ کے بعد تمہارا جو کام ہو وہ صحیح ہو، اور اس میں کسی کی حق تلفی نہ ہو، ساتھ ہی یہ بھی ذہن نشین رہے کہ اگر چیزوں کی حرمت کے خلاف کوئی بات کی تو اللہ تعالیٰ کی گرفت سے تم بچ نہیں سکتے، ایک طرف مال کی حرمت کا اس بلیغ انداز میں بیان، اور دوسری طرف آخرت اور یوم الجزاء کی یاد دہانی، یہ دونوں باتیں یہاں ایسی ہیں جن سے مالِ مسلم کی قدر و قیمت خود بخود عیاں ہو جاتی ہے۔

حقِ مسلم

ایک دوسری حدیث میں مال کی حرمت بیان کرتے ہوئے رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنِ اقْتَطَعَ حَقَّ امْرِءٍ مُسْلِمٍ بِيَمِينِهِ، فَقَدْ أَوْجَبَ اللهُ لَهُ النَّارَ، وَحَرَّمَ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ. (۱)

جس نے کسی مسلمان کا حق اپنی قسم کے ذریعہ ہڑپ کر لیا اس کے لئے اللہ نے جہنم کی آگ واجب اور جنت اس پر حرام کر دی ہے۔

یہ سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے پوچھا، یا رسول اللہ! اگر چہ وہ معمولی چیز ہو، آپ نے جواب دیا:

---

(۱) صحیح مسلم : کتاب الإیمان، باب وعید من اقتطع حق مسلم--- الخ، ج۱ ص۱۲۲، رقم الحدیث: ۱۳۷

وَإِنْ قَضِيبًا مِنْ أَرَاكٍ.(۱)

گو وہ پیلو کی لکڑی کی ایک شاخ کیوں نہ ہو۔

اس حدیث سے بھی مالِ مسلم کے ناجائز طور پر لینے کی قباحت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، جب یہ معمولی چیز جنت سے محرومی اور دخولِ جہنم کا سبب بن سکتی ہے تو کسی کی بڑی اور قیمتی چیز ناجائز قبضہ اور بھی سخت ہولناک بربادیوں کا باعث بن سکتا ہے۔

غیر کے حق کی قدر و قیمت

اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کے کلمہ کو بلند کرنے کے لئے جان دینا اسلام میں جو قیمت رکھتا ہے اس سے کوئی مسلمان ناواقف نہیں، مگر حدیث میں ہے کہ غزوہ خیبر کے موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتانا شروع کیا کہ اس جگہ فلاں نے جامِ شہادت نوش کیا، یہاں فلاں شخص شہید ہوا، یہ بتاتے ہوئے جب آپ ایک لاش کے پاس پہنچے تو جان نثاروں نے عرض کی، دیکھئے یہاں یہ فلاں شخص شہید پڑا ہے، آپ نے یہ سن کر فرمایا کہ میں اس شخص کو جہنم آگ میں جلتا ہوا دیکھ رہا ہوں، لوگوں کو یہ معلوم کر کے حیرت ہوئی، تحقیقِ حال کے بعد معلوم ہوا کہ اس نے مالِ غنیمت سے ایک چادر یا عباء چرا کر رکھی تھی:

لَمَّا كَانَ يَوْمُ خَيْبَرَ أَقْبَلَ نَفَرٌ مِنْ صَحَابَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالُوا :فُلَانٌ شَهِيدٌ، فُلَانٌ شَهِيدٌ، حَتَّى مَرُّوا عَلَى رَجُلٍ، فَقَالُوا: فُلَانٌ شَهِيدٌ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كَلَّا، إِنِّي رَأَيْتُهُ فِي النَّارِ فِي بُرْدَةٍ غَلَّهَا أَوْ عَبَاءَةٍ.(۲)

---

(۱) صحیح مسلم : کتاب الإيمان، باب وعيد من اقتطع حق مسلم۔۔۔ الخ، ج۱ ص ۱۲۲، رقم الحديث: ۱۳۷

(۲) صحیح مسلم : كتاب الإيمان، باب غلظ تحريم الغلول، ج۱ ص۱۰۷ رقم الحديث: ۱۱۴

اسی طرح کی ایک روایت بخاری میں ہے، اس میں یہ ہے کہ کرہ نامی ایک شخص تھا اس کی جب موت واقع ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دوزخ میں ہے، یہ سن کر صحابہ کرام جستجو میں پڑ گئے کہ آخر کیا بات پیش آئی جس کی اسے یہ سزا ملی ہے:

فَوَجَدُوا عَبَاءَةً قَدْ غَلَّهَا. (۱)

چنانچہ انہوں نے تلاشی کے بعد اس کے پاس ایک عبا پائی جسے اس نے چھپایا ہوا تھا۔

اس طرح کے واقعات سے اندازہ لگائیں کہ اسلام میں مال کی کیا قدر و قیمت ہے اور دوسروں کا مال خیانت یا ناجائز طور پر لینا کتنا سخت جرم ہے۔

غلط ثبوت کی حیثیت

حد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں مال سے متعلق کوئی مقدمہ آتا تو فیصلہ کرتے وقت آپ صفائی کے ساتھ فرمادیا کرتے تھے کہ میں بشر ہوں اور تم نے میرے پاس مقدمہ دائر کیا ہے، میرے سامنے فریقین کے جو بیانات اور دلائل پیش ہوں گے، میں ان کو سنوں گا اور اسی بیان و ثبوت کی روشنی میں فیصلہ کرلوں گا، لیکن اگر تم میں سے کسی نے اپنے بھائی کا حق لینے کے لئے غلط ثبوت پیش کیا، اپنے زورِ بیان سے متاثر کرنے کی سعی کی اور ان چیزوں کا علم نہ ہوسکا اور ظاہر ثبوت پر اس کے حق میں فیصلہ دے دیا، تو یقین کرلو کہ میں نے اسے جہنم کی آگ کا ایک انگارہ اٹھا کردیا، حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ وَإِنَّكُمْ تَخْتَصِمُونَ إِلَيَّ، وَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ أَنْ يَكُونَ أَلْحَنَ بِحُجَّتِهِ مِنْ بَعْضٍ، وَأَقْضِيَ لَهُ عَلَى نَحْوِ مَا أَسْمَعُ، فَمَنْ قَضَيْتُ لَهُ مِنْ حَقِّ أَخِيهِ شَيْئًا فَلَا يَأْخُذْ، فَإِنَّمَا أَقْطَعُ لَهُ قِطْعَةً مِنَ النَّارِ. (۲)

---

(۱) صحیح البخاری: کتاب الجهاد والسیر، باب القلیل من الغلول، ج۴ ص۷۴، رقم الحدیث: ۳۰۷۴

(۲) صحیح البخاری: کتاب الحیل، باب إذا غصب جاریة فزعم أنها ماتت ..... الخ، ج۹ ص۲۵، رقم الحدیث: ۶۹۶۷

حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں بشر ہوں اور تم میرے پاس اپنے مقدمات لاتے ہو اور عموماً تم میں سے بعض، بعض کے مقابلہ میں اپنی حجت میں زوردار ہوتے ہیں، لہٰذا میں جو کچھ سنوں گا اس کے مطابق فیصلہ کر دوں گا، لیکن اگر میں اس کے موافق صرف اس کے زورِ بیان سے مجبور ہو کر فیصلہ دے دوں تو سن رکھو کہ جہنم کا ایک انگارہ دوں گا۔

ایک دفعہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ رِجَالًا يَتَخَوَّضُونَ فِي مَالِ اللَّهِ بِغَيْرِ حَقٍّ فَلَهُمُ النَّارُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (۱)

بلاشبہ جو لوگ اللہ کے مال میں ناحق دست اندازی کرتے ہیں ان کے لئے قیامت کے دن جہنم کی آگ ہوگی۔

ان حدیثوں میں صراحت ہے کہ جب کوئی ناجائز طور پر مال حاصل کرتا ہے تو وہ اس کے لئے رحمت کی جگہ ثابت ہوتا ہے، اور اس کی آخرت برباد کر ڈالتا ہے جو اصل زندگی اور ابدی راحت وعافیت کا گھر ہے۔

غور کریں جس دین میں ایک عباء کی چوری میں انسان جہنم میں پہنچ جائے، اور ناجائز طور پر مال حاصل کرنے کو جو دین انگارے جمع کرنے سے تعبیر کرے اس دین میں اس کی گنجائش کہاں نکل سکتی ہے کہ کوئی غیر کے مال میں ناجائز تصرف کرے اور وہ قانون کی زد سے بچ جائے، اور اگر یہاں کسی طرح بچ بھی گیا تو آخرت میں تو کسی حال میں بھی نہیں بچ سکتا ہے۔

مال کی حفاظت اور اسکی حیثیت

اسی طرح حکم دیا گیا ہے کہ انسان اپنے مال کی حفاظت کرے اور اسے برباد نہ ہونے دے، بلکہ حدیث میں ہے:

---

(۱) صحیح البخاری: کتاب فرض الخمس، باب قول للہ تعالی: فأن اللہ خمسه ولرسول، ج۹ ص۸۴، رقم الحدیث:۳۱۱۸

مَنْ قُتِلَ دُونَ مَالِهٖ فَهُوَ شَهِيدٌ.(۱)

جو اپنے مال کی حفاظت کے سلسلہ میں قتل کیا جائے وہ شہید ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک شخص نے خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر سوال کیا، یارسول اللہ! اگر کوئی میرا مال مجھ سے زبردستی لینا چاہے تو میں کیا کروں؟ آپ نے فرمایا: تم اپنا مال اس کے حوالہ نہ کرو، اس نے کہا، اگر وہ مرنے مارنے پر آمادہ ہو جائے تو کیا کیا جائے؟ آپ نے فرمایا کہ مقابلہ کرو اور جم کر لڑو، اس نے کہا: اگر وہ غالب آجائے اور مجھے قتل کر ڈالے تو؟ آپ نے فرمایا کہ اس وقت تو شہید ہوگا، اس نے کہا کہ اگر اس لڑائی میں اسے قتل کر ڈالوں تو؟ آپ نے فرمایا: وہ جہنم میں ہوگا:

عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، اَرَاَيْتَ إِنْ جَاءَ رَجُلٌ يُرِيدُ اَخْذَ مَالِي؟ قَالَ: فَلَا تُعْطِهِ مَالَكَ قَالَ: اَرَاَيْتَ إِنْ قَاتَلَنِي؟ قَالَ: قَاتِلْهُ، قَالَ: اَرَاَيْتَ إِنْ قَتَلَنِي؟ قَالَ: فَاَنْتَ شَهِيدٌ، قَالَ: اَرَاَيْتَ إِنْ قَتَلْتُهُ؟ قَالَ هُوَ فِي النَّارِ.(۲)

امن وامان اور مال سے متعلق بے شمار حدیثوں کا اور باتوں کے ساتھ یہ بھی منشاء ہے کہ ماحول میں کوئی ایسی برہمی نہ پیدا ہونے پائے جس سے امن وسکون برباد ہو اور آدمی کا چین اور اطمینان جاتا رہے۔

چور اور چوری اسلام کی نظر میں

اسی کے ساتھ اسلام نے مال و دولت حاصل کرنے کے لئے جائز صورتیں متعین کر دی ہیں اور ان تمام صورتوں کو حرام قرار دیا جائے جن سے کسی کی حق تلفی ہوتی ہو، یا فتنہ و

---

(۱) صحیح البخاری: کتاب المظالم و الغصب، باب من قتل دون ماله، ج۳ ص۱۳۶، رقم الحدیث: ۲۴۸۰

(۲) صحیح مسلم: کتاب الایمان، باب الدلیل علی ان من قصد اخذ مال وغیرہ بغیر حق۔۔۔الخ، ج۱ ص۱۲۴، رقم الحدیث: ۱۴۰

فساد کے چشمے اُبلتے ہوں، یا جن میں کسی پر زور زبردستی کی جائے، اور یہی وجہ ہے کہ اسلام چوری، ڈکیتی اور لوٹ مار کو ناجائز قرار دیتا ہے، رب العالمین کا ارشاد ہے:

وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَ اَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (المائدة) (۱)

جو مرد اور عورت چوری کرے ان دونوں کے ہاتھ گٹوں سے کاٹ ڈالو، یہ بطور سزا کے ہے ان کے اس کردار کے عوض اللہ کی طرف سے، اور اللہ بڑی قوت والے ہیں، حکمت والے ہیں، پھر جو اس زیادتی کے بعد موافق شریعت کے توبہ کرے اور آئندہ کے لئے درستی رکھے تو بے شک اللہ اس کے حال پر رحمت سے توجہ فرمائیں گے، اللہ بے شک رحمت و مغفرت والے ہیں۔

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اس آیت کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

جو مرد چوری کرے اور اسی طرح جو عورت چوری کرے سو ان کا حکم یہ ہے کہ اے حکام! ان دونوں کے داہنے ہاتھ گٹے سے کاٹ ڈالو، ان کے اس کردار کے عوض میں، اور یہ عوض بطور سزا کے ہے اللہ کی طرف سے، اور اللہ بڑی قوت والے ہیں، جو چاہیں سزا مقرر کریں، اور بڑی حکمت والے ہیں کہ مناسب ہی سزا مقرر فرماتے ہیں، پھر جو شخص موافق قاعدہ شریعت کے توبہ کرے اپنی اس زیادتی یعنی چوری کرنے کے بعد، اور آئندہ کے لئے اعمال کی درستی رکھے یعنی

(۱) اس آیت میں پہلے ''السارق'' ہے پھر ''السارقة'' اور آیتِ زنا میں پہلے ''الزانية'' بعد میں ''الزانی'' کو ذکر کیا گیا، غالباً اس سے اشارہ اس بات کی طرف ہے چوری زیادہ تر مرد کی جانب سے پائی جاتی ہے، اس لئے مرد کا ذکر پہلے کیا پھر عورت کا، بخلاف زنا کے اس کی خواہش عورتوں کی وجہ سے ہوتی ہے اور عموماً یہی وقوع زنا کا سبب بنتی ہیں، اگر یہ آمادہ نہ ہوں یا نگاہوں سے اوجھل رہیں تو مردوں کے جذبات میں ہیجان پیدا نہ ہو، اور یہی وجہ ہے کہ اسلام نے عورتوں کو پردہ کی تاکید کی ہے۔ واللہ اعلم

چوری وغیرہ نہ کرے، اپنی توبہ پر قائم رہے تو بے شک اللہ تعالیٰ اس کے حال پر رحمت کے ساتھ توجہ فرمائیں گے، توبہ سے پچھلا گناہ معاف فرمادیں گے، اور استقامت علی التوبہ سے مزید عنایت فرمائیں گے، بے شک اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے ہیں کہ اس کا گناہ معاف کردیا، بڑی رحمت والے ہیں کہ آئندہ بھی مزید عنایت فرمائیں گے۔ (۱)

چوری کی ممانعت

اسلام پہلے ہر کام میں ترغیب وترہیب کا پہلو اختیار کرتا ہے، اس کے فائدے اور نقصانات ذہن نشین کراتا ہے تاکہ آسانی کے ساتھ شریعت کا قانون دماغوں میں راسخ ہوجائے اور اس کے قبول کرنے میں ذہنوں میں کوئی تردد باقی نہ رہے، چنانچہ چوری کے سلسلہ میں بھی اسلام نے یہی راستہ اختیار کیا ہے، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف پیرائے میں اس کی قباحت وشناعت بیان کی ہے، ایک دفعہ آپ نے فرمایا:

لَا يَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلَا يَسْرِقُ السَّارِقُ حِينَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلَا يَشْرَبُ الْخَمْرَ حِينَ يَشْرَبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ لَا يَنْتَهِبُ نُهْبَةً ذَاتَ شَرَفٍ يَرْفَعُ النَّاسُ إِلَيْهِ فِيهَا أَبْصَارَهُمْ حِينَ يَنْتَهِبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ. (۲)

زانی زنا کرتے وقت مؤمن نہیں رہتا، اور چور چوری کرتے وقت مؤمن نہیں رہتا، اور شرابی شراب پیتے وقت مؤمن نہیں رہتا، اور نہ لٹیرا لوٹتے وقت، اس طرح کہ لوگوں کی نگاہیں اس کی طرف اٹھ رہی ہوں۔

اندازِ بیان سامنے رکھ کر غور کریں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس شدومد سے

---

(۱) بیان القرآن: سورہ مائدہ آیت نمبر ۳۸ کے تحت، ج۱ ص ۴۷۲

(۲) صحيح مسلم: كتاب الإيمان، باب بيان نقصان الإيمان بالمعاصي... إلخ، ج۱ ص۷٦، رقم الحديث: ۵۷

ان بے ہودہ حرکات سے منع کیا ہے، جن سے بجا طور پر کسی کو اذیت پہنچتی ہے یا کسی کا حق ضائع ہوتا ہے، یہ کوئی معمولی بات ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان جرائم پیشہ لوگوں کو جرائم پر دائرہ ایمان سے خارج قرار دیں، گو یہ تہدیداً ہی کیوں نہ ہو۔

اسلام سلامتی چاہتا ہے، اور ایمان کا تقاضا امن ہے، لٰہذا ایک مؤمن و مسلم کا ایسی چیز سے دلچسپی لینا جس سے امن و سلامتی کی جڑ کٹتی ہو کسی طرح بھی جائز نہیں، مؤمن کی تعریف سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمائی ہے:

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ. (۱)

مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔

وَالْمُؤْمِنُ مَنْ اَمِنَهُ النَّاسُ عَلٰى دِمَائِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ. (۲)

اور مؤمن وہ ہے جس سے کائناتِ انسانی اپنے خون اور اپنے مالوں پر کوئی خطرہ محسوس نہ کرے۔

مردم آزاری کی قباحت

جس انسان کا مقام یہ ہو اس کی طرف ایسے کام کی نسبت جس سے کسی کی دل آزاری ہو باعثِ ندامت ہے، مردم آزاری اور ایذا رسانی کی اسلام میں سرے سے کوئی گنجائش نہیں، وہ تو ان چیزوں کے ختم کرنے اور مخلوقِ خدا کی راحت و آسائش کے لئے آیا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چور چوری کرتے وقت پہلے حدودِ اسلام سے اپنے آپ کو خارج کرتا ہے پھر اس جرم کی جرأت کرتا ہے۔ آپ کا ارشادِ گرامی ہے:

---

(۱) صحيح البخاري : كتاب الإيمان، باب: المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده، ج۱ ص۱۱، رقم الحديث: ۱۰

(۲) سنن الترمذي : أبواب الإيمان، باب ما جاء في أن المسلم من سلم المسلمون من لسانه و يده، ج۵ ص۱۷، رقم الحديث: ۲۶۲۷

أَلَا لَا تَظْلِمُوا، إِنَّهُ لَا يَحِلُّ مَالُ امْرِءٍ إِلَّا بِطِيْبِ نَفْسٍ مِّنْهُ. [1]

خبردار ظلم نہ کیا کرو، سن لو کہ کسی کا مال بغیر اس کی مرضی اور خوش دلی کے دوسرے کے لئے جائز نہیں ہے۔

چوری میں جور و ظلم بھی ہے اور بغیر مرضی دوسرے کا مال لینا بھی، بلکہ ایک محفوظ چیز کا لے بھاگنا، امن و امان کی فضاء کا مکدر بنانا، اور گھر والوں کے سکون و اطمینان میں خلل ڈالنا، یہ ساری باتیں پائی جاتی ہیں۔

چوری کے مفاسد

پھر اس کا جرم یہیں ختم نہیں ہو جاتا بلکہ سوچئے تو معلوم ہو کہ جرائم کا ایک ختم نہ ہونے والا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، ایک طرف وہ خود اپنی عافیت اور راحت اس طرح برباد کرتا ہے کہ کسی آن اُسے اطمینان نہیں رہتا، کبھی وہ چوری کرنے کی اسکیم بنانے میں حیران و سرگرداں رہتا ہے، کبھی اسے اپنی جان کی حفاظت کی فکر لاحق ہوتی ہے، اور کبھی اس کو اپنے اس راز کو پردہ میں رکھنے کے لئے سینکڑوں مصیبتیں اُٹھانی پڑتی ہیں، دوسری طرف وہ زندگی اس حرام کی کمائی پر بسر کرتا ہے، جس کی وجہ سے اس کے اعمال و اخلاق میں پاکیزگی کی جگہ گندگی پیدا ہوتی ہے، پھر اس کی اولاد کا گوشت پوست بھی چونکہ اسی حرام کمائی سے بنا ہے اس لئے اس کا اثر ناگزیر طور پر ان کی زندگی پر بھی پڑتا ہے، چور خوش ہو کہ ہم بچ آئے، مگر اسے اس کی خبر نہیں ہوتی کہ اس نے خود اپنے ہاتھوں اپنی اولاد کی زندگی برباد کر ڈالی، اور اگر جرم میں گرفتار ہو گیا، اور اقرار یا ثبوت سے جرم ثابت ہو گیا تو سزا الگ بھگتنا پڑتی ہے جس سے خود اس کی ذلت و رسوائی تو ہوتی ہی ہے ساتھ ہی پورے خاندان کی ناک کٹتی ہے اور اس طرح اس کا پورا گھرانہ لوگوں میں ذلیل و خوار ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) مسند أحمد: مسند البصريين، حديث عم أبي حرة الرقاشي، ج۳۴، ص۲۹۹، رقم الحديث: ۲۰۶۹۵

لَعَنَ اللّٰهُ السَّارِقَ، يَسْرِقُ البَيْضَةَ فَتُقْطَعُ يَدُهُ، وَيَسْرِقُ الحَبْلَ فَتُقْطَعُ يَدُهُ. (۱)

اللہ کی لعنت ہو چوری کرنے والے پر وہ بیضہ (انڈہ) چوری کرتا ہے اور اس کے عوض اس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے، رسی چراتا ہے اور اس جرم میں اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے۔

صرف چوری کی وجہ سے ہاتھ جیسی نعمت سے محروم ہونا پڑتا ہے، حالاں کہ ہاتھ کے مقابل میں ان معمولی چیزوں کی کیا حیثیت ہے، یہی وجہ ہے کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عقل پر ماتم کرتے ہیں کہ جن چیزوں کی قیمت چند درہم ہے، اگر یہ لوگ محنت کرتے تو خود خرید سکتے تھے، یا اتنے پیسے کما سکتے تھے لیکن انہوں نے ایسا نہ کیا، اور بیوقوفی کی یہ چوری پر اتر آئے، اور اس طرح ایک عظیم الشان نعمت سے اپنے آپ کو محروم کر لیا جو کسی قیمت میں بھی حاصل نہیں ہو سکتی، خواہ دنیا کی ساری دولت پانی کی طرح اس کے لئے بہا دی جائے۔

حاکم کے پاس مقدمہ

اسلام کا قانون یہ ہے کہ چور کی چوری جب ثابت ہو جائے گی اور مقدمہ حاکمِ وقت کے پاس پہنچ جائے گا تو پھر دنیا کی کوئی طاقت اسے سزا سے نہیں بچا سکتی ہے، اس لئے کہ یہ وہ جرم ہے جس کی سزا اللہ احکم الحاکمین نے مقرر کر دی ہے، جس میں انسان کو دم مارنے کی بھی گنجائش نہیں ہے، یہ شرط البتہ ہے کہ چوری کے ثبوت میں کسی طرح کا کوئی شبہ باقی نہ رہنے پائے، اس لئے کہ اگر ذرا سا بھی شبہ پیدا ہو گیا تو پھر کسی کو ہاتھ جیسی نعمت سے محروم کرنا درست نہ ہوگا۔

چوری نام ہے کسی غیر کا مال اس کی حفاظت سے چپکے سے لینا، اور وہ مال جس میں

---

(۱) صحيح البخاري: كتاب الحدود، باب لعن السارق إذا لم يسم، ج۸ ص۱۵۹، رقم الحديث: ۶۷۸۳

ہاتھ کاٹنے کی سزا ہے اس کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ کم از کم دس درہم کا ہو، اور ایسا مال ہو جو محفوظ رکھا جاتا ہو، اس میں جلد کوئی بگاڑ پیدا نہ ہو، اور ساتھ ہی چور عاقل و بالغ بھی ہو۔

سلطان کو معاف کرنے کا اختیار نہیں

جب تک معاملہ حاکم تک نہیں پہنچے صاحب معاملہ کو اختیار ہے کہ وہ معاف کردے، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ معاملہ جب سلطان تک پہنچ جائے تو اس میں سفارش کرنے والے اور سفارش قبول کرنے والے دونوں پر اللہ کی لعنت ہے۔

حدیث میں حضرت صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ موجود ہے کہ آپ مسجد میں سر کے نیچے اپنی چادر رکھ کر سو رہے تھے، ایک چور آیا اور اس نے آہستہ سے وہ چادر کھینچ لی، اور بھاگنا چاہا مگر پکڑا گیا، حضرت صفوان رضی اللہ عنہ اسے ساتھ لئے ہوئے دربارِ نبوی میں حاضر ہوئے اور واقعہ بیان کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ثبوت کے بعد ہاتھ کاٹنے کا حکم فرمایا، حضرت صفوان رضی اللہ عنہ کو یہ دیکھ کر رحم آگیا کہ صرف میری چادر کی وجہ سے اس غریب کا ہاتھ کاٹا جائے گا، انہوں نے کہا یا رسول اللہ! میری چادر کی وجہ سے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم فرمارہے ہیں؟ میں نے یہ چادر اسے ہبہ کی، مطلب یہ تھا کہ درگزر فرمایا جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فَلَوْلَا كَانَ قَبْلَ اَنْ تَأْتِيَنِي بِهِ؟

پھر میرے پاس لانے سے پہلے ہی کیوں نہ ایسا کیا۔

یعنی پہلے ہی کیوں نہ معاف کردیا تھا، یہاں کیوں لائے، اب یہاں پیش ہو جانے کے بعد معافی کی کوئی صورت نہیں ہے، چنانچہ اس چور کا حسبِ قانون ہاتھ کاٹا گیا:

فَقَطَعَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ کٹوایا۔

---

(۱) سنن النسائي: كتاب قطع السارق، الرجل يتجاوز السارق عن سرقته بعد ان يأتي به الإمام، ج۸ ص۶۸، رقم الحديث: ۴۸۷۸، نصب الراية، كتاب السرقة، فصل في الحرز، ج۳ ص۳۶۹

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چور جب حاضر عدالت ہو جائے تو اس کا جرم ثابت ہو جائے تو پھر اُسے کوئی سزا سے نہیں بچا سکتا ہے، خود مدعی صاحبِ مال کے معاف کرنے سے بھی کوئی اثر نہیں ہوتا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَتَعَافَى النَّاسُ بَيْنَهُمْ فِي الْحُدُودِ مَا لَمْ تُرْفَعْ إِلَى الْحُكَّامِ، فَإِذَا رُفِعَتْ إِلَى الْحَاكِمِ حَكَمَ بَيْنَهُمْ بِكِتَابِ اللَّهِ. (۱)

حدود کا معاملہ جب تک حکام کے پاس نہ پہنچے اس وقت تک لوگ خود معاف کر سکتے ہیں، لیکن جب حکام تک مقدمہ آ جائے تو وہ کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرنے پر مجبور ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تَعَافُوا الْحُدُودَ فِيمَا بَيْنَكُمْ، فَمَا بَلَغَنِي مِنْ حَدٍّ فَقَدْ وَجَبَ. (۲)

باہم حدود معاف کر دیا کرو، اس لئے کہ حد کا جو معاملہ میرے پاس پہنچ گیا وہ حد واجب ہو گئی (اب معاف نہیں ہوتی)۔

یہ اور اس طرح کی دوسری حدیثوں سے ثابت ہے کہ مقدمہ جب حاکمِ وقت کے سامنے پیش ہو جائے تو پھر معافی کی کوئی صورت نہیں ہے، حد جاری ہو کر رہے گی بشرطیکہ وہ جرم شرعی طور پر ثابت ہو۔

---

(۱) مسند أبي يعلى: مسند عبد الله بن مسعود، ج۹ ص۲۷۶، رقم الحديث: ۵۴۰۱

(۲) سنن أبي داود: كتاب الحدود، باب العفو عن الحدود مالم تبلغ السلطان، ج۴ ص۱۳۳، رقم الحديث: ۴۳۷۶

چور کے جرم وسزا کا اثر

جرم ثابت ہونے کے بعد حاکم معاف کرنا چاہتا ہے تو اُسے بھی اس کا اختیار نہیں ہے، وہ حکام جو رشوت لے کر مجرم کو چھوڑ دیا کرتے ہیں وہ اللہ کے قانون میں سخت مجرم ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

أُتِيَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرَجُلٍ قَدْ سَرَقَ فَأَمَرَ بِقَطْعِهِ ثُمَّ بَكَى، فَقِيلَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، لِمَ تَبْكِي؟ فَقَالَ: وَكَيْفَ لَا أَبْكِي وَأُمَّتِي تُقْطَعُ بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ؟ قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَفَلَا عَفَوْتَ عَنْهُ؟ قَالَ: ذَاكَ سُلْطَانُ سَوْءٍ الَّذِي يَعْفُو عَنِ الْحُدُودِ، وَلٰكِنْ تَعَافَوْا بَيْنَكُمْ.(۱)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک ایسا شخص لایا گیا جس نے چوری کی تھی، آپ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم فرمایا، پھر رونے لگے، یہ دیکھ کر لوگوں نے کہا: یارسول اللہ! آپ کیوں روتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: کہ میں کیسے نہ روؤں جب کہ میرے اُمتی کا ہاتھ ایک جرم میں تم لوگوں کے سامنے کاٹا جارہا ہے، ان لوگوں نے عرض کی: یارسول اللہ! پھر آپ اسے معاف کیوں نہیں فرما دیتے؟ ارشاد ہوا کہ وہ بدترین حاکم ہے جو حدود معاف کرے، ہاں تم مقدمہ لانے سے پہلے آپس میں معاف کر سکتے ہو۔

غور کیجئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک امتی کے جرم وسزا پر آبدیدہ ہیں، مگر جب معاف کرنے کی بات کی جاتی ہے تو کس صفائی سے فرماتے ہیں کہ وہ بدترین حاکم ہے جو حدود کو معاف کردے۔

چور کی سزا میں رحم وکرم نہیں

اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سزا گو عبرت ناک ہے مگر جرم کے مطابق، اور انسانی

---

(۱) مسند أبي يعلى: مسند علي بن ابي طالب، ج۱ ص۲۷۵، رقم الحديث: ۳۲۸

طبیعت خواہ جس قدر اس سے متاثر ہو مگر اسے مجرم کو سزا دینے میں ترس نہیں کھانا چاہئے، اور نہ قانونِ خداوندی کے جاری کرنے میں پس و پیش کرنا چاہئے۔ ایک انسان کو قانونِ الٰہی میں رائے زنی کی اجازت نہیں ہے اس لئے کہ اس کا قانون جو بھی ہے وہ حکمت اور علمِ ازلی کے تقاضے کے مطابق ہے، اس میں ردو بدل کا کسی کو اختیار نہیں۔ انسان قوانین کو بنانے والا نہیں بلکہ قانون کا نافذ کرنے والا ہے، زنا کی سزا جہاں قرآن نے بیان کی ہے، ارشادِ خداوندی ہے:

وَّ لَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ (النور:۲)

تم کو ان دونوں پر حکم خداوندی کرنے میں ترس نہ آئے۔

پھر ارشادِ الٰہی کے باوجود کسی مسلم کے لئے کس طرح زیبا ہوگا کہ وہ اجراءِ حدود میں رحم و کرم سے کام لے، یا مجرم کے ساتھ اس سلسلے میں کسی ایسی ہمدردی کا اظہار کرے جو روحِ قانون کے منافی ہو۔

تیسرے اس لئے بھی چوری کی سزا میں تخفیف کی بات غلط ہے کہ وہ جہاں مال چرا کر مال والے کے لئے باعثِ اذیت ہے، وہاں ملکی امن و عافیت کا بھی دشمن ہے جس سے پبلک کا سکون و اطمینان درہم برہم ہو جاتا ہے، اور لوگوں کا دن کا چین اور رات کی نیند حرام ہو جاتی ہے۔

قانونِ اسلام میں مساوات

اسلام کے قانون میں امیر و فقیر، سلطان و گدا اور چھوٹے بڑے میں کوئی امتیاز نہیں ہے، جو بھی جرم کا مرتکب ہوگا سزا پائے گا، خواہ وہ کوئی بھی ہو، مرد ہو یا عورت، مسلمان ہو یا کافر، شہری ہو یا دیہاتی، اس قانون میں اس کی ہرگز گنجائش نہیں ہے کہ کوئی شریف یا مشہور خاندان کا فرد جرم کرے تو اسے معاف کر دیا جائے گا اور غریب و نادار کرے تو اسے سزا کے شکنجے میں کس دیا جائے، بلکہ جس جرم کی جو سزا حق تعالیٰ کی طرف سے متعین ہے سب کے لئے ہے، نہ انگریزوں کے قانون کی طرح کالے گورے کا امتیاز ہے، اور نہ

منو مہاراج کے قانون کی طرح برہمن وشودر کی کوئی تفریق۔

عہد نبوی کا یہ واقعہ بہت مشہور ہے، صحیحین کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ ایک دفعہ ایک مخزومیہ عورت نے چوری کی اور اس کی چوری ثابت ہوگئی، تو قریش پر طبعی طور پر گراں گزرا کہ ایک نامی گرامی خاندان کی خاتون کا ہاتھ اس جرم میں کاٹا جائے، اس لئے کہ اس سے پورے قبیلہ کی توہین ہوتی تھی، چنانچہ انہوں نے یہ طے کیا کہ صاحب الشریعہ حامل الرسالہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کر کے دیکھا جائے کہ اس کے بچنے کی کوئی صورت ہے یا نہیں، مگر صحابہ کرام بہرحال آپ کے مزاج شناس تھے، اس لئے کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ اس سلسلہ میں آپ سے گفتگو کرے۔ سب نے مل کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لاڈلے اور چہیتے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو اس کے لئے تیار کیا کہ وہ خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر اس سلسلہ میں بات کریں، لوگوں کے مشورہ کے مطابق حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے دربارِ نبوی میں حاضر ہو کر ترجمانی کی، اور اس مخزومیہ عورت کے سلسلہ میں بات چھیڑی، یہ سننا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور تمتما اُٹھا، رنگ بدل گیا اور ارشاد فرمایا:

> اے لوگو! تم اللہ کی مقرر کردہ حدود میں سے ایک حد میں سفارش کے لئے حاضر ہوئے ہو؟ پھر آپ نے ایک خطبہ دیا جس میں فرمایا کہ کیا تم کو معلوم نہیں ہے کہ بنی اسرائیل صرف اس وجہ سے تباہ و برباد ہوئے کہ انہوں نے باہم امتیازی سلوک برتنا شروع کر دیا تھا، ان میں سے کوئی شریف چوری کرتا تھا تو لوگ اسے چھوڑ دیا کرتے اور حد قائم نہیں کرتے تھے اور اگر کوئی کمزور چوری کا مرتکب ہوتا تو اس پر حد جاری کرتے تھے۔
>
> پھر اس کے بعد آپ نے فرمایا:
>
> وَايْمُ اللّٰهِ لَوْ اَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا. (۱)
>
> اللہ کی قسم! اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹتا۔

---

(۱) صحیح البخاری : کتاب أحادیث الأنبیاء، باب حدیث الغار، ج۴ ص۱۷۵، رقم الحدیث: ۳۴۷۵

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ دیکھ کر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کانپ گئے اور کہنے لگے یارسول اللہ! میرے لئے مغفرت کی دعا فرمادیجئے اور اسی پر بس نہیں ہوا، بلکہ اس کے بعد آپ نے بلاکسی رعایت اس عورت کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا، چنانچہ حسب ضابطہ اس کا ہاتھ کاٹا گیا، وہ خاتون اس کے بعد بہت دنوں تک زندہ بھی رہیں، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ وہ کبھی کبھی میرے گھر آتی تھیں۔[۱]

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی صراحت

اس واقعہ سے اسلامی قانون کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

يَجِبُ إِقَامَتُهُ عَلَى الشَّرِيفِ وَالْوَضِيعِ وَالضَّعِيفِ، وَلَا يَحِلُّ تَعْطِيلُهُ لَا بِشَفَاعَةٍ وَلَا بِهَدِيَّةٍ، وَلَا بِغَيْرِهِمَا، وَلَا تَحِلُّ الشَّفَاعَةُ فِيهِ وَمَنْ عَطَّلَهُ لِذَلِكَ وَهُوَ قَادِرٌ عَلَى إِقَامَتِهِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ، لَا يَقْبَلُ اللَّهُ مِنْهُ صَرْفًا وَلَا عَدْلًا ، وَهُوَ مِمَّنِ اشْتَرَى؛ بِآيَاتِ اللهِ ثَمَناً قَلِيلًا .وَرَوَى أَبُو دَاوُد فِي سُنَنِهِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَرَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:مَنْ حَالَتْ شَفَاعَتُهُ دُونَ حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللهِ فَقَدْ ضَادَّ اللهَ فِي أَمْرِهِ.[۲]

شریف وکمینہ،قوی وکمزور سب پر حدود کا اجراء ضروری ہے، کسی حال میں اس سزا کا معطل کرنا درست نہیں، نہ سفارش سے مرعوب ہوکر، اور نہ ہدیہ،تحفہ کے دباؤ میں آکر، اور نہ کسی اور سبب سے، اس میں سفارش بالکل جائز نہیں ہے، جو حاکم وامیر اقامتِ دین پر قادر ہونے کے باوجود جاری نہ کرے تو ایسے افرادِ

---

(۱) صحیح البخاری: کتاب المغازی،باب مقام النبی صلی اللہ علیہ وسلم بمکۃ زمن الفتح، باب: ج۵ ص۱۵۱، رقم الحدیث:۴۳۰۴

(۲) السیاسۃ الشریعۃ:القسم الأول، ص۵۱، ۵۲

حکومت پر اللہ اور فرشتے اور لوگوں کی لعنت ہے، اللہ تعالیٰ ان کی طرف سے کچھ قبول نہ فرمائے گا اور ان کا شمار ان لوگوں میں ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی آیات کے بدلے دنیا خریدتے ہیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جس کی سفارش اللہ تعالیٰ کی حد کے نفاذ میں آڑے آئے وہ اللہ کے احکام کا مخالف ہے۔

یہ اور اس طرح کی دوسری حدیثیں جو پہلے ابواب میں نقل کی جا چکی ہیں ان سب کو سامنے رکھ کر اس نتیجہ پر پہنچنا مشکل نہیں کہ اسلام میں حدود کے ٹالنے کی قطعاً گنجائش نہیں ہے، جو مسلمان حکمران اس سلسلہ میں کوتاہی کرتا ہے وہ خدا کا باغی اور قانونِ اسلام کا مخالف ہے۔

حدود کے سلسلہ میں سفارش درست نہیں ہے، نہ اپنی ذات کے لئے اور نہ کسی غیر کے لئے اور نہ حاکم ہی کے لئے جائز ہے کہ وہ اس سلسلہ میں کوئی سفارش قبول کرے، حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی بات پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خفگی اور پھر قانون پر عمل کا واقعہ گزر چکا، نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ۚ (النساء:۸۵)

جو اچھی سفارش کرے گا اس کے لئے اس میں سے حصہ ہوگا اور جو شخص بری سفارش کرے گا اس کا وبال اس پر آئے گا۔

ائمہ کا فیصلہ

فقہاء کا باہم اختلاف ہے کہ کتنی مالیت کی چوری پر ہاتھ کاٹنے کا حکم ہے، علماء ظاہر اس بات کے قائل ہیں کہ سرے سے اس سلسلہ میں کوئی نصاب نہیں ہے، ہر حال میں ہاتھ کاٹا جائے خواہ زیادہ مال چوری کرے یا کم، قطع ید کے لئے نفس مال کی چوری کافی ہے۔ ائمہ اربعہ جن کا مذہب پوری دنیا میں رائج ہے، ان میں امام مالک رحمہ اللہ نصاب سرقہ تین درہم قرار دیتے ہیں، اور امام شافعی رحمہ اللہ چوتھائی دینار، یہ مقدار بھی اسی تین درہم کے برابر ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نصابِ سرقہ کم از کم دس درہم ہے اس سے

کم پر نہیں۔ یہ آخری نصاب اس اعتبار سے مناسب تر ہے کہ اس نصاب میں تین درہم اور ربع دینار سب شامل ہو جاتے ہیں اور چوں کہ معاملہ ایک انسانی عضو کے کاٹنے کا ہے اس لئے احتیاط اسی کا متقاضی بھی ہے۔

جو لوگ کوئی نصاب نہیں مانتے وہ آیتِ قرآنی دلیل میں پیش کرتے ہیں جس میں نصاب کی کوئی قید نہیں، جمہور جو نصاب کے قائل ہیں حدیثِ نبوی پیش کرتے ہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث دلیل میں پیش کرتے ہیں:

لَا تُقْطَعُ يَدُ السَّارِقِ إِلَّا فِي رُبُعِ دِينَارٍ فَصَاعِدًا۔ (۱)

چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا مگر چوتھائی یا اس سے زیادہ دینار کی چوری پر۔

دوسری حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ڈھال کی چوری پر ہاتھ کاٹا جس کی قیمت تین درہم ہے۔ (۲)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ دس درہم نصاب کی دلیل میں عمرو بن شعیب رحمہ اللہ کی حدیث پیش کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَا يُقْطَعُ السَّارِقُ فِي أَقَلِّ مِنْ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ۔ (۳)

---

(۱) صحیح مسلم : كتاب الحدود، باب حد السرقة، ج۳ ص۱۳۱۲، رقم الحديث:۱۶۸۴

(۲) صحيح البخاري: كتاب الحدود، باب قول الله تعالىٰ: والسارق والسارقة فاقطعوا ايديهما، وفي كم يقطع، ج۸ ص۱۶۰، رقم الحديث:۶۷۹۶

(۳) سنن الدارقطني : كتاب الحدود والديات، ج۴ ص۲۶۱، رقم الحديث:۳۴۳۲

قال ابن التركماني في الجوهر النقي ج ۸ ص۲۵۹ عن سعيد بن المسيب قال مضت السنة من رسول الله صلى الله عليه وسلم ان لا تقطع اليد إلا في عشرة دراهم۔ وفي مصنف عبد الرزاق عن ابن جريج قال كان يقول لا تقطع يد السارق في أقل من عشرة دراهم۔ وذكر الطحاوي في احكام القرآن بسند جيد عن ابن جريج قال كان قول عطاء على قول عمرو ابن شعيب لا تقطع اليد في اقل من عشرة دراهم .وفي كتاب الحجج عن مصعب بن سلام ويعلى بن عبيد قالا حدثنا عبد الملك عن عطاء أنه سئل ما يقطع فيه السارق قال ثمن المجن وكان في زمانهم يقوم دينارا أو عشرة دراهم وقال النسائي انا حميد ابن مسعدة عن سفيان عن العرزمي عن عطاء قال أدنى ما يقطع فيه ثمن المجن وثمن المجن عشرة دراهم۔ (از نعمان)

چور کا ہاتھ دس درہم سے کم مالیت کی چوری پر نہ کاٹا جائے گا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَطَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَ رَجُلٍ فِي مِجَنٍّ قِيمَتُهُ دِينَارٌ، أَوْ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ. (۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے ڈھال کی چوری پر ہاتھ کاٹا جس کی قیمت ایک دینار یا دس درہم تھی۔

ایک دوسری حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

لَا قَطْعَ إِلَّا فِي عَشَرَةِ دَرَاهِمَ. (۲)

دس درہم سے کم کی چوری پر قطع ید نہیں ہے۔

---

(۱) سنن ابی داود: کتاب الحدود، باب ما یقطع فیه السارق، ج۴ ص۱۳۶، رقم الحدیث: ۴۳۸۷

(۲) المعجم الاوسط: ج۷ ص۱۵۵، رقم الحدیث: ۷۱۴۲/ مسند ابی حنیفة روایة ابی نعیم، ص۲۱۴ / نصب الرایة: ج۳ ص۳۵۹

یہ روایت سنداً ضعیف ہے، البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈھال کی چوری کی صورت میں چور کا ہاتھ کاٹا تھا، اور متعدد روایات میں بیان ہے کہ ڈھال کی قیمت دس درہم تھی، دیکھئے تفصیلاً:

سنن أبی داود: ج۴ ص۱۳۶، رقم الحدیث: ۴۳۸۷/ مسند أحمد: ج۱۱ ص۲۱۸، رقم الحدیث: ۶۶۸۷/ مسند البزار: ج۱۱ ص۳۴۳، رقم الحدیث: ۵۱۵۹ /شرح معانی الآثار، ج۳ ص۱۶۳، رقم الحدیث: ۴۹۵۱ /مصنف عبدالرزاق، ج۱۰ ص۲۳۳، رقم الحدیث: ۱۸۹۴۹

امام عبدالرزاق رحمہ اللہ (متوفی ۲۱۱ھ) نے اسی باب کے تحت صحابہ اور کبار تابعین کے آثار بھی نقل کئے ہیں کہ دس درہم کی چوری کی صورت میں ہاتھ کاٹا جائے گا، افادہ قارئین کے لئے انہیں نقل کیا جارہا ہے۔

۱.....أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ: كَانَ عَطَاءٌ يَقُولُ: لَا تُقْطَعُ يَدُ السَّارِقِ فِيمَا دُونَ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ.

۲.....أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنِ الثَّوْرِيِّ عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ عَنْ عَطَاءٍ قَالَ: تُقْطَعُ الْيَدُ فِي عَشَرَةِ دَرَاهِمَ.

۳.....أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ شُعَيْبٍ فِي حَدِيثِ اللُّقَطَةِ، قَالَ فِيهِ: وَثَمَنُ الْمِجَنِّ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ.

۴.....أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنِ الثَّوْرِيِّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: كَانَ لَا تُقْطَعُ الْيَدُ إِلَّا فِي دِينَارٍ أَوْ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ.

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر ملاحظہ فرمائیں)

ایک حدیث میں یہ ہے کہ جب مال مسروقہ ڈھال کی قیمت کے برابر ہو تو ہاتھ کاٹا جائے گا، اور پھر ڈھال کی قیمت کے سلسلہ میں صراحت ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مِثْلَهُ: كَانَ ثَمَنُ الْمِجَنِّ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَوَّمُ عَشْرَةَ دَرَاهِمَ.(۱)

ڈھال کی قیمت دس درہم تھی۔

ایک دفعہ ایک چور دربارِ فاروقی میں حاضر کیا گیا جس نے کچھ کپڑے چرائے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ آپ اس کی قیمت لگائیں:

أُتِيَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ بِرَجُلٍ سَرَقَ ثَوْبًا، فَقَالَ لِعُثْمَانَ: قَوِّمْهُ فَقَوَّمَهُ ثَمَانِيَةَ دَرَاهِمَ فَلَمْ يَقْطَعْهُ.(۲)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کپڑے کی آٹھ درہم قیمت لگائی، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہاتھ نہیں کاٹا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

۵...... اَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنِ الْمُثَنّٰى عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنِ ابْنِ الْمُسَيِّبِ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا سَرَقَ السَّارِقُ مَا يَبْلُغُ ثَمَنَ الْمِجَنِّ قُطِعَتْ يَدُهُ وَكَانَ ثَمَنُ الْمِجَنِّ عَشْرَةَ دَرَاهِمَ.

۶...... اَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عُمَارَةَ عَنِ الْحَكَمِ بْنِ عُتَيْبَةَ عَنْ يَحْيَى بْنِ الْجَزَّارِ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: لَا يُقْطَعُ فِي أَقَلَّ مِنْ دِينَارٍ أَوْ عَشْرَةِ دَرَاهِمَ.

امام ابوبکر بن ابی شیبہ رحمہ اللہ (متوفی ۲۳۵ھ) نے باب قائم کیا ہے۔ "لا تقطع فی اقل من عشرة دراهم" اس کے تحت متعدد روایات اور آثار نقل کئے ہیں، دیکھئے تفصیلاً: مصنف ابن ابی شیبة، ج۵ ص۴۷۶، ۴۷۷

نیز مزید روایات اور آثار کے لئے دیکھیں:

شرح معانی الآثار: کتاب الحدود، باب المقدار الذی یقطع فیه السارق، ج۳ ص۱۶۳ تا۱۶۷ / نصب الرایة، ج۳ ص۳۶۰ / الجوهر النقی: ج۸ ص۲۵۹ (از نعمان)

(حاشیہ صفحہ ہذا)

(۱) سنن النسائی: کتاب قطع السارق، ج۸ ص۸۳، رقم الحدیث: ۴۹۵۱

(۲) مصنف عبد الرزاق: کتاب القطة، باب فی کم تقطع ید السارق، ج۱۰ ص۲۳۳، رقم الحدیث: ۹۵۳

دس درہم کی چوری پر ہاتھ کاٹنا

ان تمام روایات کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ نصاب سرقہ کم از کم تین درہم اور زیادہ سے زیادہ دس درہم حدیث میں بیان کیا گیا ہے، دوسرے لفظوں میں یہ کہا جائے کہ دس درہم ایسا نصاب سرقہ ہے جس میں ہاتھ کاٹنے میں ائمہ اربعہ میں سے کسی کا اختلاف نہیں ہے بلکہ اس پر سب کا اتفاق ہے، اور غالباً احتیاط کے اسی پہلو کی وجہ سے احناف نے دس درہم کو نصاب سرقہ قرار دیا امام ابن عربی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ:

سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ مَعَ جَلَالَتِهِ فِي الْحَدِيثِ إِلَى أَنَّ الْقَطْعَ لَا يَكُونُ إِلَّا فِي عَشَرَةِ دَرَاهِمَ وَذَلِكَ أَنَّ الْيَدَ مُحَرَّمَةٌ بِالْإِجْمَاعِ فَلَا تُسْتَبَاحُ إِلَّا بِمَا أُجْمِعَ عَلَيْهِ وَالْعَشَرَةُ مُتَفَقٌ عَلَى الْقَطْعِ بِهَا عِنْدَ الْجَمِيعِ فَيُتَمَسَّكُ بِهِ مَا لَمْ يَقَعِ الْإِتِّفَاقُ عَلَى دُونِ ذَلِكَ. (۱)

امام سفیان ثوری رحمہ اللہ فنِ حدیث میں اپنا بلند مقام رکھنے کے باوجود اس کے قائل ہیں کہ دس درہم سے کم کی چوری میں ہاتھ نہ کاٹا جائے، اس لئے کہ ہاتھ ایک محترم عضو انسانی ہے اور ایسا محترم حصہ بدن سے اس وقت تک مباح قرار نہیں دیا جا سکتا ہے جب تک کہ اس پر لوگوں کا اجماع واتفاق نہ ہو جائے، اور یقیناً دس درہم ہی ایسا نصاب ہے جس پر سب کا اتفاق ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ دس درہم یا اس سے زیادہ کی چوری پر اسلام چور کو معاف نہیں کرتا ہے، البتہ اس میں اتنی شرط اور بھی ہے کہ وہ مال حفاظت سے رکھا گیا ہو، جو مال محفوظ جگہ میں نہیں ہوگا اس کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، اس لئے ممکن ہے کہ چور نے یہ خیال کیا ہو کہ مالک کو اس مال کی کچھ زیادہ ضرورت نہیں ہے، اور اسی عدمِ حفاظت کی وجہ سے کفن چور کا ہاتھ قبر سے کفن کی چوری پر نہیں کاٹا جاتا۔

---

(۱) سبل السلام: کتاب الحدود، باب حد السرقة، باب ۲ ص ۴۲۸

کٹا ہوا حصہ گردن میں آویزاں کرنا

چور کا گٹے سے ہاتھ کاٹنے کے بعد داغ دیا جائے گا تاکہ اس کا سارا خون بہنے نہ پائے، پھر لوگوں کی عبرت کے لئے چور کا کٹا ہوا ہاتھ اس کی گردن میں لٹکایا جا سکتا ہے، حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک چور دربارِ نبوی میں حاضر کیا گیا، چنانچہ ثبوت کے بعد اس کا ہاتھ کاٹ لیا گیا اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اسے اس کی گردن میں لٹکا دیا گیا۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

أُتِيَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسَارِقٍ، فَقُطِعَتْ يَدُهُ، ثُمَّ أَمَرَ بِهَا، فَعُلِّقَتْ فِي عُنُقِهِ.(۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک چور لایا گیا، چنانچہ اس کا ہاتھ کاٹا گیا، پھر آپ کے حکم سے اس کا کٹا ہوا ہاتھ اس کی گردن میں لٹکا دیا گیا۔

یہ لٹکانا محض عبرت کے لئے ہے تاکہ لوگ دیکھ کر اس غلط اور ناجائز پیشہ سے اجتناب کریں، آئندہ پھر کسی کو چوری کی جرأت نہ ہو اور یہ فتنہ ملک سے ختم ہو جائے، تاکہ پبلک آرام وسکون کی نیند سو سکے۔

پھل وغیرہ کی چوری میں رعایت

دس درہم یا اس سے زیادہ کی چوری پر، خواہ وہ سکہ ہو یا اس قیمت کی کوئی دوسری چیز، دونوں صورتوں میں ہاتھ کاٹا جائے گا، لیکن بعض چیزیں ایسی ہیں جن میں ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں ہے، مثلاً ایسی چیزیں یا پھل جو دیرپا نہیں ہوتے، جیسے گوشت، امرود، نارنگی اور آم۔ یہ چیزیں دس درہم سے زیادہ کی بھی کوئی چوری کرلے تو بھی ہاتھ کاٹنے کی سزا اس کو نہیں دی جائیگی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) سنن ابی داود: کتاب الحدود، باب في تعلیق ید السارق في عنقه، ج۴ ص۱۴۳، رقم الحدیث: ۴۴۱۱

لَا قَطْعَ فِي ثَمَرٍ وَلَا كَثَرٍ. (۱)

پھل اور شگوفہ میں قطع ید نہیں ہے۔

معمولی چیزوں کی چوری پر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی چور کا ہاتھ نہیں کاٹا کرتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: لَمْ يَكُنْ يُقْطَعُ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الشَّيْءِ التَّافِهِ. (۲)

معمولی چیزوں کی چوری پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ہاتھ نہیں کاٹا جاتا تھا۔

جس مال کے سلسلہ میں ہاتھ کاٹنے کا حکم ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ مالِ متقوم ہو۔ لہٰذا اگر کوئی خمر، خنزیر یا میتہ وغیرہ کی چوری کرے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اچکے، لٹیرے اور خائن کا ہاتھ بھی نہیں کاٹا جائے گا۔ اس لئے کہ اس صورت میں مال کی حفاظت پورے طور پر نہیں ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَيْسَ عَلَى خَائِنٍ، وَلَا مُنْتَهِبٍ، وَلَا مُخْتَلِسٍ قَطْعٌ. (۳)

خیانت کرنے والے لٹیرے اور اچکے کے لئے قطع ید (ہاتھ کاٹنا) نہیں ہے۔

ایک تو اس طرح کے واقعات کم ہوتے ہیں پھر ان صورتوں میں لینے والا متعارف ہوتا ہے، اور اس کا مقدمہ بڑی آسانی سے حکامِ وقت کے سامنے پیش کر کے چیزیں حاصل کی جاسکتی ہیں، پھر یہاں ثبوت کی فراہمی میں کوئی دشواری نہیں ہے۔

---

(۱) سنن أبي داود : كتاب الحدود، باب مالا قطع فيه، ج۴ ص۱۳۶، رقم الحديث: ۴۳۸۸

(۲) مصنف ابن ابی شيبة : كتاب الحدود، لا تقطع فی أقل من عشرة دراهم، ج۵ ص۴۷۷، رقم الحديث: ۲۸۱۱۴

(۳) سنن الترمذی : أبواب الحدود، باب ما جاء فی الخائن والمختلس والمنتهب، ج۴ ص۵۲، رقم الحديث ۱۴۴۸

رشتہ دار کی چیز چوری

اسی طرح کوئی اپنے قریبی رشتہ دار کی کوئی چیز چرالے، تو اس کو بھی ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں دی جائے گی، جیسے اولاد، ماں باپ کی چیز چوری سے لے لیں، یا باپ اولاد کی چیز یا بیوی شوہر کی چیز لے لے، اور شوہر بیوی کی، قریبی رشتہ داروں میں بھائی بہن، چچا، ماموں، خالہ اور پھوپھی بھی داخل ہیں، تفصیل کے لئے کتبِ فقہ کا مطالعہ کیا جائے۔

یہ واضح رہے کہ چوری کے ثبوت میں سلطان کے پاس ذرا بھی شبہ یا تاویل کی گنجائش نکل آئے گی تو پھر سلطان ہاتھ کاٹنے کا حکم نہ دے سکے گا، اس لئے کہ لینے والا کہہ سکتا ہے کہ میری نیت چوری کی نہ تھی بلکہ کسی اور ارادہ سے اٹھایا تھا، مثلاً کوئی قرآن چوری کرے، اس میں وہ کہہ سکتا ہے کہ پڑھنے کے لئے لیا تھا۔ چوری کے ثبوت کے لئے چور کا خود اقرار ضروری ہے، جس میں کسی جبر و اکراہ کا دخل نہ ہو، یا دو قابل شہادت مردوں کی گواہی پیش کی جائے۔

گواہوں سے سوالات

حاکم گواہوں سے اس طرح کے سوالات کرے گا کہ ان کے جوابات سننے کے بعد کسی طرح کی کوئی غلط فہمی یا شبہ کا امکان باقی نہ رہنے پائے، مثلاً سوال کرے گا کہ چوری کیسی ہوئی؟ کہاں ہوئی؟ کتنی ہوئی؟ چوری کس کو کہتے ہیں؟ کب ہوئی؟ کس شخص کا مال چرایا؟ کیفیتِ سرقہ کے سوال کا ماحصل یہ معلوم کرنا ہے کہ اس نے حفاظت میں رکھا ہوا مال بالقصد لیا ہے، وہ چور ہے، اُچکا نہیں ہے، مکان کے سوال کا مطلب یہ ہے کہ دارالسلام میں اگر چوری کی ہے تب تو حد جاری ہوگی، ورنہ نہیں، دارالاسلام میں قانون نہ جاننے کا عذر نہیں کرسکتا، اور یہ اسی طرح پوچھنے سے معلوم ہوسکتا ہے، مقدار کا سوال اس لئے ہے تا کہ معلوم ہوجائے کہ دس درہم یا اس سے زیادہ کی مالیت ہے، کم نہیں کیونکہ کم پر قطع ید کی سزا نہیں ہے۔ چوری کی تعریف کا غالباً مقصد یہ ہے کہ وہ کہیں لوٹ مار اور غصب نہ ہو، جس میں قطع ید کی سزا نہیں، زمانے کے متعلق اس لئے پوچھا گیا تا کہ معلوم جائے کہ یہ چوری گزرے ہوئے زمانہ کی نہیں ہے، اس لئے گواہ اگر وقت پر گواہی نہ دیں اور زمانہ گزار کر

دیں تو ان کی گواہی مشتبہ ہو جاتی ہے، اسی طرح کے سوالات اس شخص سے بھی کئے جائیں گے جس نے چوری کا خود اقرار کیا ہے:

(وَسَأَلَهُمَا الْإِمَامُ كَيْفَ هِيَ وَأَيْنَ هِيَ وَكَمْ هِيَ؟) زَادَ فِي الدُّرَرِ :وَمَا هِيَ وَمَتَى هِيَ وَمِمَّنْ سَرَقَ ...وَيَسْأَلُ الْمُقِرَّ عَنِ الْكُلِّ إِلَّا الزَّمَانَ. (۱)

ان دونوں گواہوں سے امام پوچھے گا کہ چوری کیسے ہوئی اور کہاں ہوئی اور کتنی ہوئی ہے اور وہ کیا ہے اور کب ہوئی اور کس شخص کی ہوئی، اور اقرار کرنے والے سے بھی یہ تمام سوالات کئے جائیں گے، صرف زمانے کا سوال نہ ہوگا۔

دارالحرب میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا

دارالحرب میں ہاتھ کاٹا نہیں جائے گا:

فَهُوَ أَنْ تَكُونَ السَّرِقَةُ فِي دَارِ الْعَدْلِ فَلَا يُقْطَعُ بِالسَّرِقَةِ فِي دَارِ الْحَرْبِ، وَدَارِ الْبَغْيِ. (۲)

قطع ید کی سزا دارالاسلام میں ہوگی، لہٰذا دارالحرب اور بغاوت والے ملک میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

کب کونسا عضو کاٹا جائے گا

ہاتھ کون سا کاٹا جائے گا اور کہاں سے کاٹا جائے گا؟ اس سلسلہ میں فقہاء کا احادیث کے پیش نظر فیصلہ ہے کہ دایاں ہاتھ کاٹا جائے گا، ہاتھ کی صراحت خود قرآنِ پاک میں ہے:

فَاقْطَعُوٓا اَيْدِيَهُمَا (المائدۃ:۳۸)

ان دونوں کے ہاتھ کاٹ ڈالو۔

وَأَمَّا كَوْنُهَا الْيَمِينَ .فَبِقِرَاءَةِ اِبْنِ مَسْعُودٍ فَاقْطَعُوا أَيْمَانَهُمَا وَهِيَ قِرَاءَةٌ

---

(۱) الدر المختار : کتاب السرقة، ج۴ ص۸۶

(۲) بدائع الصنائع: کتاب السرقة، فصل فی الشرط الذی یرجع إلی المسروق فیه، ج۷ ص۸۰

مَشْهُورَةٌ فَكَانَ خَبَرًا مَشْهُورًا فَيُقَيِّدُ إِطْلَاقَ النَّصِّ. (۱)

اور دایاں ہاتھ کا ثبوت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت سے ملتا ہے۔

دایاں ہاتھ کا تعین عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں ہے کہ ان کے دائیں ہاتھ کو کاٹو اور یہ قرأتِ مشہورہ ہے، لہٰذا خبرِ مشہور کا درجہ حاصل ہوا جس سے مطلق کا مقید کیا جانا درست ہے۔

دوسرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل بھی یہی تھا۔

وَقَدْ قَطَعَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ الْيَمِينَ وَكَذَا الصَّحَابَةُ. (۲)

کلائی کاٹنے اور داغنے کا حکم

اگر ایسا نہ ہوتا تو بایاں ہاتھ کاٹا جاتا، تاکہ دایاں ہاتھ جو زیادہ مفید ہے باقی رہے، رہا یہ سوال کہ کہاں سے کاٹا جائے؟ عرض کیا جا چکا ہے کہ ہتھیلی سے نیچے والا جوڑ کاٹا جائے گا، حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ راوی ہیں:

قَطَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَارِقًا مِنَ الْمَفْصِلِ. (۳)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چور کا ہاتھ جوڑ سے کاٹا۔

اس سے مراد ہتھیلی اور کلائی کے درمیان کا جوڑ ہے، اور کاٹنے کے بعد اس کو گرم لوہے سے داغ دیا جائے گا تاکہ خون بند ہو جائے، حدیث میں ایک چور کا واقعہ مذکور ہے کہ وہ خدمتِ نبوی میں حاضر کیا گیا، آپ نے اس کو دیکھ کر فرمایا: میرا خیال یہ ہے کہ اس نے چوری نہیں کی ہے، چور خود بول اُٹھا، نہیں یارسول اللہ! مجھ سے چوری کا ارتکاب ہوا ہے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا:

---

(۱) فتح القدير : كتاب السرقة، فصل فی كيفيته القطع و اثباته، ج۵ ص۳۹۳

(۲) فتح القدير : كتاب السرقة، فصل فی كيفيته القطع و اثباته، ج۵ ص۳۹۴

(۳) السُّنن الكبرىٰ للبيهقي: ابواب قطع اليد والرجل فی السرقة، ج۸ ص۴۷۰، رقم الحديث: ۱۷۲۵۰، نصب الراية : كتاب السرقة، فصل فی كيفية القطع، ج۳ ص۳۷۰

اذْهَبُوا بِهِ فَاقْطَعُوهُ ثُمَّ احْسِمُوهُ.(۱)

اسے لے جاؤ اور ہاتھ کاٹ کر اسے داغ دو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق صراحت ہے کہ:

عَنْ عَلِيٍّ اَنَّهُ قَطَعَ اَيْدِيَهُمْ مِنَ الْمَفْصِلِ وَحَسَمَهَا.(۲)

آپ نے ان چوروں کے ہاتھوں کو کلائی سے کاٹ کر داغ دیا۔

داغا اس لئے جاتا ہے کہ اگر داغا نہ جائے تو جسم کا تمام خون بہہ جائے گا اور چور ہلاک ہو جائے گا، صاحبِ ہدایہ لکھتے ہیں:

لأنه لو لم يحسم يفضي إلى التلف والحد زاجر لا متلف.(۳)

اگر داغا نہ جائے تو کاٹنا ہلاکت کی طرف مفضی ہوگا، حالاں کہ منشائے سزا زجر ہے نہ کہ ہلاکت۔

دوبارہ چوری کرنے کی سزا

سزا یافتہ چور جب دوبارہ چوری میں گرفتار ہو کر آئے اور اس کی چوری ثابت ہو جائے تو اس کا بایاں پاؤں کاٹا جائے۔ اور تیسری مرتبہ چوری کرے گا تو اسے ہمیشہ کے لئے جیل میں ڈال دیا جائے گا، اس کا حاصل یہ ہے کہ ایک ہاتھ اور ایک پیر باقی رکھا جائے گا، تا کہ وہ ضروریاتِ زندگی اور کھانے پینے سے بالکل مجبور نہ ہو جائے:

عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: إِذَا سَرَقَ السَّارِقُ قُطِعَتْ يَدُهُ الْيُمْنَى، فَإِنْ عَادَ قُطِعَتْ رِجْلُهُ الْيُسْرَى، فَإِنْ عَادَ ضَمَّنْتُهُ السِّجْنَ حَتَّى يُحْدِثَ خَيْرًا، إِنِّي لَأَسْتَحِي مِنَ اللّٰهِ اَنْ اَدَعَهُ لَيْسَ لَهُ يَدٌ يَأْكُلُ بِهَا وَيَسْتَنْجِي بِهَا وَرِجْلٌ يَمْشِي عَلَيْهَا.(۴)

---

(۱) المراسيل لأبي داود: باب الحدود، ج۱ ص۲۰۴، رقم الحديث: ۲۴۴، سنن الدارقطني: كتاب الحدود والديات، ج۳ ص۹۸، رقم الحديث: ۳۱۶۴

(۲) السُّنن الكبرىٰ للبيهقي: ابواب قطع اليد، ج۸ ص۴۷۰، رقم الحديث: ۱۷۲۵۲

(۳) الهداية: كتاب السرقة، باب مايقطع فيه وملا يقطع، فصل في كيفته القطع و اثباته، ج۲ ص۵۳۴

(۴) سنن الدارقطني: كتاب الحدود والديات، ج۳ ص۹۹، رقم الحديث: ۳۱۶۶، فتح القدير: كتاب السرقة، باب ما يقطع فيه ومالا يقطع، ج۵ ص۳۹۶

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ چور جب چوری کرے تو اس کا دایاں ہاتھ کاٹا جائے، پھر اگر چوری کرے تو بایاں پیر کاٹا جائے، اور تیسری مرتبہ چوری کرے تو قید خانہ میں ڈال دیا جائے، تا آنکہ اس میں خیر وصلاح آجائے، مجھے اللہ سے شرم آتی ہے کہ میں اسے اس طرح بنادوں کہ کھانے اور استنجاء کے لئے کوئی ہاتھ اور چلنے پھرنے کے لئے کوئی پیر باقی نہ چھوڑا جائے۔

بعض ائمہ تو اس کے قائل ہیں کہ تیسری مرتبہ چوری ثابت ہو تو پھر دوسرا ہاتھ کاٹا جائے گا اور چوتھی مرتبہ میں دوسرا پاؤں، لیکن بات یہ ہے کہ وہ اس طرح قوم وملک پر بار بن جائے گا، ایک طرف وہ بہت ساری چیزوں سے محروم ہو جائے گا، دوسری طرف اس کے کھانے پینے اور پاخانہ و پیشاب کرانے کی ساری ذمہ داری حکومت کے سر ہو جائے گی اور ایسا شخص حکومت کے لئے مصیبت بن کر رہ جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ائمہ احناف نے اس کا ہر جگہ پورا لحاظ رکھا ہے، اس حد تک کہ اگر کسی چور کا ایک ہاتھ شل ہو چکا ہے اور اسی طرح ایک پاؤں تو اس کا نہ ہاتھ کاٹا جائے گا اور نہ پیر، ہدایہ میں صراحت ہے:

وإذا كان السارق أشل اليد اليسرى أو أقطع أو مقطوع الرجل اليمنى لم يقطع لأن فيه تفويت جنس المنفعة بطشا أو مشيا. (۱)

چور کا ہاتھ شل یا کٹا ہوا ہو، یا اس کا دایاں پیر کٹا ہوا ہو، تو (پہلی دفعہ میں) اس کا ہاتھ اور (دوسری دفعہ میں) بایاں پیر نہیں کاٹا جائے گا، کیونکہ اس طرح کرنے میں چلنے اور پکڑنے کی قوت سے محروم کر دینا ہے۔

جس حدیث میں تیسری مرتبہ میں دوسرا ہاتھ اور چوتھی مرتبہ میں دوسرا پیر کاٹنے کا حکم ہے، اولاً محدثین نے اس حدیث کی اسناد میں گفتگو کی ہے، دوسرے اگر وہ حدیث صحیح بھی ہے تو اس صورت میں علماء اسے سیاست پر محمول کرتے ہیں، اس لئے کہ پانچویں مرتبہ میں

---

(۱) الهداية: كتاب السرقة، باب مايقطع فيه ومالا يقطع، فصل في كيفية القطع وإثباته، ج۲ ص۵۳۴

قتل کا حکم بھی ہے، پھر یہ نادر الوقوع ہے کہ ایک ہاتھ اور ایک پیر کٹنے کے بعد بھی آدمی چوری سے باز نہ آئے۔

دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں خلاف سے کاٹنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ اگر ایک طرف کے ہاتھ پیر کاٹ دیئے جائیں گے تو بدن کا توازن ختم ہو جائے گا اور وہ چلنے پھرنے اور بقدرِ ضرورت کام سے بھی بالکل بے کار ہو جائے گا۔

سزا میں اعتدال

غور کیجئے کہ ایک طرف اسلام چور کی حالت پر اس قدر ترس کھاتا ہے کہ اسے بے کار محض نہیں کرتا، اس کی بشری ضرورتوں کو پیش نظر رکھ کر سزا تجویز کرتا ہے، اس سے بڑھ کر پیغمبر اسلام خود ہاتھ کاٹنے کا حکم فرماتے ہیں، اور جب کاٹا جاتا ہے تو رونے لگتے ہیں، دوسری طرف اس کا حال یہ ہے کہ جب چوری ثابت ہو جاتی ہے تو پھر لازمی طور پر اس کو سزا دیتا ہے، اور اس سلسلہ میں کوئی رعایت نہیں کرتا، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسلام انسانوں پر نہ تو کسی ظلم وتعدی کو روا رکھتا ہے، اور نہ وہ خواہ مخواہ انسانی اعضاء کا دشمن ہے، بلکہ خدائی قانون نافذ کر کے کائناتِ انسانی کی اصلاح کرنا چاہتا ہے۔

ہاتھ کی قیمت اسلام میں

ورنہ کون نہیں جانتا کہ انسانی اعضاء کی اسلام میں بڑی قدر و قیمت ہے، اور یہی وجہ ہے کہ اس کے قانون میں صراحت ہے کہ اگر کوئی انسان کا ایک ہاتھ کاٹ ڈالے تو اسے اسلام کی عدالت سے پانچ سو دینار (اشرفی) کی سزا ملے گی، اور یہ رقم حکومت کے خزانے میں داخل کرنے کے بجائے اس شخص کو دی جائے گی جس کا ہاتھ کاٹا گیا ہے۔ حدیثِ نبوی ہے:

وَفِي الْيَدِ الْوَاحِدَةِ نِصْفُ الدِّيَةِ۔ (۱)

ایک ہاتھ میں آدھی دیت ہے۔

---

(۱) سنن النسائی: کتاب القسامة، باب عقل الاصابع، ج۸ ص۵۸، رقم الحدیث: ۴۸۵۴

حدیہ ہے کہ اگر کوئی انسان کی ایک انگلی بھی کاٹ ڈالے تو اس کی دیت بھی اُسے دلائی جائے گی، اسلام میں ایک انگلی کی دیت دس اونٹ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فِي دِيَةِ الأَصَابِعِ الْيَدَيْنِ وَالرِّجْلَيْنِ سَوَاءٌ، عَشْرٌ مِنَ الإِبِلِ لِكُلِّ أُصْبُعٍ.(۱)

دونوں ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں کی دیت برابر ہے، ہر انگلی کی دیت دس اونٹ ہیں۔

غور کریں کہ جس ہاتھ کی قیمت اسلام میں پانچ سو اشرفی ہے وہ محض دس درہم کی چوری پر شرعاً کاٹ ڈالا جاتا ہے، اور اس سلسلہ میں اس پر اسلام قطعاً کوئی ترس نہیں کھاتا، اور نہ مجرم کے ہاتھ کی قدر و قیمت محسوس کرتا ہے، اس سے بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسلام میں امن کی کیا اہمیت اور اس کے قائم رکھنے کے لئے وہ کس سختی سے کام لیتا ہے۔

بے دینوں کی طرف سے اعتراض اور اس کا جواب

بعض بے دینوں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ جس ہاتھ کی قیمت پانچ سو دینار ہے، صرف دس درہم یا بعض امام کے نزدیک صرف تین درہم کی چوری پر اس کے کاٹنے کا حکم کیوں دیا جاتا ہے؟ چنانچہ انہوں نے اس پر اعتراضات شروع کئے، جب ان بے دینوں کی بات علمائے اسلام تک پہنچی تو انہوں نے جواب دیا کہ تمہارا یہ اعتراض ناسمجھی اور بے عقلی سے ہے۔ تم نے غور نہیں کیا، ہاتھ جب تک اپنے مقام پر امانت و دیانت کا حامل رہتا ہے اس وقت تک وہ قیمتی باقی رہتا ہے، مگر جوں ہی وہ چوری میں ملوث ہوتا ہے تو وہ اپنی قدر و قیمت کھو دیتا ہے۔ اب دس درہم کی عزت کے برابر بھی اس کی عزت باقی نہیں رہتی۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَأَمَّا قَطْعُ الْيَدِ فِي رُبُعِ دِينَارٍ وَجَعْلُ دِيَتِهَا خَمْسَمِائَةِ دِينَارٍ فَمِنْ أَعْظَمِ الْمَصَالِحِ وَالْحِكْمَةِ؛ فَإِنَّهُ احْتَاطَ فِي الْمَوْضِعَيْنِ لِلْأَمْوَالِ

(۱) سنن الترمذی: أبواب الدیات، باب ما جاء فی دیة الأصابع، ج۴ ص۱۳، رقم الحدیث: ۱۳۹۱

وَالْأَطْرَافِ، فَقَطَعَهَا فِي رُبُعِ دِينَارٍ حِفْظًا لِلْأَمْوَالِ، وَجَعَلَ دِيَتَهَا خَمْسَمِائَةِ دِينَارٍ حِفْظًا لَهَا وَصِيَانَةً. (۱)

ایک طرف چوتھائی دینار میں ہاتھ کاٹنے کا حکم اور دوسری طرف ہاتھ کی دیت پانچ سو دینا مقرر کرنا انتہائی حکمت و مصلحت پر مبنی ہے، اس لئے کہ دونوں جگہ احتیاط ہے اور مال و اعضاء دونوں کی حرمت کا لحاظ ہے، چوتھائی دینار میں ہاتھ کاٹنے کا حکم مال کی حفاظت کے لئے، یہ اور پانچ سو دینار دیت مقرر کرنا ہاتھ کی حفاظت وصیانت کا تقاضا ہے۔

ماحصل یہ ہے کہ اسلام کے پیش نظر انسان کے مال کی بھی حفاظت ہے اور اس کے ہاتھ کی بھی یعنی دونوں کی حرمت باقی رہے، اس کی صورت اس کے سوا کیا ہوسکتی تھی جو اختیار کی گئی، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اَنَّ الدِّيَةَ لَوْ كَانَتْ رُبْعَ دِينَارٍ لَكَثُرَتِ الْجِنَايَاتُ عَلَى الْأَيْدِي وَلَوْ كَانَ نِصَابُ الْقَطْعِ خَمْسَمِائَةِ دِينَارٍ لَكَثُرَتِ الْجِنَايَاتُ عَلَى الْأَمْوَالِ فَظَهَرَتِ الْحِكْمَةُ فِي الْجَانِبَيْنِ وَكَانَ فِي ذَلِكَ صِيَانَةٌ مِنَ الطَّرَفَيْنِ. (۲)

اگر ہاتھ کی دیت صرف چوتھائی دینار ہوتی تو ہاتھوں پر آئے دن مصیبت آتی رہتی، اور اگر نصاب سرقہ، یعنی چور کے ہاتھ کاٹنے کے لئے پانچ سو دینار مقرر کیا جاتا تو پھر مال بکثرت چرایا جاتا، لہٰذا حکومت کے تقاضے سے دونوں پہلو کا لحاظ رکھا گیا اور اس طرح کرنے میں دونوں کی قدر و قیمت باقی رہی۔

سوچنے کی بات ہے کہ جو طبقہ امن وامان کا دشمن، انسانی سکون واطمینان پر حملہ آور اور لوگوں کے جائز مال پر ناجائز دست درازی کرنے والا ہو، کیا وہ عقل کی عدالت میں اس لائق ہے کہ اُسے معاف کردیا جائے، آپ چاہتے ہیں کہ اسلام یہ سزا مقرر نہ کرتا اور اس ظلم وتعدی کے دروازے پر آہنی دیوار نہ کھینچتا؟

(۱) إعلام الموقعين: الفرق بين اليد في الدية و في السرقة، ج۲ ص۴۸

(۲) فتح الباری: كتاب الحدود، باب قول الله تعالى: السارق والسارقة فاقطعوا ...... الخ، ج۱۲ ص۹۸

چور کی سزا کی حیثیت

جو لوگ اس سزا کو وحشیانہ کہتے ہیں، یقین کیجئے وہ خود وحشی ہیں، انہوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ چوری کرنا کیسا فعل ہے، ایک جرائم پیشہ شخص کا ہاتھ کاٹنے سے اگر ہزاروں انسانوں کو سکونِ قلب کی دولت ملتی ہو، اور وہ بے جا ظلم واذیت سے بچتے ہوں تو کون ذی ہوش ہے جو یہ کہہ دے کہ یہ غلط ہوا، شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے بجا لکھا ہے:

> جو سزا چور کو دی جارہی ہے وہ مال مسروقہ کا بدلہ نہیں بلکہ اس کے فعل سرقہ کی سزا ہے، تا کہ اُسے اور دوسرے چوروں کو تنبیہ ہو جائے، بلاشبہ جہاں کہیں یہ حدود جاری ہوتی ہیں دو چار ہی کی سزایابی کے بعد چوری کا دروازہ بند ہو جاتا۔ آج کل مدعیانِ تہذیب اس قسم کی حدود کو وحشیانہ سزا سے موسوم کرتے ہیں لیکن چوری کرنا اگر ان صاحبوں کے نزدیک کوئی مہذب فعل نہیں ہے تو یقیناً آپ کی مہذب سزا؟ اس غیر مہذب دست برد کے استیصال میں کامیاب نہیں ہو سکتی، اگر تھوڑی سی وحشت کا عمل کرنے سے بہت سے چور مہذب بنائے جا سکتے ہوں تو حاملین تہذیب کو خوش ہونا چاہیے کہ ان کے تہذیبی مشن کو اس وحشت سے مدد مل رہی ہے، بعض نام نہاد مفسر بھی اس کوشش میں ہیں کہ قطع ید (ہاتھ کاٹنے) کی سزا کو چوری کی انتہائی سزا قرار دے کر اس سے ہلکی سزا کا اختیار شریعتِ حقہ سے حاصل کر لیں، مگر مشکل یہ ہے کہ نہ تو چوری کی اس سے ہلکی سزا قرآنِ کریم میں کہیں موجود ہے اور نہ عہد نبوت یا عہد صحابہ میں اس کی کوئی نظیر پائی گئی، کیا کوئی شخص دعویٰ کر سکتا ہے کہ اتنے طویل عرصہ میں جتنے چور پکڑے گئے، ان میں ایک بھی ابتدائی چور نہ تھا جس پر کم از کم بیان جواز ہی کے طور پر قطع ید سے ہلکی کوئی ابتدائی سزا جاری کی جاتی۔ (۱)

---

(۱) تفسیر عثمانی: سورہ مائدہ آیت نمبر ۳۸ کے تحت، ص ۱۵۰

چوری کی سزا من جانب اللہ

بات یہ ہے کہ کچھ گناہ کے کام ایسے ہیں جن کی سزائیں خود احکم الحاکمین کی طرف سے مقرر ہیں، ان میں سے کسی انسان کو ردوبدل کا کوئی حق نہیں ہے، یہ تو ہر ذی عقل سمجھ سکتا ہے کہ جس جرم پر جو سزا خود حکم الحاکمین نے مقرر کی ہے اس میں کوئی خامی سرے سے ہو ہی نہیں سکتی، اس لئے کہ وہ اپنے بندوں کی نفسیات سے جس طرح واقف ہے کوئی انسان نہیں ہوسکتا، پھر اس سزا پر جرائم کی تخفیف یا اس کے ختم ہونے کا جیسا علم احکم الحاکمین کو ہے وہ کسی انسان کے بس کی بات نہیں ہے، لہذا سزا پر اعتراض کرنا انسان کا اپنے منصب سے اونچی بات کرنا ہے، جو کسی طرح اس کے لئے زیبا نہیں۔

انہی جرائم میں چوری بھی ہے، اس جرم میں ہاتھ کاٹا جانا خود پروردگارِ عالم کی مقرر کردہ سزا ہے، اگر آپ چوری کے مفاسد کا گہری نظر سے مطالعہ کریں گے اور اس کے بعد اس کی سزا پر غور کریں گے، تب کہیں جا کر اس سزا کی قدر و قیمت معلوم ہو سکے گی۔

جن لوگوں نے اسلام کا مطالعہ کیا ہے وہ اس سے ناواقف نہیں ہوں گے کہ یہ دین اپنے پیروکاروں کو جائز طریقے سے کھانے کمانے کی تاکید کرتا ہے اور اسی کی ترغیب دیتا ہے، تاکہ جفاکشی اور محنت سے اپنے لئے رزقِ حلال حاصل کریں، جیسے تجارت، زراعت، صنعت وحرفت اور مزدوری، یہ معاش کے طریقے ہیں جنہیں وہ علی الاعلان اختیار کر سکتے ہیں، ان کاموں میں نہ کوئی فتنہ وفساد ہے اور نہ کوئی لڑائی جھگڑا، امن وامان بھی قائم رہتا ہے اور انسان اپنی روزی بھی حاصل کرتا ہے، اس کے برعکس چوری، غصب اور لوٹ مار ایسے طریقے ہیں جن سے امن وامان اور شہری زندگی میں برہمی پیدا ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلام نے ان طریقوں کو حرام قرار دیا ہے۔

چوری میں ہاتھ کیوں کاٹا جاتا ہے

چوری میں ہاتھ کاٹنے کا حکم اسلام نے کیوں دیا اور دوسرے جرائم میں اعضاء کاٹنے کا حکم کیوں نہیں کیا؟ یہ کوئی ایسی بات نہیں جو سمجھ میں نہ آسکے۔ غور کیجئے اگر ہر مجرم کا وہ عضو کاٹ

دیا جاتا جس سے گناہ سرزد ہوتا ہے؟ تو انسان تباہ ہو جاتا اور بجائے اصلاح کے بربادی لازم آتی، اس لئے کہ اگر بدنظر کی آنکھیں نکالی جاتیں، تو وہ بقیہ زندگی اندھا بن کر در در کی ٹھوکریں کھاتا۔ بری بات سننے والے کے کان کاٹ ڈالے جاتے، یا اس کی قوتِ شنوائی ختم کردی جاتی تو وہ ہمیشہ کے لئے آلہ سماعت سے محروم ہو جاتا ہے اور ہر اچھی بات کے سننے سے محروم رہ جاتا۔ بدزبانی کرنے والے کی زبان کاٹی جاتی تو وہ ہمیشہ کے لئے قوت سے محروم ہو جاتا، اور پھر اس طرح یہ سزا جرم سے بڑھ جاتی حالاں کہ مقصد جرائم کا ختم کرنا اور انسانوں کی اصلاح ہے، یا یوں کہئے کہ جو قوتیں غلط رُخ پر لگا دی گئی ہیں انہیں اس سے ہٹا کر صحیح رخ پر لگا دینا ہے۔ انبیائے کرام کی بعثت کا مشن بھی یہی ہوتا ہے کہ انسان میں جتنی قوتیں اللہ تعالیٰ نے ودیعت کر رکھی ہیں انہیں صحیح مصرف میں خرچ کرنا بتائیں، اور انسان میں اعتدال پیدا کریں، یہی حال حدود کا ہے یعنی بندوں کو ظلم و جور سے روک کر صحیح راہ پر ڈال دینا، اور ایسی سزا دینا جس سے نفسیاتی طور پر دوسرے انسان متاثر ہوں اور ان کو اس طرح کے کاموں کی جرات نہ ہونے پائے، ہر جرم میں قطعِ اعضاء سے یہ منشاء پورا نہیں ہوسکتا ہے۔

اب رہا یہ مسئلہ کہ آخر چور کا ہاتھ کیوں کاٹا جاتا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ چھپ چھپا کر چوری کرتا ہے اور بھاگتا ہے، گویا اس کی آرزو یہ رہتی ہے کہ دوسروں کا مال بھی لے بھاگے اور کسی پر اس کا راز ظاہر بھی ہونے نہ پائے، اللہ تعالیٰ نے اس وجہ سے اس کی سزا ایسی تجویز کی کہ اس کے چھپانے کے جذبات کا رَدِّ عمل سامنے آئے اور ساری دنیا کو معلوم ہو جائے کہ یہ شخص چور تھا، دوسرے بھاگنے میں پیروں اور ہاتھوں ہی سے قوت ملتی ہے، ہاتھ کاٹ کر اس کی قوت کو کمزور کر دینا ہے تاکہ بھاگنے میں اس کو پوری قوت نہ ہو، اسی وجہ سے دوسری مرتبہ پر پاؤں کاٹنے کا حکم ہے تاکہ بھاگ نہ سکے لیکن چونکہ اسے بے کار محض بنانا نہیں ہے، اس لئے پیر مخالف سمت سے کاٹا جاتا ہے، پھر ہاتھ بغل سے نہیں کاٹا جاتا، بلکہ صرف کلائی کاٹی جاتی ہے، اور پاؤں زانو سے نہیں کاٹا جاتا بلکہ صرف ٹخنے سے، تیسری مرتبہ چوری پر جیل میں ڈال دیا جاتا ہے، اس کا کوئی اور عضو نہیں کاٹا جاتا۔

محدث الہند حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی صراحت

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ حدود کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ اللہ جل مجدہ نے جن نافرمانیوں اور قانون شکنی پر حد مقرر کی ہے، وہ ایسی نافرمانیاں ہیں جن میں گوناگوں مختلف مفاسد ہیں، ان جرائم کی وجہ سے زمین میں فتنہ وفساد کی گرم بازاری بھی ہوتی ہے، اور مسلمان اور دوسرے انسانوں کے سکون واطمینان پر ڈاکہ زنی بھی، ان میں سے بعض جرائم ایسی بری خصلت والے ہیں کہ انسانی قلوب میں جب یہ پیوست ہوجاتے ہیں تو اسے وہ اس برے کام پر ورغلاتے ہیں چین سے بیٹھنے نہیں دیتے۔ ادھر مظلوم کا حال یہ ہوتا ہے کہ غریب بسا اوقات اپنے سے ان جرائم کو دفع کرنے کی قدرت نہیں رکھتا، حالاں کہ اس طرح کے واقعات عموماً ہوتے ہی رہتے ہیں، لہٰذا ان نافرمانیوں اور گناہ کے ایسے کاموں میں صرف عذاب آخرت سے ڈرانا کافی نہیں ہوتا بلکہ ایسی سخت تکلیف پہنچانے اور ملامت کرنے کی بھی ضرورت ہوتی ہے جو ان کو اس طرح کے کاموں سے روک دے، اور انہیں اس طرح کے ناپاک ارادے سے باز رکھے، جیسے زنا کی خواہش کہ وہ شہوت اور عورتوں کے حسن وجمال سے برانگیختہ ہوتی ہے، حالانکہ اس میں بڑی شرمساریاں اور باہمی جنگ وجدال کے اندیشے بھی ہیں، مگر یہ فعل عموماً زانی اور زانیہ کی باہم رضامندی سے انجام پاتا ہے، وہ بھی ایسی تنہائیوں میں کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائے، لہٰذا اگر اس جرم کی کوئی دردناک سزا متعین نہ ہوتی تو زجر وتوبیخ مشکل تھی۔ اسی طرح چوری ہے کہ انسان کو جب کوئی روزگار میسر نہیں ہوتا تو وہ چوری کی طرف مائل ہوتا ہے، اور یہ کام اس طرح چھپ چھپا کر کرتا ہے کہ کسی کی نگاہ اس پر نہیں پڑے، یا ڈکیتی کہ مظلوم اس کے دفع کرنے کی استطاعت سے محروم ہوتا ہے، اس لئے ضروری ہے کہ اس کی سزا بھی یقینی طور پر سخت ہو چوری کی سزا میں ہاتھ کاٹا جانا ایک دردناک سزا ہے اور اس کے ذریعہ اس قوت کا ختم کردینا ہے جس کے بغیر عمر بھر معیشت پر استقلال نہیں ہوتا، ساتھ ہی ہاتھ کا کٹا ہوا ہونا ایک عار کی چیز ہے اور اس سزا کے اثر لوگوں سے چھپانا بھی چاہے تو چھپا نہیں سکتا۔ (۱)

---

(۱) حجة الله البالغة : باب الحدود، ج۲ ص ۲۴۷، ۲۴۸

چوری کے مال کی واپسی

چوری کی سزا میں چور کا ہاتھ تو کاٹا ہی جائے گا مگر اسی کے ساتھ اگر چوری کا مال اس کے قبضہ میں باقی ہے تو اس سے لے کر وہ مال مالک کو واپس بھی کیا جائے گا تا کہ حق را بحق دار رسید، اپنی جگہ باقی رہے، صاحبِ ہدایہ لکھتے ہیں:

وإذا قطع السارق والعين قائمة في يده ردت إلى صاحبها لبقائها على ملكه وإن كانت مستهلكة لم يضمن وهذا الإطلاق يشمل الهلاك والاستهلاك.(۱)

چور کا ہاتھ جب کاٹا جائے اور شئی متعین چور کے پاس موجود ہو تو اس کو مالک کی طرف لوٹایا جائے گا، اس لئے کہ وہ جب تک موجود ہے مالک کی ملکیت قائم ہے، البتہ اگر ہلاک ہو چکا ہے تو اس سے ضمان وصول نہ کیا جائے گا اور یہ ہلاکت خواہ چور کے ارادے سے عمل میں آتی ہو، یا اس کے ارادے کے بغیر وہ چیز خود ہلاک ہوگئی ہو، دونوں صورتوں میں۔

البتہ اگر مال باقی نہیں ہے بلکہ ختم ہو چکا ہے تو اس سے تاوان نہیں لیا جائے گا خواہ اس نے جان کر ہلاک کر دیا ہو یا اس کے ارادہ کے بغیر وہ ہلاک ہو گیا ہو۔

خلیفہ کو سیاسۃً قتل کا اختیار

اگر کوئی چور بار بار چوری کرے اور لوگ اس سے تنگ آ چکے ہوں تو امامِ وقت کو اختیار ہے کہ مصلحت وسیاست کے نظر اسے قتل کر ڈالے:

لِلْإِمَامِ اَنْ يَقْتُلَهُ سِيَاسَةً ...وَهُوَ اَنْ يَكُونَ هَذَا مِنَ الْمُفْسِدِينَ فِي الْاَرْضِ، وَلِلْإِمَامِ اَنْ يَجْتَهِدَ فِي تَعْزِيرِ الْمُفْسِدِ وَيَفْعَلَ بِهِ مَا رَاَى مِنَ الْعُقُوبَةِ.(۲)

---

(۱) الهداية : كتاب السرقة، باب ما يقطع فيه و ملا يقطع، فصل في كيفية القطع واثباته، ج۲ ص۵۳۷

(۲) مرقاة المفاتيح : كتاب الحدود، باب قطع السرقة، الفصل الأول، ج٦ ص ٢٣٦١، رقم الحديث: ٣٦٠٣

خلیفہ کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ چور کو سیاستاً قتل کرڈالے اور وہ اس طرح کہ اب وہ مفسدین میں داخل ہو گیا اور مفسد کو امام جو چاہے سزا دے سکتا ہے۔

غیر مذاہب میں چوری کی سزا

اسلام نے چوری کی سزا جو مقرر کی ہے اس کی تفصیل آپ پڑھ چکے، اب آپ دوسرے مذاہب کے قوانین کا مطالعہ کریں کہ اس سلسلہ میں وہ کیا سزا تجویز کرتے ہیں، اور اسی کے ساتھ حکومتِ برطانیہ نے ہندوستان میں جو قانون بنا رکھا تھا اور جو آج بھی آزاد ہندو پاک میں رائج ہے، اسے بھی پڑھیں اور اسلامی قانون سے ان کا موازنہ کریں، تاکہ آپ کے سامنے اسلامی قانون اپنی تمام تر خوبیوں کے ساتھ سامنے آجائے۔

موسوی قانون

اس سلسلہ میں بنی اسرائیل کے یہاں جو قانون ملتے ہیں وہ یہ ہیں:

(۱) اگر چور نقب زنی کرتے ہوئے دیکھا جائے اور کوئی مار بیٹھے اور وہ مرجائے تو اس کے لئے خون نہ کیا جائے۔ (خروج: ۲۲)

(۲) اگر چوری کی چیز چور کے ہاتھ میں زندہ پائی جائے تو وہ ایک ایک کے دو دو دے۔ (ایضاً)

(۳) کوئی کھیت کھلائے اور چوپائے اس میں چھوڑ دے یا دوسروں کے میدان میں چرائے تو اپنا اچھا سے اچھا کھیت اور بہتر سے بہتر انگوری باغ اس کے بدلہ میں دے۔ (ایضاً)

(۴) تم چوری نہ کرو، نہ جھوٹا معاملہ کرو۔ (احبار: ۱۹)

مصر قدیم کا قانون

مصر قدیم نے چوری کے سلسلہ میں جو قانون بنایا تھا وہ یہ تھا:

مصر میں چوری کوئی بڑا جرم نہ سمجھا جاتا تھا بلکہ وہاں چوری کا ایسا عجیب وغریب

طریقہ رائج تھا جس کی نظیر دنیا کے کسی ملک اور کسی قوم میں تلاش نہیں کی جاسکتی، جس کی تفصیل یہ ہے کہ جو شخص پولیس کا افسر ہوتا تھا وہی چوروں کا سب سے بڑا سرغنہ بھی ہوتا تھا، جو شخص چوری کا پیشہ اختیار کرتا، وہ اپنا نام، پتہ، مذکور افسر اعلیٰ کے دفتر میں درج کرا دیتا اور جب چوری کرتا تو اس کی پوری کیفیت یعنی چوری کا وقت اور مالِ مسروقہ کی مالیت وغیرہ بھی آ کر درج کرا دیتا، جس کا مال چوری گیا ہے وہ افسر پولیس کے یہاں آ کر جب چوری کی اطلاع کر کے سراغ رسانی کی التجاء کرتا تو وہ پولیس چوری کے مال کی چوتھائی قیمت بطورِ تاوان اصل مالک سے وصول کر کے مال اس کو دلا دیتا، وصول شدہ تاوان میں سے کچھ حصہ چور کو مل جاتا، اور کچھ سرکاری خزانے میں داخل ہوتا گویا چوری کو ایک جائز پیشہ قرار دے دیا گیا تھا۔ (۱)

منومہاراج کا قانون

ہندوستان کے مقنن منومہاراج کا قانون جو "منوسمرتی" میں درج ہے اور جسے آج ہندو مذہبی طور پر مانتے ہیں، چوری کے سلسلہ میں یہ ملتا ہے:

خاندانی عورت یا عمدہ جواہر کو اگر کوئی چرالے تو اسے قتل کر ڈالنا چاہیے۔ (۳۲۳)

جو چور نقب زنی کر کے رات میں چوری کرتے ہیں ان کے دونوں ہاتھ کاٹ کر ان کی تشہیر کرنی چاہیے، جو چور اول مرتبہ گرہ کاٹے اس کا انگوٹھا اور انگوٹھے کے پاس کی انگلی کاٹنی چاہیے، دوسری مرتبہ ارتکاب جرم ہو تو ہاتھ پاؤں کاٹنا چاہیے، اور تیسری مرتبہ میں قتل کرنا چاہیے۔ (۲۷۳)

برطانوی حکومت کا قانون

برطانیہ کا بنایا ہوا قانون جو ہندو پاک میں رائج ہے، وہ یہ ہے:

---

(۱) نظام سلطنت: از مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی رحمہ اللہ: ص ۹۱

جو کوئی شخص سرقہ کا مرتکب ہو اس کو دونوں قسموں میں سے کسی قسم کی سزا دی جائے گی، قید کی سزا دی جائے گی جس کی میعاد تین برس تک ہوسکتی ہے، یا جرمانے کی سزا، یا دونوں سزائیں دی جائیں گی۔ (تعزیرات ہند دفعہ ۳۷۹)

موازنہ

آپ ان قوانین کا بار بار مطالعہ کریں اور جائزہ لیں کہ ان کی کیا حیثیت ہے، حالانکہ ان میں سے بعض آسمانی قانون کی طرف منسوب ہیں، کیا ان میں کہیں سے کوئی اعتدال پایا جاتا ہے؟ افراط وتفریط سے کوئی قانون بھی پاک ہے؟ ایک مفکر اس فیصلہ پر مجبور ہے کہ ان قوانین میں سے یا تو چوری اور بڑھ جائے گی یا چور پر اس بہانہ سے ظلم و جور کا زیادہ موقع نکل آئے گا، موسوی قانون میں سختی کی انتہا یہ ہے کہ چور کا خون تک کرنا جائز ہے، ایک چیز کے بدلے میں دو، اور خراب باغ کے بدلہ میں اچھا باغ دینے کا حکم ہے، کیا انصاف کا یہی تقاضا ہے اور اس جرم کی یہ سزا قانونِ عدل کے مطابق کی جائے گی؟ میرا یقین ہے کہ چوری کی یہ ایسی سزا نہیں ہے جس کی وجہ سے انسان چوری جیسے ناپاک پیشہ کو بند کرنے پر مجبور ہو، اس لئے کہ موقع نقب زنی پر مار کھا جانا کوئی ضروری نہیں بلکہ بڑی حد تک توقع کے خلاف ہے۔ اور جب کبھی چور پکڑا جائے اور مالک کو چیز مل جائے تو چور کو ایک کا دو دے دینا اور اپنے کو بچا لینا کوئی مشکل نہیں ہے، یہ سزا چور کے لئے باعثِ عبرت نہیں ہوسکتی ہے، بلکہ نفسیاتی طور پر یہ چیز اسے اور جری کرنے والی ثابت ہوگی۔

مصری قانون نے عملاً چوری کو جائز ہی کر دیا ہے، اور حکومت کے افسر اعلیٰ کو اس کا حصہ قرار دیا ہے۔

یہ کس قدر ظلم کی بات ہے کہ جس کا مال چوری ہوگیا ہے، اس سے حکومت چوری شدہ مال کی چوتھائی مقدار تاوان میں وصول کرتی ہے، جس بے چارے کا سب مال چوری ہوگیا اور وہ اس قدر تاوان نہیں دے سکتا تو وہ ادھورے انصاف سے بھی محروم رہے گا، پھر ایسے قانون کے ہوتے ہوئے کس چور کو خوف ہوگا، اس وقت اور بھی جب کہ قانون میں اس کے

لئے کوئی سزا بھی نہ ہو، بلکہ اس کے برعکس چوری کے مال کا ایک حصہ اسے انعام کے طور پر ملتا ہے۔

رہا منومہاراج کا قانون تو اس میں خاندانی عورت اور عمدہ جواہر پر قتل کا حکم ہے اور دوسری چیزوں کی چوری پر دونوں ہاتھ کاٹ دینے کا۔ اولاً یہ تفریق ہی غلط ہے، دوسرے پہلے ہی مرتبہ میں دونوں ہاتھ کاٹ دیا جانا اسے ناکارہ بنا دیتا ہے، اسے کھانا کون کھلائے گا، وہ پانی کس طرح پئے گا، اور استنجاء کیسے کرے گا؟

اور برطانیہ ویورپ کا قانون تو حکومت کی آمدنی کا ذریعہ ہے۔ چند دن قید میں ڈال دینا یہ کوئی عبرت انگیز سزا نہیں ہے بلکہ جیل سے دو ایک مرتبہ چور جب ہو آتا ہے تو وہ اور جری ہو جاتا ہے اس لئے کہ وہ اندرونی ساری کارروائی سے واقف ہو جاتا ہے، شرم وحیاء وہاں کیا آئے جہاں مجرم ہی مجرم ہوں اور مجرمین کی بستی میں رہ کر شرمایئے بھی تو کس سے؟

ان سب کے مقابلہ میں چوری کی جو سزا مقرر کی ہے وہ انسان کی نفسیات سے بالکل قریب ہے کہ اس سزا کا تصور ہی لرزہ براندام کر دینے کے لئے کافی ہے، تجربہ کے لئے ان قوانین کے ساتھ اسلام کا قانون جاری کر دیا جائے تو بڑی آسانی سے اندازہ ہو جائے گا کہ اس سزا میں کیا تاثیر ہے، اگر چند مہینوں میں اس سزا کے اجراء کے بعد جرم نہ ہونے کے درجہ میں نہ ہو جائے تو پھر جو چاہیں اعتراض کر سکتے ہیں، تاریخ کی شہادت ہے کہ جہاں بھی اور جب بھی یہ قانون رائج ہوا چوری کا نام ونشان مٹ گیا۔

جس طرح جسم کے کسی عضو میں جب کوئی متعدی مرض اس طرح سرایت کر جاتا ہے کہ وہ بڑھنے کے سوا گھٹنے کا نام نہیں لیتا تو اطباء اور ڈاکٹر اس کا وہ عضو کاٹ ڈالتے ہیں تا کہ پورا جسم اس سے بچ جائے۔ اسی طرح چوری ایک متعدی بیماری ہے، اس کی سزا میں ہاتھ کاٹنے کا حکم اس کے پھیلاؤ کو روکنا ہے تا کہ سماج اس وبائی مرض سے محفوظ ہو جائے، پھر اسلامی قانون میں نہ یہ زیادتی ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے اور نہ یہ نرمی ہے کہ ایک چیز کی دو چیز لے کر چھوڑ دیا جائے، یا محض چند ماہ مجرموں کی بستی میں رہنے پر مجبور کر دیا جائے۔ اسلام جرم کا استیصال چاہتا ہے اور مجرم کو آدمی بنانا تا کہ وہ سوسائٹی کے لئے مفید ہو اور ساتھ ہی دوسرے اس سزا سے عبرت پکڑیں اور جرم پر آہنی دیوار کھنچ جائے۔

عفت وعصمت اور انساب کی حفاظت اسلام میں

وہ چیزیں جن کی حفاظت حکومت کے فرائض میں داخل ہے، ان میں عفت وعصمت اور انساب بھی داخل ہیں، کیونکہ انسان میں فطری طور پر عفت وعصمت کی حفاظت کا جذبہ پایا جاتا ہے، اور وہ ایک لمحہ کے لئے اسے برداشت نہیں کرتا کہ کوئی اس کے حسب ونسب میں طعن کرے، یا اس کے خاندان کو عیب لگائے، تاریخ میں ایسے واقعات کی کمی نہیں کہ بہت سے باعزت خاندان اس طرح کی ذراسی بات پر کٹ مرے، اور اپنی حرمت پر انہوں نے سب کچھ نثار کر دیا، دو خاندانوں یا دو قوموں میں عفت وعصمت کے مسئلہ پر جنگ وجدال کوئی نئی بات نہیں ہے، آئے دن اس طرح کی لڑائیاں ہوتی رہتی ہیں، خود اس آزاد بھارت میں ہزاروں انسانوں کو صرف اس نام پر تیغ کیا گیا کہ غلط طور پر یہ مشہور کر دیا گیا کہ ایک قوم کے نوجوان نے دوسری قوم کی لڑکی پر ہاتھ ڈالا۔

یہ درست ہے کہ موجودہ دور کی عریانی نے عفت وعصمت کی مٹی پلید کر رکھی ہے، اور اب وہ احساس باقی نہیں رہا جو کسی زمانہ میں تھا، مگر اس کے باوجود اب بھی ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو اپنی عزت وحرمت کی بقاء وتحفظ کی خاطر کٹ مرتے ہیں، اور اس نام پر مسلسل لڑنے مرنے کا جذبہ رکھتے ہیں۔

ہمیں اس سے قطعاً انکار نہیں کہ جنسی لذت اور اس سے شگفتگی انسانی فطرت ہے۔ اور معدودے چند پیدائشی کمزور انسانوں کے سوا کوئی بھی ان جذبات وداعیات سے خالی نہیں، یہ بھی سچ ہے کہ ہر انسان کی زندگی میں ایک ایسا دور آتا ہے جس میں وہ جنسی جذبات سے سرشار ہوتا ہے، اور ان جذبات کے ہیجان کے وقت وہ کبھی کبھی بے قابو ہو جاتا ہے، مگر اسی کے ساتھ ہمیں یہ بھی سوچنا ہے کہ انسانیت اور شرافتِ نفس کے کچھ تقاضے بھی ہیں جن کو کسی

حال میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، اس وقت اور بھی جب کہ جنسی جذبات کی تکمیل کے جائز طریقے موجود ہوں۔

اسلام کا قانونِ اصلاح

اسلام سے پہلے لوگوں نے اعتدال کی راہ چھوڑ دی تھی، اور افراط وتفریط میں مبتلا ہو چکے تھے، اسلام نے آکر جہاں دوسرے شعبہ جاتِ زندگی کی اصلاح کی، زندگی کے اس اہم شعبہ کو بھی گندگیوں سے پاک وصاف کیا اور اس کی ضروری اصلاح کی، اس سلسلہ میں جو قانون اللہ تعالیٰ نے وضع کیا اس میں جہاں انسانوں کے داعیاتِ نفس کا لحاظ رکھا گیا، وہاں انسانیت کے تقاضے کا پاس بھی ضروری سمجھا گیا، یہی وجہ ہے کہ اسلام نے یہ حکم نہیں دیا کہ انسان خصی ہو کر جنسی میلان سے اپنے کو پاک کرے، بلکہ اس کے برعکس اس نے لوگوں کو شادی کی ترغیب دی، اور خصی ہونے سے سختی کے ساتھ منع کیا، اسلام کا قرآنِ پاک کی زبان میں اعلان ہے:

وَ اَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَ الصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَآىِٕكُمْ (النور: ۳۲)

اورتم میں سے جو بے نکاح ہوں تم ان کا نکاح کر دیا کرو، اور تمہارے غلام اور لونڈیوں میں جو اس لائق ہوں ان کا بھی نکاح کر دو۔

حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ غلط ماحول پیدا نہ ہونے دے بلکہ لوگوں کو جائز مفید طریقہ سے جنسی تسکین کی اہمیت سے روشناس کرے، اسلام ایک مرد کو ایک سے لے کر چار عورتوں تک بے وقت شادی کرنے کی اجازت دیتا ہے، ارشادِ ربانی ہے:

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ (النساء: ۳)

اور عورتوں میں سے جو تم کو پسند ہوں ان سے نکاح کر لو، دو دو سے، تین تین سے اور چار چار عورتوں سے۔

مگر یہ اس وقت ہے جب اس شخص کو عدل ومساوات پر عمل کا یقین ہو، یعنی وہ اگر ایک سے زیادہ شادیاں کریگا تو ان میں باہم مساوات اور عدل کا برتاؤ یقینی طور پر رکھے گا،

لیکن اگر اسے اندیشہ ہو کہ وہ ان بیویوں میں مساوات اور انصاف کو برقرار نہ رکھ سکے گا، تو پھر قرآن کہتا ہے کہ صرف ایک عورت پر اکتفا کرو:

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً (النساء: ۳)

پس اگر تم کو احتمال ہو کہ تم عدل نہ رکھو گے تو پھر ایک ہی بیوی پر اکتفاء کرو۔

پیغمبرِ اسلام کی تشریح

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خاندانی قانون کی مختلف انداز میں تشریح فرمائی ہے، حدیثِ نبوی کا ذخیرہ نکاح وطلاق اور ان سے متعلق دوسرے لوازمِ ابواب سے بھرا پڑا ہے، انبیائے کرام علیہم السلام کی سنت ہے، اس میں بے شمار فوائد ہیں، دینی بھی اور دنیاوی بھی، حسی بھی اور معنوی بھی، ظاہری بھی اور باطنی بھی، اس سے بلا عذرِ شرعی گریز، گناہ اور زندگی سے فرار ہے، شہوانی قوت جو انسان کو شادی کرنے پر آمادہ کرتی ہے، اس کا ضائع کرنا جائز نہیں، فطری اور جائز راستہ چھوڑ کر دوسرے راستوں سے جنسی پیاس بجھانا صحت و انسانیت کی بربادی اور اخلاقِ فاضلہ کی رسوائی ہے۔

تعلیماتِ اسلام اعتدال کا دوسرا نام ہے، اسلام انسانوں کو نہ تو فرشتہ بننے پر مجبور کرتا ہے اور نہ وہ ان کا شیطان بننا گوارہ کرتا ہے، بلکہ وہ چاہتا ہے کہ انسان اپنے دائرہ میں رہ کر زندگی گزارے اور یہی اس کا کمال ہے، وہ کھانا پینا بھی نہ چھوڑے، اور روزے بھی رکھے، اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی کرے اور راحت و آرام بھی، شادی کر کے جنسی میلان بھی پورا کرے، مگر عفت وعصمت کی حفاظت کے وقت فرشتہ بھی بن جائے، گویا وہ ایک ایسا انسان ہو کہ اس کے اندر ملکوتی صفات بھی ہوں اور انسانی اوصاف اور طرہ امتیاز بھی، یہ بات انسانی مجد وشرف کے خلاف ہے کہ وہ اپنے دامنِ عفت کو آلودہ ہوتے ہوئے دیکھ کر برداشت کرے، جنسی میلان کی تکمیل اگر انسان کا پیدائشی حق ہے تو اسی کے ساتھ ناجائز طریقوں سے اجتناب اس کا دینی اور اخلاقی فریضہ ہے۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ، مَنِ اسْتَطَاعَ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ، فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ

وَاَحْصَنُ لِلْفَرْجِ. (۱)

اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جو قوتِ رجولیت رکھتا ہو اس کو چاہیے کہ وہ شادی کرلے، اس لئے کہ یہ نگاہ کو پست رکھتی ہے اور شرم گاہ کی محافظ ہے۔

''شباب'' کا لفظ لا کر یہاں یہ بتانا مقصد ہے کہ آدمی عمر کے اسی حصہ میں بنتا اور بگڑتا ہے، اگر جنسی میلان کے اس طوفانی دور میں اس نے شادی کر کے اپنی نگاہ اور شرم گاہ پر کنٹرول حاصل کرلیا تو ان شاء اللہ اس کی آئندہ زندگی بھی پاک وصاف ہوگی، اور خدانخواستہ اگر اس وقت غلط راستہ پر چلنے کی عادت پڑ گئی تو پھر اپنے اوپر قابو پانا مشکل ہو جائے گا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ شادی کے مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَيَتَزَوَّجُ لِكَسْرِ الشَّهْوَةِ وَإِعْفَافِ النَّفْسِ وَتَكْثِيرِ النَّسْلِ. (۲)

شہوت کے توڑنے، نفس کی عفت، اور افزائشِ نسل کے لئے انسان کو شادی کرنا چاہیے۔

قوتِ رجولیت کی بربادی سے ممانعت

یہی وجہ ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کی سرزنش فرمائی جنہوں نے عورت سے کنارہ کش ہونے کا اعلان کیا تھا۔ واقعہ یہ ہوا کہ ایک دفعہ تین صحابہ کرام رضوان علیہم اجمعین کاشانۂ نبوی پر حاضر ہوئے اور آپ کی عبادت کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہی، وہاں سے پلٹتے ہوئے ایک نے کہا کہ میں پوری رات شب بے داری میں گزاروں گا، دوسرے نے کہا میں ہمیشہ روزہ سے رہوں گا، تیسرے نے کہا میں کبھی عورت کے پاس نہیں جاؤں گا۔ اس گفتگو کی اطلاع جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی، تو آپ نے ان کے پاس پہنچ کر فرمایا کہ تم لوگوں نے یہ کیا بات طے کی ہے، اللہ کی قسم! میں تم لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا خوف رکھتا ہوں، اور اس کا اطاعت گزار بھی ہوں، لیکن کیا تم

---

(۱) صحيح البخاري: كتاب النكاح، باب من لم يستطع الباءة فليصم، ج۷ ص۳، رقم الحديث: ۵۰۶۶

(۲) فتح الباري: كتاب النكاح، ج۹ ص۱۰۵

نہیں جانتے کہ میں روزے بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں اور رات میں سوتا بھی ہوں، نکاح بھی کرتا ہوں اور عورتوں سے ہم بستر بھی ہوتا ہوں، پس جو شخص میرے اس طریقہ سے اعراض کرے گا وہ مجھ سے نہیں ہے۔ (۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں سے فرماتے کہ تم شادی کرلیا کرو، اور اس خیال سے سختی کے ساتھ منع کرتے کہ ہم عورتوں سے کنارہ کش رہ کر زندگی گزاریں۔ (۲)

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ عزم کرلیا کہ خصی ہو جاؤں اور ہمیشہ کے لئے عورتوں سے کنارہ کشی کرلوں، تاکہ یکسو ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت ہو سکے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ان کے اس ارادہ کی اطلاع ملی تو آپ نے اس غلط جذبہ کی پرزور تردید کی اور ایسے غلط اقدام سے سختی کے ساتھ منع کیا، چنانچہ انہوں نے یہ خیال ہی دل سے نکال دیا۔ (۳)

اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی ایک دفعہ جنسی میلان سے گھبرا کر رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم سے خصی ہوجانے کی اجازت چاہی اور عذر پیش کیا کہ وہ ایک جوان آدمی ہیں، شادی کی استطاعت نہیں رکھتے، ہوسکتا ہے کہ کوئی غلط قدم اُٹھ جائے، یہ سن کر آپ خاموش رہے، انہوں نے پھر اپنا عذر پیش کیا اور اجازت طلب کی، آپ پھر خاموش رہے، تیسری مرتبہ پھر انہوں نے عذر پیش کر کے خصی ہونے کی اجازت چاہی، اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لب مبارک کو جنبش ہوئی اور ارشاد فرمایا: ابو ہریرہ جو کچھ ہونے والا ہے وہ لکھا جاچکا، تم خصی ہو یا نہ ہو، لیکن ایک موہوم خدشہ کی وجہ سے ایک غلط کام

---

(۱) صحیح البخاری : کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح، ج۷ ص۲، رقم الحدیث:۵۰۶۳

(۲) صحیح ابن حبان: کتاب النکاح، ج۹ ص۳۳۸، رقم الحدیث:۴۰۲۸

(۳) صحیح البخاری : کتاب النکاح، باب مایکرہ من التبتل والخصاء، ج۷ ص۴، رقم الحدیث:۵۰۷۳

کی اجازت پر کیوں اصرار کر رہے ہو، سن لو اسلام کے قانون میں خصی ہونے کی اجازت نہیں ہے۔ (۱)

ان حقائق سے نتیجہ نکلتا ہے کہ اسلام کسی کی غلط جذبہ کی تائید نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ نے انسان میں جتنی قوتیں ودیعت رکھی ہیں ان کو جائز مصرف میں خرچ کرانا چاہتا ہے، برباد کرنے کا روادار نہیں ہے، قوتِ شہوانیہ بھی ایک نعمتِ خداوندی ہے، اس کا ضائع کرنا جس طرح بھی ہو ناشکری ہے۔

شہوت یعنی میلان کے ہیجان سے جب کوئی خطرہ درپیش ہو تو اس وقت اسلامی تعلیم کے مطابق فوراً شادی کر لی جائے، اوا گر اس وقت شادی کا انتظام نہ ہو سکے، یا کسی مجبوری کی وجہ سے شادی ممکن نہ ہو تو روزہ رکھ کر اس امنڈتے ہوئے طوفان کو روکنے کی جدز جہد کرے، ارشادِ نبوی ہے:

وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ. (۲)

اور جو شخص شادی کی استطاعت سے محروم ہو، اس کے لئے روزہ ضروری ہے،
اس وجہ سے کہ یہ شہوت کو توڑتا ہے۔

شادی بوقتِ اعتدال سنت ہے، اور بوقتِ ہیجان واجب اور بوقتِ خطرۂ گناہ فرض۔

شادی سے گریز نگاہِ نبوی میں

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں پر جو باوجود استطاعت شادی سے گریز کرتے تھے خفگی کا اظہار فرماتے۔ حضرت عکاف بن بشر تمیمی رضی اللہ عنہ خدمتِ نبوی میں جب حاضر ہوئے، تو آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ عکاف! تمہارے بیوی ہے؟ انہوں نے جواب دیا، یا رسول اللہ! نہیں، آپ نے پوچھا لونڈی ہے؟ انہوں نے جواب میں کہا

---

(۱) صحیح البخاری: کتاب النکاح، باب مایکرہ من التبتل والخصاء، ج۷ ص۴، رقم الحدیث: ۵۰۷۶

(۲) صحیح البخاری: کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح، ج۷ ص۳، رقم الحدیث: ۵۰۶۵

حضرت یہ بھی نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم شادی کی صلاحیت رکھتے ہو، خوش حال بھی ہو اور پھر شادی سے گریز:

اَنْتَ اِذًا مِنْ اِخْوَانِ الشَّیَاطِیْنِ۔ (۱)

تب تو تم شیطان کے بھائیوں میں سے ہوئے۔

اسلام جس فتنہ کو روکنا چاہتا ہے یہ صحیح معنی میں اسی وقت تک رک سکتا ہے جب سارے عاقل بالغ دائرہ شریعت کے اندر رہتے ہوئے اپنی پسند کے مطابق شادی سے لطف اندوز ہوں، عفت وعصمت جس کی آج کی دنیا میں کوئی قدر وقیمت باقی نہیں رہی، اسلام کی نظر میں بڑی بیش قیمت دولت ہے، یہی وجہ ہے کہ رب العلمین نے زنا کو حرام اور جرم عظیم قرار دیا۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَ لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰۤی اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَ سَآءَ سَبِيْلًا ۞ (الاسراء)

اور زنا کے قریب بھی نہ جاؤ، بلاشبہ وہ بڑی بے حیائی کی بات اور بُرا راستہ ہے۔

دیکھنے میں اس آیت کے الفاظ گنے چنے ہیں، لیکن اس مختصر جملہ میں وہ ساری چیز کہہ دی گئی جو ایک دفتر میں بیان کی جا سکتی تھی، زنا کے متعلق جو بھی محرکات واسباب، دواعی وجذبات ہو سکتے ہیں سبھی اس میں آ گئے، خواہ وہ حسی ہوں یا معنوی، ظاہری ہوں یا باطنی، تصویری ہوں یا لباسی، خواہ بلاواسطہ ہوں یا بالواسطہ، کوئی بھی چیز اس چھوٹی سی آیت سے باہر نہیں، گویا اس طرح ان تمام چیزوں سے بچنے کا حکم ہے، اس بچنے میں دقتوں کا سامنا ہو، نقصانات کا، کسی کی دل شکنی ہو یا دلدہی، ہر حال میں اس حکم پر عمل ضروری ہے۔

عفت پر بیعت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں سے جن چیزوں پر بیعت لیتے تھے ان میں یہ بھی داخل تھا، ارشادِ ربانی ہے:

---

(۱) مسند احمد: مسند الانصار، حدیث ابی ذر غفاری، ج۳۵ ص۳۵۵، رقم الحدیث: ۲۱۴۵۰

عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّ لَا يَسْرِقْنَ وَ لَا يَزْنِيْنَ وَ لَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَ لَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَ لَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ (الممتحنہ: ۱۲)

اس بات پر کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گی اور نہ چوری کریں گی، اور نہ زنا کریں گی، اور نہ اپنے بچوں کو قتل کریں گی، اور نہ بہتان طرازی کریں گی، جس کو انہوں نے اپنی طرف سے گڑھ لیا ہو، اور نہ مشروع باتوں میں آپ کی خلاف ورزی کریں گی۔

اسی طرح مردوں سے بھی آپ نے ان چیزوں پر بیعت لی تھی، حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کو مخاطب کر کے فرمایا:

بَايِعُوْنِي عَلَى اَنْ لَا تُشْرِكُوا بِاللّٰهِ شَيْئًا، وَلَا تَسْرِقُوا، وَلَا تَزْنُوا، وَلَا تَقْتُلُوا اَوْلَادَكُمْ، وَلَا تَاْتُوا بِبُهْتَانٍ تَفْتَرُوْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيكُمْ وَاَرْجُلِكُمْ، وَلَا تَعْصُوا فِي مَعْرُوْفٍ.(۱)

تم اس آیت پر مجھ سے بیعت کرو کہ تم نہ تو اللہ کا کسی کو شریک ٹھہراؤ گے، نہ چوری کرو گے، نہ بدکاری کرو گے، اور نہ اپنی اولاد کو قتل کرو گے، اور نہ اپنی طرف سے گڑھ کر افترا پردازی کرو گے، اور نہ کسی بھلی بات کی نافرمانی کرو گے۔

اللہ تعالیٰ اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کی روشنی میں غور کریں کہ زنا کی قباحت اسلام کی نظر میں کس قدر بڑھی ہوئی ہے، اور یہ اپنے پیروؤں اور سارے انسانوں کو اس لعنت سے کس شد و مد کے ساتھ روکتا اور بچاتا ہے، زنا کے مفاسد کسی سمجھدار سے پوشیدہ نہیں ہیں، زنا اپنے دامن میں بے انتہاء برائیاں اور فساد رکھتا ہے، پھر ان مفاسد اور برائیوں سے مختلف فتنوں کے چشمے ابلتے ہیں، جو اخلاق و اعمال کو بھی متاثر کرتے ہیں

(۱) صحیح البخاری: کتاب الإیمان، باب علامة الإیمان حب الأنصار، ج۱ ص۱۲، رقم الحدیث: ۱۸

اور ملک کے امن وامان کو بھی، پھر ان سے مختلف متعدی بیماریاں پھیلتی ہیں جن سے نسلیں کمزور ہوتی ہیں اور قوم کا وقار گرتا ہے۔

زنا کی تباہ کاریاں

غالباً یہی وجہ ہے کہ قرآن میں قتل کی ممانعت کے فوراً بعد زنا کے ارتکاب کی ممانعت آئی ہے، اور یہ واقعہ بھی کہ زنا انجام کے اعتبار سے قتل سے کچھ بڑھا ہوا ہے کم نہیں، اللہ تعالیٰ نے جہاں نیک بندوں کے اوصاف بیان کئے ہیں وہاں اس سلسلہ میں ارشادِ ربانی ہے:

وَ الَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَ لَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ لَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ﴿۶۸﴾ (الفرقان)

وہ لوگ اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی پرستش نہیں کرتے، اور نہ اس جان کو قتل کرتے ہیں جس کا قتل اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے، مگر یہ کہ حق کی وجہ سے ہو، اور نہ وہ زنا کرتے ہیں، اور جو شخص ایسے کام کرے گا اس کو سزا سے سابقہ پڑے گا۔

اس آیت کا اندازِ بیان بتاتا ہے کہ کفروشرک اور قتل کی طرح زنا بھی ایک جرم عظیم ہے جو توبہ اور عملِ صالح کے بغیر معاف نہیں ہوتا، اس سے بالکل متصل ان جرائم کے نتائج کا ذکر ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ يَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ﴿۶۹﴾ اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۰﴾ (الفرقان)

قیامت کے دن اس کا عذاب دو چند ہوتا چلا جائے گا اور وہ اس عذاب میں ہمیشہ ذلیل وخوار ہوکر رہے گا، مگر جو توبہ کرلے اور ایمان لے آئے اور نیک کام کرتا رہے، تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے گناہوں کی جگہ نیکیاں عنایت فرمائے

گا، اور اللہ غفور ورحیم ہے۔

معلوم ہوا کہ زانی اللہ تعالیٰ کے مخصوص عذاب میں لمبی مدت تک مبتلا رہے گا اور ایک ایسی مصیبت میں گرفتار ہوگا جس کی شدت اُسے ہمیشہ بے چین رکھے گی۔ قرآن نے ایک جگہ عرب کی رسمِ بدکار رد کرتے ہوئے اعلان کیا:

وَ لَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّ مَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿۲۲﴾ (النساء)

اور تم ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپ دادا نے نکاح کیا، مگر جو بات گزر گئی سو گزر گئی، بے شک یہ بھی بڑی بے حیائی اور نفرت کی بات ہے اور بہت بُرا طریقہ ہے۔

بدکاری کا اثر

یہ بھی زنا ہی کی ایک قسم ہے، یہاں قباحت کو ظاہر کرنے کے لئے تین لفظ یکے بعد دیگرے لائے گئے ''فَاحِشَةً، مَقْتًا، سَاءَ سَبِيْلًا'' ان تینوں الفاظ سے قباحت کی تینوں قسموں کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے ''عقلی، شرعی اور عادی'' لفظ فاحشہ عقلی برائی کو ظاہر کرتا ہے، مقت سے شرعی برائی کو بتایا گیا، اور ساء سبیلا سے عادی برائی کو جو متعدی ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ کفر وشرک اور قتل کے لئے فاحشہ کا لفظ نہیں لایا گیا کیونکہ خود کافر وقاتل کفر وقتل کو برا نہیں سمجھتے، بخلاف زانی کے کہ وہ خود بھی اس فعل زنا کو عقلاً برا سمجھتا ہے، گو وہ اپنی بُری لت کی تسکین اور فوری لذت کی خاطر یہ فعل کر گزرتا ہے، مگر جوں ہی اس سے فراغت ہوتی ہے اس پر ذلت وخواری کا احساس طاری ہو جاتا ہے۔

انسان میں تین قوتیں پیدا کی گئی ہیں:

۱.....قوتِ فکریہ ۲.....قوتِ غضبیہ ۳.....قوتِ شہوانیہ

ان میں خسیس ترین قوت، قوتِ شہوانیہ ہے، لہذا جو انسان اس قوت کا غلام بن جاتا ہے وہ راہ راست سے دور جا پڑتا ہے، اور ایسے نفرت انگیز کارنامے انجام دیتا ہے کہ دنیا

دیکھ کر اور سن کر دنگ رہ جاتی ہے، زانی اس قوتِ شہوانیہ کا غلام ہوتا ہے اور وہ اپنی رسوائی کا خود اپنے ہاتھوں سامان کرتا ہے، ارشادِ نبوی ہے:

بدکاری سے بچتے رہو، اس لئے کہ اس کے تین وبال دنیا میں بھگتنے پڑتے ہیں اور تین کا سامنا آخرت میں کرنا پڑے گا، دنیا کا وبال یہ ہے کہ اس فعل شنیع سے۔

۱...... رونق جاتی رہتی ہے، نہ چہرہ پر رونق باقی رہتی ہے نہ ایمان میں کوئی تازگی۔

۲...... محتاجی پیدا ہوتی ہے، اور اس کی نحوستوں سے دیر سویر واسطہ پڑتا ہے۔

۳...... عمر گھٹتی ہے، صحت و توانائی میں اضمحلال آتا ہے، اور لوگ نفرت کے ساتھ یاد کرتے ہیں اور آخرت کا نقصان یہ ہے۔

۴...... اللہ تعالیٰ کی ناراضگی میں مبتلا ہوتا ہے۔

۵...... برے حساب کتاب سے دوچار ہوگا۔

۶...... اور آخر میں دوزخ کے عذاب میں ڈالا جائے گا۔ (۱)

---

(۱) الزواجر عن اقتراف الکبائر: الکبیرة الثامنة والخمسون بعد الثلاثة "الزنا"، ج۲، ص۲۱۸

یہ روایت موضوع ہے۔ اس میں ایک راوی ہے "مسلمہ بن علی الخشنی" جس پر محدثین کی کافی جرح ہے۔
امام ابو حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "لا یشغل بہ" امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "منکر الحدیث" امام نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "متروک" امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "عامة احادیثه غیر محفوظة" اس راوی کے متعلق مزید تفصیلاً جرح کے لئے دیکھیں: میزان الإعتدال: ترجمة: مسلمة بن علی الخشنی، ج۴ص ۱۰۹، ۱۱۰ دوسرا راوی "ابو عبدالرحمٰن کوفی" جو مجہول ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ (متوفی ۴۵۸ھ) اس روایت کو نقل کر کے فرماتے ہیں: فهذا إسناد ضعیف، مسملة بن علی الخشنی متروك، وابو عبدالله الکوفی مجهول، الآیة فی التخلید انما وردت فی الکفار۔ (شعب الإیمان: تحریم الفروج و ما یحب من التعفف عنها، ج۷ ص۳۳۲، رقم الحدیث: ۵۰۹۱)

(باقی اگلے صفحے پر)

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَا تَزَالُ أُمَّتِي بِخَيْرٍ مَا لَمْ يَفْشُ فِيهِمْ وَلَدُ الزِّنَا، فَإِذَا فَشَا فِيهِمْ وَلَدُ الزِّنَا، فَيُوشِكُ اَنْ يَعُمَّهُمُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ بِعِقَابٍ.(۱)

میری امت اس وقت تک بعافیت رہے گی جب تک اس میں زنا کی وبا نہ پھیلے گی، لیکن جب زنا اس میں عام ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ افرادِ اُمت کو عذاب میں مبتلا کر دے گا۔

ایک عذاب یہ بھی ہے کہ بندہ اس جرم کی پاداش میں انتشار وتشتت میں مبتلا ہو جاتا ہے، اس کی اجتماعی طاقت پاش پاش ہو جاتی ہے اور باہم ان میں اعتماد باقی نہیں رہتا، اور پھر اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ملک اور قوم میں بدامنی پیدا ہو جاتی ہے اور لوگوں کا سکونِ دل

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) امام ابونعیم اصفہانی رحمہ اللہ (متوفی ۴۳۰ھ) اس روایت کو نقل کر کے آگے فرماتے ہیں: تفردبه مسلمة و هو ضعيف الحديث :(حلية الأولياء : ج۴ ص ۱۱۱)

امام ابن عدی رحمہ اللہ (متوفی ۳۶۵ھ) نے اس روایت کو نقل کر کے آگے فرمایا: وهذا عن الأعمش غير محفوظ و هو منكر۔

نیز ''مسلمہ بن علی الخشنی'' کے متعلق محدثین کے اقوال اور ان سے مروی تمام غیر مستند روایات کو بھی حکم کے ساتھ یکجا کیا ہے، آخر میں فرماتے ہیں: و كل احاديث ما ذكر و ما لم اذكر كلها أو عامتها غير محفوظة۔ (الكامل فى ضعفاء الرجال : ترجمة : مسلمة بن على الخشنى، ج۸ ص ۱۲، ۱۳، ۱۴)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (متوفی ۸۵۲ھ) اس روایت کے متعلق فرماتے ہیں'' إسناده ضعيف او متروك و مجهول'' (كشف الخفاء : حرف الزاء، ج۱ ص ۵۰۳، رقم: ۱۳۲۷)

علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۴۲۰ھ) لکھتے ہیں کہ یہ روایت موضوع ہے۔ (سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة: ج۱ ص ۲۷۰، رقم: ۱۴۱، ضعيف الجامع الصغير وزيادته: ص ۴۶۹، رقم: ۳۱۹۲)

(۱) مسند احمد : مسند الأنصار، حديث ميمونة بنت الحارث، ج۴۴ ص ۴۱۳، رقم الحديث: ۲۶۸۳۰

عنقاء ہو جاتا ہے، آخرت کا عذاب تو بہر حال اپنی جگہ ہے ہی، انہی وجوہ کے پیش نظر شرک کے بعد اس گناہ کو ایک عظیم گناہ قرار دیا گیا، حدیث میں ہے:

مَا مِنْ ذَنْبٍ بَعْدَ الشِّرْكِ أَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ نُطْفَةٍ وَضَعَهَا رَجُلٌ فِيْ رَحْمٍ لَا يَحِلُّ لَهُ. (۱)

شرک کے بعد اللہ کے نزدیک اس گناہ سے بڑھ کر کوئی اور گناہ نہیں کہ ایک شخص اپنا نطفہ اس عورت کے رحم میں ڈالے جو اس کے لئے حلال نہیں ہے۔

زنا کے انہی مفاسد کا اثر تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو جب امرأة عزیز نے پھسلانا چاہا تو آپ کانپ اُٹھے اور فرمایا:

قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ إِنَّهُ رَبِّيْ أَحْسَنَ مَثْوَايَ ۖ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ (یوسف)

خدا کی پناہ وہ تو میرا مربی ہے، اس نے مجھے کیسی اچھی طرح رکھا ہے۔ بیشک حق فراموش کو فلاح نہیں ہوا کرتی۔

رَبِّ السِّجْنُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْ إِلَيْهِ ۚ وَإِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ أَصْبُ إِلَيْهِنَّ وَأَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۳﴾ (یوسف)

اے میرے رَبّ! قید خانہ مجھے جانا پسند ہے اس کام سے جس کی طرف یہ عورتیں مجھے بلا رہی ہیں، اور اگر آپ ان کے داؤ پیچ کو مجھ سے دفع نہ کریں

---

(۱) الورع لابن ابی الدنیا: ص۹۴، رقم:۱۳۷

یہ روایت مرسل اور ضعیف ہے، ''ہیثم بن مالک طائی'' اس روایت کو براہِ راست حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کررہے ہیں، اس لئے روایت میں اِرسال ہے۔ اس روایت کی سند میں ''ابوبکر بن عبداللہ بن ابی مریم'' ہیں، یہ اِمام احمد رحمہ اللہ اور دیگر محدثین کے ہاں کثرتِ اَغلاط کی وجہ سے ضعیف راوی ہیں۔ (میزان الإعتدال: ج۴ ص۴۹۸، رقم:۱۰۰۰۰۶)

نیز اس سند میں ''بقیہ بن ولید بن صائد حمیدی'' ہے، جو مدلّس راوی ہے، اس نے یہ روایت ''عن'' کے ساتھ نقل کی ہے، "وقال غير واحد: كان مدلّسا فاذا قال عن فليس بحجة." (میزان الإعتدال: ج۱ ص۳۳۱، رقم:۱۲۵۰)

گے تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا، اور نادانی کا کام کر بیٹھوں گا۔

زنا کے مفاسد اور اس کے تمام دوسرے پہلوؤں پر میں اپنی کتاب ''اسلام کا نظامِ عفت و عصمت'' میں پوری بحث کر چکا ہوں، تفصیل وہاں دیکھ سکتے ہیں۔

زنا کی سزا

زنا کے ان مفاسد اور بے انتہاء نقصانات ہی کا نتیجہ ہے کہ اسلام نے زانی اور زانیہ کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کی، افہام و تفہیم، ترہیب و ترغیب اور نتائج پر ضرور روشنی ڈالی ہے، لیکن کوئی اس کے باوجود زنا کا مرتکب ہوتا ہے تو اس کو اس جرم کی عبرت خیر سزا بھی دیتا ہے، اگر یہ جوڑا غیر شادی شدہ ہے تو ان کو حکومتِ وقت کھلے عام اسی کوڑے کی سزا دے گی اور اس طرح کہ رحم و کرم کا کوئی معاملہ ان کے ساتھ نہیں ہوگا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَلزَّانِيَةُ وَ الزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۪ وَّ لَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ (النور: ۲)

زنا کرنے والی عورتوں اور زنا کرنے والے مردوں میں سے ہر ایک کو سو درے مارو، اور تم لوگوں کو ان دونوں پر اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں ذرا بھی رحم نہیں آنا چاہیے، اگر اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔

حکومتِ وقت کو یہ تاکید ہے کہ وہ بے محل رحم و کرم کا خیال بھی دل میں نہ لائے، رحم ہر جگہ بہتر نہیں ہے، جہاں رحم چاہیے وہیں یہ بہتر ہے، جہاں نہیں چاہیے وہاں رحم کرنا ظلم کے مرادف ہے، سزا کو سخت کہنے سے پہلے اس پر غور کیا جائے کہ جرم کیسا ہے، اگر جرم سخت ہے اور یقیناً سخت ہے تو پھر اس کی سزا ہلکی دی جائے، یہ جرم بند کرنا نہیں ہوگا، بلکہ اُسے عام کرنا ہوگا۔ جنسی میلان کے لئے ساری سہولتیں مہیا کر دی گئی ہیں، کوئی قانونی مانع بھی نہیں، پھر زنا جیسے ناپاک جرم کو قانون میں برداشت کرنا جہانداری و جہاں بینی نہیں، ملک کی بربادی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام سزا چھپا کر نہیں دیتا بلکہ اس کا قانون ہے مجمع عام میں زنا کار کو سزا دی جائے تا کہ دنیا آنکھیں کھول کر دیکھے کہ عفت و عصمت کے ڈاکو کا یہ حشر ہوتا ہے۔

ارشادِ ربانی ہے:

وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (النور)

اوران دونوں کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت کو حاضر رہنا چاہیے۔

تاکہ بدکار کی بدکاری عیاں ہو جائے اور لوگوں پر ظاہر ہو جائے کہ فلاں شخص ایسا ہے، آئندہ لوگ اس سے اپنے متعلقین اپنے گھر والوں اور احباب کو باخبر کریں کہ اس سے سب کو بچنا چاہیے، اسی کے ساتھ یہ المناک منظر ان کے دلوں میں اس برائی کی طرف سے خوف وحواس پیدا کردے۔

زانیہ پر پابندی

احتیاط کے طور پر زانیہ پر مزید پابندی عائد کی گئی ہے کہ اس گھر کی چاردیواری میں تاحیات نظر بند کر دیا جائے، تاکہ نہ تو یہ کبھی خطرہ میں مبتلا ہو اور نہ اس کی وجہ سے کوئی مرد گناہ میں ملوث ہو۔ ارشادِ ربّ العالمین ہے:

وَ الّٰتِيْ يَأْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ۝ (النساء)

تمہاری عورتوں میں جو عورتیں بے حیائی کا کام کریں ان پر اپنے چار آدمیوں کو گواہ کرلو، سو اگر وہ گواہی دے دیں تو تم ان کو گھروں کے اندر مقید رکھو یہاں تک کہ موت ان کا خاتمہ کردے، یا اللہ تعالیٰ ان کے سامنے کوئی راہ تجویز کریں۔

علماء کی ایک جماعت نے اس آیت کو منسوخ قرار دیا ہے کہ سورہ نور کی آیتوں میں سزا کی صراحت آچکی ہے۔ یہ سزا ابتداء اسلام میں تھی مگر اس کا بھی امکان ہے کہ منسوخ نہ ہو، اور منشاء خود اس کو اور دوسروں کو شر سے بچانا ہے، جیسا علامہ زمخشری رحمہ اللہ نے لکھا بھی ہے:

ويجوز ان تكون غير منسوخة بأن يترك ذكر الحدّ لكونه معلوما

بالكتاب والسنة، ويوصي بإمساكهن في البيوت، بعد أن يحددن
صيانة لهن عن مثل ما جرى عليهن بسبب الخروج من البيوت
والتعرض للرجال.[(۱)]

اور یہ بھی جائز ہے کہ آیت منسوخ نہ ہو، اس طرح سے کہ حد کا ذکر چھوڑ دیا گیا ہو، کیونکہ وہ کتاب وسنت سے معلوم ہے۔ اور یہاں اس کی تاکید ہو کہ حد لگانے کے بعد ان کو گھروں میں روک رکھا جائے، تاکہ یہ عورتیں ان فتنوں سے محفوظ ہو جائیں، باہر نکلنے کی وجہ سے جن سے دوچار ہو جائیں، اور مردوں کی چھیڑ چھاڑ سے بھی بچی رہیں۔

شادی شدہ کی سزا میں شدت اور اس کی وجہ

اگر زانی اور زانیہ شادی شدہ ہیں تو ان کی سزا میں اور بھی شدت پیدا ہو جائے گی اور اب سو کوڑے کے بجائے ان کو سنگسار کیا جائے گا، جس منظر کے دیکھنے میں آبادی کا ایک بڑا حصہ شریک ہوگا اور یہ اس وجہ سے کہ غیر شادی شدہ جوڑا ایک حد تک مجبور تھا، اور شادی کے بعد اس کے اصلاحِ حال کی توقع بھی ہے، لیکن اگر شادی ہونے کے باوجود کوئی زنا کا مرتکب ہوا ہے تو اس کے لئے اس نے دوسرے کی عفت پر حملہ کیا اور ایک جائز طریقے سے گریز کر کے ناجائز راستہ اختیار کیا، اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ بظاہر حال اس کے اصلاح کی کوئی توقع نہیں ہے، کیونکہ اس نے جو کچھ کیا ظاہری اعتبار سے کوئی مجبور نہیں تھا، صرف نفس کی خباثت تھی جس نے اسے اس جرم پر آمادہ کیا۔

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں شادی شدہ کے زنا کا مسئلہ پیش آیا تو آپ نے اس کے رجم کا حکم فرمایا، اور وہ رجم کیا گیا، پھر آپ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی اسی پر عمل رہا، اور ساری امت کا اس پر اجماع ہے، خوارج کا انکار سراسر باطل اور سرکشی ہے، اس خدشہ کا اظہار خود فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

---

(۱) الکشاف : سورة النساء آیت نمبر ۱۵ کے تحت، ج ۱ ص ۴۸۷

لَقَدْ خَشِيتُ اَنْ يَطُولَ بِالنَّاسِ زَمَانٌ، حَتَّى يَقُولَ قَائِلٌ: لَا نَجِدُ الرَّجْمَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ، فَيَضِلُّوا بِتَرْكِ فَرِيضَةٍ اَنْزَلَهَا اللّٰهُ، اَلَا وَإِنَّ الرَّجْمَ حَقٌّ عَلَى مَنْ زَنَى وَقَدْ اَحْصَنَ، إِذَا قَامَتِ الْبَيِّنَةُ، اَوْ كَانَ الْحَبَلُ اَوِ الْاِعْتِرَافُ.(۱)

مجھے خوف ہے کہ ایک زمانہ گزر جانے کے بعد کوئی یہ آواز اٹھائے کہ ہم تو کتاب اللہ میں رجم کا حکم نہیں پاتے، اور اس طرح وہ ایک ایسے فریضہ کو چھوڑ دیں جسے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے اور وہ گمراہ ہو جائیں، سنو کہ رجم اس پر حق ہے جو شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کرے، بشرطیکہ ثبوتِ شرعی قائم ہو جائے، یا اعتراف پایا جائے یا حاملہ ہونا۔

عہدِ نبوی میں سزا

اور عقل کا بھی تقاضا ہے کہ شادی شدہ اور غیر شادی شدہ کی سزا میں کچھ فرق ہونا چاہیے، اس سے بڑھ کر یہ کہ خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل شادی شدہ کے باب میں رجم ہی رہا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

اَتَى رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ مِنَ النَّاسِ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ، فَنَادَاهُ :يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنِّي زَنَيْتُ، يُرِيدُ نَفْسَهُ، فَاَعْرَضَ عَنْهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَنَحَّى لِشِقِّ وَجْهِهِ الَّذِي اَعْرَضَ قِبَلَهُ، فَقَالَ :يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنِّي زَنَيْتُ، فَاَعْرَضَ عَنْهُ، فَجَاءَ لِشِقِّ وَجْهِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِي اَعْرَضَ عَنْهُ، فَلَمَّا شَهِدَ عَلَى نَفْسِهِ اَرْبَعَ شَهَادَاتٍ، دَعَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ:اَبِكَ جُنُونٌ قَالَ: لَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ، فَقَالَ: اَحْصَنْتَ قَالَ: نَعَمْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ، قَالَ: اذْهَبُوا

---

(۱) صحیح البخاری : کتاب الحدود، باب الإعتراف بالزنا، ج۸ ص۱۶۷، رقم الحدیث: ۶۸۲۹

بِهِ فَارْجُمُوهُ. (۱)

ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، اس وقت آپ مسجد میں تشریف فرما تھے، وہ آپ کو پکار کر کہنے لگا یا رسول اللہ! مجھ سے زنا کا ارتکاب ہوگیا ہے، آپ نے سن کر پیٹھ پھیر لی، وہ شخص اس طرف چلا گیا جس طرف آپ نے چہرہ انور پھیرا تھا اور پھر کہا میں نے زنا کیا ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ پھیرلیا، جب اس طرح کہہ کر چار بار گواہی فراہم کردی، آپ نے اسے بلا کر پوچھا کیا تم کو جنون کی بیماری ہے؟ اس نے کہا نہیں؟ آپ نے دریافت کیا تو شادی شدہ ہے؟ اس نے کہا جی ہاں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا اس کو لے جاؤ اور سنگسار کر ڈالو۔

اور آگے چل کر صراحت ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

. فَكُنْتُ فِيمَنْ رَجَمَهُ، فَرَجَمْنَاهُ بِالْمُصَلَّى، فَلَمَّا أَذْلَقَتْهُ الحِجَارَةُ جَمَزَ، حَتَّى أَدْرَكْنَاهُ بِالحَرَّةِ فَرَجَمْنَاهُ. (۲)

کہ ہم نے اسے مدینہ میں سنگسار کردیا، جب ان پر پتھر پڑے تو بھاگنے لگا، ہم نے اسے جاکر حرہ میں پایا اور وہیں سنگسار کیا، یہاں تک کہ وہ مر گیا۔

ماحصل یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی شدہ زانی اور زانیہ کی سزا سنگسار کرنا طے کردی ہے، جس کی کسی حال میں خلاف ورزی درست نہیں ہے، عہد نبوی سے لے کر اب تک اسی پر عمل رہا اور یہی جمہور امت کا مذہب ہے۔

اس دورِ ناخدا ترسی میں اس سزا کا نام سن کر کچھ لوگ ناک بھوں چڑھاتے ہیں

---

(۱) صحيح البخاري : كتاب الحدود، باب سوال الإمام المقر، هل احصنت، ج۸ ص۱۶۷، رقم الحديث:۶۸۲۵

(۲) صحيح البخاري : كتاب الحدود، باب سوال الإمام المقر، هل احصنت، ج۸ ص۱۶۷، رقم الحديث:۶۸۲۵

بالخصوص یورپ کے وہ مہذب لوگ جن کے یہاں عفت کوئی چیز ہی نہیں، سزا کی شدت کو تو محسوس کرتے ہیں مگر جرم کی سنگینی پر ان کی نظر نہیں، ورنہ سزا کی یہ شدت ان کو رحمت معلوم ہوتی، چنانچہ کچھ انصاف پسند انگریزوں نے اسلامی سزاؤں کی صداقت کا اعتراف کرنا شروع کردیا ہے، سعودی عرب میں جہاں یہ سزا دی جاتی ہے اس طرح کے جرم نایاب سے ہیں۔

زِنا کا ثبوت

زنا جیسے جرم کے لئے ایسی ہی سزا کی ضرورت ہے جو اسلام تجویز کرتا ہے، بلکہ ضروری قرار دیتا ہے کیونکہ اس جرم میں بے پناہ کشش ہے، طبعی طور پر آدمی ذرا ذرا سی رعنائیوں پر جان چھڑکنے کا عادی ہوتا ہے، اس جرم کا خیال دلوں سے کوڑے اور سنگساری کی سزا ہی نکال سکتی ہے، اسلام نے سزا میں یقیناً کوئی نرمی نہیں برتی ہے، مگر اس جرم کے ثبوت میں وہ تمام قیدیں لگا رکھی ہیں کہ ان کی وجہ سے کسی حاکم کے لئے جائز نہیں ہے کہ ثبوت میں ذرا بھی خلل یا شبہ پائے اور پھر سزا کا فیصلہ دے دے۔ اس جرم کے ثبوت کے لئے چار عاقل، بالغ مردوں کی آنکھ دیکھی گواہی ضروری ہے، پھر ہر گواہ میں ان اوصاف کا پایا جانا بھی لازم ہے جو اسلامی قانون جن کو ضروری قرار دیتا ہے، اگر اقراری مجرم ہے تو اس سے جرح کر کے بات واضح کرلی جائے گی۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَ الّٰتِیۡ یَاۡتِیۡنَ الۡفَاحِشَۃَ مِنۡ نِّسَآئِکُمۡ فَاسۡتَشۡہِدُوۡا عَلَیۡہِنَّ اَرۡبَعَۃً مِّنۡکُمۡ ۚ (النساء: ۱۵)

جو عورتیں تمہاری عورتوں میں بے حیائی کا کام کریں، اِن پر اپنے چار آدمیوں کو گواہ کرلو۔

دوسری جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَوۡ لَا جَآءُوۡ عَلَیۡہِ بِاَرۡبَعَۃِ شُہَدَآءَ ۚ فَاِذۡ لَمۡ یَاۡتُوۡا بِالشُّہَدَآءِ فَاُولٰٓئِکَ عِنۡدَ اللّٰہِ ہُمُ الۡکٰذِبُوۡنَ ﴿۱۳﴾ (النور)

یہ لوگ اس پر چار گواہ کیوں نہیں لائے، پس جب کہ وہ چار گواہ نہیں لائے تو وہ
خدا کے نزدیک سراسر جھوٹے ہیں۔

لعان کی وجہ

یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شوہر اپنی بیوی کو متہم کرے اور ان کے پاس گواہ نہ ہوں، تو قانون یہ ہے کہ ان دونوں میاں بیوی سے قسمیں لی جائیں، اور چار گواہ کی جگہ ان کی یہ چار قسمیں ہوں گی، مرد چار بار اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر یہ کہے گا کہ میں اپنے کہنے میں سچا ہوں، اور پانچویں مرتبہ کہے گا کہ مجھ پر خدا کی لعنت ہو اگر میں اس کہنے میں جھوٹا ہوں، پھر عورت اگر اپنے کو بری سمجھتی ہے اور سزا سے بچنا چاہتی ہے تو وہ چار بار قسم کھا کر یہ کہے گی کہ میرا شوہر اس کہنے میں جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ یہ کہے گی کہ مجھ پر خدا کا غضب ہو اگر میرا شوہر اس کہنے میں سچا ہو۔ ان قسموں کے بعد دونوں میاں بیوی سزا سے بچ جائیں گے، مگر قاضی ان دونوں کے درمیان تفریق کر دے گا، جو حکماً مرد کی جانب سے طلاق ہوگی، اور جب تک یہ دونوں اپنی اپنی بات پر قائم رہیں گے ان دونوں کا باہم نکاح نہ ہو سکے گا، لیکن اگر کبھی مرد اپنے کو جھٹلا دے اور جھوٹے ہونے کا اقرار کر لے، یا عورت مرد کی بات کی تصدیق کر دے تو جھوٹے پر حدِ قذف یا حدِ زِنا جاری ہونے کے بعد نکاح ہو سکے گا۔ قرآنِ پاک میں صراحت ہے:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۞ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۞ وَ يَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۞ وَ الْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۞ وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَ اَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ۞ (النور)

اور جو لوگ اپنی بیویوں کو تہمت لگائیں اور ان کے پاس بجز اپنے اور کوئی گواہ نہ

ہوں تو ان کی شہادت یہ ہے کہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر یہ کہہ دے کہ بے شک میں سچا ہوں اور پانچویں بار یہ کہے کہ مجھ پر خدا کی لعنت ہو اگر میں جھوٹا ہوں۔ اور اس عورت سے سزا اس طرح ٹل سکتی ہے کہ وہ چار بار قسم کھا کر کہے بیشک یہ مرد جھوٹا ہے، اور پانچویں بار یہ کہے کہ مجھ پر خدا کا غضب ہو اگر یہ سچا ہے۔ اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تم پر اللہ کا فضل و کرم ہے، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا اور حکمت والا ہے۔

لعان بھی دراصل دو شخصوں کا نہیں بلکہ دو خاندانوں کی عزت و آبرو کے جھگڑے کا ایک حل ہے، اگر اس قانون کے ذریعہ اسے حل نہ کیا جاتا تو یہی بات ایک بڑے فتنہ کا پیش خیمہ بن سکتی تھی، اسلام نے جھگڑے کو بڑھنے نہیں دیا، بلکہ بڑی خوش اسلوبی سے اسے اسی آن ختم کر دیا۔

مسئلۂ قذف

میاں بیوی کا مسئلہ تو اس طرح حل ہو جاتا ہے، لیکن یہی تہمت اگر ان کے علاوہ کوئی اور ایک دوسرے کو لگائے اور اس کو ثابت نہ کر سکے، تو اسلام کے قانون میں مجرم قرار پائے گا اور اسے سزا میں اَسی کوڑے لگائے جائیں گے، ارشادِ ربانی ہے:

وَ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّ لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۙ﴿﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَ اَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿﴾ (النور)

اور جو لوگ پاک دامن عورتوں کو تہمت لگائیں پھر چار گواہ نہ لا سکیں تو ایسے لوگوں کو اَسی کوڑے لگاؤ، اور ان کی کوئی گواہی قبول نہ کرو، اور یہ لوگ خدا کے نافرمان ہیں، لیکن جو لوگ اس کے بعد توبہ کر لیں اور اپنی اصلاح کر لیں تو اللہ تعالیٰ ضرور مغفرت کرنے والا، رحم کرنے والا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی کسی پاک دامن مسلمان مرد یا عورت کو زنا کے

ساتھ متہم کرے اور چار گواہ پیش نہ کر سکے تو اسلام نے اس کی سزا یہ مقرر کی ہے:

۱...... اس کو اسی کوڑے مارے جائیں۔ ۲...... اس کی گواہی آئندہ قبول نہ کی جائے۔

۳...... اس کا نام فاسقوں کی فہرست میں درج کر لیا جائے۔

قرآن میں دوسری جگہ صراحت ہے، کہ ایسا شخص دنیا و آخرت دونوں جگہ ملعون ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ لُعِنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۲۳﴾ يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۲۴﴾ يَوْمَئِذٍ يُوَفِّيهِمُ اللَّهُ دِينَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِينُ ﴿۲۵﴾ (النور)

جو لوگ تہمت لگاتے ہیں ان عورتوں کو جو پاک دامن ہیں اور ایسی باتوں سے بے خبر ہیں، ایمان والیاں ہیں، ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی جاتی ہے اور ان کو بڑا عذاب ہوگا۔ جس روز ان کی مخالفت میں ان کی زبانیں گواہی دیں گی، اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں بھی ان کاموں کی جو یہ لوگ کرتے تھے، اس روز ان کو اللہ تعالیٰ ان کا واجبی بدلہ پورا پورا دے گا، اور ان کو معلوم ہو گا کہ اللہ ہی ٹھیک فیصلہ کرنے والا ہے۔

یہ کون نہیں جانتا کہ تہمت والزام تراشی سے بھی فساد کی آگ بھڑکتی ہے اور بہت تیز بھڑکتی ہے، اس لئے کہ آدمی عزت و آبرو کے مسئلہ پر جان دینے کو تیار ہو جاتا ہے، اسلام نے قانونِ قذف کے ذریعہ جہاں لوگوں کی آبروریزی پر بند لگایا ہے وہیں امن وامان کی حفاظت کی ہے۔

عقل کی حفاظت اسلام میں

عقل وفہم اللہ تعالیٰ کی ایک بیش بہا دولت ہے، جو اس نے اپنے فضل و کرم سے انسانوں کو بخشی ہے، اور اسی عظیم الشان دولت کا صدقہ ہے کہ انسان ساری کائنات پر

حکمران کی حیثیت رکھتا ہے، اگر کوئی شخص اس نعمتِ عظمی سے محروم ہے تو یقین کیجئے کہ یقیناً ساری خوبیوں کے باوجود کچھ نہیں کرسکتا، اسی عقل کی بدولت آدمی میں علم کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عقل کی بڑی قدر و قیمت ہے۔ارشادِ نبوی ہے:

> اللہ تعالیٰ نے کوئی مخلوق ایسی نہیں پیدا کی جو اس کے نزدیک عقل سے زیادہ باعزت ہو۔ (۱)

عقل وفہم

کتاب وسنت میں عقل وفہم، سوجھ بوجھ اور دور اندیشی کو مختلف انداز میں سراہا گیا ہے

---

(۱) باوجود تلاشِ بسیار کے یہ روایت مجھے کتبِ حدیث میں نہیں ملی، اور نہ ہی کتبِ تخریج میں، اور نہ شروحاتِ حدیث میں، اور نہ ہی کتبِ اطراف اور فہارس میں۔

سب سے پہلے ان الفاظ کے ساتھ اس روایت کو امام غزالی رحمہ اللہ (متوفی ۵۰۵ھ) نے "إحياء علوم الدين" "الباب السابع في بيان شرف العقل" میں بغیر کسی سند اور مرجع کے نقل کیا۔اس کتاب میں موجود روایات کی تخریج علامہ عراقی رحمہ اللہ (متوفی ۸۰۶ھ) نے "المغنی عن حمل الأسفار في الأسفار في تخريج ما في الإحياء من الأخبار" میں کی، اور انہوں نے اس روایت کے متعلق فرمایا:
أخرجه الترمذي الحكيم في النوادر بسند ضعيف من رواية الحسن عن عدة من الصحابة۔

لیکن جب میں نے حکیم ترمذی رحمہ اللہ (متوفی ۳۲۰ھ) کی "نوادر الأصول في أحاديث الرسول" دیکھی، تو باوجود تلاش کے ان الفاظ کے ساتھ یہ روایت مجھے اس کتاب میں نہیں ملی۔ البتہ انہوں نے ان الفاظ کے ساتھ ایک روایت نقل کی ہے: ان النبي صلى الله عليه وسلم قال: لما خلق الله العقول قال له اقبل فأقبل ثم قال له أدبر فأدبر ...إلخ ۔ لیکن ان الفاظ کے ساتھ یہ روایت بالاتفاق موضوع ہے۔ علامہ سخاوی رحمہ اللہ (متوفی ۹۰۲ھ) نے شیخ الاسلام علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ (متوفی ۷۲۸ھ) اور دیگر محدثین کے حوالے سے یہ بات نقل کی ہے کہ یہ روایت بالاتفاق موضوع ہے:
قال ابن تيمية و تبعه غيره: انه كذب موضوع بالإتفاق (المقاصد الحسنة: حرف الهمزة، ص۱۹۸، رقم: ۲۲۳) (از نعمان) .

اور انسانوں کو ان اوصاف سے متصف ہونے کی ترغیب دی گئی ہے، قرآنِ پاک میں جگہ جگہ ''اَفَلَا یَعْقِلُوْنَ، اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ، وَھُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ، فَھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ'' لاکر عقل وشعور کو بیدار کیا گیا۔ ایک جگہ ارشاد خداوندی ہے:

وَ اِذَا نَادَیْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ اتَّخَذُوْھَا ھُزُوًا وَّ لَعِبًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّھُمْ قَوْمٌ لَّا یَعْقِلُوْنَ ﴿۵۸﴾ (المائدۃ)

تم جب نماز کے لئے اعلان کرتے ہو تو یہ لوگ اس کے ساتھ بھی مذاق اور کھیل کرتے ہیں، یہ اس سبب سے کرتے ہیں کہ یہ لوگ عقل سے بالکل بے بہرہ ہیں۔

کافروں کی شرارت کی وجہ بھی بیان کرتے ہوئے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَّ لٰكِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَ اَكْثَرُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ (المائدۃ)

لیکن جنہوں نے کفر کی روش اختیار کر رکھی ہے، وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ لگاتے ہیں ان کی حالت یہ ہے کہ ان میں سے اکثر صحیح عقل سے بے بہرہ ہیں۔

عقل وفہم سے کام نہ لینے پر قرآنِ پاک نے جھنجھوڑا، اور کہا:

وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِی الْخَلْقِ ؕ اَفَلَا یَعْقِلُوْنَ ﴿۶۸﴾ (یٰسٓ)

اور ہم جس کی عمر زیادہ کر دیتے ہیں اس کو طبعی حالت میں الٹا کر دیتے ہیں تو کیا وہ لوگ نہیں سمجھتے۔

قرآنِ مقدس کے من عند اللہ ہونے کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا:

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا كَثِیْرًا ﴿۸۲﴾ (النساء)

تو کیا وہ سب قرآن میں غور نہیں کرتے کہ اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا، تو وہ اس میں یقیناً بکثرت تفاوت پاتے۔

دوسری جگہ ارشاد ہوا:

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴿۲۴﴾ (محمد)

تو کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے، یا ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں۔

حفاظتِ عقل کی ضرورت

اس طرح کی بیسیوں آیتیں ہیں جن میں عقل و شعور کو جھنجھوڑا گیا ہے اور ان سے کام لینے کی دعوت دی گئی ہے، جس عقل و شعور کی قدر و قیمت کا یہ عالم ہو، آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ اسلام اس نعمتِ عظمیٰ کی حفاظت کی طرف کیونکر توجہ نہ دیتا، اس وقت اور بھی کہ اعمال و اخلاق میں اعتدال کا بڑی حد تک اسی پر دارو مدار ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جن چیزوں کے استعمال سے عقل ماؤف ہوتی ہے یا شعور کند ہوتا ہے، اسلام نے ان سے سختی کے ساتھ روکا ہے، نشہ آور چیزیں عقل کے لئے سب سے زیادہ مضر ہیں، ہیرون، بھنگ، چرس وغیرہ بھی ایسی ہی چیزوں میں داخل ہیں، ان کے استعمال سے عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے، خواہ یہ چند گھنٹوں کے لئے ہو یا زیادہ دیر کے لئے، اس وقت برے بھلے کی تمیز باقی نہیں رہتی اور خیر و شر کا امتیاز ختم ہو جاتا ہے، یہ آپ جانتے ہیں کہ فتنہ و فساد کبھی تو قصداً ہوتا ہے اور کبھی عقل و خرد سے محرومی کے نتیجہ میں، اسلام نے ہر طرح کے فساد سے منع کیا ہے، عقل و شعور کے ساتھ جو فتنے ہوتے ہیں ان کی بحث گزر چکی، یہاں عقل ماؤف ہونے کی وجہ سے جو ہنگامے ہوا کرتے ہیں ان پر روشنی ڈالنا مقصد ہے۔

شراب نوشی کی حرمت

ان نشہ آور چیزوں میں جو عقل و فہم اور شعور و ادراک کے لئے مہلک ہے شراب نوشی کو نمایاں حیثیت حاصل ہے، اور دوسری نشہ آور چیزیں انہی کے حکم میں آتی ہیں، اس لئے اس سلسلہ میں شراب نوشی کی بحث سے تمام چیزوں پر روشنی پڑ جائے گی۔

بعثتِ نبوی سے پہلے ام الخبائث پینے پلانے کا رواج عام تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں انسانی زندگی کے ایک ایک گوشہ کی اصلاح فرمائی، شراب نوشی کے سلسلہ میں بھی ہدایتیں دیں اور اس کے مفاسد و نقصانات پر روشنی ڈالی، چوں کہ اس لعنت میں پوری سوسائٹی گرفتار تھی اور یہ جز زندگی کا درجہ رکھتی تھی، اس لئے اسلام نے تدریجی طور پر لوگوں کے دلوں میں اس کی نفرت جاگزیں کی، دفعتاً کوئی قطعی حکم نافذ نہیں کیا۔

تو اس سلسلہ میں سب سے پہلی آیت نازل ہوئی:

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ ؕ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۫ وَ اِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ (البقرۃ:۲۱۹)

لوگ آپ سے شراب اور جوئے کی نسبت دریافت کرتے ہیں، آپ فرما دیجئے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے کچھ فائدے بھی ہیں، لیکن ان کا گناہ ان کے فائدوں سے بہت زیادہ بڑھا ہوا ہے۔

دریافت کرنا یہ خود دلیل ہے کہ لوگوں کو ان کی طرف سے کھٹک تھی، کیونکہ لوگ محسوس کرتے تھے کہ عقل زائل ہو جاتی ہے اور پھر گناہوں اور قبیح چیزوں سے روکنے والی کوئی طاقت باقی نہیں رہتی، شراب نوشی کو اثم قرار دیا، یعنی یہ تمام نیک کاموں میں رکاوٹ پیدا کرنے والی ہے، اور لفظِ کبیر لا کر اس کے تمام ضرر کو ذہن نشین کرنے کی سعی کی گئی۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بہت سی سعید روحوں نے اثر لیا اور شراب نوشی قطعاً ترک کردی، انسانوں میں ایک طبقہ اشارہ پا کر ہی معاملات و احکام کی روح تک پہنچ جاتا ہے صراحت کا انتظار نہیں کرتا، ترک کرنے والے ایسے ہی لوگ تھے، اور کچھ لوگ کسی چیز کی لذت میں اسے کھو جاتے ہیں کہ سمجھنے کے باوجود جب تک گنجائش پاتے ہیں فائدہ اٹھانے کی سعی کرتے ہیں، چنانچہ ایسے لوگوں نے شراب نوشی کا مشغلہ جاری رکھا، کیونکہ اس آیت میں ایسا واضح قطعی کم نہیں ہے، مگر اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ دل ان کے بھی متاثر ہوئے۔

تحریم میں تدریج

پھر اس سلسلہ میں قرآنِ پاک کی دوسری آیت نازل ہوئی جس میں نماز جیسی عظیم الشان عبادت کا تذکرہ ہے، ارشاد ہوا:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ (النساء)

اے ایمان والو! تم ایسی حالت میں نماز کے پاس بھی نہ جاؤ کہ تم نشہ کی حالت میں مست ہو، یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو کہ منہ سے کیا کہتے ہو۔

اس آیت نے ان پر ایک اور ضرب لگائی جن کے دلوں میں خوفِ خدا کے ساتھ عبادتِ الٰہی سے عشق تھا، اور کوئی شبہ نہیں کہ سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسے ہی تھے، چنانچہ نماز کے وقتوں میں شراب نوشی بالکل ترک کردی گئی۔ البتہ نماز کے علاوہ وقتوں میں بعض لوگوں کے یہاں اب بھی شراب نوشی کا مشغلہ بند نہیں ہوا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ برابر دُعا کررہے تھے:

قَالَ عُمَرُ: اَللّٰهُمَّ بَيِّنْ لَنَا فِي الْخَمْرِ بَيَانًا شَافِيًا. (۱)

اے اللہ! شراب کے باب میں ہمارے متعلق کوئی واضح حکم نازل فرما۔

حرمت کا اعلان

چنانچہ آخر میں یہ تیسری آیت ۳ھ میں نازل ہوئی جس میں حرمتِ شراب کی صراحت ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝ (المائدة)

---

(۱) سنن النسائي : كتاب الأشربة، باب تحريم الخمر، ج۸ ص۲۸۶، رقم الحديث: ۵۵۴۰

اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا، اور بت وغیرہ اور قرعہ کے تیر
یہ سب گندی چیزیں اور شیطانی کام ہیں، سو ان سے بالکل الگ رہو تا کہ تم
فلاح پاؤ۔

اس آیت کے بعد سوچنے کا سوال نہیں تھا کیونکہ صراحت موجود ہے، چنانچہ شرابی شراب نوشی سے دفعتاً رک گئے، شراب کے مٹکے توڑ ڈالے گئے، اور شراب مدینہ کی گلیوں میں گندے پانی کی طرح بہنے لگی، بعض لوگ پکار اٹھے:

مَا حَرَّمَ اللّٰهُ شَيْئًا اَشَدَّ مِنَ الْخَمْرِ. (۱)

حرمت میں شدت

یہ اس وجہ سے ہے کہ اس آیت میں شدت اور زجر و توبیخ کے مختلف پہلو مضمر ہیں، جن لوگوں کو عربی ادب سے ذوق ہے، وہ اس کا صحیح اندازہ کر سکتے ہیں، علامہ زمخشری رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر کشاف میں ان مختلف پہلوؤں کی نشاندہی کی ہے، لکھتے ہیں:

۱...... اولاً یہ آیت ''اِنَّمَا'' کے ساتھ شروع ہوئی ہے۔

۲...... دوسرے خمر کی تحریر کو بتوں کی پرستش کے ساتھ بیان کیا ہے اور اسی معنی کو یہ حدیث ادا کرتی ہے کہ ''شَارِبُ الْخَمْرِ كَعَابِدِ وَثْنٍ'' یعنی شراب پینے والا ایسا ہے جیسا بت کا پجاری۔ (۲)

۳...... تیسرے شراب کو ''رِجْسٌ'' کہا گیا۔

۴...... چوتھے شراب نوشی کو شیطانی عمل قرار دیا گیا ہے، اور کھلی بات ہے کہ شیطانی عمل سے شرِ محض کے سوا اور کیا ہاتھ آ سکتا ہے۔

۵...... پانچویں شراب نوشی سے اجتناب کا حکم فرمایا گیا۔

---

(۱) فتح القدير للشوكاني : سورة المائدة آیت نمبر ۹۰ کے تحت، ج۲ ص۸۵

(۲) مجمع الزوائد: كتاب الأشربة، باب ماجاء في الخمر، ج۵ ص ۷، رقم الحديث: ۸۱۸۷ رواه البزار، وفيه فطر بن خليفة وهو ثقة، وفيه كلام لا يضر۔

۶.....چھٹے شراب نوشی سے اجتناب کو فلاح بتایا گیا، جس چیز سے بچنا فلاح ہے اس کا ارتکاب سوائے ناکامی اور خسران کے اور کیا ہوسکتا ہے۔

۷.....ساتویں شراب نوشی کے نتائج اور وبا کی نشاندہی کی گئی۔

۸.....آٹھویں بتایا گیا کہ شرب نوشی ذکر اللہ کے لئے رکاوٹ ہے، اور ایسے لوگوں کو نماز کے اوقات کی رعایت باقی نہیں رہتی، نتیجہ میں شراب نماز کے لئے مانع بن جاتی ہے۔ (۱)

شراب نوشی کے مفاسد

اسی آیت سے متصل شراب نوشی کے دینی اور دنیوی مفاسد کا بیان ہے، ارشادِ ربانی ہے:

اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ عَنِ الصَّلٰوةِ (المائدة: ۹۱)

شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے آپس میں بغض وعداوت ڈال دے، اور وہ تم کو اللہ کی یاد اور نماز سے روکتا ہے۔

فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ (المائدة)

سو کیا اب بھی باز نہ آؤ گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جس وقت یہ آیت سنائی گئی، خوشی سے پھڑک اٹھے اور ”فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْن“ سن کر فرمانے لگے، اِنْتَهَيْنَا اِنْتَهَيْنَا، ہم باز آگئے، باز آگئے۔ (۲)

صحابہ کا عمل

حقیقت یہ ہے کہ نگاہِ نبوی نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کندن بنا دیا تھا، آپ جانتے

---

(۱) الکشاف: سورة المائدة آیت نمبر ۹۰ کے تحت، ج۱ ص ۶۷۴، ۶۷۵

(۲) سنن النسائی: کتاب الأشربة، باب تحريم الخمر، ج۸ ص ۲۸۶، رقم الحديث: ۵۵۴۰

ہیں کہ عرب شراب نوشی میں کس بری طرح مبتلا تھے، اور وہاں شراب و کباب کی مجلسیں گرم رہا کرتی تھیں، مگر شراب کی حرمت کا اعلان ہوتے ہی ایسے بدل گئے جیسے ان کو کبھی شراب نوشی سے کوئی لگاؤ ہی نہیں تھا، حضرت انس رضی اللہ عنہ خادم رسول کا بیان ہے کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ انصاری کے گھر صحابہ کرام کی ایک جماعت نے شراب کی مجلس جما رکھی تھی، میں ساقی کے فرائض انجام دے رہا تھا کہ اچانک ایک شخص آیا اور اس نے خبر دی کہ شراب حرام کردی گئی ہے، یہ سننا تھا کہ بخدا ہم میں سے کسی نے پھر دوبارہ نہیں پوچھا کہ کیا ہوا، بلکہ سب نے یک زبان ہو کر مجھ سے کہا کہ اے انس! جو کچھ برتن میں رہ گیا ہے بہا ڈالو، میں نے ساری شراب زمین پر بہادی، اور پھر کسی نے کبھی شراب کا نام تک نہیں لیا، یہاں تک کہ وہ سب اپنے مولیٰ حقیقی سے جا ملے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب شراب کی حرمت نازل ہوئی تو:

فَأَمَرَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنَادِيًا يُنَادِي: أَلَا إِنَّ الخَمْرَ قَدْ حُرِّمَتْ ...فَجَرَتْ فِي سِكَكِ المَدِينَةِ. (۱)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے کہا کہ وہ جائے اور پکار کر کہہ دے کہ لوگو! سن لو کہ شراب حرام ہو چکی ہے، بس یہ سننا تھا کہ مدینہ کی گلیوں میں شراب بہنے لگی۔

بعض روایت میں ہے کہ ایک جگہ کچھ لوگ بیٹھے شراب پی رہے تھے اتنے میں ایک شخص نے آ کر حرمت کی آیت پڑھ دی، اس کا اثر یہ ہوا کہ جس کا ہاتھ جہاں تھا وہیں رک گیا، جس کا پیالہ ہونٹ تک پہنچ چکا تھا انہوں نے اسی آن سے اٹھا کر دے مارا اور پکار اٹھے کہ پروردگارِ عالم! ہم باز آگئے، ہم باز آگئے۔ یہی نہیں بلکہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس

---

(۱) صحیح البخاری: کتاب المظالم والغصب، باب صب الخمر فی الطریق، ج۳ ص۱۳۲، رقم الحدیث: ۲۴۶۴

فکر میں پڑ گئے کہ ان لوگوں کا کیا حشر ہوگا جن کی موت شراب نوشی کے زمانہ میں ہو چکی ہے، ان کی تسکین کے لئے یہ آیت نازل ہوئی:

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا (المائدة:۹۳)

ایسے لوگ جو ایمان رکھتے تھے اور نیک کام کرتے تھے ان کے لئے اس چیز میں کوئی گناہ نہیں جس کو وہ کھا پی چکے۔[1]

اسلام کی خدمت

یہاں مولانا عبدالماجد دریا آبادی رحمہ اللہ کا یہ نوٹ بھی پڑھ لیں، لکھتے ہیں:

یہ فخر تاریخ اسلام ہی کو حاصل ہے کہ اس نے اپنے ایک اشارہ سے اپنے حدود و مملکت سے ان خبائث کا خاتمہ ہی کر دیا، اور اشخاص و افراد کی کارستانیوں سے قطع نظر امت کی نظر میں بحیثیت مجموعی لفظ ''شرابی'' اور لفظ ''جواری'' دونوں کو انتہائی تحقیر و ذلت کا لقب ٹھہرا دیا، یہ اسلام کا ہی اعجاز ہے کہ اس نے اپنے پیروں کو جہاں تک ان اخلاقی نجاستوں کا تعلق ہے، پاکیزگی اور ستھرائی کے اس بلند مقام پر پہنچا دیا جہاں تک باوجود علم و فضل فہم و دانش کے اور بلند بانگ دعوؤں کے آج تک نہ کوئی ''ٹمپرنس ایسوی ایشن'' (اعتدال و احتیاط کی تبلیغ کرنے والی انجمن) پہنچا سکی، نہ کوئی پروہیبیشسٹ (قانونِ امتناع جاری کرنے والی حکومت) سرولیم، اپنے نہیں بیگانے ہیں، معتقد نہیں منتقد ہیں، باوجود اس کے لکھتے ہیں:

اسلام فخر کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ ترک میکشی کرانے میں جیسا وہ کامیاب ہوا ہے کوئی اور مذہب نہیں ہوا ہے (لائف آف محمد: ص ۵۲۱) انیسویں صدی کے ربع آخر میں لندن میں چرچ کانگرس کے ایک اجلاس کے موقع پر ایک ممتاز

(۱) مسند احمد: مسند ابی ہریرۃ: ج۱۴ ص۲۶۷، رقم الحدیث: ۸۲۲۰، جمع الفوائد: کتاب الأشربة، الخمور والأنبذة، ج۲ ص ۳۸۰، رقم الحدیث: ۵۶۲۶

پادری اسحاق ٹیلر نے کہا تھا: دنیا میں انسدادِ مے نوشی کی سب سے بڑی انجمن خود اسلام ہے، برخلاف اس کے ہماری یورپین تجارت کے قدم جہاں جہاں پہنچتے جاتے ہیں مے نوشی و بدکاری اور لوگوں کی اخلاقی پستی بڑھتی جاتی ہے۔ ٹمپرنس کے نام سے مے نوشی میں اعتدال واحتیاط پیدا کرنے کے لئے یورپ اور امریکہ اور ہندوستان میں آج بھی خدا معلوم کتنی انجمنیں بہترین نظم ونظام اور شہرت کارکردگی کے ساتھ قائم ہیں، اور امریکہ کے مشہور کارکن ''گربہ پا جانسن'' نے تو اپنی سرگرمیوں کی دھوم ساری دنیائے متمدن میں مچا دی، اور بڑے بڑے ڈاکٹر اور ماہرین سائنس شراب کے نقصانات پر بیانات اور اعداد برابر شائع ہی کرتے رہتے ہیں، لیکن اس ساری سرگرم کوششوں کے باوجود خود انہی لوگوں کو یہ اقرار ہے کہ شراب کو قطعی حرام کیے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ (۱)

شراب نگاہِ نبوی میں

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گناہ سے بچانے کے لئے اور شراب کی نوعیت سمجھانے کے لئے مختلف طریقے اختیار فرمائے ہیں۔ ایک دفعہ ارشاد فرمایا:

كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ، وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ، وَمَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فِي الدُّنْيَا فَمَاتَ وَهُوَ يُدْمِنُهَا لَمْ يَتُبْ، لَمْ يَشْرَبْهَا فِي الْآخِرَةِ. (۲)

ہر نشہ آور شراب ہے، اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے، جو شخص دنیا میں شراب پیتا ہے اور اسی حال میں مر جاتا ہے اور اسے توبہ نصیب نہیں ہوتی، تو اسے آخرت میں شرابِ طہور نہ ملے گی۔

---

(۱) تفسیر ماجدی: سورہ بقرہ آیت نمبر ۲۱۹ کے تحت، ج ۱ ص ۸۷ بحوالہ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ج ۲۶ ص ۵۹۰ طبع یازدہم۔

(۲) صحيح مسلم : كتاب الأشربة، باب بيان ان كل مسكر خمر....إلخ، ج۳ ص ۱۵۸۷، رقم الحديث: ۲۰۰۳

یاد رکھئے ''كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ'' ہر نشہ آور شراب ہے، اور اسی کے ساتھ یہ بھی کہ ''كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ''، ہر نشہ آور حرام ہے۔ ایک دفعہ جیشان کا ایک شخص خدمتِ نبوی میں حاضر ہوا اور کہا کہ ہمارے یہاں ذرہ سے بنی ہوئی شراب پی جاتی ہے، وہاں اسے اصطلاح میں ''مذر'' کہتے ہیں، آپ نے پوچھا کہ وہ نشہ آور بھی ہے؟ اس نے جواب دیا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا:

كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ، إِنَّ عَلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ عَهْدًا لِمَنْ يَشْرَبُ الْمُسْكِرَ أَنْ يَسْقِيَهُ مِنْ طِينَةِ الْخَبَالِ. (۱)

ہر نشہ آور حرام ہے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں طے ہے کہ جو شخص نشہ آور چیز استعمال کرے گا اسے دوزخیوں کا پسینہ اور پیپ پلائی جائے گی۔

رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب سے نفرت دلانے اور اس کے ضرر کو بتانے کے سلسلہ میں فرمایا:

وَمَنْ شَرِبَ مُسْكِرًا بُخِسَتْ صَلَاتُهُ أَرْبَعِينَ صَبَاحًا، فَإِنْ تَابَ تَابَ اللَّهُ عَلَيْهِ. (۲)

جو شخص کوئی نشہ آور چیز پیتا ہے اس کی چالیس دن کی نماز بے کیف اور معلق ہوتی ہے، جب وہ توبہ کرتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول کرتا ہے۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی صراحت فرمائی ہے کہ کچھ لوگ شراب کو اس کا نام بدل کر پئیں گے، مطلب یہ ہے کہ ہوگی مے نوشی، مگر نئے نام اور نئے انداز سے۔ آپ کے الفاظ یہ ہیں:

---

(۱) صحیح مسلم: کتاب الأشربة، باب بیان ان کل مسکر خمر...إلخ، ج۳ ص۱۵۸۷، رقم الحدیث: ۲۰۰۲

(۲) سنن أبی داود: کتاب الأشربة، باب النهی عن المسکر، ج۳ ص۳۲۷، رقم الحدیث: ۳۶۸۰

لَيَشْرَبَنَّ نَاسٌ مِنْ أُمَّتِي الْخَمْرَ يُسَمُّونَهَا بِغَيْرِ اسْمِهَا. (۱)

میری امت کے کچھ لوگ شراب کو اس کا نام بدل کر پئیں گے۔

موجودہ دور میں یہی ہو رہا ہے، شراب کی بیسیوں قسمیں ہیں جسے لوگ استعمال کر رہے ہیں، نادان ہیں وہ لوگ جو اپنے نفس کو یہ کہہ کر دھوکہ دیتے ہیں کہ اس قسم پر شراب کی تعریف صادق نہیں آتی۔

اُمّ الفواحش

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْخَمْرُ أُمُّ الْفَوَاحِشِ وَأَكْبَرُ الْكَبَائِرِ مَنْ شَرِبَهَا وَقَعَ عَلَى أُمِّهِ وَخَالَتِهِ وَعَمَّتِهِ. (۲)

شراب تمام فواحش کی جڑ ہے اور سب سے بڑا گناہ، جو اسے پیتا ہے وہ ایسا مست ہوتا ہے کہ اس خبر نہیں ہوتی کہ وہ ماں پر جا پڑا یا خالہ یا پھوپھی پر۔

جب عقل ہی زائل ہو جاتی ہے تو پھر اس کی کیا گارنٹی ہے کہ وہ کیا نہیں کرے گا اور کیا کرے گا، اس وقت اور بھی کہ نشہ کے سرور میں اس کا دماغ آسمان سے باتیں کرتا اور جنسی ہیجان قابو سے باہر ہو، یقیناً اس کو ماں کی تمیز باقی نہیں رہے گی، نہ خالہ کی اور نہ پھوپھی کی۔

شراب نوشی کا انجام

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ فرمایا کہ شراب سے بچو، اس لئے کہ وہ ساری خباثتوں کی جڑ ہے، اور اس کے بعد یہ قصہ سنایا کہ تم سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں، ان میں

---

(۱) سنن ابی داود: كتاب الأشربة، باب فی الداذی، ج۳ ص۳۲۹، رقم الحديث: ۳۶۸۸

(۲) المعجم الكبير للطبرانی، باب العين، عطاء عن ابن عباس، ج۱۱ ص۱۶۴، رقم الحديث: ۱۱۳۷۲ /سنن الدارقطنی، كتاب الأشربة، ج۵ ص۴۴۴، رقم الحديث ۴۶۱۲۔ قال الهيثمی: و فيه عبدالكريم ابو امية، و هو ضعيف۔ و ذكر الالبانی هذا الحديث فی سلسلة الأحاديث الصحيحة ج۴ ص۳۶۸، رقم: ۱۸۵۳

ایک شخص پر ایک بدکار عورت کا دل آ گیا، اس نے اپنی خادمہ کو اس کے پاس بھیجا کہ تو جا اور ان سے میرا نام لے کر کہہ کہ وہ آپ کو گواہی کے لئے بلا رہی ہے۔ خادمہ گئی پیغام سنایا، وہ صاحب اس خادمہ کے ساتھ تشریف لے آئے، جوں ہی وہ اندر داخل ہوئے دروازہ بند ہو گیا، انہوں نے دیکھا کہ ایک پیکرِ حسن و جمال آراستہ بیٹھی ہوئی ہے، اور اس کے پاس ایک لڑکا اور شراب کا ایک مٹکا ہے، اس آنے والے کو دیکھتے ہی وہ ملکہ حسن و جمال آگے بڑھی اور ان سے کہا کہ خدا کی قسم! میں نے آپ کو شہادت کے لئے نہیں طلب کیا ہے بلکہ میری دلی خواہش یہ ہے کہ آپ میرے ساتھ ہمبستر ہوں، یا شراب کا ایک جام میرے ہاتھ سے پی لیں، اور یہ بھی منظور نہیں ہے تو اس لڑکے کو قتل کر ڈالیں، ان میں سے ایک کام بہر حال آپ کو کرنا ہے، بغیر اس کے چھٹکارا نہیں، وہ فکر میں پڑ گئے کہ کہاں آ کر پھنس گیا، سوچ کر کہا کہ شراب کا ایک جام پلا دے، یہ گناہ ذاتی ہوگا اس میں کسی کی حق تلفی کا شائبہ نہیں ہے، عورت نے شراب کا ایک پیالہ پیش کیا انہوں نے اٹھا کر حلق میں انڈیل لیا، شراب نے اپنا اثر دکھایا، ہوش و حواس جاتے رہے، کہنے لگے اور پلا، پھر اس عورت نے اس سے اپنا منہ کالا کیا اور لڑکے کو بھی قتل کرایا، یہ قصہ بیان کرنے کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

فَاجْتَنِبُوا الْخَمْرَ، فَإِنَّهَا وَاللّٰهِ لَا يَجْتَمِعُ الْإِيمَانُ وَإِدْمَانُ الْخَمْرِ إِلَّا لَيُوشِكُ أَنْ يُخْرِجَ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ.(۱)

شراب سے بچو، اللہ کی قسم! شراب اور ایمان دونوں ایک ساتھ جمع نہیں ہوتے مگر یہ کہ ان میں سے کوئی ایک دوسرے کو نکال دیتا ہے۔

شراب نوشی اور ایمان

دوسری روایت میں ہے "يَذْهَبُ أَحَدُهُمَا" ان میں سے ایک نکل بھاگتا ہے، مطلب یہ ہے کہ شراب نوشی شانِ ایمان کے منافی ہے، اور ایک مومن کے لئے زیبا نہیں

---

(۱) سنن النسائي: كتاب الأشربة، ذكر الآثام المتولدة عن شرب الخمر، ج۸ ص۳۱۵، رقم الحديث: ۵۶۶۶

کہ وہ شراب کو ہاتھ لگائے، ایمان عقل وشعور کو چاہتا ہے اور شراب نوشی سے یہ زائل ہوتے ہیں، پھر جب ہوش وحواس قائم نہ رہیں تو جو زبان پر آئے اور آدمی بکتا چلا جائے، خواہ وہ کلماتِ کفر ہی کیوں نہ ہوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَلَا يَشْرَبُ الْخَمْرَ حِينَ يَشْرَبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ...فَإِيَّاكُمْ إِيَّاكُمْ. (۱)

شراب پینے والا جب شراب پیتا ہے تو وہ مؤمن نہیں رہتا، پس تم اس سے بچو، بچو۔

شراب کی انہی برائیوں کی وجہ سے ان تمام لوگوں پر لعنت بھیجی گئی ہے جو اس میں کسی طرح کا بھی حصہ لیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الخَمْرِ عَشَرَةً :عَاصِرَهَا، وَمُعْتَصِرَهَا، وَشَارِبَهَا، وَحَامِلَهَا، وَالمَحْمُولَةُ إِلَيْهِ، وَسَاقِيَهَا، وَبَائِعَهَا، وَآكِلَ ثَمَنِهَا، وَالمُشْتَرِي لَهَا، وَالمُشْتَرَاةُ لَهُ. (۲)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کے سلسلہ میں دس اشخاص کو ملعون قرار دیا ہے، نچوڑنے والے، نچڑوانے والے، پینے والے، اٹھانے والے، جس کے لئے اٹھا کر لائی جائے، پلانے والے، بیچنے والے، خریدنے والے، دینے والے اور اس کی قیمت کھانے والا۔

کسی حالت میں شراب نوشی کی اجازت نہیں

اسلام کسی حال میں شراب نوشی کی اجازت نہیں دیتا۔ دیلم الحمیر ی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضرت! ہم لوگ ایک سرد علاقہ کے باشندہ ہیں جہاں سخت محنت کے کام کرنے پڑتے ہیں، وہاں سردی کی شدت اور محنت شاقہ سے نمٹنے کے لئے شراب نوشی ضروری ہے، یہی وجہ ہے کہ ہمارے گیہوں سے شراب

---

(۱) صحیح ابن حبان: کتاب الجنایات، ج۱۲ ص۳۱۸، رقم الحدیث: ۵۹۷۹

(۲) سنن الترمذی: أبواب البیوع، باب النهی ان یتخذ الخمر خلا، ج۳ ص۵۸۱، رقم الحدیث: ۱۲۹۵

تیار کی جاتی ہے اور ہم لوگ اسے پیتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر پوچھا کہ وہ شراب نشہ آور ہوتی ہے؟ انہوں نے کہا جی نشہ آور ہوتی ہے، آپ نے فرمایا تو پھر اس سے اجتناب کرو۔ حضرت دیلم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، میں نے کہا یا رسول اللہ! وہ لوگ نہیں چھوڑیں گے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فَإِنْ لَمْ يَتْرُكُوهُ فَقَاتِلُوهُمْ. (۱)

وہ سب شراب پینا بند نہ کریں تو ان سے قتال کرو۔

ایک دفعہ حضرت طارق بن سوید جعفی رضی اللہ عنہ نے شراب کے متعلق آپ سے دریافت کیا، تو آپ نے بنانے پر ناگواری کا اظہار فرمایا اور اس سے روک دیا، انہوں نے پوچھا کہ اگر دوا کے لئے تیار کی جائے تو کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا:

إِنَّهُ لَيْسَ بِدَوَاءٍ وَلَكِنَّهُ دَاءٌ. (۲)

یہ دوا نہیں بیماری ہے۔

ابتدائے تحریم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان برتنوں کا استعمال بھی بند کر دیا تھا جن میں شراب بنتی یا رکھی جاتی تھی، گو بعد میں یہ پابندی باقی نہیں رہی، یہ روکنا بطورِ احتیاط تھا، ورنہ برتنوں میں کوئی تاثیر نہیں۔ ارشادِ نبوی ہے:

نَهَيْتُكُمْ عَنِ الظُّرُوفِ، وَإِنَّ الظُّرُوفَ لَا يُحِلُّ شَيْئًا وَلَا يُحَرِّمُهُ، وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ. (۳)

---

(۱) سنن أبی داود : كتاب الأشربة، باب النهی عن المسكر، ج۳ ص۳۲۸، رقم الحديث: ۳۶۸۳

(۲) صحيح مسلم : كتاب الأشربة، باب تحريم التداوی بالخمر، ج۳ ص۱۵۷۳ رقم الحديث: ۱۹۸۴

(۳) صحيح مسلم : كتاب الأشربة، باب كراهة إنتباذ التمر والزبيب مخلوطين، ج۳ ص۱۵۸۵ رقم الحديث: ۱۹۹۹

میں نے مخصوص برتنوں کے استعمال سے تم کو منع کر دیا تھا، کوئی برتن نہ تو کسی چیز کو حلال کرتا ہے اور نہ حرام، حرام تو ہر نشہ آور شئ ہے۔

فقہاء کرام بھی شراب کے استعمال کی دواء میں اجازت نہیں دیتے، مگر اس صورت میں کہ کسی مرض کا علاج صرف شراب ہی سے ممکن ہو کوئی دوسری دوا نہ ہو، اور مسلمان طبیب حاذق اس کا استعمال مفید بتائے تو اس انتہائی مجبوری میں بقدرِ ضرورت اس کی اجازت دیتے ہیں، گویا یہ اضطرار کا درجہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص ایسے بچوں کو شراب پلاتا ہے جن کو حرام و حلال کی تمیز نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کو حق ہے کہ اس پلانے والوں کو دوزخیوں کا خون اور پیپ پلائے۔ (۱)

شراب نوشی خلافِ فطرت ہے

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لیلۃ القدر میں دو پیالے ایک دودھ کا اور ایک شراب کا پیش کیے گئے، تو آپ نے دودھ والا پیالہ پسند فرمایا، اور شراب کے پیالہ کو ہاتھ نہیں لگایا، اس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی هَدَاكَ لِلْفِطْرَةِ، لَوْ اَخَذْتَ الخَمْرَ غَوَتْ أُمَّتُكَ. (۲)

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے آپ کی رہنمائی فطرت کی طرف کی، اگر آپ شراب کا پیالہ اٹھا لیتے تو آپ کی اُمت گمراہ ہو جاتی۔

مے نوشی کا علاماتِ قیامت میں شمار ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

---

(۱) سنن ابی داود: کتاب الأشربة، باب النهی عن المسکر، ج۳ ص۳۲۷، رقم الحدیث: ۳۶۸۰

(۲) صحیح البخاری: کتاب تفسیر القرآن، باب قوله: اسری بعبده لیلا من المسجد الحرام، ج۶ ص۸۳، رقم الحدیث: ۴۷۰۹

مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ:اَنْ يَظْهَرَ الجَهْلُ، وَيَقِلَّ العِلْمُ،وَيَظْهَرَ الزِّنَا، وَتُشْرَبَ الخَمْرُ،وَيَقِلَّ الرِّجَالُ،وَيَكْثُرَ النِّسَاءُ،حَتّٰى يَكُونَ لِخَمْسِينَ امْرَاَةً قَيِّمُهُنَّ رَجُلٌ وَاحِدٌ. (۱)

قیامت کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ جہالت عام ہو جائے گی، علم کم ہو جائے گا، زنا عام طور پر ہونے لگے گا، شراب بکثرت پی جائے گی، مردوں کی تعداد کم ہوگی اور عورتوں کی زیادہ، اس طرح کہ پچاس عورتوں پر ایک مرد نگران ہوگا۔

شراب کی قلیل مقدار بھی حرام ہے

شراب جس طرح زیادہ حرام ہے اس کی تھوڑی بھی حرام ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ، وَمَا اَسْكَرَ مِنْهُ الْفَرْقُ فَمِلْءُ الْكَفِّ مِنْهُ حَرَامٌ. (۲)

ہر نشہ آور حرام ہے، جس کا ایک فرق (سولہ رطل) نشہ آور ہو اس کا ایک چلو بھی حرام ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَا اَسْكَرَ كَثِيرُهُ فَقَلِيلُهُ حَرَامٌ. (۳)

جس کا کثیر نشہ لائے اس کا قلیل بھی حرام ہے۔

---

(۱) صحيح البخاري : كتاب الأشربة،باب : ج۷ ص۱۰۴، رقم الحديث :۵۵۷۷

(۲) سنن أبي داود : كتاب الأشربة، باب النهي عن المسكر، ج۳ ص۳۲۹، رقم الحديث: ۳۶۸۷

(۳) سنن أبي داود : كتاب الأشربة، باب النهي عن المسكر، ج۳ ص۳۲۷، رقم الحديث: ۳۶۸۱

شراب جس چیز سے بھی بنے حرام ہے

پھر یہ بھی مسلّم ہے کہ شراب جس چیز سے بھی تیار کی جائے وہ حرام ہے، یوں عہد نبوی میں پانچ چیزوں سے شراب تیار ہوتی تھی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

خَطَبَ عُمَرُ عَلَى مِنْبَرِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: إِنَّهُ قَدْ نَزَلَ تَحْرِيمُ الخَمْرِ وَهِيَ مِنْ خَمْسَةِ اَشْيَاءَ: العِنَبِ وَالتَّمْرِ وَالحِنْطَةِ وَالشَّعِيرِ وَالعَسَلِ. (۱)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر چڑھ کر خطاب فرمایا کہ جس وقت شراب حرام قرار دی گئی تھی، اس وقت شراب پانچ چیزوں سے بنتی تھی، انگور، کھجور، گیہوں، جو اور شہد۔

اور آخر میں ارشاد فرمایا:

وَالخَمْرُ مَا خَامَرَ العَقْلَ. (۲)

اور شراب اُسے کہتے ہیں جو عقل کو ڈھانپ دے۔

غالباً آپ یہ بتانا چاہتے تھے کہ نزولِ تحریم کے وقت عرب میں ان پانچ چیزوں سے شراب بنانے کا رواج تھا، مگر حدیثِ نبوی میں شراب کے متعلق جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شراب انہی پانچ چیزوں میں منحصر نہیں ہے، بلکہ شراب جس چیز سے بھی تیار کی جائے اگر وہ نشہ آور ہے اور عقل کو زائل کرنے میں وہی اثر رکھتی ہے جو ان اشیاء سے تیار کردہ شراب رکھتی ہے تو بلا شبہ اس شراب کا حکم اور اس

---

(۱) صحیح البخاری: کتاب الأشربۃ، باب ما جاء ان الخمر خامر العقل من الشراب، ج۷ص۱۰۶، رقم الحدیث: ۵۵۸۸

(۲) صحیح البخاری: کتاب الأشربۃ، باب ما جاء أن الخمر خامر العقل من الشراب، ج۷ص۱۰۶، رقم الحدیث: ۵۵۸۸

کی حرمت ویسی ہی ہوگی، دوسری حدیثوں سے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول کی تائید ہوتی ہے۔

احناف شراب کی جو تعریف کرتے ہیں وہ صرف انگوری شراب پر صادق آتی ہے، مگر اس کے ساتھ یہ ہر اُس شراب کو حرام کہتے ہیں جو نشہ آور ہو اور کسی بھی چیز سے بنائی جاتی ہو، اور وہ مقدار میں زیادہ ہو یا کم دونوں صورتوں میں حرام ہے:

وَنَقَلَ الطَّحَاوِیُّ ..عَنْ اَبِی حَنِیفَةَ الْخَمْرُ حَرَامٌ قَلِیلُهَا وَكَثِیرُهَا وَالسُّكْرُ مِنْ غَیْرِهَا حَرَامٌ وَلَیْسَ كَتَحْرِیمِ الْخَمْرِ.(۱)

امام طحاوی رحمہ اللہ نے حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ شراب خواہ تھوڑی ہو خواہ زیادہ حرام ہے، اس کے علاوہ دوسری چیزوں کا نشہ بھی حرام ہے، گو وہ تحریم خمر کے درجہ میں نہیں ہے۔

شراب اور اسلام

جو کچھ پیش کیا گیا اس سے یہ بات صراحت کے ساتھ معلوم ہوئی کہ شراب عقل کو زائل کرتی ہے اور اس میں دوسرے بیسیوں مفاسد اور شر و فساد ہیں، یہ اسی لائق تھی کہ اسے حرام قرار دیا جائے، اور لوگوں کو اس قبیح چیز سے بچایا جائے، اور آج تجربہ کے بعد ساری دنیا یہی چاہتی ہے کہ شراب نوشی بند ہونی چاہیے، یہاں ایک نوٹ اور پڑھنے کی زحمت گوارا فرمائیں:

دنیا کے اکیلے مذہب (اسلام) نے اپنی شراب کے بدنتائج دیکھ کر اس سے روکا، یہودیوں میں شراب کی حرمت قطعی نہ تھی، بلکہ بعض اوقات اس کی تعریف بھی کر دی ہے۔ حکمائے یہود سے بعض نے یہاں تک کہہ دیا کہ جہاں شراب نہ ہو وہاں دوائیوں کی ضرورت پڑتی ہے، ہندوؤں میں بھی شراب کا استعمال کتبِ مقدسہ کی بنا پر جائز مانا گیا ہے، جو چیزیں دیوتاؤں کو پیش کی جاتی

(۱) فتح الباری: کتاب الأشربة، باب الخمر من العنب، ج۱۰ ص۳۶

ہیں ان میں سے ایک شراب بھی ہے۔ منوسمرتی میں ہے کہ ماس اور شراب ان دونوں کے کھانے میں کچھ دوش نہیں۔ منوسمرتی ہی سے یہ ثابت ہے کہ بعض مذہبی تیوہاروں میں شراب پینے میں کچھ دوش نہیں، عیسائیت نے تو حد کر دی کہ مذہب کی بنیاد ہی گویا شراب پر رکھ دی۔ انجیل میں حضرت مسیح کا سب سے پہلا معجزہ ہی یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک شادی میں جب شراب کچھ کم ہوگئی اور لوگ پورے بدمست نہ ہوئے تھے تو حضرت مسیح نے پانی کے مٹکوں کو شراب میں تبدیل کر کے اس کمی کو پورا کیا، یوں کہنا چاہیے کہ اس معجزہ میں عیسائی مذہب کی آئندہ تاریخ کا نقشہ کھینچا ہے کہ یہ قوم پانی کی جگہ شراب ہی پئے گی، مگر اس سے بھی بڑھ کر یہ ہے کہ کوئی شخص عیسائی رہ نہیں سکتا جب تک سال بھر میں ایک دفعہ شراب نہ پئے کیونکہ عید فسح میں شراب جز لازم ہے، بلکہ اسی شراب کے گھونٹ کو مسیح کے خون کے قائم مقام قرار دے کر اتحادِ عیسائیت کی بنیاد قرار دیا گیا ہے، گویا عیسائیت کا اجتماع روٹی کے ٹکڑے اور شراب کے پیالہ پر ہے۔ شراب کے خطرناک دیو کو ہلاک کرنے کے لئے اسی عظیم الشان قوت قدسی کی ضرورت تھی جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کسی کو نہیں دی گئی، اور آپ کی یہ قوت درجہ کمال کو پہنچی ہوئی تھی کہ وہ چیز جس کی خطرناک گرفت سے ایک انسان کو بچانا بھی مشکل ترین کام ہے، اس سے آپ نے آناً فاناً ایک قوم کی قوم اور ایک ملک کے ملک کو ایسا پاک کر دیا کہ شراب تو کیا وہ برتن بھی باقی نہ رہے جن میں شراب بنائی جاتی تھی۔ (۱)

شراب نوشی کی سزا

شراب کی دنیوی مضرتوں اور اخلاقی قباحتوں کا انکار ممکن نہیں، قرآنِ پاک اور

---

(۱) بیان القرآن از محمد علی قادیانی: ج ۱ ص ۱۹۳

احادیثِ نبوی میں ان مفاسد کی طرف جو اشارے کئے گئے ہیں وہ آپ پڑھ چکے، اسلام نے اپنے اصول کے مطابق پہلے دلوں میں نفرت پیدا کرنے کی سعی کی ہے، شراب نوشی اور جرائم کا جو باہمی تعلق ہے کم وبیش ہر تجربہ کار اور صاحبِ فضل وکمال کے علم میں ہے، اگر تفصیل دیکھنا چاہیں تو تفسیر المنار جلد ہفتم کا مطالعہ کریں۔ (۱)

اسلام نے صرف سمجھانے پر ہی اکتفاء نہیں کیا ہے بلکہ اس نے اس کے مرتکب کے لئے قانون بھی وضع کیا ہے تاکہ شراب نوشی بند ہو، اور اس راستہ سے جو خانہ جنگی، بغض وعداوت، ملکی امن وامان میں خلل اور دوسری مصیبتیں پیش آتی رہتی ہیں، ان پر آہنی دیوار تعمیر ہو سکے۔ شراب نوشی کا جرم جس پر ثابت ہو جائے گا، اقرار سے ہو یا شرعی شہادتوں سے، اگر وہ عاقل، بالغ اور مسلمان ہے مجبور ومضطر نہیں ہے تو اس پر حد جاری ہوگی، فقہ کی کتابوں میں تفصیلات موجود ہیں کہ کن صورتوں میں حد جاری ہوتی ہے اور کن حالتوں میں حد جاری نہیں ہوتی، مثلاً صرف شراب کی بو، یا اس کی قے پر حد نہیں لگتی، اسی وجہ سے حکم ہے کہ مقدمہ جب حکم کے پاس آئے تو وہ گواہوں سے دریافت کرے کہ شراب کی ماہیت کیا ہے، پینے والے نے بخوشی پی، یا جبر اور دباؤ سے، کب پی اور کہاں پی، پھر وہ یہ بھی دیکھے کہ گواہ شرعی قانون کے مطابق معتبر ہیں یا نہیں، مقدمہ جب ان تمام منزلوں سے گزر کر پورے طور پر ثابت کر دے کہ مجرم نے ٹھیک شراب پی ہے تو اس کو اسی کوڑے مارے جائیں گے، مگر اس طرح کہ بدن کے مختلف حصوں ماریں جائیں کہیں پر چوٹ نہ آئے، یہ سزا ان ملکوں میں جاری ہوگی جہاں اقتدار مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے۔

سزا عہدِ نبوی میں

اسی کوڑے کی سزا عہد صحابہ رضی اللہ عنہم میں طے پائی ہے، مگر کتاب وسنت کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ عہد نبوی میں اس طرح کی کوئی متعین سزا نہ تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱) تفسیر المنار: سورۃ المائدۃ، آیت نمبر ۹۰ کے تحت، ج ۷ ص ۴۳ تا ۵۴ کا مطالعہ کریں۔

کے عہد میں جس پر یہ جرم ثابت ہو جاتا یا وہ آ کر اقرار کرتا اور آپ سے حد جاری کرنے کی التجاء کرتا، تو آپ کسی کو پٹائی کا حکم فرما دیتے، کوئی ہاتھ سے مارتا، کوئی جوتے سے، کوئی کوڑے سے، اور کوئی کھجور کی شاخ سے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک شرابی خدمتِ نبوی میں لایا گیا، اس کا جرم ثابت تھا، آپ نے صحابہ کرام سے فرمایا:

اِضْرِبُوْهُ قَالَ اَبُو هُرَيْرَةَ :فَمِنَّا الضَّارِبُ بِيَدِهِ،وَالضَّارِبُ بِنَعْلِهِ، وَالضَّارِبُ بِثَوْبِهِ. (۱)

اس کی پٹائی کرو، حکم ملتے ہی ہم میں سے کوئی ہاتھ سے مارنے لگا، کوئی اپنے جوتے سے، کوئی اپنے کپڑے سے۔

اس سزا کے بعد جب وہ واپس ہوا تو کسی نے اس کو مخاطب کر کے کہا، اللہ تجھ کو ذلیل کرے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ جملہ سنا تو فرمایا:

لَا تَقُولُوا هَكَذَا، لَا تُعِينُوا عَلَيْهِ الشَّيْطَانَ. (۲)

ایسا نہ کہو، اور اس کے خلاف شیطان کی مدد نہ کرو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شرابی کو ایسی چیز سے مارنا درست تھا جس سے اسے اذیت پہنچے مگر اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ وہ آلہ مہلک نہ ہو، دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ کسی برائی کرنے والے کو سزا کے بعد بد دعا نہ دی جائے، کیونکہ یہ اس وقت تمام مسلمانوں کی دعاؤں کا محتاج ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی ہدایت فرمائیں۔ حدیث میں عبداللہ نامی ایک شخص کا واقعہ مذکور ہے، جن کا لقب ''حمار'' تھا، اور جن کی باتوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑتے تھے، کیونکہ ان کے مزاج میں ایسی خوش طبعی تھی کہ ان کی باتوں پر خواہ مخواہ ہنسی آتی تھی، شراب نوشی کے سلسلہ میں ان کو سزا دی گئی تھی، یہ جب مجرم کی حیثیت سے دربارِ نبوی

---

(۱) صحیح البخاری: کتاب الحدود، باب الضرب بالجريد والنعال، ج۸ ص۱۵۸، رقم الحديث: ٦٧٧٧

(۲) صحیح البخاری: کتاب الحدود، باب الضرب بالجريد والنعال، ج۸ ص۱۵۸، رقم الحديث: ٦٧٧٧

میں حاضر ہوئے تو حسبِ دستور سزا دی گئی، اسی سزا کے درمیان کسی کے منہ سے نکل گیا، اے اللہ! اس پر لعنت فرما کہ یہ شراب جیسی گندی چیز کو منہ لگاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کان میں لعنت کی جب آواز پہنچی، تو آپ نے فرمایا:

لَا تَلْعَنُوهُ، فَوَاللّٰهِ مَا عَلِمْتُ إِنَّهُ يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ. (۱)

اس پر لعنت نہ بھیجو، میں جانتا ہوں کہ یہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔

قانونی سزا تو بے شک دی جائے، مگر ایک مسلمان دوسرے پر لعنت نہ بھیجے، بددعا کی جگہ ایسا شخص دعاؤں کا محتاج ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے حرام کے ارتکاب سے آئندہ بچائے اور اپنی مرضیات پر چلائے۔

سزا عہدِ صحابہ میں

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت بلکہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دورِ خلافت میں بھی شراب نوشی کی سزا چالیس کوڑے تھی، مگر جب اس طرح کے مقدمات زیادہ آنے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کو جمع کر کے اس مسئلہ پر گفتگو کی تاکہ کوئی مؤثر سزا متعین ہو جائے، گفتگو اور بحث ومباحثہ کے بعد متفقہ طور پر اسی کوڑے کی سزا طے پائی، جو سزا قرآن نے تہمت لگانے والے کے لئے بیان کی ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

اَنَّ نَبِیَّ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَلَدَ فِي الْخَمْرِ بِالْجَرِيدِ، وَالنِّعَالِ، ثُمَّ جَلَدَ اَبُو بَكْرٍ اَرْبَعِينَ، فَلَمَّا كَانَ عُمَرُ وَدَنَا النَّاسُ مِنَ الرِّيفِ وَالْقُرَى، قَالَ: مَا تَرَوْنَ فِي جَلْدِ الْخَمْرِ؟ فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ: اَرَى اَنْ تَجْعَلَهَا كَاَخَفِّ الْحُدُودِ، قَالَ: فَجَلَدَ عُمَرُ ثَمَانِينَ. (۲)

(۱) صحیح البخاری: کتاب الحدود، باب ما یکرہ من لعن شارب الخمر ۔۔۔ الخ، ج۸ ص۱۵۸، رقم الحدیث: ۶۷۸۰

(۲) صحیح مسلم: کتاب الحدود، باب حد الخمر، ج۳ ص۱۳۳۱، رقم الحدیث: ۱۷۰۶

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شرابی کو کھجور کی شاخ اور جوتے لگوائے، اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے چالیس کوڑے سزا مقرر کی، لیکن جب عہد فاروقی میں سبزہ زاروں اور آبادیوں سے لوگ جمع ہو گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مشورہ کیا کہ شراب کی کیا سزا رکھی جائے۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میری رائے میں حدود میں جو سب سے ہلکی سزا ہے وہ آپ مقرر کردیں، لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُسی کوڑے سزا مقرر کردی۔

ماحصل یہ ہے کہ اس سزا پر صحابہ کا اجماع ہو گیا، سب نے ہی اس کی تائید کی کسی نے مخالفت نہیں کی، استدلال تہمت لگانے والے کی سزا سے کیا، کیونکہ شراب پینے والے کی عقل جاتی رہتی ہے وہ حالت نشہ میں اول فول بکتا ہے اور وہ خواہ مخواہ کسی پر الزام لگاتا پھرتا ہے، گویا افترا پردازی تک اس کی بات پہنچ جاتی ہے، اور افترا پرداز کی سزا قرآن نے اُسی کوڑے مقرر کی ہے، لہٰذا شرابی کی سزا بھی زیادہ سے زیادہ یہی ہو سکتی ہے۔ حدیث میں ہے:

عَنْ ثَوْرِ بْنِ زَيْدٍ الدِّيلِيِّ، اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، اسْتَشَارَ فِي الْخَمْرِ يَشْرَبُهَا الرَّجُلُ فَقَالَ لَهُ عَلِيُّ بْنُ اَبِي طَالِبٍ :نَرَى اَنْ تَجْلِدَهُ ثَمَانِينَ .فَإِنَّهُ إِذَا شَرِبَ سَكِرَ .وَإِذَا سَكِرَ هَذَى، وَإِذَا هَذَى افْتَرَى . اَوْ كَمَا قَالَ :فَجَلَدَ عُمَرُ فِي الْخَمْرِ ثَمَانِينَ. (۱)

ثور بن زید الدیلی کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شراب نوشی کی سزا کے سلسلہ میں صحابہ سے مشورہ طلب کیا۔ آپ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ اُسی کوڑے سزا مقرر فرمایئے، اس لئے کہ شرابی جب شراب پیتا ہے مدہوش ہو جاتا ہے، اور جب وہ ہوش و حواس کھو دیتا ہے بکواس پر اتر آتا ہے،

---

(۱) موطا مالك : كتاب الأشربة، باب الحد في الخمر، ج۲ ص۸۴۲، رقم الحديث:۳۱۱۷

اور بکواس میں افترا پردازی کرتا ہے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شراب کے لئے اسی کوڑے سزا مقرر کر دی۔

اسّی کوڑے کا ثبوت حدیث سے

یہ تو آپ پڑھ چکے کہ قرآن پاک میں قاذف کی جو سزا بیان کی گئی ہے، صحابہ کرام نے اسی پر قیاس کر کے شرابی کی سزا اسی کوڑے طے کی، مگر اسی کے ساتھ بعض حدیثوں میں اس طرف اشارہ ملتا ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شرابی کو جو سزا دی وہ زیادہ سے زیادہ اسی تک پہنچتی ہے، بہت ممکن ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذہنوں میں آپ کا یہ عمل بھی رہا ہو۔ ایک حدیث ہے:

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُتِیَ بِرَجُلٍ قَدْ شَرِبَ الْخَمْرَ، فَجَلَدَہُ بِجَرِیْدَتَیْنِ نَحْوَ اَرْبَعِیْنَ. وَفِی التِّرْمِذِیْ ضَرَبَ الْحَدَّ بِنَعْلَیْنِ اَرْبَعِیْنَ. (۱)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک ایسا شخص لایا گیا جس نے شراب پی تھی، آپ نے کھجور کی دو شاخیں ملا کر تقریباً چالیس مرتبہ مارا۔ اور ترمذی میں ہے کہ آپ نے شرابی کو دو جوتے ملا کر چالیس لگوائے۔

''صحیح مسلم'' میں مکمل روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے:

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُتِیَ بِرَجُلٍ قَدْ شَرِبَ الْخَمْرَ، فَجَلَدَہُ بِجَرِیْدَتَیْنِ نَحْوَ اَرْبَعِیْنَ، قَالَ: وَفَعَلَہُ اَبُوْ بَکْرٍ، فَلَمَّا کَانَ عُمَرُ اسْتَشَارَ النَّاسَ، فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ: اَخَفَّ الْحُدُوْدِ ثَمَانِیْنَ، فَاَمَرَ بِہٖ عُمَرُ. (۲)

---

(۱) صحیح مسلم: کتاب الحدود، باب الخمر، ج۳ ص۱۳۳۰، رقم الحدیث:۱۷۰۶

(۲) صحیح مسلم: کتاب الحدود، باب حد الخمر، ج۳ ص۱۳۳۰، رقم الحدیث:۱۷۰۶/ سنن الترمذی: ابواب الحدود، باب ماجاء فی حد السکران، ج۴ ص۴۷، رقم الحدیث:۱۴۴۲

خدمتِ نبوی میں ایک شرابی لایا گیا، آپ نے کھجور کی دو ٹہنیوں سے تقریباً چالیس مرتبہ مارا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی ایسا ہی کیا، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا تو آپ نے لوگوں سے مشورہ کیا، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا سب سے کم حد اَسی کوڑے ہیں، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی کوڑے کا حکم نافذ کر دیا۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل حدِ خمر میں اَسی تک پہنچتا ہے، یہ اس وقت جب یہ تسلیم کیا جائے کہ دو شاخیں یکے بعد دیگرے استعمال کی گئیں، ایک جب ٹوٹ گئی تو دوسرے سے مارنا شروع کیا، جیسا کہ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے اس طرف اشارہ کیا ہے، پھر انہوں نے لکھا ہے:

وَقَوْلُ الرَّاوِي بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَمَّا كَانَ عُمَرُ اسْتَشَارَ ...... لَا يُنَافِي ذٰلِكَ فَإِنَّ حَاصِلَهُ أَنَّهُ اسْتَشَارَ فَوَقَعَ الْإِخْتِيَارُ عَلَى تَقْدِيرِ الثَّمَانِينَ الَّتِي اِنْتَهَى عَلَيْهَا فِعْلُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (۱)

اس کے بعد راوی کا بیان ہے "فَلَمَّا كَانَ عُمَرُ اسْتَشَارَ" یہ اس کے منافی نہیں ہے، کیونکہ حاصل یہ ہے کہ مشورہ کرنے کے بعد وہی اسی کوڑے سزا طے پائی جس اَسی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل جا کر ختم ہوا۔

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اَسی کوڑے سزا اس وقت طے پائی جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں لوگوں کے اندر آزادی زیادہ آگئی:

---

(۱) مرقاة المفاتيح: كتاب الحدود، باب حد الخمر، الفصل الأول، ج۶ ص۲۳۷۲، رقم الحديث: ۳۶۱۶

حَتَّى إِذَا عَتَوْا وَفَسَقُوا جَلَدَ ثَمَانِينَ. (۱)

یہاں تک کہ جب لوگوں کی سرکشی بڑھ گئی اور فسق کا زور ہوا تو اسی کوڑے مارے جانے لگے۔

عہدِ صحابہ کی طے کردہ سزا پر زیادتی دُرست نہیں

خلفائے راشدین کے عہد خلافت میں صحابہ کرام کے باہمی اتفاق سے جو سزا متعین ہو چکی ہے اس میں کمی بیشی درست نہیں ہے خواہ کچھ ہو جائے۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ثَمَانِينَ اَىْ لِلسِّيَاسَةِ وَاَجْمَعَ عَلَيْهِ الصَّحَابَةُ فَلَا يَجُوزُ لِاَحَدٍ الْمُخَالَفَةُ مَعَ اَنَّ الْعُتُوَّ هَلُمَّ جَرًّا فِي الزِّيَادَةِ. (۲)

شراب نوشی کی سزا اسی کوڑے طے پائی جس پر تمام صحابہ کرام متفق تھے، اب کسی کے لئے اس کی مخالفت جائز نہیں ہے، گو سرکشی میں دن بہ دن اضافہ ہے۔

علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ کے حوالہ سے علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ جمہور (از علمائے سلف تا خلف) کے نزدیک شراب نوشی کی سزا طے ہے، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اس سزا پر تمام صحابہ کرام کا اجماع ہو چکا ہے، کسی صحابی نے اس کی مخالفت نہیں کی، بعد میں جن ایک آدھ لوگوں نے مخالفت کی ہے وہ قابلِ توجہ نہیں ہے، اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ تمہارے لئے میری اور خلفاء راشدین کی سنت پر عمل لازم ہے:

---

(۱) صحیح البخاری: کتاب الحدود، باب الضرب بالجرید و النعال، ج۸ ص۱۵۸، رقم الحدیث: ۶۷۷۹

(۲) مرقاۃ المفاتیح: ج۶ ص۲۳۷۱

وقال ابن عبد البر الجمهور من علماء السلف والخلف على أن الحد في الشرب ثمانون، وهو قول الثوری والأوزاعي وإسحاق وأحمد وأحد قولي الشافعي، واتفق إجماع الصحابة في زمن عمر على ذلك، ولا مخالف لهم، وعلى ذلك جماعة من التابعين، والخلاف في ذلك كالشذوذ المحجوج بالجمهور ...وقال النبي عليه السلام :عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين .انتهى (۱)

شراب پینے پر سزا کیوں

رَبّ العالمین کا یہ فضل واحسان ہے کہ اس نے ایک آفت ڈھانے والی شئی کو حرام قرار دیا، اور خلاف ورزی کرنے والے کی سزا کا اعلان کیا، ورنہ دوسری قوموں کی طرح اسلام بھی امن قائم کرنے میں کامیاب نہ ہوتا، اور بہت سے لوگوں کے اخلاق واعمال پاکیزگی سے محروم ہوتے، غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے جہاں جو سزا متعین کی ہے، وہ انسانی نفسیات کے مطابق ہے، جن حرام چیزوں میں کشش زیادہ ہے متعین سزا ان کے لئے ہی تجویز کی گئی ہے، جو حرام چیز جاذبیت نہیں رکھتی اس کے لئے متعین سزا نہیں ہے، مثلاً پاخانہ اور پیشاب بھی حرام اشیاء ہیں، مگر ان کے استعمال پر کوئی متعین سزا قانون میں نہیں ہے، کیونکہ دنیا جانتی ہے کہ ان کے نام سے ہی گھن پیدا ہوتی ہے۔ پھر اسی کے ساتھ یہ بات بھی ہے کہ جن حرام چیزوں کے استعمال پر حد ہے ان میں بے انتہا مفاسد ہیں، جو دوسری چیزوں میں نہیں، اسی شراب نوشی کو لے لیجئے کہ یہ اخوت ومساوات، یکجہتی ویگانگت اور محبت واخلاص کے لئے زہر ہلاہل ہے، کوئی ذی علم انکار نہیں کر سکتا کہ جن ممالک اور مذاہب میں شراب نوشی پر پابندی نہیں ہے، ان میں جرائم وفحاشی کی اس حد تک

---

(۱) التعليق الممجد على موطا محمد : كتاب الحدود، باب الحد في الشرب، ج۳ ص۱۰۷، ۱۰۸

بہتات ہے کہ زعمائے قوم عاجز آ چکے ہیں، اور ان ممالک و مذاہب کی دولت کا بڑا حصہ اس ام الخبائث اور اس کے لوازم پر برباد ہوتا رہتا ہے، علاوہ ازیں اس سے پیدا شدہ متعدی امراض نے ان ملکوں کو تباہ کر رکھا ہے۔

یورپ کے اندر بلجیم ایک مختصر سا ملک ہے، جس کی آبادی تین ملین سے زیادہ نہیں ہے، مگر وہاں شراب نوشی کا یہ عالم ہے کہ اس چھوٹے سے ملک میں ایک لاکھ نوے ہزار شراب خانے قائم ہیں، ہر پینتیس (۳۵) افراد پر ایک شراب خانہ پڑتا ہے۔ جن افراد میں مرد، عورت، بوڑھے، بچے، بیمار و صحت مند سبھی شامل ہیں، گزشتہ صدی کے اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ اگر آبادی میں پچاس فی صد ترقی ہے تو اس کے مقابلہ میں شراب خانوں میں (۵۸) فیصد اضافہ ہے، اہل بلجیم سال میں (۵۵) گیلن شراب پی جاتے ہیں، جس پر مجموعی رقم دو کروڑ دس لاکھ چالیس ہزار پونڈ خرچ ہوتی ہے، اس کا مطلب یہ کہ ستاون ہزار چھ سو پونڈ صرف شراب پر ملک کا سرمایہ خرچ ہوتا ہے، اس کے نتائج میں جرائم کا یہ حال ہے کہ اسی فیصد خودکشی پر مجبور ہوتے ہیں، ۷۴ قید خانہ کی زینت بنتے ہیں۔ ۷۹ فقر و فاقہ کی زندگی گزارتے ہیں اور ۷۵ فیصدی پاگل ہیں، امریکہ نے شراب بندی پر کروڑوں روپے پانی کی طرح بہائے مگر اسے کامیابی حاصل نہ ہو سکی، کیونکہ بات قابو سے باہر ہو چکی تھی۔

تعزیر اسلام میں

قصاص و حدود کی تفصیل کے بعد ضرورت ہے کہ آپ ان سزاؤں پر بھی ایک نگاہ ڈال لیں جن کی تعیین والی، قاضی کے سپرد ہے، بڑے بڑے جرائم کی اسلام نے نشاندہی کی ہے، اور ان کی سزاؤں کی تفصیل بھی بیان کی ہے، مگر وہ دوسرے جرائم جن کی کوئی سزا متعین نہیں ہے، اسلام نے ان کے متعلق کچھ ضروری ہدایتیں دے کر حاکم وقت کی صوابدید پر چھوڑ دیا ہے۔ کتبِ فقہ میں اس طرح کی سزائیں ''تعزیر'' کے عنوان سے مذکور ہیں۔

تعزیر کے لغوی معنی ہیں منع کرنا، باز رکھنا، ملامت کرنا، پھر اس لفظ کا استعمال تنبیہ و تادیب کے معنی میں ہونے لگا، اس کا مقصد مجرم کو دوبارہ ارتکاب جرم سے روکنا اور قانون کا پابند بنانا ہوتا ہے۔ اس سلسلہ کی سزاؤں کے باب میں امیر المؤمنین یا حکومت کو قانون سازی کا اختیار حاصل ہے۔

سزا کی تفصیل

شریعت میں سزاؤں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تین طرح کی ہیں۔

۱...... وہ سزائیں جسے اللہ تعالیٰ نے متعین کر دیا ہے مگر ان کے اجراء کا مسئلہ خود بندوں پر چھوڑ دیا ہے، کسی خارجی طاقت جیسے حاکم یا حکومت کو دخل انداز ہونے کا حکم نہیں ہے، یا کہئے کہ یہ معاملہ خود اس کے اور خدا کے درمیان ہے، اس طرح کی سزا کا نام شریعت میں کفارہ ہے، جیسے قسم کی خلاف ورزی کرنا اور رمضان میں بغیر عذر شرعی کھانا پینا۔

۲...... وہ سزائیں جنہیں حکومت یا حکومت کے ذمہ دار افراد نافذ کرتے ہیں اس کی دو قسمیں ہیں۔

الف...... وہ سزائیں جو کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوں اور ساتھ ہی متعین ہیں، مگر ان میں حکومت کو قانون سازی کا کوئی اختیار نہیں، انہیں شریعت میں حد کہتے ہیں، جیسے چوری، زنا، شراب نوشی کی سزائیں۔

ب...... وہ سزائیں جنہیں کتاب وسنت نے متعین تو نہیں کیا ہے، مگر جن جرائم کی یہ سزائیں ہیں ان کو جرائم کی فہرست میں داخل کیا ہے، البتہ سزا کی تعیین کا مسئلہ حاکم یا حکومت کے سپرد کر کے چھوڑ دیا ہے کہ وہ موقع ومحل اور ضرورت کے مطابق سزا خود متعین کریں، گویا اس قسم کی سزاؤں میں حکومت کو قانون سازی کا حق حاصل ہے، مگر اس دائرہ کے اندر رہ کر جو شریعت نے متعین کر رکھا ہے، یہ سزائیں اصطلاح شریعت میں ''تعزیر'' کہلاتی ہیں۔

حد اور تعزیر میں فرق

حد اور تعزیر میں بنیادی فرق یہ ہے:

۱...... حد حق اللہ کو کہتے ہیں، اس وجہ سے اس میں بندہ کوئی تصرف نہیں کرسکتا، اور تعزیر کو حق العبد کہا جاتا ہے، پس اس وجہ سے بندہ دوسرے کو اس حق سے بری بھی کرسکتا ہے اور معاف بھی کرسکتا ہے:

التَّعْزِیرُ حَقُّ الْعَبْدِ غَالِبٌ فِیهِ فَیَجُوزُ فِیهِ الْإِبْرَاءُ وَالْعَفْوُ. (۱)

اور زیادتی و کمی بھی، اور موقع ومحل اور جرم کی نوعیت کے اعتبار سے سزا کی نوعیت بھی بدل سکتا ہے۔ قصاص حد بھی ہے اور تعزیر بھی، کیونکہ اس میں بندے کو اختیار ہے کہ مجرم کو معاف کردے، مگر فعل کی سزا چوں کہ قصاص متعین ہے اس لئے قصاص حد ہے، کیونکہ کسی کو اس متعین سزا میں ردوبدل کا قطعاً کوئی حق نہیں ہے۔

۲...... حد نابالغ پر واجب نہیں ہوتی، مگر تعزیر کا اجراء جائز ہے:

وَأَنَّ الْحَدَّ لَا یَجِبُ عَلَى الصَّبِیِّ وَالتَّعْزِیرَ شُرِعَ عَلَیْهِ. (۲)

۳...... شک وشبہ کی حالت میں حد جاری نہیں ہوسکتی بلکہ حکم یہ ہے کہ ذرا سا شبہ بھی ہو جائے تو حد جاری نہ کی جائے، مگر تعزیر شبہ کے باوجود جاری کی جاسکتی ہے، بلکہ بسا اوقات واجب ہوتی ہے:

وَأَنَّ الْحَدَّ یُدْرَأُ بِالشُّبُهَاتِ وَالتَّعْزِیرَ یَجِبُ مَعَهَا. (۳)

---

(۱) الدر المختار: کتاب الحدود، باب التعزیر، ج۴ ص۷۴

(۲) رد المحتار: کتاب الحدود، باب التعزیر، الفرق بین الحد والتعزیز، ج۴ ص۶۰

(۳) رد المحتار: کتاب الحدود، باب التعزیر، الفرق بین الحد والتعزیز، ج۴ ص۶۰

۴......حد کے جاری کرنے کا اختیار صرف خلیفۃ المسلمین یا اس کے نائب کو ہے، لیکن تعزیر کے لئے یہ قید نہیں ہے، بلکہ شوہر اپنی بیوی کی تعزیر کر سکتا ہے، اور اسی طرح آقا اپنے غلام کی، باپ اپنے بیٹے کی، اور استاد اپنے شاگرد کی تعزیر کا حق رکھتا ہے:

اَنَّ الْحَدَّ مُخْتَصٌّ بِالْاِمَامِ وَالتَّعْزِيرَ يَفْعَلُهُ الزَّوْجُ وَالْمَوْلٰى وَكُلُّ مَنْ رَاٰى اَحَدًا يُبَاشِرُ الْمَعْصِيَةَ. (۱)

۵......حد میں سفارش جائز نہیں، مگر تعزیر میں اس کی گنجائش ہے۔

تعزیر کی کوئی مخصوص صورت یا متعین مقدار قانون میں طے نہیں ہے جس کی خلاف ورزی جرم ہو، بلکہ اس سے منشاء یہ ہے کہ مجرم کی تنبیہ و تادیب ہو جائے اور وہ اس سے اذیت اور دکھ محسوس کرے، البتہ انتہائی اور زیادہ سے زیادہ کیا سزا ہونی چاہیے اس باب میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

مفتی بہ قول یہ ہے کہ انتالیس (۳۹) کوڑے سے زیادہ نہ ہو:

اَلتَّعْزِيرُ لَيْسَ فِيهِ تَقْدِيرٌ بَلْ هُوَ مُفَوَّضٌ إِلَى رَاْيِ الْقَاضِي ...لِاَنَّ الْمَقْصُودَ مِنْهُ الزَّجْرُ، وَاَحْوَالُ النَّاسِ فِيهِ مُخْتَلِفَةٌ. (۲)

تعزیر میں سزا متعین نہیں ہے بلکہ وہ قاضی کی صوابدید پر موقوف ہے، اس لئے کہ تعزیر کا مقصد زجر و توبیخ ہے، اور اس باب میں لوگوں کی حالتیں مختلف ہوتی ہیں۔

حد میں ہر جرم کی سزا متعین ہوتی ہے، اس کی خلاف ورزی ثابت نہیں، مجرمین مختلف مزاج اور طبیعت کے مالک ہوتے ہیں، کوئی نیک دل اور نرم خو ہوتا ہے، کوئی درشت مزاج اور سخت دل ہوتا ہے، کوئی جلد متاثر ہوتا ہے اور کوئی دیر سے، چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ شرفاء ذرا سی تلخ گفتگو سے جو اثر لیتے ہیں دوسرے سرکش مار پیٹ سے بھی وہ اثر قبول نہیں کرتے،

(۱) رد المحتار: کتاب الحدود، باب التعزیر، الفرق بین الحد والتعزیر، ج۴ ص ۶۰
(۲) الدر المختار: ج۴ ص ۶۲

اس لئے احکام اور قاضیوں کا فریضہ ہے کہ وہ تعزیر میں اس پر نظر رکھیں اور جس کے مناسب جو سزا ہو تجویز کریں، تاکہ سزا کا منشاء پورا ہو سکے، فقہاء نے لکھا ہے کہ سزا اشخاص کے حالات کے پیش نظر متعین ہونی چاہیے۔

تعزیر عہدِ نبوت میں

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد میں تعزیر کی بعض صورت اختیار فرمائی ہے، مثلاً غزوہ تبوک کے سلسلہ میں ان تین صحابیوں کا قصہ کتبِ احادیث میں بڑی تفصیل سے مذکور ہے جو اپنی سستی اور غفلت سے غزوہ تبوک میں شریک نہ ہو سکے تھے، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوہ سے واپس تشریف لائے، تو آپ نے ان تینوں حضرات سے گفتگو کی ممانعت فرما دی، اور جب تک ان کی توبہ قبول بارگاہ رب العلمین نہ ہوئی مقاطعہ جاری رہا۔

تعزیر عہدِ صحابہ میں

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنے دورِ خلافت میں ایک جھوٹے گواہ کی سزا کا یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ اس کے چہرے پر سیاہی ملی اور چوپائے پر الٹا سوار کر دیا، اس سزا میں غالباً حکمت یہ تھی کہ جس طرح اس نے صداقت کے چہرہ کو داغدار کیا ہے، اس کا چہرہ بھی داغدار ہو، اور لوگ دیکھیں کہ کا کیا حال ہوتا ہے، ساتھ ہی جھوٹ بولنے والا محسوس کرے کہ کسی چیز کو اس کی اصل ہیئت سے بدل دینے سے اس کا حلیہ کس طرح بگڑ جاتا ہے، خود اس کا چہرہ سیاہی لگانے سے پہلے کس قدر جاذب نظر تھا۔ اب کتنا مضحکہ خیز بن گیا، اسی طرح سواری پر سیدھا بیٹھنے سے کتنی زیبائش ہوتی ہے اور الٹا بٹھلانے میں کس طرح کی بے عزتی، سچ کو جھوٹ سے بدلنے میں یقیناً سچائی کو بھی انہیں مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ (۱)

(۱) السياسة الشرعية: القسم الأول، ص ۹۲

کن جرائم پر تعزیر ہوتی ہے؟

وہ جرائم جن پر تعزیر کی جاتی ہے ان کی متعدد قسمیں اور مختلف طریقے ہیں، حدود وقصاص اور کفارہ کے علاوہ گناہ اور جرم کی جتنی صورتیں پیش آتی ہیں سب پر تعزیر ہوتی ہے، مثلاً زنا کی سزا متعین ہے مگر کوئی زنا کا مرتکب نہ ہو صرف اجنبی عورت کا بوسہ لے، یا کسی امرد سے بغل گیر ہو، یا کوئی حرام چیز کھالے، جیسے مردار خون، یا کسی عورت سے اس طرح مباشرت پائی جائے کہ وہ زنا کے حدود میں داخل نہ ہو، یا کسی کو کوئی زنا کے سوا کسی اور چیز سے متہم کرے، یا کوئی ایسا مال چرائے جو محفوظ نہ ہو، دس درہم سے کم مالیت کی چیز چرائے، یا امانت میں خیانت کرے، معاملات میں فریب دے، ناپ تول میں کمی کرے، رعایا پر مظالم ڈھائے، جھوٹی گواہی دے، رشوت لے، کافرانہ رسم و رواج پر عمل کرے وغیرہ وغیرہ، تو ان تمام صورتوں میں تعزیر کی جائے گی۔

یہ سزا جرم کی نوعیت کے اعتبار سے خلیفۃ المسلمین یا قاضی یا حاکم تجویز کرے گا۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ایک شخص نے مہر بنوالی اور دھوکہ دے کر بیت المال سے ایک رقم نکلوالی، آپ کی خدمت میں جب یہ مقدمہ پیش ہوا تو آپ نے حکم دیا کہ اس کی پٹائی کی جائے، پہلے دن سو کوڑے لگائے گئے، دوسرے بھی سو ہی کوڑے مارے گئے، اور تیسرے دن بھی اس کی یہی سزا ہوئی۔ اسی طرح ایک روایت ہے کہ خلفاء راشدین کے زمانہ میں ایک مرد، عورت لحاف میں پائے گئے تو ان کو سو سو کوڑے لگائے گئے:

رُوِيَ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَجُلًا نَقَشَ عَلَى خَاتَمِهِ، وَاَخَذَ بِذٰلِكَ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ، فَاَمَرَ بِهِ فَضُرِبَ مِائَةَ ضَرْبَةٍ، ثُمَّ ضَرَبَهُ فِي الْيَوْمِ الثَّانِي مِائَةَ ضَرْبَةٍ، ثُمَّ ضَرَبَهُ فِي الْيَوْمِ الثَّالِثِ مِائَةَ ضَرْبَةٍ .وَرُوِيَ عَنِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ، فِي رَجُلٍ وَامْرَاَةٍ وُجِدَا

فِي لِحَافٍ: يُضْرَبَانِ مِائَةً. (۱)

گالی گلوچ کرنے کی سزا بھی تعزیر میں داخل ہے، مثلاً کوئی کسی کو برا بھلا کہہ دے، کافر کہہ کر خطاب کرے، خبیث کہے، چور یا بدکار کہہ کر پکارے، مخنث، خائن یا زندیق، دیوث جیسے الفاظ سے مخاطب کرے، مختصر یہ کہ وہ تمام صورتیں جن کا شمار گالیوں میں ہے، ایسا کوئی معاملہ کرے تو اس کی متعین سزا نہیں ہے قاضی کی صوابدید پر موقوف ہے۔

سزا جس طرح کوڑے لگانے، ڈانٹنے، پیٹنے اور جھڑکنے سے ہوتی ہے، اسی طرح سزا میں مجرم کو قید بھی کیا جا سکتا ہے بلکہ بعض صورتوں میں قتل تک کی اجازت ہے، مگر یہ سزا مجرم عادی کے لئے ہے جس سے اس فعل کا ارتکاب بار بار پایا جائے اور معمولی سزا سے باز نہ آئے، مگر اس سزا کی اجازت بطور سیاست ہے۔

مالی تعزیر

تعزیر میں مالی جرمانہ جائز نہیں ہے، صرف امام یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سلطان مالی جرمانہ بھی کر سکتا ہے، بقیہ ائمہ جواز کے قائل نہیں ہیں، چنانچہ فتویٰ بھی عدمِ جواز پر ہی ہے:

(قَوْلُهُ لَا بِأَخْذِ مَالٍ فِي الْمَذْهَبِ) قَالَ فِي الْفَتْحِ: وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ يَجُوزُ التَّعْزِيرُ لِلسُّلْطَانِ بِأَخْذِ الْمَالِ. وَعِنْدَهُمَا وَبَاقِي الْأَئِمَّةِ لَا يَجُوزُ. وَمِثْلُهُ فِي الْمِعْرَاجِ، وَظَاهِرُهُ أَنَّ ذَلِكَ رِوَايَةٌ ضَعِيفَةٌ عَنْ أَبِي يُوسُفَ. قَالَ فِي الشُّرُنْبُلَالِيَّةِ: وَلَا يُفْتَى بِهَذَا لِمَا فِيهِ مِنْ تَسْلِيطِ الظَّلَمَةِ عَلَى أَخْذِ مَالِ النَّاسِ فَيَأْكُلُونَهُ. (۲)

---

(۱) السياسة الشرعية: القسم الأول، المعاصي التي ليست لها حدود أو كفارة، ص ۹۲

(۲) رد المحتار: كتاب الحدود، باب التعزير، مطلب في التعزير بأخذ المال، ج۴ ص ۶۱

تعزیر کا حق

معصیت میں مبتلا ہونے کے وقت ہر مسلمان کو تعزیر کا حق ہے مگر یہ اس وقت جب کہ اس معصیت کا تعلق حق تعالیٰ سے ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت اس کو منکر کے ازالہ کی حیثیت حاصل ہوگی جس کا ہر مسلمان کو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذمہ دار قرار دیا ہے۔ ارشادِ نبوی ہے:

مَنْ رَاٰی مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ. (۱)

تم میں سے جو کوئی کسی خلافِ شریعت بات کو دیکھے اس کو چاہئے وہ اسے اپنی قوتِ بازو سے ختم کرے، اگر اس کی قدرت نہ ہو تو زبان سے روکے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو کم از کم دل میں بُرا سمجھے مگر یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔

بخلاف اس معصیت کے جس کا تعلق حقوق العباد سے ہے اس میں ہر ایک کو سزا کا اختیار حاصل نہیں ہوتا، جیسے قذف وغیرہ کہ اس میں دعویٰ کے بعد حاکم وقت ہی سزا دے سکتا ہے۔

لیکن اگر معصیت کر چکا ہے تو بعد میں حق تعالیٰ کے اندر بھی ہر ایک کو تعزیر کا حق حاصل نہیں ہے، بلکہ یہ مقدمہ بھی حکومت کے افراد ہی چکانے کا حق رکھتے ہیں، بات یہ ہے کہ گناہ میں انسان جس وقت مشغول ہوتا ہے اس وقت اس سے روکنا تعزیر کا درجہ رکھتا ہے، جس کا ہر ایک مسلمان کو حق دیا گیا ہے بلکہ حکم ہے، اور جب گناہ کر چکا تو اب تعزیر روکنے

---

(۱) صحیح مسلم: کتاب الإیمان، باب بیان کون النهی عن المنكر من الإیمان، ج۱ ص۶۹، رقم الحدیث: ۴۹

کے درجہ میں باقی نہیں رہتی، بلکہ یہ صرف تعزیر ہے جس کا حق صرف حکومت یا افرادِ حکومت کو حاصل ہے:

وَيُقِيمُهُ كُلُّ مُسْلِمٍ حَالَ مُبَاشَرَةِ الْمَعْصِيَةِ وَأَمَّا بَعْدَهُ لَيْسَ ذٰلِكَ لِغَيْرِ الْحَاكِمِ. (۱)

گناہ میں مبتلا ہونے کے وقت ہر مسلمان تعزیر کا حق رکھتا ہے، مگر کر چکنے کے بعد حاکم وقت کے سوا اور کسی کو اختیار نہیں ہے۔

یہ طے ہے کہ جو بھی کسی ناجائز چیز کا مرتکب ہوگا یا ناحق کسی مسلمان کی اذیت کے درپے ہو گا، خواہ زبان سے خواہ عمل سے اس کی سزا ہوگی، مگر قول میں یہ شرط ہے کہ ایسی بات کہے جس میں صدق وکذب دونوں کا احتمال ہو، محض جھوٹ ہی جھوٹ نہ ہو، جیسے کوئی کسی کو کہے، اے سود خور، اے شرابی یا اس طرح کے دوسرے الفاظ، تو اس وقت اس کی تعزیر واجب ہوگی، کیونکہ سننے والوں میں کوئی اسے صحیح اور سچ سمجھے گا اور کوئی اسے غلط اور جھوٹ۔ مگر کہنے والے کی سزا ہو جانے کے بعد سب پر یہ بات ظاہر ہو جائے گی کہ الزام ڈالنے والے کا الزام غلط تھا، اور اگر کوئی کسی کو "یا حمار" "یا کلب" جیسے الفاظ سے خطاب کرے تو اس کی تعزیر واجب نہیں، اس لئے کہ اس میں صدق کا سرے سے احتمال نہیں ہے، ہاں اس میں سننے والے کے لئے اذیت ضرور ہے اور یہ فعل بُرا بھی ہے۔ چنانچہ اگر بطورِ گالی یہ کہے گا تو قاعدہ کے اعتبار سے اس کی تعزیر ہونی چاہیے۔

تعزیر کے لئے صرف عاقل ہونا شرط ہے، جو سمجھدار بھی اس طرح کے کسی جرم کا ارتکاب کرے گا اس کی سزا ہوگی، خواہ وہ آزاد ہو یا غلام، مرد ہو یا عورت، مسلمان ہو یا کافر، بالغ ہو یا نابالغ، فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کسی عورت کو دھوکہ دے کر نکال لے جائے، تو اس کو

---

(۱) الدر المختار: کتاب الحدود، باب التعزیر، ج۴ ص۵۹

قید خانہ میں ڈال دیا جائے گا، اور اس وقت تک اسے قید میں رکھا جائے گا جب تک کہ وہ توبہ نہ کرلے، یا پھر اس کو موت نہ آجائے اس لئے کہ اس کا یہ فعل فساد فی الارض کے حکم میں ہے۔ (۱)

***

(۱) فتح القدیر: کتاب الحدود، فصل فی التعزیر، ج۵ ص۳۴۷، البحر الرائق: کتاب الحدود، فصل فی التعزیر، ج۵ ص۴۹،۵۰

اسلام کا نظامِ تربیت

تالیف

مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

(مرتبِ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، انڈیا)

ترتیبِ جدید، تبویب، تخریج و تحقیق

مولانا محمد نعمان صاحب

استاذ الحدیث جامعہ انوار العلوم، مہران ٹاؤن، کورنگی کراچی

۱۴

ادارۃ المعارف کراچی

اسلام کا نظامِ مساجد

تالیف

مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

(مرتبِ فتاویٰ دار العلوم دیوبند، انڈیا)

ترتیبِ جدید، تبویب، تخریج و تحقیق

مولانا محمد نعمان صاحب

استاذ الحدیث جامعہ انوار العلوم، مہران ٹاؤن، کورنگی کراچی

اِدارۃُ المعارف کراچی ۱۴

مؤلف کی کاوشوں پر ایک طائرانہ نظر



ناشر

ادارۃ المعارف کراچی
021-36123161,021-36032020,0300-2831960

مولانا محمد ظہور صاحب
0334-8414660,0313-1961422

مولانا محمد نعمان صاحب کے علمی وتحقیقی بیانات ودروس کے لئے اس وٹس ایپ نمبر پر رابطہ کریں: 03112645500